ترجمان القرآن

جلد سوم

ترجمان القرآن

از

مولانا ابو الکلام آزاد

جلد سوم

ساہتیہ اکادیمی

نئی دہلی

دیباچہ

از

مولانا ابو الکلام آزاد

[مولانا مرحوم کا یہ دیباچہ سابق اڈیشن کے لحاظ سے دوسری جلد میں طبع ہوا تھا جس کا آغاز سورۂ اعراف سے تھا ۔ لیکن موجودہ اڈیشن کے لحاظ سے تیسری جلد سورۂ اعراف سے شروع ہوتی ہے ۔ م] ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہ

"ترجمان القرآن" کی دوسری جلد شائع کرتے ہوئے ضروری ہے کہ چند امور کی طرف اشارہ کر دیا جائے ۔

۱ ۔ ترجمان القرآن کی ترتیب سے مقصود یہ تھا کہ قرآن کے عام مطالعہ و تعلیم کے لیے ایک درمیانی ضخامت کی کتاب مہیا ہو جائے ، مجرد ترجمے سے وضاحت میں زیادہ ، مطول تفاسیر سے مقدار میں کم ۔ چنانچہ اس غرض سے

TARJUMAN-UL-QUR'AN, Vol. III
Urdu translation of the *Holy Qurān*, with commentary and annotations by the late Maulana Abul Kalam Azad, published by the Sahitya Akademi as part of a commemorative edition of Maulana Abul Kalam Azad's collected works in Urdu. Sahitya Akademi, New Delhi, Price Rs. 22/-, 1968.

ترجمان القرآن جلد سوم یہ کلام پاک کا اردو ترجمہ مع تفسیر و تشریح از مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم۔ یہ تیسرا اڈیشن ہے اور مولانا کی جملہ اردو تصانیف کا پہلا حصہ ہے جسے بیادگار مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم ساہتیہ اکادیمی شائع کر رہی ہے۔ (ساہتیہ اکادیمی، نئی دلی۔ قیمت ۲۲ روپے مطبوعہ ۱۹۶۸ء)

ساہتیہ اکادیمی، نئی دلی

پہلی بار سنہ ۱۹۶۸ء

قیمت ۲۲ روپے

ساہتیہ اکادیمی، رابندرا بھون، نئی دلی

مطبع دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد، آندھرا پردیش
میں طبع کراکے شائع کیا

بہر حال صورت حال کے تقاضے سے مؤلف اغماض نہ کر سکا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کتاب کے وضع و اسلوب میں ایک نمایاں تبدیلی کر دینی پڑی اور اب کتاب کی نوعیت محض ترجمہ اور نوٹوں ہی کی نہیں رہی ہے، جیسی کہ پہلی جلد کی رہ چکی ہے، بلکہ تفسیری مباحث و تفصیلات کا بھی معتدبہ حصہ شامل ہو گیا ہے۔ بلا شبہ اس کی تفصیلات "البیان" کی تفصیلات تک نہیں پہنچتیں اور پہنچنا بھی نہیں چاہیے۔ تاہم جہاں تک مہمات مطالب کا تعلق ہے تقریباً تمام مقامات بحث میں آ گئے ہیں اور ارباب نظر کے لیے کفایت کرتے ہیں۔

۲ ـ اس غرض سے جو طریقہ اب اختیار کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہے:

پہلے کوشش کی ہے کہ سورۃ کا کوئی حل طلب مقام بغیر اشارہ و تشریح کے نہ رہ جائے اور نوٹوں کی ترتیب میں نہ تو مقدار کے لحاظ سے کمی رہے نہ تعداد کے لحاظ سے۔ چنانچہ پہلی جلد کے مقابلے میں نوٹوں کی مقدار کم از کم ڈیوڑھی ہو گئی ہے اور تعداد تو اکثر حالتوں میں دوگنی سے کم نہیں۔

پھر جب سورۃ ختم ہو گئی تو سورۃ کے تمام اہم مقامات پر از سر نو نظر ڈالی گئی اور جن جن مقامات کے لیے تفصیلی بحث ضروری محسوس ہوئی، ان پر مستقل مباحث

یہ اسلوب اختیار کیا گیا کہ پہلے ترجمہ میں زیادہ سے زیادہ وضاحت کی کوشش کی جائے۔ پھر جا بجا نوٹ بڑھا دیے جائیں۔ اس سے زیادہ بحث و تفصیل کو دخل نہ دیا جائے۔ باقی رہا اصولی اور تفسیری مباحث کا معاملہ تو اس کے لیے دو الگ کتابیں "مقدمہ" اور "البیان" زیر ترتیب ہیں۔

لیکن پہلی جلد کی اشاعت کے بعد مؤلف نے محسوس کیا کہ تقسیم کار کی یہ ترتیب پیش نظر مقصد کے لیے کتنی ہی ضروری ہو، مگر ارباب نظر کا جوش طلب اس پر رضا مند نہیں ہو سکتا۔ قدرتی طور پر ان کی لب تشنگی اس سے زیادہ سیرابی کا سامان ڈھونڈھتی ہے اور "مقدمہ" اور "البیان" کے وعدے پر صبر نہیں کر سکتی۔ وہ مضطرب ہیں کہ کل کا دور لب ریز ہو یا نہ ہو، مگر آج کا جام کیوں خالی رہ گیا ہے؟

مشاطہ را بگو کہ بر اسباب حسن یار
چیزے فزوں کند کہ تماشا بما رسد

مطالب کی وسعت اور دائرۂ بیان کی تنگ نائی خود مؤلف کے اضطراب بیان کے لیے بھی سخت شکیب آزما تھی، مگر کیا کیجیے نظم و تقسیم کار کا تقاضا ناگزیر تھا، اس لیے قدم قدم پر عنان قلم کھینچنی ہی پڑتی تھی:

فرصتِ دیدن گل آہ بسیار کم است
و آرزوے دل مرغانِ چمن بسیار است

سورۂ یونس میں پینتالیس نوٹ ہیں ۔ پھر بھی آخر میں دس صفحوں کے مباحث اور بڑھانے پڑے ۔ سورۂ ھود کے آخر میں ایک مستقل مقالہ اس اصولی مبحث پر درج کیا گیا ھے کہ قصص قرآنی کے مبادی و مقاصد کیا کیا ھیں اور کیوں قرآن انھیں دلائل و براھین کی حیثیت سے پیش کرتا ھے ۔

سورۂ یوسف میں جا بجا مشرح نوٹ لکھے گئے ھیں ۔ پھر آخر میں بیس صفحوں کا ایک مقالہ بڑھایا گیا ھے، تاکہ سورۃ کے مواعظ و بصائر پر ایک مجموعی نظر پڑ جائے ۔ سورۃ کے تفسیری مباحث تفصیل طلب تھے اور بہت زیادہ تھے، اس لیے انھیں نظر انداز کرنا پڑا ۔ البتہ مواعظ و حکم کے تمام اھم پہلو پوری طرح واضح ھو گئے ھیں

سورۂ کہف کے آخر میں اڑتیس صفحوں کے مقالات بڑھائے گئے ھیں، کیوں کہ متعدد تاریخی سوالات حل طلب تھے اور بغیر شرح و اطناب کے واضح نہیں ھو سکتے تھے ۔ البتہ سورۃ کا ایک واقعہ تفصیلی بحث سے رہ گیا، یعنی صاحب موسیٰ علیہ السلام کے اعمال ثلاثہ اور ان کے نتائج و حکم ۔ اگر تفصیلی بحث کی جاتی تو مقالات کی مقدار بہت زیادہ بڑھ جاتی ۔ تاھم نوٹ میں جس قدر اشارات کر دیے گئے ھیں اھل نظر کے لیے کفایت کرتے ھیں ۔

بقیہ سورتوں کے ترجمہ و تشریح میں بھی ایسا ھی

و مقالات لکھ کر آخر میں بڑھائے گئے۔ ان مباحث نے بعض سورتوں میں اس قدر طول کھینچا کہ بہت دور تک پھیلتے چلے گئے۔ پھر بھی بتکلف اختصار کی کوشش نہیں کی گئی اور مبحث نے جس قدر پھیلنا چاہا پھیلتا گیا مباحث و مقالات کا خط وہی رکھا گیا ہے جو نوٹوں کے خفی قلم کا خط ہے، اور مسطر ۲۵ کی جگہ ۳۰ سطری اختیار کیا گیا ہے۔ پس اگر ان کی مقدار کا اندازہ متن کے قلم اور مسطر کے لحاظ سے کیا جائے تو تقریباً دوگنے کا فرق تسلیم کرنا پڑے گا۔ یعنی اگر یہ نوٹ اور مقالات کسی کتاب کی شکل میں علٰحدہ شائع ہوتے اور متن کا قلم اور مسطر اختیار کیا جاتا تو اس سے دوگنی جگہ لیتے جتنی جگہ میں یہاں آگئے ہیں۔ مثلاً سورۂ توبہ کے آخر میں چھبیس صفحوں کے مباحث ہیں۔ انہیں عام کتابی شکل میں باون صفحات کا مواد تصور کرنا چاہیے۔ سورۂ کہف کے آخر میں اڑتیس صفحات بڑھائے گئے ہیں۔ یہ اس صورت میں کم از کم ستر صفحات تک پہنچ جاتے۔

سورۂ اعراف میں چالیس نوٹ ہیں اور انفال میں بیالیس۔ سورۂ توبہ میں پہلے بائیس نوٹ اتنے مشرح آئے ہیں کہ بعض دو دو تین تین صفحوں تک مسلسل چلے گئے ہیں۔ پھر آخر میں چھبیس صفحوں کے مفصل مباحث کا مزید اضافہ کیا گیا ہے۔

موقع پیدا کر لینا کچھ دشوار نہ تھا. چنانچہ اس طرح کے تمام مواقع پیش نظر رہے اور پہلی جلد کی پانچ سورتوں کی اکثر مہمات اس جلد کی سورتوں کے مباحث میں آ گئیں. البتہ بعض مباحث باقی رہ گئے ہیں، مثلاً قصۂ آدم، خروج بنی اسرائیل. حقوق نسواں، تقسیم میراث وغیرھا تو وہ تیسری جلد کی سورتوں کے مباحث میں خود بخود آجائیں گے اور اس طرح ابتدائی سورتوں کی تشریحات بھی پوری طرح مکمل ہو جائیں گی

۳ - اس طرح "ترجمان القرآن" کا مواد دو جلدوں کی جگہ اب تین جلدوں میں منقسم ہو گیا ہے. یہ جلد سورۂ مؤمنون پر ختم ہوئی ہے، تیسری جلد سورۂ نور سے شروع ہو گی اور آخری سورۃ یعنی "الناس" پر ختم ہو جائے گی. اس کی ضخامت غالباً سات سو صفحوں تک پہنچ جائے. چوں کہ آخر میں کئی قسموں کی عام فہرستوں کا اضافہ کیا جا رہا ہے، اس لیے سو صفحے اور بڑھا دینے چاہییں.

٤ - ہر کتاب میں اس کی خصوصیات کا ایك خاص محل ہوتا ہے. اگر اس محل پر نظر رہے تو کتاب کی تمام خصوصیات پر نظر رہی. اس سے ہٹ جائے تو گویا پوری کتاب سے ہٹ گئی. "ترجمان القرآن" کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اس کی تمام خصوصیات کا

اسلوب ملحوظ رہا ہے.

بلا شبہ یہ تفصیلات ان حدود سے متجاوز ہو گئیں جو "ترجمان القرآن" کے لیے قرار دی گئی تھیں، لیکن اگر "البیان" کی تفصیلات سامنے لائی جائیں تو یہ تفصیلات بھی اجمال و تلخیص سے زیادہ نہ ہوں گی۔ یہاں سورۂ یوسف کا مقالہ بیس صفحوں میں سما گیا ہے اور "البیان" کے مسودہ کا مواد اگر چالیس صفحوں میں بھی سما جائے تو سمجھنا چاہیے بہت کم جگہ میں آ گیا۔ سب سے زیادہ تفصیل سورۂ کہف کے مقالات میں ہوئی ہے۔ لیکن جو مباحث یہاں اڑتیس صفحوں میں سمیٹ دیے گئے ہیں ان کے لیے البیان کے ساٹھ ستر صفحوں کی وسعت بھی بمشکل کفایت کرے گی:

همان عشق است برخود بسته چندیں داستاں ورنه
کسے بر معنیٔ یك حرف صد دفتر نمی سازد

مباحث و تفصیلات کا اضافہ کرتے ہوئے ایك اور پہلو بھی پیش نظر رہا۔ پہلی جلد کی سورتوں میں یہ طریقہ ملحوظ نہیں رہا ہے، اس لیے ان کے جو مقامات بحث و نظر سے رہ گئے ہیں ضروری تھا کہ ان کے لیے بھی کوئی صورت پیدا کی جاتی، تاکہ یہ اڈیشن اپنی نوعیت میں ناقص نہ رہ جائے۔ چوں کہ مطالب قرآنی کی بڑی تعداد ایسی ہے جو بار بار دہرائی گئی ہے، اس لیے ان مقامات کی تشریح کے لیے مناسب

مقالہ بن جاتا۔

بہر حال ضروری ہے کہ مطالعہ کے وقت یہ حقیقت پیش نظر رہے۔ جس قدر غور و تدبر سے ترجمے کا مطالعہ کیا جائے گا اسی قدر قرآن حکیم کے حقائق اپنی اصلی طلعت و رعنائی میں بے نقاب ہوتے جائیں گے۔

۵ - ترجمے کے بعد کتاب کا دوسرا محل تدبر نوٹ ہیں۔

یہ نوٹ عبارت میں مطول نہیں ہوسکتے تھے اور مطول نہیں ہیں، لیکن معانی و اشارات میں مفصل ہوسکتے تھے اور پوری طرح مفصل ہیں۔ اور اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ ان کی ہر سطر تفسیر کا ایک پورا صفحہ، بلکہ بعض حالتوں میں ایک پورے مقالے کی قائم مقام ہے۔ اکثر مقامات میں ایسا ہوا ہے کہ معارف و مباحث کا ایک پورا دفتر دماغ میں پھیل رہا تھا، مگر نوک قلم پر پہنچا تو ایک سطر یا ایک جملہ بن کر رہ گیا۔ اب کتاب کے صفحے پر وہ ایک جملہ ہی رہے گا، لیکن اہل نظر چاہیں تو اپنے ذہن و فکر میں پھر اسے ایک دفتر کی صورت دے کر پھیلا دے سکتے ہیں:

آن کس است اہل بصارت کہ اشارت داند
نکتہ ہا ہست بسے محرم اسرار کجاست

پس ضروری ہے کہ نوٹوں کا مطالعہ ایک ہی مرتبہ نہیں، بلکہ بار بار کیا جائے۔ جوں جوں فکر آشنا ہوتا

اصلی محل اس کا ترجمہ اور ترجمہ کا اسلوب ہے۔ اگر اس پر نظر رہے گی تو پوری کتاب پر نظر رہے گی۔ وہ اوجھل ہو گی تو پوری کتاب نظر سے اوجھل ہو گئی۔

قرآن کے مقاصد و مطالب کے باب میں جس قدر کاوش کی گئی ہے، راہ کو مشکلات سے جس قدر صاف کیا گیا ہے، قرآن کے علوم و معارف کے جس قدر اصول و مبادیات از سرنو مدون کیے گئے ہیں وہ سب کے سب صرف اسی محل میں ڈھونڈھے جا سکتے ہیں اور یہی جریدہ ہے جس میں کتاب کی تمام خصوصیات مدون ہیں۔ اگر اہل نظر غور و تدبر سے مطالعہ کریں گے تو فوراً محسوس کر لیں گے کہ نہ صرف ترجمے کا ہر صفحہ، بلکہ ہر صفحے کے متعدد مقام کسی نہ کسی خصوصیت کو نمایاں کر رہے ہیں اور اکثر حالتوں میں ترجمے کے صرف ایک لفظ یا کسی ایک ترکیب نے معاملہ کی بے شمار مشکلیں حل کر دی ہیں۔ اگر ترجمے کے ساتھ ایسے حواشی بڑھائے جاتے جن میں ہر مقام کی خصوصیتیں واضح کی جاتیں اور کھول کھول کر بتلایا جاتا کہ پہلے معاملے کی نوعیت کیا تھی اور اب کیا سے کیا ہو گئی ہے تو یقیناً یہ حواشی اپنی مقدار میں ایک پوری کتاب بن جاتے، کیوں کہ ترجمے کی ہر چوتھی پانچویں سطر ایک نئے حاشیے کا تقاضا کرتی اور ہر حاشیہ تفسیری مباحث کا ایک

اور نہ راہ کی مشکلات کی اسے کچھ خبر ہے۔ ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ معاملے کی علمی نوعیت کا نہ تو پہلا گروہ اندازہ شناس ہو سکتا ہے نہ دوسرا اور بد قسمتی سے تیسرا گروہ مفقود ہے:

یا رب بکجاست محرم رازے کہ یک زمان
دل شرح آن دہد کہ چہ دید و چہا شنید

کام کی علمی نوعیت کا اندازہ اس طرح کیا جا سکتا تھا کہ قرآن کے جس قدر اردو فارسی ترجمے موجود ہیں سب سامنے رکھ لیے جائیں، نیز قدیم تفاسیر میں سے بھی چند مقبول و مستند تفسیریں اٹھا لی جائیں، یا کم از کم ''تفسیر کبیر'' ہی منتخب کر لی جائے کہ تفسیری مباحث میں متأخرین کا منتہائے نظر و کاوش وہی ہے۔ پھر کم از کم کسی ایک سورۃ کا ترجمہ ''ترجمان القرآن'' میں نکال کر ایک ایک آیت کے ترجمے و شرح کا ان سب سے مقابلہ کیا جائے اور پوری دقیقہ سنجی کے ساتھ دیکھا جائے کہ کون سی بات وہاں کس شکل و نوعیت میں آئی ہے اور یہاں اس نے کون سی شکل و نوعیت اختیار کر لی ہے اور پھر اس اختلاف نظر نے مقاصد و مطالب قرآنی کا معاملہ کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایسے اہل نظر کہاں سے آئیں؟ اور اگر کوئی ہو بھی تو اتنی زحمت کیوں برداشت کرنے لگا؟ بہر حال زمانہ اس کام کا

جائے گا، مطالب و دقائق کے نئے نئے پہلو آشکارا ہوتے جائیں گے ۔

۶ ۔ یہ مشکل ہے کہ کتاب کی علمی حیثیت کا عام طور پر اندازہ کیا جا سکے ۔ اس لیے جو چیز پیش نظر ہے وہ اس کے مطالعے کے نتائج ہیں ، اس کی حیثیت کا اعتراف نہیں ۔

بڑی دقت یہ پیش آ گئی ہے کہ ترجمان القرآن تفسیری مباحث کے رد و کد میں نہیں پڑتا ۔ صرف یہ کرتا ہے کہ اپنے پیش نظر اصول و قواعد کے ماتحت قرآن کے تمام مطالب ایک مرتب و منظم شکل میں پیش کر دے ۔ اگر وہ جا بجا یہ بات نمایاں کرتا جاتا کہ معاملے کے الجھاؤ کیا کیا تھے اور اب کس طرح حقیقت گم گشتہ کا سراغ لگایا گیا ہے تو ممکن ہے اہل نظر اس باب میں کوئی رائے قائم کر سکتے ۔ لیکن اگر ایسا کیا جاتا تو کتاب کی اصلی حیثیت مفقود ہو جاتی ، اس لیے قصداً اس سے احتراز کیا گیا ۔ نتیجہ یہ ہے کہ لوگ پڑھتے ہیں اور پسند کرتے ہیں ، لیکن کام کی نوعیت و حیثیت کا اندازہ نہیں لگا سکتے ۔

ملک میں آج دو ہی گروہ موجود ہیں : علماء اور جدید تعلیم یافتہ ۔ پہلا گروہ قدیم راہوں سے آشنا ہے ، لیکن نظر و تدبر کے نئے تقاضوں سے آشنا نہیں ۔ دوسرا گروہ نئے تقاضوں کی تشنگی رکھتا ہے ، لیکن قدیم راہوں سے آشنا نہیں

نظر سے ابھی اصل کتاب نہیں گزری تھی ، صرف سورۂ بقرہ کی فہرست کا پروف پڑھ کر سورۂ بقرہ کی پوری تفسیر پر ایک جامع و مانع تقریر سنا دی . اب وہی اسلوب ترتیب اس جلد کی فہرست میں بھی قصداً ملحوظ رکھا گیا ھے اور امید ھے کہ اھل ذوق کے لیے مزید علم و بصیرت کا موجب ھوگا .

تیسری جلد کے آخر میں ایک عام اور ابجدی فہرست بھی بڑھائی جائے گی جو مختلف جہتوں سے مطالب قرآنی کا تجزیہ و تحلیل کرتے ھوے ھر نوع و قسم کو الگ الگ کرکے نمایاں کر دے گی اور ان شاء اللہ اپنی نوعیت میں نہایت نافع اور جامع ثابت ھو گی : " فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئك الذین ھدٰھم اللہ و اولئك ھم اولوا الالباب " (۳۹ : ۱۸) .

ابو الکلام

موتی نگر ، کانگریس کیمپ - لکھنؤ .

۱۳ اپریل سنہ ۱۹۳۶ ء

اندازہ شناس ہو یا نہ ہو، مگر مؤلف نے زمانے کی حالت کا پوری طرح اندازہ کر لیا ہے اور اول دن سے اس پر قانع ہے. جو کچھ طلب ہے استفادہ و عمل کی ہے، اعتراف و تحسین کی نہیں:

از رد و ہم قبول تو فارغ نشستہ ایم
اے آں کہ خوب ما نشناسی ز زشت ما

۷ - کتاب کے ساتھ ہر سورۃ کے مطالب کی جو فہرست دی گئی ہے وہ صرف فہرست ہی نہیں ہے، بلکہ بجائے خود نظر و مطالعے کی ایک چیز ہے. اگر ایک صاحب نظر پوری کتاب نظر انداز کر دے اور صرف اس فہرست پر قناعت کر لے جب بھی قرآن کے مقاصد و مطالب پر اتنا عبور حاصل کر لے گا جو شاید دوسری صورتوں میں حاصل نہ کیا جا سکے. یہ گویا بجائے خود ایک مجمل تفسیر ہے. یہ ہر سورۃ کے مطالب و دقائق کو پوری ترتیب و تعلیل کے بعد بیک نظر واضح و آشکارا کر دیتی ہے.

پہلی جلد کی فہرست جب میں نے مرتب کرنی چاہی تو اس سے زیادہ کوئی بات پیش نظر نہ تھی کہ ایک فہرست مرتب ہو جائے. لیکن قلم نے بلا قصد اسلوب نگارش کا ایک ایسا رخ اختیار کر لیا کہ ترتیب کے بعد دیکھا تو معاملہ کچھ سے کچھ ہو گیا تھا. حتی کہ ایک دوست عزیز نے جن کی

فهرست

ترجمان القرآن جلد سوم

الاعراف - ۱ تا ۱۵۵

الانفال - ۱۵٦ تا ۲۲٦

التوبة - ۲۲۷ تا ٤۷٤

یونس ۴۷۵ تا ۵۹۶

ھود - ۵۹۷ تا ۷۲۰

فهرست

یوسف - ۷۲۱ تا ۸۸۳

✡ ✡ ✡ ✡ ✡

الاعراف - ٧

مکی، ٢٠٦ آیتیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الٓمّٓصٓ ۚ ١ کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِىْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۚ ٢

الف، لام، میم، صاد ١.

(اے پیغمبر!) یہ کتاب ہے جو تم پر نازل کی گئی، اس لیے کہ اس کے ذریعے لوگوں کو (انکار و بدعملی کی پاداش سے) خبردار و ہشیار کر دو اور اس لیے کہ ایمان رکھنے والوں کے لیے بیداری و نصیحت ہو۔ پس دیکھو! ایسا نہ ہو کہ اس بارے میں کسی طرح کی دل تنگی تمہارے اندر راہ پائے ٢.

---

٢ - ہدایت وحی کا مقصد ''تذکیر'' اور ''تنذیر'' ہے۔ ''تذکیر'' یعنی پند و موعظت کے ذریعے بیدار کرنا۔ =

که لوگ راتوں کو بے خبر سو رہے تھے ، یا دوپہر کے وقت استراحت میں تھے کہ اچانك عذاب کی سختی نمودار ہوگئی ٤ .

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ — پھر جب عذاب کی سختی نمودار

بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا — ہوئی تو (انکار و شرارت کا

اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝٥ — سارا دم خم جاتا رہا) اس وقت

ان کی پکار اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ ” بلا شبہ ہم مجرم تھے “ ٥ .

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ — تو (دیکھو!) یقیناً ہم ان لوگوں

اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ — سے باز پرس کریں گے جن کی

الْمُرْسَلِيْنَ ۝ لا ٦ — طرف پیغمبر بھیجے گئے (کہ

انھوں نے پیغمبروں کی دعوت پر کان دھرا یا نہیں) اور یقیناً پیغمبروں سے بھی باز پرس ہوگی (کہ انھوں نے فرض رسالت ادا کیا یا نہیں) ٦ .

---

٤ و ٥ - مشرکین عرب کو تنبیہ .
جن جماعتوں نے دعوت حق کا مقابلہ کیا وہ پاداش عمل میں ہلاك ہوگئیں ، کیوں کہ انکار و سرکشی کا نتیجہ ہلاکت و بربادی ہے .

٦ - قوموں سے پرسش ہوگی کہ انھوں نے پیغمبروں کی =

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳

(لوگو!) جو کچھ تمہارے پروردگار کی جانب سے تم پر نازل ہوا ہے اس کی پیروی کرو (۱) اور اس کے سوا (اپنے ٹھہرائے ہوئے دوسرے) مددگاروں کے پیچھے نہ چلو. (افسوس تم پر!) بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ تم نصیحت پذیر ہو ۳.

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ۝۴

اور (دیکھو!) کتنی ہی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے (پاداش عمل میں) ہلاک کر دیا. چنانچہ ایسا ہوا

= ”تمدیر“ یعنی انکار و بد عملی کے نتائج سے خبردار کرنا.

۳- پیروان دعوت کو موعظت کہ دعوت حق کا معاملہ بڑے ہی عزم و ثبات اور صبر و استقلال کا معاملہ ہے اور خواہ کتنی ہی مشکلیں پیش آئیں، لیکن بالآخر حق کی فتح ممدی اٹل ہے. پس چاہیے کہ مشکلات کار سے دل تنگ و افسردہ خاطر نہوں.

کے ساتھ نا انصافی کرتے تھے ۹ ۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ اور (دیکھو!) ہم نے تمہیں

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا (یعنی نوع انسانی کو) زمیں میں

مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا (قدرت و اختیار کے ساتھ) بسا دیا

ا
ع
۸
مَّا تَشْكُرُوْنَ ع ۱۰ اور زندگی کے سر و سامان مہیا

کر دیے، مگر بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ شکر گزار ہو ۱۰ ۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ اور (دیکھو! یہ ہماری ہی

صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا کارفرمائی ہے کہ) ہم نے تمہیں

---

۸ و ۹ ۔ قانون الٰہی یہ ہے کہ ہر فرد اور جماعت کو ویسے ہی نتائج ملیں گے جیسے کچھ اس کے اعمال ہوں گے۔ کامیاب انسان وہ ہوگا جس کی بھلائیاں برائیوں سے زیادہ ہوں گی۔ نامراد وہ ہوگا جس کی برائیوں کے وزن سے بھلائیاں دب جائیں گی۔ دنیا میں اشیاء کے موازنے کے لیے ترازو کام دیا کرتا ہے۔ اسی طرح اعمال کے موازنے کے لیے بھی قدرت نے (٤) ایک تول مقرر کر دیا ہے جس کے موازنے میں کبھی غلطی نہیں ہو سکتی۔

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝ ۷

اور پھر یقینا ایسا ہو گا کہ (ان کے کاموں کی سرگذشت) ہم اپنے علم سے انھیں سنادیں گے (۳) اور ہم کسی وقت بھی غائب نہ تھے ۷ ۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ﹰالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ۸

اور اس دن (اعمال کا) تولا برحق ہے۔ پھر جس کسی (کی نیکیوں کا) پلا بھاری نکلا تو کام یابی اسی کے لیے ہوئی ۸ ۔

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝ ۹

اور جس کسی کا پلا ہلکا ہو گا تو یہ وہ لوگ ہوں گے جنھوں نے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کیا، کیوں کہ وہ ہماری آیتوں

= دعوت پر کان دھرا یا نہیں اور پیغمبر بھی اس کے لیے جواب دہ ہیں کہ انھوں نے (۲) تبلیغ رسالت کا فریضہ ادا کیا یا نہیں ۔

فِیهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِیْنَ ۝ ۱۳

سر کشی کرے۔ یہاں سے نکل، دور ہو، اب تو ان میں سے ہوا جو ذلیل و خوار ہیں ۱۳ ۔

قَالَ اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝ ۱۴

ابلیس نے کہا: مجھے اس وقت تک کے لیے مہلت دے جب لوگ (مرنے کے بعد) اٹھائے جائیں گے ۱۴ ۔

قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ۝ ۱۵

فرمایا: تجھے مہلت ہے ۱۵ ۔

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ ۱۶

اس پر ابلیس نے کہا: چوں کہ تو نے مجھ پر راہ بند کر دی تو اب بھی ایسا ضرور کروں گا کہ تیری سیدھی راہ سے بھٹکانے کے لیے بنی آدم کی تاک میں بیٹھوں ۱۶ ۔

ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَیْمَانِهِمْ وَ عَنْ

پھر سامنے سے، پیچھے سے، دھنے سے، بائیں سے (غرض کہ ہر طرف سے) ان پر آؤں

لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ ۱۱

پیدا کیا (یعنی تمہارا وجود پیدا کیا) پھر تمہاری (یعنی نوع انسانی کی) شکل و صورت بنا دی، پھر (وہ وقت آیا کہ) فرشتوں کو حکم دیا "آدم کے آگے جھک جاؤ". اس پر سب جھک گئے، مگر ابلیس کہ جھکنے والوں میں سے نہ تھا ۱۱ .

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ ۱۲

خدا نے فرمایا: کس بات نے تجھے جھکنے سے روکا جب کہ میں نے حکم دیا تھا؟ کہا: اس بات نے کہ میں آدم سے بہتر ہوں. تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا، اسے مٹی سے ۱۲ .

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ

فرمایا: جنت سے نکل جا. تیری یہ ہستی نہیں کہ یہاں رہ کر

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۲۰

لیکن پھر ایسا ہوا کہ شیطان نے ان دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا، تا کہ ان کے ستر جو ان سے چھپے تھے ان پر کھول دے۔ اس نے کہا "تمہارے پروردگار نے اس درخت سے جو تمہیں روکا ہے تو صرف اس لیے کہ کہیں ایسا نہ ہو تم فرشتے بن جاؤ یا دائمی زندگی تمہیں حاصل ہو جائے" ۲۰۔

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۲۱

اس نے قسمیں کھا کھا کر یقین دلایا کہ میں تم دونوں کو خیر خواہی سے نیک بات سمجھانے والا ہوں ۲۱۔

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا

غرض کہ شیطان (اس طرح کی باتیں سنا سنا کر بالآخر) انھیں

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ ۚ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۞۱۷

اور تو ان میں سے اکثروں کو شکر گزار نہ پائے گا ۱۷ ۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۚ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۞۱۸

خدا نے فرمایا: یہاں سے نکل جا، ذلیل اور ٹھکرایا ہوا۔ بنی آدم میں سے جو کوئی تیری پیروی کرے گا تو (وہ تیرا ساتھی ہوگا اور) میں البتہ ایسا کروں گا کہ (پاداش عمل میں) تم سب سے جہنم بھر دوں ۱۸ ۔

وَيٰاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۞۱۹

اے آدم! تو اور تیری بیوی دونوں جنت میں رہو سہو اور جس جگہ سے جو چیز پسند آئے شوق سے کھاؤ، مگر (دیکھو! وہ جو ایک درخت ہے تو) اس درخت کے قریب بھی نہ جانا۔ اگر گئے تو یاد رکھو! تم زیادتی کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے ۱۹ ۔

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ — فرمایا: یہاں سے نکل جاؤ. تم ایک
لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي — دوسرے کے دشمن ہو. اب
الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ — تمہارے لیے زمین میں ٹھکانا ہے
اِلٰى حِيْنٍ ۝ ۲۴ — اور یہ کہ ایک خاص وقت تک
وہاں سر و سامان زندگی سے فائدہ اٹھاؤ گے ۲۴.

قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا — (اور) فرمایا: تم اسی میں
ع ۳ ۹ تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ۝ ع ۲۵ — جیو گے، اسی میں مرو گے،
پھر اسی سے (مرنے کے بعد) نکالے جاؤ گے ۲۵.

---

۱۱ تا ۲۵ - نسل انسانی کی سعادت و شقاوت کی ابتدائی سرگذشت اور ہدایت وحی کی ابتداء.

(ا) پہلے انسان کے وجود کی تخلیق ہوئی. (۵) پھر وہ زمانہ آیا کہ اس کی صورت بنی، پھر وہ وقت آیا کہ آدم کا ظہور ہوا اور اس نے وہ مقام حاصل کر لیا کہ ملائکہ کو حکم ہوا "اس کے آگے سر بسجود ہو جاؤ".

(ب) ملائکہ نے تعمیل کی، لیکن ابلیس نے انکار و سرکشی کی راہ اختیار کی. =

سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۚ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ ۲۲

قریب میں لے آیا. پھر جونہیں ایسا ہوا کہ انہوں نے درخت کا پھل چکھا، ان کے ستر ان پر کھل گئے اور (جب انہیں اپنی برہنگی دیکھ کر شرم محسوس ہوئی تو) باغ کے پتے اوپر تلے رکھ کر اپنے جسم پر چپکانے لگے. اس وقت ان کے پروردگار نے پکارا "کیا میں نے تمہیں اس درخت سے نہیں روک دیا تھا اور کیا میں نے نہیں کہہ دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے" ۲۲.

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتہ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ۲۳

انہوں نے عرض کیا: خدایا! ہم نے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کیا. اگر تو نے ہمارا قصور نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہمارے لیے بربادی کے سوا کچھ نہیں ۲۳.

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا	اے اولاد آدم! ہم نے تمہارے
عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ	لیے ایسا لباس مہیا کر دیا جو
سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ	جسم کی ستر پوشی کرتا ہے
التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ	اور ایسی چیزیں بھی جو زیب
ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ	و زینت کا ذریعہ ہیں۔ پر تمہیں
يَذَّكَّرُوْنَ ۝ ۲۶	پرہیزگاری کی راہ دکھا دی

= وسائل دہن و ادراک سے کوئی یقینی روشنی اس بارے میں حاصل نہیں کر سکتے اور اس لیے ضروری ہے کہ کتاب الٰہی نے جو کچھ بیان کیا ہے اس پر ایمان لائیں۔

آدم کی سرگذشت کی تاریخ تورات ہی سے شروع نہیں ہوتی، بلکہ آثار قدیمہ کے انکشافات نے اسے بہت قدیم عہد تک پہنچا دیا ہے۔ کم سے کم یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ تورات سے کئی ہزار سال پہلے بابل اور مصر میں کسی ایسے واقعے کا اعتقاد عام تھا۔ چنانچہ کالڈیا (Chaldaea) کی اینٹوں پر اس کے نقوش ملے ہیں، اوزیرس (Osiris) کے معبد میں اس کی تصاویر نمایاں ہیں اور ہیروغلیفی (Hieroglyphic) نقوش بھی اس کے اشاروں سے خالی نہیں۔

=(ج) آدم سے بھی لغزش ہوئی، لیکن اس نے سرکشی نہیں کی، عجز و اعتراف کا سر جھکا دیا۔

(د) اب بنی آدم کے لیے دو راہیں ہو گئیں: ایک آدم والی کہ احکام الٰہی کی اطاعت کرنا اور اگر قصور ہو جائے تو توبہ و انابت کا سر جھکا دینا۔

دوسری ابلیس والی کہ چاہے نافرمانی کرنا، پھر عجز و اعتراف کی جگہ سرکشی و تکبر کی چال چلنا۔

جو پہلی راہ چلے گا کامیاب ہوگا، جو دوسری راہ چلے گا نامراد ہوگا

(ہ) ابلیس کے گھمنڈ اور گستاخانہ جرأت کے ذکر میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ برائی کی قوتیں جب سر اٹھاتی ہیں تو ان کی سرکشی کا ایسا ہی حال ہوتا ہے اور

(و) یہاں ڈھیل اور مہلت سب کے لیے ہے، اچھوں کے لیے بھی اور بروں کے لیے بھی۔

یاد رہے کہ قرآن نے حقائق کی دو قسمیں کر دی ہیں: ایک وہ جن کا تعلق عالم غیب سے ہے، یعنی غیر محسوسات سے۔ ایک وہ جن کا تعلق عالم شہادت سے ہے، یعنی محسوسات سے۔ نوع انسان کی ابتدائی پیدایش اور نشو و نما کا معاملہ عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے، کیونکہ ہم اپنے=

يٰبَنِىٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ	(اور خدا نے فرمایا:) اے
الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ	اولاد آدم! دیکھو کہیں ایسا
اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ	نہ ہو کہ شیطان تمہیں اسی طرح
عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا	بہکادے جس طرح تمہارے
سَوْاٰتِهِمَا ط اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ	ماں باپ کو بہکا کر جنت سے
هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ	نکلوادیا تھا، اور ان کے لباس

= (د) خدا کا قانون یہ ہے کہ انسان کی ہدایت کے لیے پیغمبر مبعوث کرتا ہے. پھر جو کوئی اصلاح کی راہ اختیار کرتا ہے فلاح پاتا ہے، جو سرکشی کرتا ہے تباہ ہوتا ہے.

یہاں خصوصیت سے لباس کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ اس میں انسان کی عقلی زندگی کا سب سے پہلا مظاہرہ تھا. جب وہ لباس پہننے لگا تو یہ گویا اس حقیقت کا اعلان ہوا کہ اس کا اخلاقی شعور ابھر آیا ہے، صنعت و اختراع کی راہوں سے آشنا ہوگیا ہے اور عام حیوانی زندگی کی جگہ انسانی زندگی کی خصوصیات نشو و نما پانے لگی ہیں.

که تمام لباسوں سے بہتر لباس ہے . یہ اللہ (کے فضل و رحمت) کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے تاکہ لوگ نصیحت پکڑیں ٢٦ .

٢٦ - اب یہاں سے آیت (٣٦) تک اولاد آدم سے خطاب ہے ، یعنی وہ احکام بیان کیے گئے ہیں جو آدم کی ابتدائی نسل کے افراد کو دیے گئے تھے جب وہ زمین پر پھیل گئے :

(ا) خدا نے زمین کی پیداوار میں تمہارے لیے لباس کا سامان پیدا کر دیا . اس میں پوشش و حفاظت بھی ہے اور زیب و زینت بھی . پھر اس نے ایک دوسرا لباس بھی مہیا کر دیا ہے اور وہ لباس تقوی ہے . پہلا جسم کی حفاظت و زینت ہے ، دوسرا روح کی .

(ب) دنیا کا سامان زیب و زینت خدا کی بخشی ہوئی نعمت ہے . پس دین داری کا مقتضا یہ ہوا کہ انہیں کام میں لایا جائے ، نہ یہ کہ ان سے گریز کیا جائے . خدا کی عبادت کرو تو اپنے سامان زینت سے آراستہ ہو کر کرو .

(ج) کھاؤ پیو ، دنیا کی تمام نعمتیں کام میں لاؤ ، مگر اسراف یعنی بے اعتدالی نہ کرو . یہ بات کہ دنیا کی تمام راحتوں اور لذتوں سے فائدہ اٹھانا مگر بے اعتدالی سے بچنا ، دین حقیقی کی وہ بنیادی اصل ہے جس کی اولاد آدم کو تعلیم دی گئی تھی . ==

قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ قف وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ط كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ ۝ ۲۹

تم کہو ” میرے پروردگار نے جو کچھ حکم دیا ھے وہ تو یہ ھے کہ (ھر بات میں) اعتدال کی راہ اختیار کرو، اپنی تمام عبادتوں میں خدا کی طرف توجہ درست رکھو اور دین کو اس کے لیے خالص کر کے اسے پکارو۔ اس نے جس طرح تمہاری ھستی شروع کی اسی طرح لوٹائے جاؤ گے “ ۲۹۔

= لوگوں نے خود ساختہ گمراھیاں پیدا کرلیں اور انھیں حکم الٰہی سمجھنے لگے۔ آیت ۲۸ میں فرمایا: گمراھی کا سب سے بڑا سرچشمہ اپنے بزرگوں کی تقلید ھے۔ مشرکین عرب کی سب سے بڑی دلیل یہ تھی ”ھم نے اپنے بزرگوں کو ایسا ھی کرتے دیکھا ھے “۔

۲۹ - آیت ۲۹ میں دین حق کے تین بنیادی اصول واضح کر دیے: عمل میں اعتدال، عبادت میں توجہ اور خدا پرستی میں اخلاص۔ یہ آیت باب توحید میں اصل اصول ھے۔ فرمایا ” دین کو خدا کے لیے خالص کر کے اسے پکارو “=

لَا تَرَوْنَهُمْ ۗ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۲۷

اتروا دیے تھے که ان کے ستر انھیں دکھادے . وہ اور اس کا گروہ تمھیں اس طرح دیکھتا ھے که تم اسے نہیں دیکھتے . یاد رکھو! ھم نے یہ بات ٹھیرادی ھے که جو لوگ ایمان نہیں رکھتے ان کے رفیق و مددگار شیطان ھوتے ھیں ۲۷ .

وَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَ اللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۗ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ۗ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۲۸

اور یہ لوگ (یعنی مشرکین عرب) جب سخت برائیوں کی باتیں کرتے ھیں تو کہتے ھیں ''ھم نے اپنے بزرگوں کو ایسا ھی کرتے دیکھا ھے اور (چوں که وہ کرتے رھے ھیں اس لیے) خدا نے ایسا ھی کرنے کا ھمیں حکم دیا ھے''. (اے پیغمبر!) تم کہہ دو: خدا کبھی بے حیائی کی باتوں کا حکم نہیں دے گا . کیا تم خدا کے نام پر ایسی بات کہنے کی جرأت کرتے ھو جس کے لیے تمھارے پاس کوئی علم نہیں؟ ۲۸ .

۲۸ – خدا کے دین کی اصلی تعلیم تو یہ تھی ، لیکن =

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ	(اے پیغمبر!) ان لوگوں سے
الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ	کہو " خدا کی زینتیں جو اس
وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ	نے اپنے بندوں کے برتنے
قُلْ هِیَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِی	کے لیے پیدا کی ہیں اور کھانے
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً	پینے کی اچھی چیزیں کس نے حرام
يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ	کی ہیں؟ " تم کہو " یہ (نعمتیں)
نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ	تو اسی لیے ہیں کہ ایمان والوں
يَّعْلَمُوْنَ ۝ ۳۲	کے کام آئیں، دنیا کی زندگی

میں (زندگی کی مکروہات کے ساتھ اور) قیامت کے دن (ہر طرح کی مکروہات سے) خالص ". دیکھو! اس طرح ہم ان لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دیتے ہیں جو جانتے ہیں ۳۲.

۳۲ – رہبانیت یعنی جوگ پنے کا رد اور اس اصل عظیم کا اعلان کہ دنیوی زندگی کی آسایشیں اور زینتیں خدا پرستی کے خلاف نہیں ہیں، بلکہ ان کو کام میں لانا عین خدا کی مرضی کی تعمیل ہے. چنانچہ فرمایا: اولاد آدم کو جو تعلیم دی گئی تھی وہ یہ تھی کہ اپنی زیب و زینت سے آراستہ ہو کر خدا کی عبادت کرو. =

فَرِيقًا هَدٰى وَ فَرِيقًا حَقَّ	(تمہارے دو گروہ ہو گئے:)
عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ	ایک گروہ کو (اس کے ایمان
اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ	و نیک عملی کی وجہ سے کام یابی
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ يَحْسَبُوْنَ	کی) راہ دکھائی. دوسرے پر
اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ ٣٠	(اس کے انکار و بد عملی سے)

گمراہی ثابت ہو گئی. ان لوگوں نے (یعنی دوسرے گروہ نے) خدا کے سوا شیطانوں کو اپنا رفیق بنالیا (یعنی مفسدوں اور شریروں کی تقلید کی) با ایں ہمہ سمجھے کہ راہ راست پر ہیں ٣٠.

	يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ	(اور ہم نے حکم دیا تھا:)
	عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ كُلُوْا	"اے اولاد آدم! عبادت کے
	وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا ۚ	ہر موقع پر اپنے بدن کی زیب
ع	اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ ع ٣١	و زینت سے آراستہ رہا کرو.

نیز کھاؤ پیو، مگر حد سے نہ گزر جاؤ. خدا انہیں پسند نہیں کرتا جو حد سے گزر جانے والے ہیں ٣١.

= یعنی دین کی جتنی باتیں ہیں وہ صرف خدا کے لیے مخصوص کردو.

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ٣٣

(اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہو "میرے پروردگار نے جو کچھ حرام ٹھیرایا ہے وہ تو یہ ہے کہ بے حیائی کی باتیں جو کھلے طور پر کی جائیں اور جو چھپا کر کی جائیں، گناہ کی باتیں، ناحق کی زیادتی، یہ کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیراؤ جس کی اس نے کوئی سند نہیں اتاری اور یہ کہ خدا کے نام سے ایسی بات کہو جس کے لیے تمہارے پاس کوئی علم نہیں" ٣٣.

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ ٣٤

اور (دیکھو!) ہر امت کے لیے ایک ٹھیرایا ہوا وقت ہے، سو جب کسی امت کا ٹھیرایا ہوا

= یہاں "زینت" سے مقصود وہ تمام چیزیں ہیں جو زندگی کی قدرتی ضروریات سے زیادہ ہوں. مثلاً اچھا لباس، اچھا کھانا، معیشت کی تمام بے ضرر آسایشیں اور لذتیں.

= پیروان مذاهب کی عالمگیر گمراهی یه تهی که سمجهتے تهے روحانی سعادت جبهی مل سکتی هے که دنیا ترك کردی جائے اور خدا پرستی کا مقتضا یه هے که زینتوں اور آسایشوں سے کناره کش هو جائیں . قرآن کهتا هے : حقیقت اس کے عین برعکس هے . تم سمجهتے هو زندگی کی زینتیں اس لیے هیں که ترك کردی جائیں ، حالانکه وه اس لیے هیں که کام میں لائی جائیں . دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں کو ٹهیك طور پر کام میں لانا مشیت الٰهی کو پورا کرنا هے .

خدا نے زمین میں جو کچھ پیدا کیا هے سب تمهارے هی لیے پیدا کیا هے . کهاؤ پیو ، زینت و آسایش کی تمام نعمتیں کام میں لاؤ ، مگر حد سے نه گزر جاؤ . دنیا نهیں ، دنیا کا بے اعتدالانه استعمال روحانی سعادت کے خلاف هے .

زندگی کی جن زینتوں کو پیروان مذاهب خدا پرستی کے خلاف سمجهتے تهے ، انهیں قرآن ''زینة الله'' یعنی خدا کی زینتوں سے تعبیر کرتا هے .

یه آیت قرآن کا ایك انقلاب انگیز اعلان هے جس نے انسان کی دینی ذهنیت کی بنیادیں الٹ دیں . وه دنیا جو نجات و سعادت کی طلب میں دنیا ترك کر رهی تهی ، اب اسی نجات و سعادت کو دنیا کی تعمیر و ترقی میں ڈهونڈهنے لگی . =

(ان کی تعلیم سے متنبہ ہو کر) برائیوں سے بچے گا اور اپنے آپ کو سنوار لے گا اس کے لیے کسی طرح کا اندیشہ نہ ہوگا، نہ کسی طرح کی غمگینی'' ۳۵۔

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ۞ ٣٦

''لیکن جو لوگ میری آیتیں جھٹلائیں گے اور ان کے مقابلے میں سرکشی کریں گے تو وہ دوزخی ہوں گے، ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے'' ۳۶۔

۵۰ - آیت ۳۵ میں فرمایا کہ اولاد آدم کو ہدایت وحی کے وقتاً فوقتاً ظہور کی خبر دی گئی تھی۔ اسی قانون کے مطابق اب پیغمبر اسلام کا ظہور ہوا ہے۔ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے یا نہیں، اس کا فیصلہ آنے والے نتائج کر دیں گے، کیونکہ صورت حال نے دو فریق پیدا کر دیے ہیں: ایک داعی قرآن ہے جو کہتا ہے ''میں خدا کی طرف سے مامور ہوں''۔ دوسرا فریق منکروں کا ہے جو اسے جھٹلاتا ہے۔ جو شخص خدا پر بہتان باندھے اس سے بڑھ کر کوئی گنہ گار نہیں اور جو سچے کو جھٹلائے اس کی بد بختی میں بھی کلام نہیں۔ =

وقت آگیا تو پھر نہ تو ایک گھڑی پیچھے رہ سکتی ہے، نہ ایک گھڑی آگے (جو کچھ اس کے لیے ہونا ہے ہو گزرتا ہے) ۳۴.

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ
رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ
عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى
وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۳۵

(اور فرمان الٰہی ہوا تھا:)
"اے اولاد آدم! جب کبھی
ایسا ہو کہ میرے پیغمبر تم
میں پیدا ہوں اور میری آیتیں
تمہیں پڑھ کر سنائیں تو جو کوئی

۳۴ - آیت ۳۴ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا کہ افراد کی طرح جماعتوں کی موت و حیات کے لیے بھی مقررہ قوانین ہیں اور ان کے احکام اٹل ہیں. جب ایک جماعت کا شر و فساد اس حد تک پہنچ جاتا ہے جو جماعتوں کی ہلاکت کے لیے ٹھہرا دی گئی ہے تو پھر ظہور نتائج میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں ہوتی.

یہاں اس اشارے سے مقصود رؤساء عرب کی تنبیہ اور مؤمنوں کی تذکیر ہے کہ انقلاب حال کا وقت آگیا ہے اور ضروری ہے کہ فیصلہ کن نتائج ظہور میں آئیں.

تو اس وقت وہ کہیں گے حس ہستیوں کو تم حدا کے سوا پکارا کرتے تھے اب وہ کہاں ہیں؟" وہ جواب دیں گے "وہ تو ہم سے کھوئی گئیں" (یعنی ان کی ہستی و طاقت کی کوئی نمود ہمیں دکھائی نہ دی) اور (اس طرح) اپنے اوپر خود گواہی دے دیں گے کہ وہ واقعی (سچائی سے) منکر تھے ۳۷ .

قَالَ ادْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ
خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ
الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِی النَّارِ ؕ
كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ
اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓی اِذَا ادَّارَكُوْا
فِیْهَا جَمِیْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ
لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ
اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا
ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ
ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۞ ۳۸

اس پر حکم الٰہی ہوگا "اسانوں اور حنوں کی ان امتوں کے ساتھ حو تم سے پہلے گزر چکی ہیں، تم بھی آتش دوزخ میں داخل ہو حاؤ" حب کبھی ایسا ہوگا کہ ایک امت دوزخ میں داخل ہو تو وہ اپنی طرح کی دوسری امت پر لعنت بھیجے گی۔ پھر جب سب اکٹھی ہو جائیں گی تو پچھلی امت پہلی

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی	پھر بتلاؤ! اس سے بڑھ کر ظالم
عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ	کون ہوا جو جھوٹ بولتے
بِاٰيٰتِهٖ ۭ اُولٰۗئِكَ يَنَالُهُمْ	ہوے خدا پر بہتان لگائے؟
نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ۭ حَتّٰٓي	(یعنی خدا نے اسے نامور
اِذَا جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا	نہیں کیا ہے مگر وہ کہے میں
يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ	ماموں رہوں) اور اس سے بڑھ کر
مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ	جو خدا کی آیتیں جھٹلائے
قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا	(یعنی خدا کا کلام واقعی نازل
عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا	ہوا ہو اور وہ ضد اور سرکشی
كٰفِرِيْنَ ۝۳۷	سے کہے نازل نہیں ہوا؟)

یہی لوگ ہیں کہ (علم الٰہی کے) نوشتہ میں جو کچھ ان کے لیے ٹھیرایا گیا ہے، اس کے مطابق اپنا حصہ پاتے رہیں گے، لیکن بالآخر جب ہمارے فرستادہ پہنچیں گے کہ انہیں وفات دیں

= اب نتائج فیصلہ کر دیں گے کہ کون فریق مستحق عذاب ہے اور کون مستحق کامیابی و ارجمندی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا	جن لوگوں نے ہماری نشانیاں
وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ	جھٹلائیں اور ان کے مقابلے
لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ	میں سرکشی کی تو (یاد رکھو!)
وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى	ان کے لیے آسمان کے دروازے
يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ	کبھی کھلنے والے نہیں۔ ان کا
وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي	جنت میں داخل ہونا ایسا ہی
الْمُجْرِمِيْنَ ۝٤٠	ہے جیسے سوئی کے ناکے سے

اونٹ کا گزر جانا۔ اسی طرح ہم مجرموں کو ان کے جرموں کا بدلا دیتے ہیں (یعنی ہم نے اسی طرح قانون جزاء ٹھیرادیا ہے) ٤٠۔

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ	ان کے نیچے آگ کا بچھونا
وَّ مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ	ہوگا، اوپر آگ کی چادر! ہم
وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي	ظلم کرنے والوں کو ان کے
الظّٰلِمِيْنَ ۝٤١	ظلم کا ایسا ہی بدلا دیتے ہیں ٤١۔

= ہوئی اور اپنے سے بعد آنے والوں کے لیے بھی بری مثال قائم کی پس سب اس کی مستحق ہوئیں کہ دوگنا عذاب پائیں۔

امت کی نسبت کہے گی " خدایا! یہ لوگ ہیں جنھوں نے ہمیں
گمراہ کیا (یعنی جن کے پیچھے چل کر ہم گمراہ ہوئے) تو
انہیں آتش عذاب کا دوگنا عذاب دیجیو" خدا فرمائے گا "تم میں
سے ہر ایک کے لیے دوگنا عذاب ہے، لیکن تمہیں معلوم نہیں" ۳۸.

وَقَالَتْ أُولٰهُمْ لِأُخْرٰهُمْ (یہ سن کر) پہلی امت پچھلی
فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا امت سے کہے گی " دیکھو!
مِنْ فَضْلٍ فَذُوقُوا الْعَذَابَ تمہیں (عذاب کی کمی میں) ہم پر ٤
ع بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ۳۹ کوئی بڑائی نہ ہوئی. تو جیسی کچھ
۱۱ کمائی کر چکے ہو اس کے مطابق اب عذاب کا مزہ چکھ لو" ۳۹.

۳۸ - اصحاب دوزخ کے بعض احوال و واردات جو
عالم آخرت میں پیش آئیں گے.
آیت (۳۸) میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ
جب کوئی جماعت برائی میں مبتلا ہوتی ہے تو خود بھی
گمراہ ہوتی ہے اور دوسروں کے لیے بھی گمراہی
کی مثال قائم کر دیتی ہے. اسی لیے پچھلی امتیں اپنے
سے پہلی امتوں پر لعنت بھیجیں گی کہ ان کی تقلید و پیروی
میں ہم گمراہ ہوئے. فرمایا "تم میں سے ہر ایک کے لیے
دوگنا عذاب ہے" یعنی ہر ایک جماعت خود بھی گمراہ =

اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا کی جگه) کہا ''ساری ستایش
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۴۳ الله کے لیے ہے جس نے ہمیں

اس (زندگی) کی راہ دکھائی۔ هم کبھی اس کی راہ نه پاتے اگر وہ همیں راہ نه دکھاتا۔ بلا شبه همارے پروردگار کے پیغمبر سچائی کا پیغام لے کر آئے تھے''۔ اور (دیکھو!) انھوں نے ایك پکار سنی ''یه هے جنت جو تمہارے ورثه میں آئی، ان (نیك) کاموں کی بدولت جو تم (دنیا میں) کرتے رهے هو'' ۴۳.

---

۴۳ ـ اصحاب جنت کے بعض احوال و واردات جو آخرت میں پیش آئیں گے.

دوزخیوں کی نسبت فرمایا تھا که ان کی هر جماعت دوسری جماعت پر لعنت بھیجے گی اور هر امت کی آرزو هوگی که دوسری کو زیادہ عذاب ملے. یہاں فرمایا '' اصحاب جنت کے دل بغض و عناد کی کدورتوں سے پاك هوتے هیں'' کیوں که ایمان و عمل کی پاکی کے ساتھ کینه و عناد کی آلودگی جمع نہیں هو سکتی.

اس سے معلوم هوا که اصحاب دوزخ کے خصائل کا نمایاں وصف یه هے که راحت کی حالت میں هوں یا عذاب میں، ان کے دلوں میں بغض و نفرت کے سوا اور =

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا	اور جو لوگ ایمان لائے اور
الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا	ان کے کام بھی اچھے ہوئے ،
اِلَّا وُسْعَهَآ ز اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ	اور (یاد رہے ہمارا قانون یہ
الْجَنَّةِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۴۲	ہے کہ) ہم کسی جان پر اس کی

برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے تو بس ایسے ہی لوگ جنت والے ہیں ، ہمیشہ جنت (کے راحت و سرور) میں رہنے والے ۴۲ ۔

وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ	اور (دیکھو!) ان لوگوں کے
مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ	دلوں میں (ایك دوسرے کی
الْاَنْهٰرُ ج وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ	طرف سے) جو کچھ کینه وغبار
الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا قف وَ مَا	تھا ہم نے نکال دیا ۔ ان کے
كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ	تلے (آگ کے شعلوں کی جگه)
هَدٰىنَا اللّٰهُ ج لَقَدْ جَآءَتْ	نہریں رواں ہیں ۔ انھوں نے
رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ط وَ نُوْدُوْٓا	(ایك دوسرے پر لعنت بھیجنے

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ۞ ٤٠

جن لوگوں نے ھماری نشانیاں جھٹلائیں اور ان کے مقابلے میں سرکشی کی تو (یاد رکھو!) ان کے لیے آسمان کے دروازے کبھی کھلنے والے نہیں۔ ان کا جنت میں داخل ھونا ایسا ھی ھے جیسے سوئی کے ناکے سے اونٹ کا گزر جانا۔ اسی طرح ھم مجرموں کو ان کے جرموں کا بدلا دیتے ھیں (یعنی ھم نے اسی طرح قانون جزاء ٹھیرادیا ھے) ٤٠۔

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۚ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِينَ ۞ ٤١

ان کے نیچے آگ کا بچھونا ھوگا، اوپر آگ کی چادر! ھم ظلم کرنے والوں کو ان کے ظلم کا ایسا ھی بدلا دیتے ھیں ٤١۔

= ھوئی اور اپنے سے بعد آنے والوں کے لیے بھی بری مثال قائم کی پس سب اس کی مستحق ھوئیں کہ دوگنا عذاب پائیں۔

امت کی نسبت کہے گی "خدایا! یہ لوگ ہیں جنھوں نے ہمیں
گم راہ کیا (یعنی جن کے پیچھے چل کر ہم گم راہ ہوے) تو
انہیں آتش عذاب کا دوگنا عذاب دیجیو" خدا فرمائے گا "تم میں
سے ہر ایک کے لیے دوگنا عذاب ہے، لیکن تمھیں معلوم نہیں" ۳۸.

وَ قَالَتْ اُولٰـهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ (یہ سن کر) پہلی امت پچھلی
فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا امت سے کہے گی "دیکھو!
مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ تمھیں (عذاب کی کمی میں) ہم پر
٤ ع بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ٣٩ کوئی بڑائی نہ ہوئی۔ تو جیسی کچھ
١١ کمائی کر چکے ہو اس کے مطابق اب عذاب کا مزہ چکھ لو" ۳۹.

---

۳۸ - اصحاب دوزخ کے بعض احوال و واردات جو
عالم آخرت میں پیش آئیں گے.
آیت (۳۸) میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ
جب کوئی جماعت برائی میں مبتلا ہوتی ہے تو خود بھی
گم راہ ہوتی ہے اور دوسروں کے لیے بھی گم راہی
کی مثال قائم کر دیتی ہے. اسی لیے پچھلی امتیں اپنے
سے پہلی امتوں پر لعنت بھیجیں گی کہ ان کی تقلید و پیروی
میں ہم گم راہ ہوے. فرمایا "تم میں سے ہر ایک کے لیے
دوگنا عذاب ہے" یعنی ہر ایک جماعت خود بھی گم راہ =

اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا کی جگہ) کہا ''ساری ستایش
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞ ۴۳ اللہ کے لیے ھے جس نے ھمیں

اس (زندگی) کی راہ دکھائی. ھم کبھی اس کی راہ نہ پاتے اگر وہ ھمیں راہ نہ دکھاتا. بلاشبہ ھمارے پروردگار کے پیغمبر سچائی کا پیغام لے کر آئے تھے''. اور (دیکھو!) انھوں نے ایك پکار سنی ''یہ ھے جنت جو تمھارے ورثہ میں آئی، ان (نیك) کاموں کی بدولت جو تم (دنیا میں) کرتے رھے ھو'' ۴۳.

---

۴۳ - اصحاب جنت کے بعض احوال و واردات جو آخرت میں پیش آئیں گے.

دوزخیوں کی نسبت فرمایا تھا کہ ان کی ھر جماعت دوسری جماعت پر لعنت بھیجے گی اور ھر امت کی آرزو ھوگی کہ دوسری کو زیادہ عذاب ملے. یہاں فرمایا ''اصحاب جنت کے دل بغض و عناد کی کدورتوں سے پاك ھوتے ھیں'' کیوں کہ ایمان و عمل کی پاکی کے ساتھ کینہ و عناد کی آلودگی جمع نہیں ھو سکتی.

اس سے معلوم ھوا کہ اصحاب دوزخ کے خصائل کا نمایاں وصف یہ ھے کہ راحت کی حالت میں ھوں یا عذاب میں، ان کے دلوں میں بغض و نفرت کے سوا اور =

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا	اور جو لوگ ایمان لائے اور
الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا	ان کے کام بھی اچھے ہوے ،
اِلَّا وُسْعَهَآ ز اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ	اور (یاد رھے ھمارا قانون یه
الْجَنَّةِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝٤٢	ھے که) ھم کسی جان پر اس کی

برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے تو بس ایسے ھی لوگ جنت والے ھیں ، ھمیشه جنت (کے راحت و سرور) میں رھنے والے ۴۲ .

وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ	اور (دیکھو!) ان لوگوں کے
مِّنْ غِلٍّ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ	دلوں میں (ایك دوسرے کی
الْاَنْهٰرُ ج وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ	طرف سے) جو کچھ کینه وغبار
الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا قف ز وَ مَا	تھا ھم نے نکال دیا . ان کے
كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ	تلے (آگ کے شعلوں کی جگه)
هَدٰىنَا اللّٰهُ ج لَقَدْ جَآءَتْ	نہریں رواں ھیں . انھوں نے
رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ط وَ نُوْدُوْٓا	(ایك دوسرے پر لعنت بھیجنے

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى	اور (دیکھو!) ان دنوں کے
الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ	درمیان ایك اوٹ هے اور
كُلًّا ۢ بِسِيمٰهُمْ ۚ وَنَادَوْا	اعراف پر (یعنی بلندی پر) کچھ
أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلٰمٌ	لوگ هیں جو (دونوں گروهوں
عَلَيْكُمْ قف لَمْ يَدْخُلُوهَا	میں سے) هر ایك کو اس کے
وَهُمْ يَطْمَعُونَ ۝ ٤٦	قیافه سے پهچان لیتے هیں. ان

لوگوں نے جنت والوں کو پکارا: تم پر سلامتی هو! وه ابهی جنت میں داخل نہیں هوئے، اس کے آرزو مند هیں ٤٦ .

٤٦ - دو مقام ایك دوسرے سے ملے هوئے هوں، انهیں الگ کردینا هو تو درمیان میں دیوار کهڑی کردیتے هیں. فرمایا: جنت اور دوزخ کی تقسیم بهی ایسی هی سمجهو. ایك دیوار هے جس نے ایك کو دوسرے سے الگ کردیا هے. ایك قدم ادهر ره گئے تو دوزخ هے، آگے بڑھ گئے تو جنت هے. چنانچه سورۂ حدید میں هے "جنتیوں اور دوزخیوں کے درمیان ایك دیوار هے جس میں دروازه هے، اندر جاؤ تو رحمت هے، باهر رهو تو عذاب" (٥٧ : ١٣).

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۭ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝٤٤

اور جنت والوں نے دوزخیوں کو پکارا "ہمارے پروردگار نے جو کچھ ہم سے وعدہ کیا تھا ہم نے اسے سچا پایا، پھر کیا تم نے بھی وہ تمام باتیں ٹھیک پائیں جن کا تمہارے پروردگار نے تم سے وعدہ کیا تھا؟" دوزخی جواب میں بولے "ہاں!" اس پر ایک پکارنے والے نے پکار کر کہا "ظالموں پر خدا کی پھٹکار ہو!" ۴۴.

اَلَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ۝٤٥

ان ظالموں پر جو خدا کی راہ سے لوگوں کو روکتے تھے اور چاہتے تھے وہ سیدھی نہ ہو، اس میں کجی ہو. اور آخرت کی زندگی سے بھی منکر تھے" ۴۵.

= کوئی جذبہ جگہ نہیں پاتا، برخلاف اس کے اصحاب جنت وہ ہیں جن کے دلوں سے کینہ و غبار یک قلم دور ہو جاتا ہے.

وَنَادٰۤى اَصۡحٰبُ الۡاَعۡرَافِ رِجَالًا يَّعۡرِفُوۡنَهُمۡ بِسِيۡمٰهُمۡ قَالُوۡا مَاۤ اَغۡنٰى عَنۡكُمۡ جَمۡعُكُمۡ وَمَا كُنۡتُمۡ تَسۡتَكۡبِرُوۡنَ ۝ ٤٨

اور "اعراف" والوں نے ان لوگوں کو پکارا جنھیں وہ ان کے قیافہ سے پہچان گئے تھے: "نہ تو تمھارے جتھے ھی کچھ تمھارے کام آئے، نہ تمھاری بڑائیاں" ٤٨.

اَهٰۤؤُلَاۤءِ الَّذِيۡنَ اَقۡسَمۡتُمۡ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحۡمَةٍ ؕ اُدۡخُلُوا الۡجَـنَّةَ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡكُمۡ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ تَحۡزَنُوۡنَ ۝ ٤٩

(انھوں نے جنتیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا) "دیکھو! کیا یہ وھی لوگ نہیں ھیں جن کے بارے میں تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ خدا کی رحمت سے انھیں کچھ ملنے والا نہیں؟ (لیکن انھیں تو آج رحمت الٰہی پکار رھی ھے) "جنت میں داخل ھو جاؤ. آج تمھارے لیے نہ تو کسی طرح کا اندیشہ ھوا نہ کسی طرح کی غمگینی!" ٤٩.

وَ اِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۚ ۴۷

اور جب ان لوگوں کی نگاہ دوزخیوں کی طرف پھری (اور ان کی ہول ناك حالت نظر آئی) تو پکار اٹھے "خدایا! ہمیں ظالم گروہ کے ساتھ شامل نہ کیجیو"، ۴۷ .

ع ۵
۱۲

= اسی دیوار کو یہاں "اعراف" سے تعبیر کیا ہے .
"اعراف" کا اطلاق ہر ایسی چیز پر ہوتا ہے جو زمین سے بلند ہو . فرمایا: جنت و دوزخ کے لیے بھی ایك اعراف ہے جہاں سے دونوں طرف دیکھا جا سکتا ہے .
اگر حقیقت کے رمز شناس ہو تو پالوگے کہ زندگی کے ہر گوشہ میں جنت و دوزخ کی تقسیم کا یہی حال ہے .
دونوں کی سرحدیں اس طرح ملی ہوئی ہیں کہ ایك قدم پیچھے رہ گئے اور جنت کی جگہ دوزخ میں پڑ گئے .
بسا اوقات ایك قدم کی تیزی یا کوتاہی جنت سے دوزخ میں یا دوزخ سے جنت میں پہنچادیتی ہے :

یك لحہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد

انهوں نے اس دن کا آنا بھلادیا تھا ، آج وہ بھی بھلادیے جائیں گے، نیز اس لیے بھی کہ وہ ہماری آیتوں سے جان بوجھ کر انکار کرتے تھے ۵۱ .

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ ۵۲

اور (دیکھو!) ہم نے تو ان لوگوں کے لیے ایک ایسی کتاب بھی نازل کردی جس میں علم کے ساتھ (دین حق کی تمام باتیں) الگ الگ کر کے واضح کردی ہیں اور جو ایمان رکھنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے ۵۲ .

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ

(پھر) کیا یہ لوگ اس بات کے انتظار میں ہیں کہ (فساد و بدعملی کے جس نتیجے کی اس میں خبر دی گئی ہے) اس کا مطلب سامنے آجائے؟ (اگر اسی

وَنَادٰٓى اَصۡحٰبُ النَّارِ اَصۡحٰبَ اور دوزخیوں نے جنت
الۡجَنَّةِ اَنۡ اَفِيۡضُوۡا عَلَيۡنَا والوں کو پکارا "تھوڑا سا
مِنَ الۡمَآءِ اَوۡ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ پانی ہم پر بہادو (کہ گرمی کے
قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى مارے بھکے جارہے ہیں)
الۡكٰفِرِيۡنَ ۙ ۵۰ یا اس میں سے کچھ دے دو

جو خدا نے تمہیں بخشا ہے". جنت والوں نے جواب دیا "خدا نے یہ دونوں چیزیں (آج) منکروں پر روک دی ہیں" ۵۰.

الَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا دِيۡنَهُمۡ (کیوں کہ وہ فرماتا ہے:) جن
لَهۡوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتۡهُمُ لوگوں نے اپنے دین کو کھیل
الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا ۚ فَالۡيَوۡمَ تماشا بنالیا تھا (یعنی اعمال حق
نَنۡسٰٮهُمۡ كَمَا نَسُوۡا لِقَآءَ کی جگہ ایسے کاموں میں
يَوۡمِهِمۡ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوۡا لگے رہے جو کھیل تماشے
بِاٰيٰتِنَا يَجۡحَدُوۡنَ ۵۱ کی طرح حقیقت سے خالی تھے)

اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا تو جس طرح

إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ	تمہارا پروردگار تو وہی اللہ ہے
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِي سِتَّةِ	جس نے آسمانوں کو اور زمین
اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى	کو چھ ''ایام'' میں (یعنی چھ
الْعَرْشِ قف يُغْشِي الَّيْلَ	دوروں میں جو یکے بعد
النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيْثًا لا	دیگرے واقع ہوئے) پیدا کیا
وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ	اور پھر (اپنی حکومت و جلال
مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ ط اَلَا لَهُ	کے) تخت پر متمکن ہوگیا۔
الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط تَبٰرَكَ اللّٰهُ	(اس نے رات اور دن کی
رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۵۴	

= کی راہ واضح کردی ہے۔ پھر اگر منکرین حق سرکشی و فساد سے باز نہیں آتے تو انہیں کس بات کا انتظار ہے؟ کیا اس بات کا کہ انکار و بد عملی کے جن نتائج کی خبر دی گئی ہے ان کا ظہور اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں؟ لیکن جس دن ان کا ظہور ہوگا اس دن اس کی مہلت ہی کب باقی رہے گی کہ کوئی ایمان لائے؟ وہ تو اعمال انسانی کے آخری فیصلے کا دن ہوگا۔

فَيَشْفَعُوا لَنَا أَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۚ قَدْ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۵۳

ع ۶
۱۳

ات کا انتظار ھے تو جان رکھیں) جس دن اس کا مطلب وقوع میں آئے گا اس دن وہ لوگ کہ اسے پہلے سے بھولے بیٹھے تھے (نامرادی و حسرت کے ساتھ) بول اٹھیں گے "بلا شبہ ھمارے پروردگار کے پیغمبر ھمارے پاس سچائی کا لے کر آئے تھے (مگر افسوس کہ ھم نے انھیں جھٹلایا) . کاش شفاعت کرنے والوں میں سے کوئی ھو جو آج ھماری شفاعت کرے ! یا کاش ایسا ھی ھو کہ ھم پھر دنیا میں لوٹا دیے جائیں اور جیسے کچھ کام کرتے رھے ھیں اس کے برخلاف (نیك) کام انجام دیں ". بلا شبہ ان لوگوں نے اپنے ھاتھوں کو تباھی میں ڈالا اور دنیا میں جو کچھ افترا پردازیاں کیا کرتے تھے وہ سب (آج) ان سے کھوئی گئیں ۵۳ .

---

۵۲ و ۵۳ - اب منکرین قرآن کی طرف سلسلۂ بیان متوجہ ھوا ھے . فرمایا: آدم کی اولاد کو ھدایت وحی کے وقتاً فوقتاً ظہور کی جو خبر دی گئی تھی، اسی کے مطابق قرآن کی دعوت نمودار ھوئی ھے اور اس نے علم و بصیرت=

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۚ ۵۵

(لوگو!) اپنے پروردگار سے دعائیں مانگو، آہ و زاری کرتے ہوئے بھی اور پوشیدگی میں بھی۔ وہ انھیں پسند نہیں کرتا جو حد سے گزر جانے والے ھیں ۵۵۔

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۵۶

اور (دیکھو!) ملک کی درستگی کے بعد (یعنی دعوت حق کے ظہور کے بعد جو اس کی درستگی کی دعوت ھے) اس میں خرابی نہ پھیلاؤ۔ (اپنی خطاؤں سے) ڈرتے ہوئے اور (اس کی رحمت سے) امیدیں رکھتے ہوئے اس کے حضور دعائیں کرو۔ یقینا اللہ کی رحمت ان سے نزدیک ھے جو نیک کردار ھیں ۵۶۔

وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ

اور (دیکھو!) یہ اسی کی کارفرمائی ھے کہ برسات رحمت

تبدیلی کا ایسا نظام ٹھیرایا دیا ھے کہ) رات کی اندھیری دن کی روشنی کو ڈھاپ لیتی ھے اور (ایسا معلوم ھوتا ھے گویا) دن کے پیچھے لپکی چلی آرھی ھو. اور (دیکھو!) سورج ، چاند ، ستارے ، سب اس کے حکم کے آگے جھکے ھوے ھیں. یاد رکھو! اسی کے لیے پیدا کرنا ھے اور اسی کے لیے حکم دینا (اس کے سوا کوئی نہیں جسے کارخانہ ھستی کے چلانے میں دخل ھو) . سو کیا ھی بابرکت ذات ھے اللہ کی ، تمام جہانوں کا پرورش کرنے والا ۵٤ .

---

٥٤ - توحید الوھیت(٦) کی تلقین اور اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ "خلق" اور "امر" دونوں اللہ ھی کی ذات سے ھیں ، یعنی وھی کائنات ھستی کا پیدا کرنے والا ھے اور اسی کے حکم و قدرت سے اس کا انتظام بھی ھو رھا ھے . یہ بات نہیں ھے کہ تدبیر و انتظام کی دوسری قوتیں بھی موجود ھوں جیسا کہ مشرکوں کا خیال تھا .

"تخت پر متمکن ھوگیا" یعنی خدا کی بادشاھت کائنات ھستی میں نافذ ھوگئی ، کیوں کہ وھی خالق ھے اور وھی مدبر بھی ھے ، تمام عالم ھستی اسی کے تخت جلال کے آگے جھکی ھوئی ھے ، چنانچہ ایک دوسری جگہ فرمایا "ثم استوی علی العرش یدبر الامر" (۱۰ : ۳) .

نکمی ہی چیز پیدا ہو. اس طرح (ہم حکمت و عبرت) کی نشانیاں ان لوگوں کے لیے دھراتے ہیں جو شکر کرنے والے ہیں (یعنی خدا کی نعمتوں کے قدر شناس ہیں)۵۸ .

---

۵۵ تا ۵۸ - آیت (۵۵) سے سلسلۂ بیان اسی مقصد کی طرف پھر گیا ہے جس سے سورت کی ابتدا ہوئی ہے. یعنی قرآن کی دعوت کی راہ میں کتنی ہی مشکلات پیش آئیں، لیکن اس کی کامیابی اٹل ہے اور اہل ایمان کو اس بارے میں دل تنگ نہ ہونا چاہیے. چنانچہ آیت (۵۶) میں فرمایا: خدا کی رحمت نیک کرداروں سے دور نہیں.

پھر (۵۷) میں اس کی مثال بیان کی. جب پانی برسنے کو ہوتا ہے تو پہلے بارانی ہوائیں چلنے لگتی ہیں، پھر پانی برستا ہے اور مردہ زمین زندہ ہوکر سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے. یہی حال ہدایت وحی اور اس کے انقلاب کا ہے. پہلے اس کی علامتیں نمودار ہوتی ہیں، پھر اس کی برکتوں سے مردہ روحوں میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے. چنانچہ ہوائیں چلنا شروع ہو گئی ہیں، اب باران رحمت کی برکتوں کے ظہور کا انتظار کرو.

لیکن بارش سے صرف وہی زمین فائدہ اٹھا سکتی ہے جس میں اس کی استعداد ہو، شور زمین پر کتنی ہی =

حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا | سے پہلے ہوائیں بھیجتا ہے کہ
ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ | (مینہ برسنے کی) خوش خبری
مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ | پہنچادیں ۔ پھر جب وہ بوجھل
فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ | بادل لے اڑتی ہیں تو انہیں
الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ | کسی مردہ زمین کی بستی کی
الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۵۷ | طرف کھینچ لے جاتا ہے ،

پھر ان سے پانی برساتا ہے اور زمین سے ہر طرح کے پھل پیدا کر دیتا ہے ۔ اسی طرح ہم مردوں کو بھی زندہ کر دیتے ہیں ، تا کہ تم (قدرت الٰہی کی کرشمہ سنجیوں میں) غور و فکر کرو ۵۷ ۔

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ | اور (دیکھو!) اچھی زمین
نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِىْ | اپنے پروردگار کے حکم سے
خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ | اچھی پیداوار ہی نکالتی ہے،
كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ | لیکن جو زمین نکمی ہوئی اس
ع ۷ ۱۴ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ۝۵۸ ع | سے کچھ نہیں پیدا ہوتا مگر یہ کہ

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝۶۰ اس پر اس کی قوم کے سربر آوردہ لوگوں نے جواب دیا: ھمیں تو ایسا دکھائی دیتا ھے کہ تم صریح گمراھی میں پڑ گئے ھو ۶۰.

قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۶۱ نوح نے کہا: بھائیو! یہ بات نہیں ھے کہ میں گمراھی میں پڑ گیا ھوں. میں تو اس کی طرف سے جو تمام جہانوں کا پروردگار ھے بھیجا ھوا ھوں ۶۱.

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنْصَحُ لَكُمْ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۲ میں اپنے پروردگار کا پیغام تمہیں پہنچاتا ھوں اور پند و نصیحت کرتا ھوں اور اللہ کی

= (۱) اس سلسلے میں سب سے پہلے حضرت نوح کی دعوت نمایاں ھوتی ھے جس کا ظہور دریاے دجلہ و فرات کے دوابے میں ھوا تھا جو انسانی تمدن کا سب سے قدیم گہوارہ ھے اور جہاں غالبا سب سے پہلے بت پرستی کا ظہور ھوا. ایسا معلوم ھوتا ھے کہ انسانی جمعیت اپنی ابتدائی اور فطری ھدایت کی راہ سے سب سے پہلے وھیں گم راہ ھوئی.

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ ۵۹	یہ واقعہ ہے کہ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف (تبلیغ حق کے لیے) بھیجا تھا. اس نے کہا: "اے میری قوم! اللہ ہی کی بندگی کرو، اس کے سوا کوئی معبود نہیں. میں ڈرتا ہوں کہ ایک بڑے ہی (ہولناک) دن کا عذاب تمہیں پیش نہ آجائے" ۵۹

= بارش ہو سرسبز نہ ہوگی. اسی طرح قرآن کی ہدایت سے بھی وہی روحیں شاداب ہوں گی جن میں قبولیت حق کی استعداد ہے، جنھوں نے استعداد کھودی ان کے حصے میں محرومی و نامرادی کے سوا کچھ نہیں آئے گا.

۵۹ - آیت (۵۹) سے پچھلی دعوتوں کا تذکرہ شروع ہوتا ہے اور یہ حقیقت واضح کی ہے کہ اس انقلاب حال پر متعجب نہ ہونا چاہیے، کیوں کہ ہمیشہ سے سنت الٰہی ایسی ہی چلی آئی ہے، اور ہمیشہ دعوت حق کی بے سروسامانیوں نے وقت کے تمام سروسامانوں پر فتح پائی ہے: =

مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوا — تمہارے پروردگار کی نصیحت
وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝٦٣ — ایك ایسے آدمی کے ذریعه تمہیں

پہنچی جو تمہیں سے ہے اور اس لیے پہنچی تا که (انکار و بدعملی کے نتائج سے) خبردار کردے اور تم برائیوں سے بچو اور رحمت الہی کے سزاوار ہو ٦٣ .

فَكَذَّبُوهُ فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ — با ایں همه لوگوں نے نوح کو
مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَأَغْرَقْنَا — جھٹلایا . پس هم نے اسے اور
الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ — ان سب کو جو اس کے ساتھ
٨ ع ١٥ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ ۝٦٤ — کشتی میں تھے (سیلاب سے)

نجات دی اور جنهوں نے هماری نشانیاں جھٹلائی تهیں انهیں غرق کردیا . حقیقت یه هے که وه (اپنی سمجھ بوجھ کھوکر) یك قلم اندھے هوگئے تھے ٦٤ .

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۗ — اور (اسی طرح) هم نے قوم
قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ — عاد کی طرف اس کے بھائی

طرف سے اس بات کا علم رکھتا ہوں جو تمھیں معلوم نہیں ٦٢.

اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ کیا تمھیں (نوح نے کہا) کیا تمھیں
ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ اس بات پر اچنبھا ہو رہا ہے کہ

٦٢ - (ب) ''اللہ کی طرف سے وہ علم رکھتا ہوں جو تمھیں معلوم نہیں'' مذھبی سچائی کی اصلی بنیاد یہی ہے. اسی لیے قرآن نے تمام پیغمبروں کی زبانی اسے نقل کیا ہے. انسانی ذہن و ادراك صرف محسوسات کا سطحی علم حاصل کرسکتا ہے، لیکن اس سے آگے کیا ہے؟ اس کے علم کا اس کے پاس کوئی عقلی ذریعہ نہیں. انبیاء کرام کا اعلان یہ ہے کہ ان کے پاس ایك ذریعہ موجود ہے اور وہ ''وحی'' ہے. چوں کہ انسان کے پاس ہدایت وحی کے خلاف کوئی یقینی روشنی موجود نہیں اور چوں کہ بغیر اس علم کے قبول کیے، کارخانۂ حیات کا مسئلہ حل نہیں ہوتا اور چوں کہ وہ وجدانی طور پر اس کی طلب بھی رکھتا ہے اس لیے اس کا فرض ہے کہ اس اعلان کے آگے سر تسلیم خم کردے. اگر نہیں کرے گا تو وہ یقین و طمانیت کی جگہ شك و ظن کی زندگی کو ترجیح دے گا.

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۶۶

اس پر قوم کے سربرآوردہ لوگوں نے جنھوں نے کفر کا ڈھنگ اختیار کیا تھا کہا: ہمیں تو ایسا دکھائی دیتا ہے کہ تم حماقت میں پڑ گئے ہو اور ہمارا خیال یہ ہے کہ تم جھوٹ بولنے والوں میں سے ہو ۶۶.

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶۷

ہود نے کہا: بھائیو! میں احمق نہیں ہوں، میں تو اس کی طرف سے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے بھیجا ہوا ہوں ۶۷.

= ''اسماء سمیتموھا انتم و اٰباؤکم'' (۴۰:۱۲) سے جا بجا تعبیر کرتا ہے، کیونکہ بنائے ہوئے ناموں اور لفظوں کے سوا وہ کوئی حقیقت اور معقولیت پیش نہیں کر سکتے.

افسوس مسلمانوں میں بھی بہت سے ایسے ''اسماء'' پیدا ہو گئے ہیں جنھیں وہ حجت و دلیل سمجھنے لگے ہیں، حالانکہ خدا نے ان کے لیے کوئی دلیل نہیں اتاری.

مَا لَكُم مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۞ ٦٥ سدوں میں سے ھود کو بھیجا . اس نے کہا : اے قوم ! الله کی بندگی کرو ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں . کیا تم (انکار و بدعملی کے نتائج سے) نہیں ڈرتے ؟ ٦٥ .

---

٦٥ - (ج) قوم نوح کے بعد عرب میں قوم عاد کو عروج ہوا ان کی آبادیاں عمان سے لے کر حضر موت اور یمن تک پھیل گئی تھیں حضرت ھود کا انہیں میں ظہور ہوا تھا .

حضرت ھود کا وعظ اور قوم کا آبا و اجداد کی تقلید کی بنا پر انکار .

قبول حق کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ آبا و اجداد کی اندھی تقلید اور گھڑی ہوئی بزرگیوں اور روایتی عظمتوں کی پرستش ھے . ابتدا میں جہل و فساد سے کوئی عقیدہ گھڑ لیا جاتا ھے ، پھر ایک مدت تک لوگ اسے مانتے رہتے ھیں ، پھر جب ایک عرصے کے اعتقاد سے اس میں شان تقدیس پیدا ہو جاتی ھے تو اسے شك و شبہ سے بالا تر سمجھنے لگتے ھیں اور عقل و بصیرت کی کوئی دلیل بھی اس کے خلاف تسلیم نہیں کرتے . قرآن اسی کو =

قَالُوٓا اَجِئۡتَنَا لِنَعۡبُدَ اللّٰهَ وَحۡدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ۝ ۷۰

انھوں نے کہا : کیا تم اس لیے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہم صرف ایک ھی خدا کے پجاری ہو جائیں اور ان معبودوں کو چھوڑ دیں جنھیں ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ھیں؟ اگر تم سچے ہو تو وہ بات لا دکھاؤ جس کا ھمیں ڈر دلا رھے ہو ۷۰ ۔

قَالَ قَدۡ وَقَعَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ رِجۡسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوۡنَنِىۡ فِىۡۤ اَسۡمَآءٍ سَمَّيۡتُمُوۡهَاۤ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ ؕ فَانۡتَظِرُوۡۤا اِنِّىۡ مَعَكُمۡ مِّنَ الۡمُنۡتَظِرِيۡنَ ۝ ۷۱

ہود نے کہا: یقین کرو تمھارے پروردگار کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب واقع ہو گیا ھے (کہ عقلیں ماری گئی ھیں اور اپنے ہاتھوں اپنے کو تباھی کے حوالے کر رھے ہو) . کیا ھے

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ۞ ٦٨

میں اس کا پیام تمھیں پہنچاتا ہوں اور یقین کرو کہ تمھیں دیانت داری کے ساتھ نصیحت کرنے والا ہوں ٦٨ ۔

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِى الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۞ ٦٩

کیا تمھیں اس بات پر اچنبھا ہو رہا ہے کہ ایک ایسے آدمی کے ذریعے تمھارے پروردگار کی نصیحت تم تک پہنچی جو خود تمھیں میں سے ہے، (۷) [تا کہ تمھیں (انکار اور بد عملی کے نتائج سے) خبردار کردے]. خدا کا یہ احسان یاد کرو کہ قوم نوح کے بعد تمھیں اس کا جانشین بنایا اور تمھاری نسل کو زیادہ وسعت اور توانائی بخشی ۔ پس چاہیے کہ اللہ کی نعمتوں کی یاد سے غافل نہ ہو، تا کہ ہر طرح کام یاب ہو ٦٩ ۔

رَبِّكُمْ ۭ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْۗءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ۷۳

کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں. دیکھو! تمہارے پروردگار کی طرف سے ایك واضح دلیل تمہارے سامنے آچکی ہے.

یہ خدا کے نام پر چھوڑی ہوئی اونٹنی تمہارے لیے ایك (فیصلہ کن) نشانی ہے. پس اسے کھلا چھوڑ دو کہ خدا کی زمین میں جہاں چاہے چرے. اسے کسی طرح کا نقصان نہ پہنچاؤ کہ (اس کی پاداش میں) عذاب جان کاہ تمہیں آپکڑے ۷۳.

---

۷۳ - (د) قوم ثمود عرب کے اس حصہ میں آباد تھی جو حجاز اور شام کے درمیان وادی القریٰ تك چلا گیا ہے. اسی مقام کو دوسری جگہ "الحجر" سے بھی تعبیر کیا ہے.

پالتو جانوروں کو خدا کے نام پر چھوڑ دینے کا طریقہ بہت قدیمی ہے. بابل اور ہندوستان میں اس کا سراغ ہزاروں برس پیشتر تك ملتا ہے. معلوم ہوتا ہے کہ قوم ثمود کے لوگ بھی اپنے بتوں کے نام پر جانور چھوڑ دیا =

حس کی بنا پر تم مجھ سے جھگڑ رہے ہو؟ محض چند نام جو تم نے
اور تمہارے بزرگوں نے اپنے جی سے گھڑ لیے ہیں اور جن کے
لیے خدا نے کوئی سند نہیں اتاری. اچھا! (آنے والے وقت کا)
انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں
میں ہوں ۷۱ ۰

فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ
بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا
دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
۹ ع ۱۶ وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ع ۷۲

پھر ایسا ہوا کہ ہم نے ہود کو
اور اس کے ساتھیوں کو اپنی
رحمت سے بچالیا اور جنھوں
نے نشانیاں جھٹلائی تھیں
ان کی بیخ و بنیاد تک اکھاڑ دی. حقیقت یہ ہے کہ وہ کبھی
ایمان لانے والے نہ تھے ۷۲

وقف النبی وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا م
قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ
مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط
قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ

اور (اسی طرح) ہم نے قوم
ثمود کی طرف اس کے بھائی بندوں
میں سے صالح کو بھیجا. اس
نے کہا: اے میری قوم

بُيُوتًا ۚ فَاذْكُرُوٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ	کام لیتے ہو اور پہاڑوں کو بھی
وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ	تراش کر اپنا گھر بنا لیتے ہو
مُفْسِدِيْنَ ۝ ۷۴	(یہ اس کا تم پر احسان ہے).

پس اللہ کی نعمتیں یاد کرو اور ملک میں سرکشی کرتے ہوئے خرابی نہ پھیلاؤ ۷۴ .

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا	قوم کے جن سر برآوردہ لوگوں
مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا	کو (اپنی دولت اور طاقت کا)
لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ	گھمنڈ تھا انھوں نے مومنوں
اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ	سے کہا اور یہ ان لوگوں میں
قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ	سے تھے جنھیں (افلاس اور
مُؤْمِنُوْنَ ۝ ۷۵	بے چارگی کی وجہ سے)

کم زور و حقیر سمجھتے تھے: کیا تم نے سچ مچ کو معلوم کرلیا ہے کہ صالح خدا کا بھیجا ہوا ہے؟ (یعنی ہمیں تو ایسی کوئی بات اس میں دکھائی دیتی نہیں). انھوں نے کہا: ہاں بے شک: جس پیام حق کے ساتھ وہ بھیجا گیا ہے ہم اس پر پورا یقین

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ	اور وہ وقت یاد کرو کہ
خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ	خدا نے تمہیں قوم عاد کے بعد
وَّبَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ	اس کا جانشین بنایا اور اس
تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا	سر زمین میں اس طرح بسادیا
قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ	کہ میدانوں سے محل بنانے کا

= کرتے تھے. حضرت صالح نے خدا کے نام پر ایک اونٹنی چھوڑ دی اور اسی معاملے میں قوم کے لیے اتباع حق کی آزمایش ہوگئی . اگر وہ اونٹنی کو ضرر نہ پہنچاتے تو یہ اس بات کا ثبوت ہوتا کہ ان کے دل ہدایت کے آگے جھک گئے ہیں ، مگر ان کے اندر خدا پرستی کے خلاف ایسی ضد اور شرارت پیدا ہوگئی تھی کہ اتنی سی بات بھی نہ مان سکے اور اونٹنی کو زخمی کر کے ہلاک کر ڈالا .

" ملک میں سرکشی کرتے ہوے خرابی نہ پھیلاو "
اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ قتل و غارت ، لوٹ مار ، شر و فساد میں چھوٹ ہوگئے تھے اور امن و عدالت کا کوئی احساس باقی نہیں رہا تھا .

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ ٧٨

پس ایسا ہوا کہ لرزا دینے والی ہول ناکی نے انہیں آلیا اور جب ان پر صبح ہوئی تو گھروں میں اوندھے منہ پڑے تھے ٧٨ .

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ ٧٩

پھر صالح ان سے کنارہ کش ہوگیا . اس نے کہا : اے میری قوم کے لوگو! میں نے اپنے پروردگار کا پیام تمھیں پہنچایا اور نصیحت کی ، مگر (افسوس تم پر!) تم نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے ٧٩ .

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ٨٠

اور لوط کا واقعہ یاد کرو جب اس نے اپنی قوم سے کہا تھا . کیا تم ایسی بے حیائی کا کام کرنا پسند کرتے ہو جو تم سے

رکھتے ھیں ۷۵ ۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ ۷۶

اس پر گھمنڈ کرنے والوں نے کہا: جس بات کا یقین ہے تمہیں اس سے انکار ہوا ۷۶ .

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَ عَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَ قَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ۷۷

غرض کہ انہوں نے اونٹنی کو کاٹ ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی .

انہوں نے کہا: اے صالح ! اگر تم واقعی پیغمبروں میں سے ہو تو اب وہ بات ہم پر لا دکھاؤ جس کا تم نے ہمیں ڈر دلایا تھا ۷۷ .

---

۷۵ – (۵) جو حقیر و ذلیل سمجھے جاتے تھے انہوں نے سچائی قبول کی اور جنہیں اپنی دنیاوی بڑائیوں کا گھمنڈ تھا، انہوں نے انکار کیا . دعوت حق کا جب کبھی ظہور ہوا ہے تو ہمیشہ ایسی ہی صورت حال پیش آئی ہے . قبولیت حق کی راہ میں ایك بڑا مانع دنیوی خوش حالیوں کا گھمنڈ اور انہماك ہے .

اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝۸۲ آدمی کو اپنی بستی سے نکال

باہر کرو۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو بڑے پاک صاف بنا چاہتے ہیں۸۲۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا پس ایسا ہوا کہ لوط کو اور اس

امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ کے گھر والوں کو تو ہم نے

الْغٰبِرِيْنَ ۝۸۳ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ بچالیا، مگر اس کی بیوی نہ بچی

مَّطَرًا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ کہ وہ بھی پیچھے رہ جانے

۱۰ ع ۱۷ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۸۴ والوں میں تھی ۸۳۔ ہم نے

ان پر (پتھروں کا) مینہ برسا دیا تھا۔ سو دیکھو! مجرموں کا

کیسا انجام ہوا؟ ۸۴۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۭ اور (اسی طرح) مدین کی بستی

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ میں شعیب بھیجا گیا کہ انہیں

مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ کے بھائی بندوں میں سے تھا۔

قَدْ جَاۗءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ اس نے کہا: بھائیو! اللہ کی

رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا

پہلے دنیا میں کسی انسان نے نہیں کیا؟ ۸۰ .

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ	تم عورتوں کو چھوڑ کر نفسانی
شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ	خواهش سے مردوں پر مائل
بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝۸۱	هوتے هو. یقیناً تم ایک ایسی

قوم هو گئے هو جو (اپنی نفس پرستیوں میں) بالکل چھوٹ ہے ۸۱.

وَ مَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ	لوط کی قوم کے پاس اگر اس
اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ	کا کچھ جواب تھا تو یہ تھا کہ
مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ	آپس میں کہنے لگے: اس

۸۰ - (و) حضرت لوط حضرت ابراهیم علیهما السلام کے بھتیجے تھے اور بحر میت کے کنارے سدوم میں مقیم هو گئے تھے. یه معامله وهیں پیش آیا.

تورات میں ہے که سدوم اور عموره پر آگ اور گندھک کی بارش هوئی تھی. قرآن میں ہے که پتھر گرے تھے دونوں بیانوں کے جمع کرنے سے معلوم هوتا ہے که ایسی حالت پیش آئی هوگی جیسی آتش فشاں پہاڑوں کے پھٹنے سے واقع هوتی ہے.

وَ لَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ	اور دیکھو! ایسا نہ کرو کہ
تُوْعِدُوْنَ وَ تَصُدُّوْنَ عَنْ	(دعوت حق کی اشاعت روکنے
سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ	کے لیے) ہر راستے جا بیٹھو
وَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ	اور جو آدمی بھی ایمان لائے
وَ اذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا	اسے دھمکیاں دے کر خدا کی
فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَ انْظُرُوْا كَيْفَ	راہ سے روکو اور اس میں
كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۞ ۸۶	کجی ڈالنے کے درپے ہو۔

خدا کا احسان یاد کرو کہ تم بہت تھوڑے تھے، اس نے (اس

= و عدالت کی راہ دکھائی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک انبیاء کی تعلیم بجائے خود دلیل، بینہ اور حجت ہے، اور ضروری نہیں کہ اس کے ساتھ کوئی دوسری نشانی اور مصطلحہ معجزہ بھی ہو۔

(ط) ماپ تول کی درستگی اور یہ اصل کہ خرید و فروخت میں جو جس کا حق ہو اسے پورا ملنا چاہیے، انسانی معیشت کی وہ بنیادی صداقت ہے جس کی ہمیشہ نبیوں نے تلقین کی۔

وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ ۸۵

کوئی معبود نہیں ۔ دیکھو! تمھارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل تمھارے سامنے آچکی۔ پس چاھیے کہ ماپ تول پورا پورا کیا کرو۔ لوگوں کو (خرید و فروخت میں) ان کی چیزیں کم نہ دو۔ ملك کی درستگی کے بعد (کہ دعوت حق کے قیام سے ظہور میں آرھی ھے) اس میں خرابی نہ ڈالو۔ اگر تم ایمان رکھتے ھو تو یقین کرو! اسی میں تمھارے لیے بہتری ھے۸۵.

۸۵ – (ر) "مدین" کسی بستی کا نام نہیں، ایك قبیلے کا نام تھا جو جزیرہ نماے سینا میں عرب سے متصل آباد تھا۔ اسی میں حضرت شعیب کا ظہور ھوا۔

(ح) قرآن نے حضرت شعیب کی کوئی ایسی نشانی بیان نہیں کی جیسی دوسرے پیغمبروں کی بیان کی ھے اور جو متکلمین کی اصطلاح میں "معجزہ" کے لفظ سے تعبیر کی جاتی ھے۔ تاھم قرآن حضرت شعیب کی زبانی نقل کرتا ھے کہ "واضح دلیل آچکی"۔ یہ "دلیل واضح" کیا تھی؟ حضرت شعیب کی تعلیم تھی جو راست بازی=

قال الملا – ٩

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا	اس کی قوم کے سرداروں نے
مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ	جنهیں (اپنی دنیوی طاقتوں کا)
يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	گهمنڈ تها کہا: اے شعیب!
مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ	(دو باتوں میں سے ایك بات
اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ	هو کر رهے گی:) یا تو تجهے
قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۚ؃ ۸۸	اور ان سب کو جو تیرے

ساتھ ایمان لائے هیں هم اپنے شہر سے نکال باهر کریں گے، یا تمهیں مجبور کر دیں گے کہ همارے دین میں لوٹ آؤ.
شعیب نے کہا: اگر همارا دل تمهارے دین پر مطمئن نہ هو تو کیا جبرا مان لیں؟ ۸۸.

=" قضاء بالحق " اور "سب سے بڑی شهادت" سے بهی تعبیر کیا هے. یہ فیصلہ کیا هے؟ قانون الٰهی کا وہ اعلان جو حق کو کام یاب کر کے اور باطل کو نا کام رکھ کر اپنا فیصلہ صادر کر دیتا هے.

۸۸ – (ل) آیت ۸۸ نے واضح کر دیا کہ قرآن کے نزدیك مذهبی اعتقاد کا معاملہ دل کے یقین و طمانیت کا=

و عافیت دے کر) تمہاری تعداد زیادہ کردی۔ اور پھر غور کرو! جن لوگوں نے فساد کا ڈھنگ اختیار کیا تھا انہیں کیسا کچھ انجام پیش آچکا ھے؟ ۸۶ .

وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ	اور اگر ایسا ہوا ھے کہ تم میں
اٰمَنُوْا بِالَّذِیْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ	سے ایك گروہ اس تعلیم پر ایمان
وَطَآئِفَةٌ لَّمْ یُؤْمِنُوْا	لے آیا ھے جس کی تبلیغ
فَاصْبِرُوْا حَتّٰى یَحْكُمَ اللّٰهُ	کے لیے میں بھیجا گیا ہوں
بَیْنَنَا ۚ وَهُوَ خَیْرُ	اور دوسرا گروہ ھے جسے اس
الْحٰكِمِیْنَ ۞ ۸۷	پر یقین نہیں تو (صرف اتنی ھی

بات دیکھ کر فیصلہ نہ کر لو) صبر کرو، یہاں تك کہ اللہ ھمارے درمیان فیصلہ کردے اور وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ھے ۸۷ .

۸۷ - (ی) حضرت شعیب نے کہا: "کم از کم صبر کرو اور نتیجہ دیکھ لو"۔ لیکن منکر اس کے لیے بھی تیار نہ ھوئے .

(ك) آیت ۸۷ میں فرمایا: "وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ھے"۔ اور دوسری جگہ خدا کے اس فیصلہ کو =

ھاں ! اللہ کا جو ہمارا پروردگار ہے ، ایسا ہی چاہتا ہو (تو وہ جو چاہے گا ہو کر رہے گا) ۔ کوئی چیز نہیں جس پر وہ اپنے علم سے چھایا ہوا نہ ہو ۔ ہمارا تمام تر بھروسا اسی پر ہے ۔ اے پروردگار ! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان سچائی کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو بہتر فیصلہ کرنے والا ہے ۸۹ ۔

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝۹۰

قوم کے سرداروں نے جو شعیب کے منکر تھے (لوگوں سے) کہا : اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو بس سمجھ لو تم برباد ہوئے ۹۰ ۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝۹۱

پس ایسا ہوا کہ لرزا دینے والی ہولناکی نے انہیں آ لیا اور جب ان پر صبح ہوئی تو گھروں میں اوندھے منہ پڑے تھے ۹۱ ۔

ع - ۳

اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا

جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا تھا (ان کا کیا حال ہوا ؟) گویا ان بستیوں میں

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا	اگر ہم تمہارے دین میں
اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ	لوٹ آئیں ، حالانکہ خدا نے
اِذْ نَجّٰنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ	(علم و یقین کی روشنی نمایاں
لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ	کرکے) ہمیں اس سے نجات
اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ	دے دی ہے تو اس کا مطلب
رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى	یہ ہوگا کہ ہم نے جھوٹ
اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ	بولتے ہوئے خدا پر بہتان باندھا.
بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ	ہمارے لیے ممکن نہیں کہ
وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ۞ ۸۹	اب قدم پیچھے ہٹائیں .

= معاملہ ہے اور جبراً کسی کو اس کے لیے مجبور نہیں کیا جا سکتا . نیز یہ کہ ہمیشہ داعیان حق اور منکرین حق میں بناء نزاع یہی بات رہی ہے کہ وہ کہتے تھے ”ہمارا دل جس راہ کو حق سمجھتا ہے اسی پر چلیں گے“. یہ کہتے تھے ”نہیں ! ہم تمہیں جبراً اپنی راہ پر چلا کر چھوڑیں گے“.

٩٤ - تمام پیغمبروں کے حالات پر غور کرو:

(ا) سب اسی قوم میں پیدا ہوئے جس کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے تھے. ایسا نہیں ہوا کہ باہر سے کوئی اجنبی آ گیا ہو جس کی زندگی سے لوگ بے خبر ہوں.

(ب) کوئی بھی بادشاہ یا امیر نہ تھا، نہ کسی طرح کا دنیوی سر و سامان رکھتا تھا. سب کا ظہور اسی طرح ہوا کہ تن تنہا اعلان حق کے لیے کھڑے ہو گئے اور صرف خدا کی معیت و نصرت پر اعتماد کیا.

(ج) سب کا پیام ایک ہی تھا: خدا کی بندگی کرو، اس کے سوا کوئی معبود نہیں.

(د) سب نے نیک عملی کی تلقین کی. انکار و بد عملی کے نتائج سے متنبہ کیا.

(ہ) سب کے ساتھ یہی ہوا کہ رئیسوں نے سرکشی کی، بے نواؤں نے ساتھ دیا.

(و) مخالفت بھی ہمیشہ ایک ہی طرح ہوئی، یعنی اعلان رسالت کی ہنسی اڑائی گئی، ان کی باتوں کو حماقت سے تعبیر کیا گیا، انہیں اور ان کے ساتھیوں کو اذیت پہنچانے کے تمام وسائل کام میں لائے، ان کی دعوت کی اشاعت روکنے کے لیے اپنی ساری قوتیں خرچ کر ڈالیں. =

هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ٩٢ | کبھی بسے ہی نہ تھے!

جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا تھا وہی برباد ہونے
والے تھے ٩٢۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ يٰقَوْمِ | بہر حال شعیب ان سے

لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ | کنارہ کش ہوگیا۔ اس نے

رَبِّيْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ | کہا: بھائیو! میں نے پروردگار

١١ ع ١ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ۝ ٩٣ | کے پیغامات تمہیں پہنچادیے تھے

اور تمہاری بہتری چاہی تھی (مگر جب تم نے جان بوجھ کر
ہلاکت کی راہ پسند کی) تو میں نہ ماننے والوں (کی تباہی) پر
اب کیسے افسوس کروں؟ ٩٣۔

وَ مَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ | اور ہم نے جب کبھی کسی

مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا | بستی میں کوئی نبی بھیجا تو ہمیشہ

بِالْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ | ایسا کیا کہ اس کے باشندوں

يَضَّرَّعُوْنَ ۝ ٩٤ | کو سختیوں اور نقصانوں میں

مبتلا کر دیا تا کہ (سرکشی سے باز آئیں اور) عاجزی و نیاز
مندی کریں ٩٤۔

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ	پھر ھم نے مصیبت راحت سے
الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّ قَالُوْا	بدل دی . پھر حب ایسا ھوا
قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ	که وه (خوش حالیون میں)
وَ السَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً	حوب بڑھ گئے اور (پاداش
وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝٩٥	عمل سے بے پروا ھو کر)

لگے کہنے "ھمارے بزرگون پر سختی کے دن بھی گزرے ، راحت کے بھی" (یعنی دنیا میں اچھی بری حالتیں پیش آتی ھی رھتی ھیں ، جزاء عمل کوئی چیز نہیں) تو اچانك ھمارے عذاب کی پکڑ میں آ گئے اورر وه بالکل بے خبر تھے ۹۵ .

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى	اور اگر ان بستیون کے رھنے
اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا	والے (حن کی سرگذشتیں بیان
عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ	کی گئی ھیں) ایمان لاتے اور
وَ الْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا	برائیون سے بچتے تو ھم آسمان اور
فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا	زمین کی برکتون کے دروازے
يَكْسِبُوْنَ ۝٩٦	ضرور ان پر کھول دیتے

= (ز) پیغمبروں نے همیشه کہا : اگر میری دعوت قبول نہیں کرتے تو کم از کم میری موجودگی برداشت کر لو اور فیصلہ نتائج پر چھوڑ دو، لیکن منکر اس کے لیے بھی تیار نہیں ہوے .

(ح) همیشه یہی ہوا که داعی حق اور ان کے ساتھی وعظ و پند کے ذریعے تبلیغ کرتے، یعنی دل و دماغ کو اپیل کرتے، لیکن منکر جبر و تشدد سے ان کی راہ روکنی چاهتے پیغمبروں کی پکار یہ ہوتی تھی که روشن دلیلوں پر غور کرو. منکروں کا جواب یہ ہوتا تھا که انھیں بستی سے نکال باہر کرو یا سنگ سار کر دو .

(ط) پھر دیکھو! نتیجہ بھی همیشه ایك هی طرح کا پیش آیا . وہ تمام جماعتیں جنھوں نے دعوت حق کا مقابلہ کیا تھا هلاك و نابود ہو گئیں اور دنیا کی کوئی طاقت بھی انھیں قانون الٰہی کی پکڑ سے نہ بچاسکی .

یہی نتیجه هے جس پر خصوصیت کے ساتھ یہاں توجہ دلائی هے اور قرآن دعوت حق کے ظہور و احوال کی یکسانیت سے بے شمار مقاصد و نتائج پر استدلال کرتا هے . چنانچہ آیت ٩٤ میں فرمایا که همیشه سنت الٰہی ایسی هی رهی هے . اور پھر آیت ١٠١ اور اس کے بعد کی آیات میں واضح کردیا هے که گزشته دعوتوں کے ذکر سے مقصود اسی حقیقت کی تلقین هے

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ع ۹۹	کیا انہیں خدا کی مخفی تدبیروں سے امان مل گئی ہے (اور وہ سمجھتے ہیں ان کے خلاف

۱۲
ع
۲

کچھ ہونے والا نہیں؟) تو یاد رکھو! خدا کی مخفی تدبیروں سے بے خوف نہیں ہو سکتے مگر وہی جو تباہ ہونے والے ہیں۹۹.

= اس لیے کہ گو ان کا ظہور قدرت کی عادی و جاری صورتوں ہی میں ہوا تھا، لیکن اس لیے ہوا تھا کہ انکار و سرکشی کے نتائج لوگوں کے سامنے آجائیں اور پیغمبروں نے ان کے ظہور کی پہلے سے خبر دے دی تھی.

ضروری نہیں کہ ہر زلزلہ کسی گروہ کے لیے عذاب ہو، لیکن ہر وہ زلزلہ عذاب تھا جس کی کسی پیغمبر نے اتمام حجت کے بعد خبر دے دی تھی اور جسے مشیت الٰہی نے اس معاملے سے وابستہ کر دیا تھا. خدا نے فطرت کے تمام مظاہر کے لیے ایک خاص بھیس مقرر کر دیا ہے. وہ جب کبھی آئے گی تو اسی بھیس میں آئے گی، اس کا بھیس بدل نہیں سکتا. لیکن اس کے ظہور کے مقاصد ہمیشہ یکساں نہیں ہوتے اور حقیقت حال انسانی علم کے دسترس سے باہر ہے.

لیکن انھوں نے جھٹلایا ، پس اس کمائی کی وجہ سے جو انھوں نے (اپنے اعمال کے ذریعے) حاصل کی تھی ہم نے انھیں پکڑ لیا (اور وہ مبتلائے عذاب ہوئے) ۹٦ ۔

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓی اَنْ	کیا شہروں کے بسنے والوں کو
یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا بَیَاتًا وَّهُمْ	اس بات سے امان مل گئی ہے
نَآئِمُوْنَ ؕ ۹۷	کہ ہمارا عذاب راتوں رات

آنازل ہو اور وہ پڑے سوتے ہوں؟ ۹۷ ۔

اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓی اَنْ	یا انھیں اس بات سے امان مل
یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًی وَّهُمْ	گئی ہے کہ دن دھاڑے عذاب
یَلْعَبُوْنَ ۞ ۹۸	آنازل ہو اور وہ بے خبر

کھیل کود میں مشغول ہوں؟ ۹۸ ۔

---

۹۸ - منکر و سرکش جماعتوں کی ہلاکت کے جو حالات بیان کیے گئے ہیں وہ سب اس نوعیت کے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے قدرتی حوادث کا ظہور تھا ، مثلاً زلزلہ ، طوفان ، سیلاب ، آتش فشانی ، پھر انھیں مقررہ عذاب کیوں کہا گیا؟ ۔ =

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ۞ ۱۰۱

(اے پیغمبر!) یہ ہیں (دنیا کی پرانی) آبادیاں جن کے حالات ہم تمہیں سناتے ہیں . ان سب میں ان کے پیغمبر (سچائی کی) روشن دلیلوں کے ساتھ آئے، مگر ان کے بسنے والے ایسے نہ تھے کہ جو بات پہلے جھٹلا چکے تھے اسے (سچائی کی نشانیاں دیکھ کر) مان لیں. سو دیکھو! اس طرح خدا ان لوگوں کے دلوں پر مہر لگادیتا ہے جو (ہٹ دھرمی سے) انکار کرتے ہیں ۱۰۱ .

= کے لیے بھی اس کا گمان نہیں ہوتا (۹) یہاں تک کہ اچانک اس کا داؤ نمودار ہو جاتا ہے اور ہم یک قلم غفلت و سرمستی میں سرشار ہوتے ہیں ! فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخسرون ! .

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ	پھر جو لوگ (پہلی جماعتوں کے
الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ	بعد) ملک کے وارث ہوتے ہیں
اَنْ لَّوْنَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ	کیا وہ یہ بات نہیں پاتے کہ
بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ	اگر ہم چاہیں تو (پہلوں کی
عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ	طرح) انہیں بھی گناہوں کی
لَا يَسْمَعُوْنَ ۞ ۱۰۰	وجہ سے مصیبتوں میں مبتلا

کردیں اور ان کے دلوں پر مہر لگادیں کہ کوئی بات سنیں ہی نہیں؟ ۱۰۰.

۹۹ - آیت ۹۹ کا مطلب تم سمجھے؟ عربی میں "مکر" کے معنی مخفی داؤ اور تدبیر کے ہیں. غور کرو! فطرت کے داؤ کیسے مخفی اور نا گہانی ہوا کرتے ہیں؟ زلزلے کے اسباب شب و روز نشو و نما پاتے رہتے ہیں. سیلاب ایک لمحے کی برف باری ہی کا نتیجہ نہیں ہوتا آتش فشاں پہاڑوں کا لاوا برسوں تک اندر ہی اندر کھولتا رہتا ہے(۸) فطرت چپکے چپکے یہ سب کام کرتی رہتی ہے، لیکن ہمیں کہ اس کی گود میں کھیلتے کودتے رہتے ہیں ایک لمحے =

يُرِيدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ يه چاهتا هے (اپنى ان طاقتو ں

اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝۱۱۰ سے کام لے کر) تمهیں ملك سے

نکال باهر کرے (اور خود مالك بن بیٹھے) . اب بتلاؤ! تمهاری

صلاح اس بارے میں کیا هے؟ ۱۱۰ .

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَ اَخَاهُ وَ اَرْسِلْ (چنانچه) انهوں نے (باهم

فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۝۱۱۱ مشورے کے بعد فرعون سے)

يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ۝۱۱۲ کها: موسى اور اس کے بهائی

کو ڈهیل دے کر روك لے اور (اس اثناء میں) نقیب روانه

کردے که (مملکت کے) تمام شهروں سے ۱۱۱ جادوگر اکٹها

کرکے تیرے حضور لے آئیں ۱۱۲ .

۱۰۹ تا ۱۱۲ - (ب) جب ایك گری هوئی جماعت اٹهتی هے اور اپنی حالت سنوارنا چاهتی هے تو مستبد قوتیں اسے بغاوت سے تعبیر کرتی هیں. حضرت موسى کا مطالبه صرف یه تها که بنی اسرائیل کو مصر سے نکل جانے دیا جائے. لیکن امراء مصر نے کها: ''یه چاهتا هے تم مصریوں کو تمهارے ملك سے نکال باهر کرے''. اور سورۂ یونس میں=

قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ
فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ
الصّٰدِقِيْنَ ۞ ١٠٦

فرعون نے کہا: اگر تو
واقعی کوئی نشانی لے کر آیا ہے
اور اپنے دعوے میں سچا ہے
تو پیش کر ١٠٦ .

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ
مُّبِيْنٌ ۞ صلے ج ١٠٧

اس پر موسی نے اپنی لاٹھی
ڈال دی تو اچانك ایسا ہوا كه
ایك نمایاں اژدہا ان کے سامنے تھا ١٠٧ .

وَّ نَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ
لِلنّٰظِرِيْنَ ۞ ١٠٨ ١٣ ع ٣

اور اپنا ہاتھ (جیب سے باہر)
نکالا تو اچانك ایسا ہوا كه
دیکھنے والوں کے لیے سفید چمکیلا تھا ١٠٨ .

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ
اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۙ ١٠٩

فرعون کی قوم کے سردار
(آپس میں) کہنے لگے:
بلا شبه یه بڑا ماہر جادوگر ہے ١٠٩ .

= پھر رفته رفته فرعونوں نے انہیں اپنا غلام بنا لیا، یہاں تك
كه حضرت موسی كا ظهور هوا .

قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا	موسی نے کہا: تمھیں پہلے
سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ	پھینکو. پھر جب جادوگروں
وَ اسْتَرْهَبُوْهُمْ وَ جَآءُوْ	نے (جادو کی ساٸی ہوئی لاٹھیاں
بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ۞ ۱۱۶	اور رسیاں) پھینکیں تو ایسا

کیا کہ لوگوں کی نگاهیں جادو سے ماردیں اور ان میں (اپنے کرتوں سے) دهشت پھیلادی اور بہت بڑا جادو لا ئے۱۱٦ .

---

۱۰۳ تا ۱۱٦ - (د) مصر کے جادوگروں کا اکٹھا هونا اور حضرت موسی سے مقابله :

جادوگروں کی نسبت فرمایا " لوگوں کی نگاهیں جادو سے مار دی تھیں" یعنی جادو کے شعبدوں کی کوئی حقیقت نہیں، محض نگاه کا دهوکا تھا . چنانچه دوسری جگه اسے تخیل کی تاثیر سے بھی تعبیر کیا ھے (۲۰ : ٦٦). نیز آیت ۱۱۷ میں فرمایا: " ما یافکون " یعنی ان کی نمایش جھوٹی تھی .

جادو کا اعتقاد دنیا کی قدیم اور عالم گیر گم راهیوں میں سے ھے اور نوع انسانی کے لیے بڑی مصیبتوں کا باعث هو چکا ھے . قرآن نے آج سے تیره سو برس پہلے اس کے بے اصل هونے کا اعلان کیا، لیکن افسوس =

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ ١١٣

چنانچه جادوگر فرعون کے حضور آئے ۔ انهوں نے کہا : اگر هم موسی پر غالب آئے تو همیں اس خدمت کے صلے میں انعام ملنا چاهیے ١١٣ .

قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ ١١٤

فرعون نے کہا : ضرور ملے گا اور تم سب میرے مقربوں میں داخل هو جاؤ گے ١١٤ .

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ۝ ١١٥

(پهر جب مقابله هوا تو) جادوگروں نے کہا : اے موسی ! یا تو تم پہلے (اپنی لاٹھی) پهینکو یا پهر همیں کو پهینکنا هے ١١٥ .

= هے که انهوں نے موسی سے کہا : تم چاهتے هو ملك کی سرداری تمهیں مل جائے (آیت ٧٨) .

(ج) ارکان حکومت کا مشوره اور حضرت موسی کے مقابلے کے لیے جادوگروں کی طلبی . سورۂ طه میں مزید تفصیل هے (دیکهو آیت ٥٨) .

(موسی کی سچائی دیکھ کر) جادوگر بے اختیار سجدے میں گر پڑے ۱۲ .

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۱۲۱ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۱۲۲

انہوں نے کہا : ہم اس پر ایمان لائے جو تمام جہان کا پروردگار ہے ۱۲۱ . جو موسی اور ہارون کا پروردگار ہے ۱۲۲ .

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۱۲۳

فرعون نے (غضب ناك ہو کر) کہا : مجھ سے اجازت لیے بغیر تم موسی پر ایمان لائے؟ ضرور یہ ایك پوشیدہ سازش ہے جو تم نے (مل جل کر) شہر میں کی ہے ، تاکہ اس کے باشندوں کو اس سے نکال باہر کرو . اچھا ! تھوڑی دیر میں تمہیں (اس کا نتیجہ) معلوم ہو جائے گا ۱۲۳ .

---

۱۱۹ تا ۱۲۳ - (۵) جادوگروں کا بری طرح ہارنا ، حضرت موسی پر ایمان لانا ، فرعون کا اسے سازش قرار دینا اور قتل و تعذیب کی دھمکی . ＝

وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ج فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ج ۱۱۷

اور (اس وقت) هم نے موسی پر وحی کی کہ تم بھی اپنی لاٹھی (میدان میں) ڈال دو . جو نہیں اس نے لاٹھی پھینکی تو اچانک کیا هوا کہ جو کچھ جھوٹا دکھاوا جادوگروں کا تھا سب (آناً فاناً) اس نے نگل کر نابود کر دیا ۱۱۷ .

فَوَقَعَ الْحَقُّ وَ بَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ج ۱۱۸

غرض کہ سچائی ثابت هو گئی اور جو کچھ جادوگروں نے کرتب کیے تھے سب ملیامیٹ هو ے ۱۱۸ .

فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَ انْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ج ۱۱۹ وَ اُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ صلے ج ۱۲۰

نتیجہ یہ نکلا کہ فرعون اور اس کے درباریوں کو اس مقابلے میں مغلوب هونا پڑا اور (فتح مند هونے کی جگہ) الٹے ذلیل هوے ۱۱۹ . اور پھر ایسا هوا کہ

هے کہ دنیا متنبہ نہ هوئی اور ازمنۂ وسطی (مڈل ایجز Middle Ages) کے مسیحی جہل و قساوت نے هزاروں بے گناہ انسانوں کو زندہ جلا دیا .

قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ج ۱۲۵ — انھوں نے جواب دیا: ہمیں اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہی ہے (پھر ہم جسم کے عذاب و موت سے کیوں ہراساں ہوں؟) ۱۲۵.

وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰیٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ط رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا

۱٤ مُسْلِمِیْنَ ع ۱۲٦ — ہمارا قصور اس کے سوا کچھ نہیں کہ جب ہمارے پروردگار کی نشانیاں ہمارے سامنے آگئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے. (ہماری دعا خدا سے یہ

ع

٤

ہے کہ) خدایا! ہمیں صبر و شکیبائی سے معمور کردے (تاکہ زندگی کی کوئی اذیت بھی ہمیں اس راہ میں ڈگمگا نہ سکے) اور ہمیں دنیا سے اس حالت میں اٹھا کہ تیرے فرماں بردار ہوں ۱۲٦.

= مل گئے ہیں، اسی لیے جان بوجھ کر انھیں فتح مند کرادیا اور پھر فوراً ان پر ایمان لے آئے.

۱۲۵ و ۱۲٦ - (و) سچا ایمان اگرچہ ایک لمحہ کا ہو، ایسی روحانی طاقت پیدا کردیتا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت ==

لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ	میں ضرور ایسا کروں گا کہ
وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ	پہلے تمہارے ھاتھ پاؤں الٹے
لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝١٢٤	سیدھے کٹواؤں ، پھر تم سب

کو سولی پر چڑھا دوں ١٢٤ ۔

= سورۂ طه میں ھے کہ یہ معاملہ مصریوں کے تہوار کے دن پیش آیا تھا اور مملکت کی تمام آبادی جمع تھی اور خود حضرت موسی کی تجویز سے ایسا ھوا تھا (آیت ٥٩). نیز یہ کہ مقابلے سے پہلے حضرت موسی نے جادوگروں کو نصیحت کی تھی اور وہ متاثر ھوکر آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے تھے ، لیکن چوں کہ فرعون نے اس معاملے کو قومی خطرے کا رنگ دے دیا تھا اس لیے مقابلے پر جمے رھے. انھوں نے آپس میں کہا : موسی ھمیں نکال کر ھمارے ملك پر قبضہ کرنا چاھتا ھے (آیت ٦٣) .

جب فرعون نے دیکھا تمام باشندگان ملك کے سامنے اسے شکست ھوئی اور جن جادوگروں پر بھروسا کیا گیا تھا وھی ایمان لے آئے تو ڈرا کہیں ایسا نہ ھو لوگ حضرت موسی کے معتقد ھو جائیں . اس لیے جادوگروں پر مکر وسازش کا الزام لگایا ، یعنی حضرت موسی سے =

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْاۚ اِنَّ الْاَرْضَ	تب موسی نے اپنی قوم کو (وعظ کرتے ہوے) کہا:

= طاقت سے مغلوب ہو کر فیصلہ کر نا کہ انھیں ان کے حال پر چھوڑ دے، لیکن ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ بنی اسرائیل کے لڑکے قتل کر دیے جائیں تاکہ ان کی تعداد بڑھنے نہ پائے۔

فرعون نے پہلے حضرت موسی کے قتل کا ارادہ کیا تھا، لیکن اس کے خاندان کے ایك آدمی نے کہ دل میں مومن تھا، اس سے باز رکھا (دیکھو۔ ٤٠ : ٢٨) ۔ پس یہاں درباریوں اور فرعون کے مکالمے کا مطلب یہ سمجھنا چاھیے کہ جب حضرت موسی آزاد چھوڑ دیے گئے تو درباریوں نے کہا: یہ شورش پھیلائے گا اور ھمارے دیوتاؤں سے علانیہ برگشتہ رھے گا۔ اس پر فرعون نے کہا: ڈرنے کی کیا بات ھے؟ بنی اسرائیل تو ھماری طاقت کے تلے دبے ہوے ھیں۔

(ح) مصری مختلف دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔ بڑا دیوتا سورج تھا جسے "رع" کہتے تھے اور چونکہ پادشاہ کو اس کا اوتار سمجھتے تھے اس لیے اس کا لقب "فارع" تھا۔ یہی فارع عبرانی میں "فاراعو" اور عربی میں فرعون ہوگیا۔

وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوسٰی وَ قَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَ يَذَرَكَ وَ اٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَ نَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَ اِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ۝ ۱۲۷

اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے فرعون سے کہا: کیا تو موسی اور اس کی قوم کو چھوڑ دے گا کہ ملک میں بدامنی پھیلائیں اور تجھے اور تیرے معبودوں کو ترک کردیں. فرعون نے کہا: ہم ان کے لڑکوں کو قتل کردیں گے اور ان کی عورتوں کو چھوڑ دیں گے (کہ ہماری باندیاں بن کر رہیں) اور (ہمیں ڈر کس بات کا ہے؟) وہ ہماری طاقت سے دبے ہوئے بے بس ہیں ۱۲۷ .

=اسے مرعوب و مسخر نہیں کرسکتی. وہی جادوگر جو فرعون سے صلہ و انعام کی التجائیں کر رہے تھے، ایمان لانے کے بعد معا ایسے بے پروا ہوگئے کہ سخت سے سخت جسمانی عذاب کی دھمکی بھی انھیں متزلزل نہ کرسکی. تفصیل سورۂ طہ میں ہے (آیت ۷۲) .

۱۲۷ - (ر) فرعون کا حضرت موسی کی روحانی =

= که عزم و ہمت کی روح پژمردہ ہو جاتی ہے۔ لوگ غلامی کے ذلت انگیز امن پر قانع ہو جاتے ہیں اور طلب وسعی کی مشکلوں سے جی چرانے لگتے ہیں۔ یہی حال بنی اسرائیل کا ہوا تھا۔ عرصے تک مصریوں کی غلامی میں رہتے رہتے اس درجہ مسخ ہو گئے تھے کہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا آزادی و کامرانی کی طلب میں ان حقیر راحتوں سے کیوں ہاتھ دھو بیٹھیں جو غلامی کی حالت میں میسر آرہی ہیں؟ حضرت موسی نے جب صبر و استقامت کی تلقین کی تو شکر گزار ہونے کی جگہ الٹی شکایتیں کرنے لگے۔ وہ ان کی نجات و کامرانی کے لیے فرعون کا مقابلہ کر رہے تھے۔ انہیں شکایت تھی کہ تمھاری اس جدوجہد نے فرعون کو اور زیادہ ہمارا مخالف بنادیا۔ تم فائدہ پہنچانے کی جگہ الٹے وبال جان ہو گئے!۔

(ی) حضرت موسی نے کہا "خدا جسے چاہتا ہے زمین کا وارث بنا دیتا ہے۔ پس اس سے مدد مانگو اور اس راہ میں جمے رہو"۔ اس سے معلوم ہوا جو جماعت دنیوی بے سروسامانی سے ہراساں ہو کر بے ہمت نہیں ہو جاتی، بلکہ خدا کی مدد پر بھروسا کرتی اور مشکلات و موانع کے مقابلے میں جمی رہتی ہے، وہی ملک کی وراثت کی مستحق ہوتی ہے، یعنی "استعانت باللہ" اور "صبر" =

لِلّٰهِ ۟ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ
مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ
لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ ۱۲۸

"خدا سے مدد مانگو اور (اس راہ میں) جمے رهو. بلا شبہ زمین (کی بادشاهت صرف) خدا هی کے لیے هے. وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاهتا هے اس کا وارث بنادیتا هے اور انجام کار انهیں کے لیے هے جو متقی هوں گے ۱۲۸.

قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ
اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ
مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ
اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ
وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ
۱۵ ع ۵ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ ع ۱۲۹

قوم کے لوگوں نے کہا: تمہارے آنے سے پہلے بھی هم ستائے گئے اور اب تمہارے آنے کے بعد بھی ستائے جا رهے هیں. موسی نے کہا: قریب هے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو هلاک کردے اور تمہیں ملک میں اس کا جانشین بنائے، پھر دیکھے (اس جانشینی کے بعد) تمہارے کام کیسے هوتے هیں ۱۲۹.

---

۱۲۸ و ۱۲۹ — (ط) محکومانہ زندگی کا پہلا اثر یہ هوتا هے=

(اے مخاطب!) سن رکھ کہ ان کی نحوست (تو اور کسی کے پاس نہ تھی) اللہ کے یہاں تھی (جس نے انسان کی اچھی بری حالتوں کے لیے ایك قانون ٹھیرا دیا ھے اور اسی کے مطابق نتائج پیش آتے ھیں) ۔ لیکن بہتوں کو یہ بات معلوم نہیں ۱۳۱ ۔

وَ قَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۳۲

اور فرعون کی قوم نے کہا: (اے موسی!) تو ھم پر اپنا جادو چلانے کے لیے کتنی ھی نشانیاں لائے مگر ھم ماننے والے نہیں ۱۳۲ ۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَ الْجَرَادَ وَ الْقُمَّلَ وَ الضَّفَادِعَ وَ الدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۟ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝۱۳۳

پس ھم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈیوں کے دل اور جوئیں(۱۰) اور مینڈك اور لہو کہ یہ سب الگ الگ نشانیاں تھیں ۔ اس پر بھی انہوں نے سرکشی کی اور ان کا گروہ مجرموں کا گروہ تھا ۱۳۳ ۔

۱۳۳ ۔ قوم فرعون پر نکبت و شدائد کا ورود اور پہلے سرکشی، پھر حضرت موسی سے رجوع ۔ =

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ ۱۳۰

اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے فرعون کی قوم کو قحط سالی کے برسوں اور پیداوار کے نقصان میں مبتلا کیا تھا تا کہ وہ متنبہ ہوں ۱۳۰.

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ۱۳۱

تو جب کبھی ایسا ہوتا کہ خوش حالی آتی تو کہتے ”یہ ہمارے حصے کی بات ہے“ (یعنی ہماری وجہ سے ہے). اور اگر ایسا ہوتا کہ سختی پیش آجاتی تو کہتے ”یہ موسی اور اس کے ساتھیوں کی نحوست ہے“.

= اس راہ میں اصل اصول ہے. نیز فرمایا ”انجام کار متقیوں کے لیے ہے“ یعنی جو جماعت برائیوں سے بچنے والی اور عمل میں پکی ہوگی، بالآخر کام یابی اسی کے لیے ہے .

= کے لیے کہ انہیں اس تک پہنچنا تھا'' یعنی ایک آنے والا وقت تھا جس کی طرف وہ اپنے اعمال کے ذریعے بڑھ رہے تھے اور بالآخر پہنچنے والے تھے .

یہ آنے والا وقت کونسا تھا؟ ان کے ظلم و فساد کا آخری نتیجہ کہ خدا کے قانون جزا نے اس طرح کے نتیجہ کے لیے جتنی مقدار فساد عمل کی ٹھیرا دی ہے جب وہ مہیا ہو گئی تو نتیجہ ظہور میں آ گیا اور فرعون اور اس کا لشکر ہلاک ہو گیا .

یہی ظہور نتائج کا وقت ہے جسے قرآن نے امتوں کی « اجل » سے تعبیر کیا ہے چنانچہ اسی سورت کی آیت ۳٤ میں اس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے .

اس سے معلوم ہوا ہر جماعت اپنے اعمال کے ذریعے ایک خاص نتیجہ تک پہنچتی رہتی ہے جو اس کی مقررہ اجل ہے . اگر اعمال نیک ہوتے ہیں تو یہ اجل فلاح کی ہوتی ہے ، برے ہوتے ہیں تو ہلاکت کی ہوتی ہے .

فرعون کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی وراثت ارض:

قانون الٰہی یہ ہے کہ ظالم قومیں جن مظلوم قوموں کو حقیر و کم زور سمجھتی ہیں ایک وقت آتا ہے کہ وہی شاہی و جہاں داری کی وارث ہو جاتی ہیں .

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ۝ ۱۳۴

اور جب ان پر عذاب کی سختی پڑی تو کہنے لگے: اے موسیٰ! تیرے پروردگار نے تجھ سے (نبوت کا) جو عہد کیا ہے تو اس کی بناء پر ہمارے لیے دعا کر اگر تیری دعا سے عذاب ٹل گیا تو ضرور ہم تیرے معتقد ہو جائیں گے اور بنی اسرائیل کو چھوڑ دیں گے کہ تیرے ساتھ چلے جائیں ۱۳۴ .

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ۝ ۱۳۵

لیکن پھر جب ایسا ہوا کہ ہم نے ایک خاص وقت تک کے لیے کہ (اپنی سرکشیوں اور بدعملوں سے) انہیں اس تک پہنچنا تھا، عذاب ٹال دیا تو دیکھو! اچانک وہ اپنی بات سے پھر گئے ۱۳۵ .

= تورات میں ہے کہ دریائے نیل کا پانی لہو کی طرح ہو گیا تھا اور تمام مچھلیاں مر گئی تھیں (خروج: ۲۰) .

۱۳۵ - آیت ۱۳۵ میں فرمایا "ایک خاص وقت تک =

وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ۝ ۱۳۷ پسندیدہ بنی اسرائیل کے حق میں پورا ہوا کہ (ہمت و ثبات کے ساتھ) جمے رہے تھے اور فرعون اور اس کا گروہ (اپنی طاقت و شوکت کے لیے) جو کچھ بناتا رہا تھا اور جو کچھ (عمارتوں کی) بلندیاں اٹھائی تھیں وہ سب درہم برہم کر دیں ۱۳۷۔

وَجَاوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ ۱۳۸

اور ہمارے حکم سے ایسا ہوا کہ بنی اسرائیل سمندر پار اتر گئے۔ وہاں ان کا گزر ایک گروہ پر ہوا کہ اپنے بتوں پر مجاور بنا بیٹھا تھا۔ بنی اسرائیل نے کہا: اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایسا ہی ایک معبود بنا دے جیسا ان لوگوں کے لیے ہے، موسیٰ نے کہا: (افسوس تم پر!) تم بلا شبہ ایک جاہل گروہ ہو ۱۳۸۔

۱۳۷ و ۱۳۸ - آیت ۱۳۷ سے معلوم ہوا کہ خدا کا وعدہ =

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ۝ ۱۳۶

بالآخر هم نے (ان کی بدعملیوں پر) انهیں سزا دی، یعنی اس جرم کی پاداش میں که هماری نشانیاں جهٹلائیں اور ان کی طرف سے غافل رهے انهیں سمندر میں غرق کر دیا ۱۳۶.

وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰی عَلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ

اور وه جس قوم کو کم زور و حقیر خیال کرتے تهے اسی کو ملك کے تمام پورب (۱۱) کا اور اس کے مغربی حصوں کا که هماری بخشی هوئی برکت سے مالا مال هے وارث کر دیا.

اور اس طرح (اے پیغمبر!) تیرے پروردگار کا فرمان

وَ اِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَ فِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۚ ۱۴۰	اور (خدا فرماتا ھے: اے بنی اسرائیل!) وہ وقت یاد کرو جب ھم نے تمھیں فرعون کی قوم سے نجات دلائی. وہ تمھیں سخت عذابوں میں مبتلا کرتے تھے، تمھارے بیٹوں کو قتل

۱۶ ع ۶

کر ڈالتے اور تمھاری عورتوں کو (اپنی چاکری کے لیے) زندہ چھوڑ دیتے. اس صورت حال میں تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھاری بڑی ھی آزمایش تھی ۱۴۱.

۱۴۱ - حضرت موسیٰ کی سرگذشت کا پھلا حصہ ختم ھوگیا جس کا تعلق ان ایام و وقائع سے تھا جو ان کے اور فرعون کے درمیان گزرے. اب یہاں سے وہ واقعات شروع ھوتے ھیں جو ان کے اور ان کی امت کے درمیان گزرے. پہلے حصے میں یہ حقیقت واضح کی تھی کہ دعوت حق کی مخالفت ھمیشہ طاقتور جماعتوں نے کی اور ھمیشہ ناکام رھیں. اس حصے میں یہ حقیقت واضح کی ھے کہ =

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ ۱۳۹

یه لوگ جس طریقے پر چل رهے هیں وه تو تباه هونے والا طریقه هے اور انهوں نے جو عمل اختیار کیا هے وه سر تا سر باطل هے ۱۳۹ .

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّ هُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○ ۱۴۰

(نیز) موسیٰ نے کہا: کیا تم چاهتے هو خدا کے سوا کوئی اور معبود تمهارے لیے تلاش کروں؟ (۱۲) اور وه خدا هی هے جس نے دنیا کی قوموں پر تمهیں فضیلت بخشی ۱۴۰ .

= نصرت انهیں کے حق میں پورا هوتا هے جو اس کی شرط پوری کریں، یعنی راه عمل میں جمے رهیں. اگر بنی اسرائیل جمے نه رهتے تو فتح مندی سے محروم رهتے .

بنی اسرائیل چوں که مصری بت پرستی سے مالوف هوچکے تھے اس لیے سینا کے بت خانے دیکھ کر خواهش مند هوئے که ان کی پرستش کے لیے بھی ایک بت بنا دیا جائے .

اور دیکھو! سب کام درستگی سے کرنا، خرابی ڈالنے والوں کی راہ نہ چلنا ۱۴۲ .

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا	اور جب موسیٰ آیا کہ ہمارے
وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ	مقررہ وقت میں حاضری دے
اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ	اور اس کے پروردگار نے اس
لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ	سے کلام کیا تو (جوش طلب
اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ	میں بے اختیار ہو کر) پکار اٹھا:
مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا	خدا! مجھے اپنا جمال دکھا کہ
تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ	تیری طرف نگاہ کر سکوں.

۱۴۲ - (ا) حضرت موسیٰ کا کوہ طور پر اعتکاف اور شریعت کا عطیہ .

یہاں "شریعت" سے مقصود وہ دس حکم ہیں جو حضرت موسیٰ نے وحی الٰہی سے پتھر کی دو تختیوں پر کھودے تھے اور جنھیں تورات میں عہد کے احکام سے تعبیر کیا گیا ہے، یعنی قتل مت کر، زنا مت کر وغیرھا (خروج ۲۰ : ۲۹).

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ ۱۴۲	اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں (کے اعتکاف) کا وعدہ کیا تھا، پھر دس راتیں بڑھا کر اسے پورا (چلہ) کر دیا. اس طرح پروردگار کے حضور آنے کی مقررہ میعاد چالیس راتوں کی کامل میعاد ہو گئی.

موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا: (میں اعتکاف کے لیے پہاڑ پر جاتا ہوں) تم میرے بعد قوم میں میرے جانشین بن کر رہو

=ایک نئی ہدایت یافتہ جماعت کو راہ عمل میں کیسی کیسی لغزشیں پیش آسکتی ہیں تاکہ پیروان دعوت ان سے اپنی نگہداشت کریں.

چوں کہ سلسلۂ بیان ایک دوسرے حصے کی طرف مڑتا تھا اس لیے اس کی ابتدا از سر نو بنی اسرائیل کی مخاطبت سے کی گئی ہے، گویا موعظت و ارشاد کے لحاظ سے یہ ایک نیا بیان ہے.

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ	خدا نے کہا: اے موسیٰ! میں
عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ	نے تجھے اپنی پیغمبری اور
وَ بِكَلَامِىْ ؗ ۖ فَخُذْ مَآ	ہم کلامی سے لوگوں پر
اٰتَيْتُكَ وَ كُنْ مِّنَ	برگزیدگی بخشی. پس جو چیز
الشّٰكِرِيْنَ ۝ ۱۴۴	تجھے عطا فرمائی ہے (یعنی

احکام شریعت) اسے لے اور شکر بجالا ۱۴۴.

= قرآن نے یہاں اس غلطی کا ازالہ کر دیا. فرمایا "جب خدا نے موسیٰ سے کلام کیا تو اس نے کہا: میرے سامنے آجا کہ ایک نگاہ دیکھ لوں". یعنی جب غیب سے نداء حق سنی تو جوش طلب میں بے خود ہو گئے اور لذت سماع کی محویت میں لذت مشاہدہ کے حصول کا ولولہ پیدا ہو گیا:

و الاذن تعشق قبل العین احیانا

حکم ہوا "پہاڑ کو دیکھ. اگر یہ تاب لا سکا تو تو بھی تاب لا سکے گا". یعنی جو بات نظارے سے مانع ہے وہ خود تیری ہی ہستی کا عجز ہے، یہ بات نہیں ہے کہ نمود حق میں=

دَكًّا وَّخَرَّ مُوسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ۱۴۳

حکم ہوا: تو مجھے کبھی نہ دیکھ سکے گا، مگر ہاں! اس پہاڑ کی طرف دیکھ. اگر یہ (تجلی حق کی تاب لے آیا اور) اپنی جگہ ٹکا رہا تو (سمجھ لیجیو تجھے بھی میرے نظارے کی تاب ہے اور) تو مجھے دیکھ سکے گا. پھر جب اس کے پروردگار (کی قدرت) نے نمود کی تو پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ غش کھا کے گر پڑا (۱۳). جب موسیٰ ہوش میں آیا تو بولا: خدایا! (۱٤) تیری ذات پاك اور مقدس ہے. میں (اپنی جسارت سے) تیرے حضور توبہ کرتا ہوں. میں (۱۵) یقین کرنے والوں میں پہلا شخص ہوں ۱٤۳ .

۱٤۳ - (ب) اس اصل عظیم کا اعلان کہ انسان اپنے حواس کے ذریعے ذات باری کا مشاہدہ وادراك نہیں کر سکتا اور اس راہ میں معرفت کا منتہی مرتبہ یہ ہے کہ عجز و نارسائی کا اعتراف کیا جائے.

یہودیوں نے تورات کے متشابہات کو حقیقت پر محمول کر لیا تھا اور سمجھتے تھے حضرت موسیٰ نے خدا کی شبیہ دیکھی (خروج ۲٤ : ۱۰ و ۱۱) . =

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ	جو لوگ ناحق خدا کی زمین
يَتَكَبَّرُوْنَ فِى الْاَرْضِ	میں سرکشی کرتے ھیں ھم
بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَ اِنْ يَّرَوْا	اپنی نشانیوں سے ان کی نگاھیں

= "تفصیلا لکل شیء" یعنی تمام باتیں الگ الگ کرکے بیان کردی تھیں. یہ مطلب نہیں ھے کہ دنیا جہان کی ھر بات تشریح و تطویل کے ساتھ لکھ دی گئی تھی. یاد رھے کہ قرآن "تفصیل" کا لفظ اس مصطلحہ معنی میں نہیں بولتا جو فن بیان و معانی میں بعد کو ٹھیرائے گئے اور جو "اجمال" کے مقابلے میں بولا جاتا ھے. اگر امام رازی کی نظر اس حقیقت پر ھوتی تو وہ اس بے کار کی زحمت سے بچ جاتے جو سورۂ فاتحہ کی تفسیر لکھنے میں انہوں نے برداشت کی (۱٦) اور ایك پوری دائرۃ المعارف (انسائی کلوپیڈیا Encyclopaedia) اس سے نکالنی چاھی.

چوں کہ یہ تختیاں وحی الہی سے کندہ کی گئی تھیں اس لیے خدا نے ان کی کتابت اپنی طرف منسوب کی، اور کتب سماوی کی نسبت قرآن کا یہ عام اسلوب بیان ھے. تورات میں ھے کہ یہ دو تختیاں تھیں اور دونوں طرف کندہ کی ھوئی تھیں (خروج ۳۲: ۱٤).

وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا ۚ سَأُورِيكُمْ دَارَ الْفٰسِقِينَ ۝ ۱۴۵

اور ہم نے موسیٰ کے لیے ان تختیوں میں ہر قسم کی باتیں لکھ دی تھیں، تاکہ (دین کے) ہر معاملے کے لیے اس میں نصیحت ہو اور ہر بات الگ الگ واضح ہو جائے۔ (پس ہم نے کہا:) اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑ لے اور اپنی قوم کو بھی حکم دے کہ اس کے پسندیدہ حکموں پر کاربند ہو جائے۔ وہ وقت دور نہیں کہ ہم نافرمانوں کی جگہ تمہیں دکھا دیں گے ۱۴۵۔

= کمی ہو۔ و لنعم ما قیل:

ہرچہ هست از قامت ناساز و بے اندام ماست
ورنہ تشریف تو بر بالاے کس دشوار نیست

۱۴۵ - (ج) آیت ۱۴۵ کا مطلب یہ ہے کہ: اسرائیل کی ہدایت کے لیے جن جن حکموں کی ضرورت تھی، وہ سب ان تختیوں کے احکام میں موجود تھے۔ =

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اور جن لوگوں نے ہماری

= کتنی ہی صاف بات کہی جائے ان کی سمجھ میں نہیں
آئے گی ، کتنی ہی ان کی بھلائی چاہو وہ اور زیادہ
مخالفت کریں گے. قرآن اس حالت کو یوں تعبیر کرے گا
که خدا نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ، پس وہ سمجھتے
نہیں . یعنی یہ صورت حال خدا کے ٹھیرائے ہوئے قانون کا
قدرتی نتیجہ ہے جب کبھی کوئی یہ چال چلتا ہے خدا کا
مقررہ قانون مؤثر ہوکر اسےاس حالت میں پہنچا دیتا ہے.
چنانچہ آیت ۱۴٦ میں فرمایا :" جو لوگ سرکشی کریں گے
میں ان کی نگاہیں اپنی نشانیوں سے پھیر دوں گا ". یعنی جو
کوئی جان بوجھ کر سرکشی کرے تو خدا کا قانون یہی
ہے که وہ دلیلوں اور روشنیوں سے متاثر ہونے کی
استعداد کھو دیتا ہے . پھر واضح کر دیا که یہ حالت اس
لیے پیش آئے گی که انہوں نے نشانیاں جھٹلائیں
اور غافل رہے . پس معلوم ہوا جو کوئی نشانیاں جھٹلاتا
ہے اور غفلت سے باز نہیں آتا وہ کبھی سچائی پا نہیں سکتا.
یہی مطلب نگاہ پھرا دینے کا ہے. یہ مطلب نہیں ہے که
خدا کسی آدمی کو بے عقلی اور گم راہی پر مجبور کر دیتا
ہے. (۱۷) اس نے کسی کو اندھے پن پر مجبور نہیں کیا .

كُلَّ اٰيَةٍ لَّايُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَايَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝ ۱۴۶

پھرا دیں گے . وہ دنیا بھر کی نشانیاں دیکھ لیں پھر بھی ایمان نہ لائیں . اگر وہ دیکھیں ہدایت کی سیدھی راہ سامنے ہے تو کبھی اس پر نہ چلیں ، اگر دیکھیں گم راھی کی ٹیڑھی راہ سامنے ہے تو فوراً چل پڑیں .

ان کی ایسی حالت اس لیے ھو جاتی ھے کہ ھماری نشانیاں جھٹلاتے ھیں اور ان کی طرف سے غافل رھتے ھیں ۱۴۶ .

---

۱۴۶ - (د) قرآن کا عام اسلوب بیان یہ ھے کہ خدا کے ٹھیرائے ھوے قوانین و اسباب سے جو نتائج پیدا ھوتے ھیں، انھیں براہ راست خدا کی طرف نسبت دیتا ھے . مثلاً اس کا ایك قانون یہ ھے کہ جو لوگ سمجھ بوجھ سے کام لینے کی جگہ اپنے بڑے بوڑھوں کی اندھی تقلید کرنے لگتے ھیں اور اسی پر اڑے رھتے ھیں، رفتہ رفتہ ان کی عقلیں ماری جاتی ھیں اور سمجھ بالکل الٹی ھو جاتی ھے . =

آواز نکلتی تھی ، اور اسے (پوجنے کے لیے) اختیار کر لیا ۔
افسوس ان کی عقلوں پر!) کیا انھوں نے اتنی (موٹی سی) بات
بھی نہ سمجھی کہ نہ تو وہ ان سے بات کرتا ھے نہ کسی طرح
کی رہنمائی کر سکتا ھے! وہ اسے لے بیٹھے اور وہ (اپنے اوپر)
ظلم کرنے والے تھے ۱۴۸ ۔

وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ — پھر جب ایسا ھوا کہ (افسوس
وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ — و ندامت سے) ھاتھ ملنے لگے
قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا — اور انھوں نے دیکھ لیا کہ راہ
رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ — (حق) سے قطعاً بھٹک گئے ھیں
مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۱۴۹ — تو کہنے لگے: اگر ھمارے

پروردگار نے ھم پر رحم نہیں کیا اور نہ بخشا تو ھمارے لیے
تباھی کے سوا کچھ نہیں ھے ۱۴۹ ۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى — اور جب موسیٰ غضب ناک اور
قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ — افسوس کرتا ھوا اپنی قوم میں
قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ — لوٹا تو اس نے کہا: "افسوس
مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ — تم پر! کس برے طریقے پر تم نے

وَ لِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ	نشانیاں جھٹلائیں اور آخرت کے
اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ	پیش آنے سے منکر ہوئے
اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۧ ۱۴۷	تو (یاد رکھو!) ان کے سارے

۱۷ ع ۷

کام اکارت گئے۔ انھوں نے جو کچھ بدلا پایا وہ اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ انہیں کے کرتوتوں کا پھل تھا ۱۴۷.

وَ اتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰی مِنْ	اور پھر ایسا ہوا کہ موسٰی کی
بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ	قوم نے اس کے (پہاڑ پر)
عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ	چلے جانے کے بعد اپنے زیور
اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ	کی چیزوں سے (یعنی زیور کی
وَ لَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ	چیزیں گلا کر) ایک بچھڑے کا
اِتَّخَذُوْهُ وَ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۱۴۸	دھڑ بنایا جس سے گائے کی سی

وقف لازم

۱۴۷ - (۵) آیت ۱۴۷ کے آخری حصے نے کیسے قطعی لفظوں میں سزا و عقوبت کی حقیقت واضح کر دی ہے! جو کچھ بدلا پایا وہ اس کے سوا کیا تھا کہ انہیں کے کرتوتوں کا پھل تھا.

= بنا کر اس کی پوجا شروع کر دی . تورات میں
ھے کہ یہ مورتی حضرت ھارون نے بنائی تھی (خروج ۳۱ :
۳۲) لیکن قرآن نے دوسری جگہ واضح کردیا ھے کہ یہ
سامری نامی ایك شخص کی کارستانی تھی ، اور حضرت ھارون
کا دامن اس دھبے سے پاك ھے (۲۰ : ۸۷) .

عجائب پرستوں کا قاعدہ ھے کہ جہاں کوئی ذرا سی
بات عجیب نظر آئی فوراً معتقد ھو گئے اور سمجھ بوجھ کو
خیر باد کہہ دیا . سامری مصر کے مندروں کے بھیدوں سے
واقف تھا . وھاں اس ترکیب سے مورتیاں بنائی جاتی تھیں
کہ جوں نہیں ھوا ان کے اندر جاتی طرح طرح کی آوازیں
نکالنے لگتیں . آج کل یہ صنعت باجوں اور کھلونوں میں
استعمال کی جاتی ھے اس زمانے میں معبدوں کا معجزہ تھا .
چنانچہ اس نے بچھڑے کی مورتی میں بھی یہی کاریگری
رکھی . بنی اسرائیل اتنی ھی بات دیکھ کر معتقد ھو گئے .
آیت ۱٤۸ کا مطلب یہ ھے کہ ان عقل کے اندھوں نے
اتنی موٹی سی بات بھی نہ سمجھی کہ ایك ھی طرح کی آواز
کیوں نکلتی ھے؟ آدمی کی بات کا جواب کیوں نہیں دیتا ؟

ھندوستان کی طرح بابل اور مصر میں بھی بیل اور
گائے کی عظمت کا تصور پیدا ھو گیا تھا . اگر (کالڈیا
(Chaldea کے تمدن کی قدامت تسلیم کر لی جائے تو وھیں
سے یہ خیال دوسرے ملکوں میں پھیلا ھو گا .

أَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ ۚ قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ ۱۵۰

میرے پیچھے میری جاشینی کی. تم اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں ذرا بھی صبر نہ کر سکے". اس نے (جوش میں آکر تختیاں پھینک دیں اور ہارون کو بالوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگا. ہارون نے کہا: اے میرے ماں جائے بھائی! (میں کیا کروں!) لوگوں نے مجھے بے حقیقت سمجھا اور قریب تھا کہ قتل کر ڈالیں. پس میرے ساتھ ایسا نہ کر کہ دشمن ہنسیں اور مجھے (ان) ظالموں کا ساتھی نہ ٹھیرا ۱۵۰.

---

۱۴۸ تا ۱۵۰ - (د) بنی اسرائیل مصر کی بت پرستی سے اس درجہ مالوف ہو چکے تھے کہ رہ رہ کر انہیں اس کا شوق ہوتا. جونہیں حضرت موسیٰ چالیس دن کے لیے الگ ہوئے انہوں نے گائے کے بچھڑے کی طلائی مورتی=

وَ اٰمَنُوْٓا ۡ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ — ہو کر) توبہ کرلی اور ایمان

بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝١٥٣ — لے آئے تو بلاشبہ تمہارا

پروردگار توبہ کے بعد بخش دینے والا ، رحمت والا ہے ١٥٣ .

وَ لَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى — اور جب موسیٰ کا غضب ٹھنڈا

الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚ صلے — ہوا تو اس نے تختیاں اٹھالیں .

وَ فِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى — ان کی کتابت میں (یعنی ان

وَّ رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ — حکموں میں جو ان پر لکھے

يَرْهَبُوْنَ ۝١٥٤ — ہوئے تھے) ان لوگوں کے لیے

ہدایت اور رحمت ہے جو اپنے پروردگار کا ڈر رکھتے ہیں ١٥٤ .

وَ اخْتَارَ مُوْسَى قَوْمَهُ — اور اس غرض سے کہ ہمارے

سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ ج — ٹھیرائے ہوئے وقت میں حاضر

فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ — ہوں موسیٰ نے اپنی قوم میں

قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ — سے ستر آدمی چنے . پھر جب

مِّنْ قَبْلُ وَ اِيَّايَ ۭ ط — لرزا دینے والی ہول اا کی نے

قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِاَخِیْ موسیٰ نے کہا: خدایا! میرا
وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ ؗۖ قصور بخش دے (کہ جوش
۱۸ ع ۸ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۱۵۱ میں آگیا) اور میرے بھائی کا
بھی (کہ تم راھوں کو سختی کے ساتھ نہ روك سکا) اور ھمیں اپنی
رحمت کے سایے میں داخل کر. تجھ سے بڑھ کر کون ھے جو
رحم کرنے والا ھو ۱۵۱.

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ خدا نے فرمایا: جن لوگوں نے
سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ بچھڑے کی پوجا کی ان کے
رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ حصے میں ان کے پروردگار کا
الدُّنْیَا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی غضب آئے گا اور دنیا کی
الْمُفْتَرِیْنَ ۱۵۲ زندگی میں بھی خواری پائیں گے.
ھم افترا پردازوں کو (ان کی بدعملی کا) اسی طرح بدلا
دیتے ھیں ۱۵۲.

وَالَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ھاں! جن لوگوں نے برائیوں
ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِهَا میں پڑنے کے بعد (چوکنا

وَ اكْتُبْ لَنَا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا	اور (خدایا!) اس دنیا کی زندگی
حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ اِنَّا	میں بھی ھمارے لیے اچھائی لکھ
هُدْنَاۤ اِلَیْكَ ؕ قَالَ عَذَابِیْۤ	دے اور آخرت کی زندگی
اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ	میں بھی ھمارے لیے اچھائی کر۔
وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ	ھم سچے دل سے تیری طرف
فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ	لوٹ آئے۔ خدا نے فرمایا:
یَتَّقُوْنَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ	میرے عذاب کا حال یہ ھے کہ
وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا	جسے چاھتا ھوں دیتا ھوں۔
یُؤْمِنُوْنَ ۚ ۱۵۶	اور رحمت کا حال یہ ھے کہ ھر

چیز پر چھائی ھوئی ھے۔ پس میں ان لوگوں کے لیے رحمت

= تورات میں ھے کہ سرداروں کی ایك جماعت نے حضرت موسیٰ کی بزرگی و پیشوائی سے انکار کیا تھا۔ اس پر حکم الٰہی سے ایك وقت مقرر کیا گیا اور سرکش گروہ جمع ھوا۔ اس وقت زلزلہ آیا، زمین پھٹی اور سب اس میں دھنس گئے (گنتی ۱۶ : ۳۱)۔

اَتُهۡلِكُنَا بِمَا فَعَلَ	انھیں آلیا تو موسیٰ نے (ھماری
السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنۡ هِىَ	جناب میں) عرض کیا ''خدایا!
اِلَّا فِتۡنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا	اگر تو چاھتا تو ان سب کو
مَنۡ تَشَآءُ وَتَهۡدِىۡ مَنۡ	اب سے پہلے ھی ھلاك کر ڈالتا
تَشَآءُ ؕ اَنۡتَ وَلِيُّنَا	اور خود میری زندگی بھی ختم
فَاغۡفِرۡ لَنَا وَارۡحَمۡنَا وَاَنۡتَ	کردیتا (مگر تو نے اپنے فضل
خَيۡرُ الۡغٰفِرِيۡنَ ۞ ١٥٥	و رحمت سے ھمیں مہلت دی).

پھر کیا ایك ایسی بات کے لیے جو ھم میں سے چند بے وقوف آدمی کر بیٹھے ھیں تو ھم سب کو ھلاك کردے گا! یہ اس کے سوا کیا ھے کہ تیری طرف سے ایك آزمایش ھے. تو جسے چاھے اس میں بھٹکا دے، جسے چاھے راہ دکھا دے. (خدایا!) تو ھمارا والی ھے، ھمیں بخش دے اور ھم پر رحم کر. تجھ سے بہتر بخشنے والا کوئی نہیں ١٥٥.

١٥٥ - (ز) حضرت موسیٰ کا قوم کے سرکش سرداروں میں سے ستر آدمیوں کو فیصلے کے لیے چننا اور لرزا دینے والی ھولناکی کا ظہور. =

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ	جو "الرسول" کی پیروی کریں
النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ	کے کہ نبی امی ہوگا، اور اس
مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي	کے ظہور کی خبر اپنے یہاں
التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ ۫	تورات اور انجیل میں لکھی
يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ	پائیں گے۔ وہ انہیں نیکی کا حکم
عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ	دے گا، برائی سے روکے گا،
الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ	پسندیدہ چیزیں حلال کرے گا،
الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ	گندی چیزیں حرام ٹھیرائے گا،
اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ	اس بوجھ سے نجات دلائے گا
كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ	جس کے تلے دبے ہوں گے، ان
اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ	پھندوں سے نکالے گا جن میں
وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ	گرفتار ہوں گے۔ تو جو لوگ
اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ	اس پر ایمان لائے، اس کے

لکھ دوں گا جو برائیوں سے بچیں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے ، اور ان کے لیے جو میری نشانیوں پر ایمان لائیں گے ۱۵۶ .

۱۵۶ - (ح) آیت ۱۵۶ میں فرمایا کہ کائنات ہستی میں اصل و عام حقیقت رحمت ہے اور تعذیب و عقوبت نہیں ہے ، مگر خاص خاص حالتوں کے لیے . پس یہاں اصل قانون رحمت ہوا جس کے احاطے سے کوئی گوشہ باہر نہیں ہے .

یہ مقام معارف قرآنی کی مہمات میں سے ہے اور ان تمام گمراہیوں کا ازالہ کر دیتا ہے جو خدا کی صفات و افعال کے بارے میں پھیل گئی تھیں . جس حالت کو انسان کے لیے عذاب قرار دیا اسے خاص حالتوں سے مخصوص بتلایا . مگر رحمت کو کہا کہ عام ہے ، کیوں کہ رحمت اس کی قدیم اور ازلی صفت ہے ، عذاب دینا صفت نہیں . اور عذاب بھی اس لیے عذاب ہے کہ ہماری ٹھیرائی ہوئی اضافتوں اور نسبتوں کے لحاظ سے ایسا ہی ہونا تھا ، ورنہ فی الحقیقت اس نے جو کچھ بھی کیا ہے ، سر تا سر رحمت ہی رحمت ہے . سورۂ انعام میں گزر چکا ہے :
کتب علی نفسہ الرحمۃ (آیت ۱۲) .

= جائز کیا ھے ، جو بری ھیں یعنی مضر ھیں ، ان سے روك دیا ھے ۔

۳ - جو بوجھ اھل کتاب کے سروں پر پڑ گیا تھا اور جن پھندوں میں گرفتار ھو گئے تھے ، ان سے نجات دلاتا ھے ۔ یہ بوجھ کیا تھا اور یہ پھندے کونسے تھے جن سے قرآن نے رھائی دلائی ؟

قرآن نے دوسرے مقامات میں اسے واضح کردیا ھے : مذھبی احکام کی بے جا سختیاں، مذھبی زندگی کی نا قابل عمل پابندیاں ، نا قابل فہم عقیدوں کا بوجھ ، وھم پرستیوں کا انبار ، عالموں اور فقیھوں کی دماغی غلامی کی بیڑیاں ، پیشواؤں کے تعبد کی زنجیریں ، یہ بوجھل رکاوٹیں تھیں جنھوں نے یھودیوں اور عیسائیوں کے دل ودماغ مقید کردیے تھے ۔ پیغمبر اسلام کی دعوت نے ان سب سے نجات دلائی ۔ اس نے سچائی کی ایسی سہل و آسان راہ دکھائی جس میں عقل کے لیے کوئی بوجھ نہیں ، عمل کے لیے کوئی سختی نہیں ،"الحنیفیة السمحة لیلها کنهارها" (۱۸) اس کی راتیں بھی دن کی طرح روشن ھیں ۔

افسوس! جن پھندوں سے قرآن نے اھل کتاب کو نجات دلائی تھی ، مسلمانوں نے وھی پھندے پھر اپنے گلوں میں ڈال لیے ۔

۱۹ الْمُفْلِحُوْنَ ع ۱۵۷ مخالفوں کے لیے روک ہوئے ،
ع
۹ (راہ حق میں) اس کی مدد کی اور اس روشنی کے پیچھے ہو لیے
جو اس کے ساتھ بھیجی گئی ہے ، سو وہی ہیں جو کام یابی پانے
والے ہیں ۱۵۷ .

(ط) آیت ۱۵۶ میں اس فرمان کا ذکر کیا تھا کہ جو لوگ خدا کی نشانیوں پر ایمان رکھیں گے وہ رحمت کے سزاوار ہوں گے ، اس لیے بعد کی آیتوں میں سلسلۂ بیان مخاطبین کی طرف متوجہ ہو گیا ہے . یعنی اب کہ پیغمبر اسلام کی موعودہ دعوت نمودار ہو گئی ، اہل کتاب کے لیے رحمت الٰہی کی بخشایشوں کا دروازہ کھل گیا ہے . جو لوگ سچائی کی نشانیوں پر ایمان لائیں گے وہ فرمان الٰہی کے مطابق کام رانی و سعادت پائیں گے .

(ی) پیغمبر اسلام کی دعوت کی تین خصوصیتیں یہاں بیان کیں :

۱ - نیکی کا حکم دیتا ہے ، برائی سے روکتا ہے .

۲ - پسندیدہ چیزوں کا استعمال جائز ٹھہراتا ہے ، ناپسندیدہ چیزوں کے استعمال سے روکتا ہے . قرآن نے اس معنی میں '' طیبات '' اور '' خبائث '' کا لفظ اختیار کیا ہے . اس سے معلوم ہوا کہ جو چیزیں اچھی ہیں انہیں =

= یہ آیت جوامع آیات میں سے ھے جس نے دعوت اسلام کی پوری حقیقت واضح کردی :

۱- یہ دعوت یکساں طور پر تمام نوع انسانی کےلیے ھے ·

۲ - یہ ایك خدا کے آگے سب کے سروں کو جھکا ھوا دیکھنا چاھتی ھے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ·

۳ - " ایمان باللہ و کلماتہ " اس کا شعار ھے ، یعنی خدا پر اور اس کے تمام کلمات وحی پر ایمان ، (۱۹) خواہ کسی زمانے اور کسی ملك میں آئی ھو ·

فرمایا " خدا نے مجھے تم سب کی طرف بھیجا ھے ، وہ خدا کہ آسمان و زمین کی ساری بادشاھت اسی کے لیے ھے" ، یعنی جب تمام کائنات ھستی میں ایك ھی خدا کی فرمان روائی ھے تو ضروری ھوا کہ اس کا پیغام ھدایت بھی ایك ھی ھو اور سب کے لیے ھو ·

(ل) عربی میں " امی " ایسے آدمی کو کہتے ھیں جو اپنی پیدایشی حالت پر ھو ، لکھنے پڑھنے اور علم و فن کی باتوں سے آشنا نہ ھوا ھو ، چنانچہ عرب کے باشندے بھی امی کہلائے ، کیوں کہ تعلیم و تربیت سے آشنا نہیں ھوے تھے ·

پیغمبر اسلام کو بھی " الامی " فرمایا ، کیوں کہ ظاھری تعلیم و تربیت کا ان پر سایہ بھی نہیں پڑا تھا · جو کچھ تھا سرچشمۂ وحی کا فیضان تھا · =

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ	(اے پیغمبر! تم لوگوں سے
رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَاۨ	کہو" اے افراد نسل انسانی!
الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ	میں تم سب کی طرف خدا کا
وَالْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ	بھیجا ہوا آیا ہوں. وہ خدا کہ
يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۖ فَاٰمِنُوْا	آسمانوں کی اور زمین کی ساری
بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ	بادشاہت اسی کے لیے ہے.
الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ	کوئی معبود نہیں مگر اسی کی
وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ	ایك ذات. وهی جلاتا ہے،
تَهْتَدُوْنَ ۞ ۱۵۸	وهی مارتا ہے". پس اللہ پر ایمان

لاؤ اور اس کے رسول نبی امی پر کہ اللہ اور اس کے کلمات (یعنی اس کی تمام کتابوں) پر ایمان رکھتا ہے، اس کی پیروی کرو تاکہ (کامیابی کی) راہ تم پر کھل جائے ۱۵۸.

---

۱۵۸ - (ك) دعوت عامه کا اعلان، یعنی پیغمبر اسلام کی دعوت کسی خاص قوم اور ملك کے لیے نہیں ہے، تمام نوع انسانی کے لیے ہے. =

اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۚ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۖ كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۚ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ ١٦٠

هم نے وحی کی که اپنی لاٹھی (ایک خاص) چٹان(۲۰)پر مارو. چنانچه باره چشمے پھوٹ نکلے اور هر گروه نے اپنی اپنی جگه پانی کی معلوم کرلی. اور هم نے بنی اسرائیل پر ابر کا سایه کردیا تھا اور (ان کی غذا کے لیے) "من" اور "سلوی" اتارا تھا. هم نے کہا تھا "یه پسندیده غذا کھاؤ جو هم نے عطا کی هے" (اور فتنه فساد میں نه پڑو). انھوں نے (نافرمانی کر کے) همارا تو کچھ نهیں بگاڑا، خود اپنے هاتھوں اپنا هی نقصان کرتے رهے ۱۶۰.

---

۱۶۰ - (ن) بنی اسرائیل کی باره قبیلوں میں تقسیم اور وادی سینا کے واقعات کی طرف اشاره.

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۝ ۱۵۹

اور موسٰی کی قوم میں ایک گروہ (ضرور) ایسا ھے جو لوگوں کو سچائی کی راہ چلاتا اور سچائی ھی کے ساتھ (ان کے معاملات میں) انصاف بھی کرتا ھے ۱۵۹ .

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اِذِ اسْتَسْقٰهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ

اور هم نے بنی اسرائیل کو بارہ خاندانوں کے بارہ گروھوں میں الگ الگ کردیا . اور جب لوگوں نے موسٰی سے پینے کے لیے پانی مانگا تو

= (م) چوں کہ تورات کی بشارات میں پیغمبر موعود کے اس وصف کی طرف اشارہ تھا اس لیے خصوصیت کے ساتھ اس کا ذکر کیا گیا . بشارات ظہور کے لیے استثناء ۱۸ : ۱۷ و ۳۲ : ۲۱ و ۳۳ : ۲ اور زبور ۴۵ : ۱ اور انجیل متی ۲۰ : ۱، یوحنا ۱ : ۲۱ و ۱۴ : ۱۵ کے مقامات دیکھنے چاھییں .

عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ع ١٦٢

٢٠ ع ١٠

بات بدل کر ایک دوسری ھی بات بنا ڈالی (یعنی حس بات کا حکم دیا گیا تھا اس سے بالکل الٹی چال چلے). ھم نے آسمان سے ان پر عذاب بھیجا اس ظلم کی وحه سے حس کے وہ مرتکب ھوے ١٦٢ .

وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ م إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لا

نصف الحزب

اور (اے پیغمبر!) بنی اسرائیل سے اس شہر کے بارے میں پوچھو جو سمندر کے کنارے واقع تھا اور جہاں "سبت" کے دن لوگ خدا کی ٹھیرائی ھوئی حد سے باھر ھو جاتے تھے .

---

١٦٢ - (س) یہ گمراھی کہ جب فتح و کامرانی حاصل ھوئی تو عبودیت و نیاز کی جگہ غفلت و شرارت میں مبتلا ھو گئے (دیکھو بقرہ از ٥٤ تا ٥٦) .

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓئٰتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ۱۶۱

اور پھر (وہ واقعہ یاد کرو) جب بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا تھا: اس شہر (۲۱) میں جا کر آباد ہو جاؤ (جس کے فتح کرنے کی تمھیں توفیق ملی ہے) اور (یہ نہایت زرخیز علاقہ ہے) جس جگہ سے چاہو اپنی غذا حاصل کرو اور تمہاری زبانوں پر "حطة" (۲۲) کا کلمہ جاری ہو اور اس کے دروازے میں داخل ہو تو (اللہ کے حضور) جھکے ہوئے ہو۔ ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے اور نیک کرداروں کو (اس سے بھی) زیادہ اجر دیں گے ۱۶۱ .

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا

لیکن جو لوگ ان میں ظلم و شرارت کی راہ چلنے والے تھے انہوں نے خدا کی بتلائی ہوئی

وَ اِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَانِ لا اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۞ ۱٦٤

او ر جب اس شہر کے باشندوں میں سے ایک گروہ نے (ان لوگوں سے جو نا فرمانوں کو وعظ و نصیحت کرتے تھے) کہا "تم ایسے لوگوں کو (بے کار) نصیحت کیوں کیا کرتے ہو جنھیں (ان کی شقاوت کی وجہ سے) یا تو خدا ہلاک کردے گا یا نہایت سخت عذاب (اخروی) میں مبتلا کرے گا؟" انھوں نے کہا "اس لیے کرتے ہیں تاکہ تمھارے پروردگار کے حضور معذرت کرسکیں (کہ ہم نے اپنا فرض ادا کردیا تھا) اور اس لیے بھی کہ (کون جانتا ہے) شاید لوگ باز آجائیں" ۱٦٤ .

۱٦٤ - (ف) گمراہوں کی ہدایت کی طرف سے کتنی ہی مایوسی ہو، لیکن اہل حق کا فرض ہے کہ نصیحت سے باز نہ رہیں. کیوں کہ اول تو یہ ایک فرض ہے اور اداء فرض میں نتیجے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا . ثانیاً ، کون کہہ سکتا ہے کہ ہدایت قطعاً مؤثر =

معانقة

لَا تَأْتِيهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ ۚ نَبْلُوهُم بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۞ ١٦٣

سبت کے دن ان کی (مطلوبه) مچھلیاں پانی پر تیرتی ہوئی ان کے پاس آجاتیں، مگر جس دن سبت نه مناتے نه آتیں. اس طرح ہم انهیں آزمایش میں ڈالتے تھے بسبب اس نافرمانی کے جو وہ کیا کرتے تھے ١٦٣ .

النصف

---

١٦٣ - (ع) بنی اسرائیل کی یه گمراهی که دین کے حکموں پر سچائی کے ساتھ عمل نہیں کرتے تھے اور شرعی حیلے نکال کر ان کی تعمیل سے بچنا چاهتے تھے. انهیں حکم دیا گیا تھا که سبت کا مقدس دن تعطیل کا دن هے، اس دن شکار نه کرو. لیکن ایك گروه نے یه حیله نکالا که سمندر کے کنارے گڑھے کھود لیے. جب حوار کے بعد پانی اتر جاتا تو گڑھے کے اندر کی مچھلیاں پکڑ لیتے اور کہتے: یه مچھلیاں خود آگئیں، شکار نہیں کی گئیں.

بندر هو جانے کا مطلب کیا هے؟ ان کی صورتیں بندروں کی سی هو گئی تهیں یا دل؟ ائمهٔ تفسیر میں سے مجاهد کا قول هے "مسخت قلوبهم" ان کے دل مسخ هو گئے تهے (ابن کثیر).

قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ۞ ۱٦٦ بات میں حد سے زیادہ سرکش

ہو گئے جس سے انہیں روکا گیا تھا تو ہم نے کہا "بندر

ہو جاؤ۔ ذلت و خواری سے ٹھکرائے ہوئے" ۱٦٦ .

وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ اور (اے پیغمبر!) جب ایسا

عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ہوا تھا کہ تیرے پروردگار

مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ نے اس بات کا اعلان کیا تھا:

الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ (اگر بنی اسرائیل شرارت

الْعِقَابِ ۚۖ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ و بد عملی سے باز نہ آئے تو)

رَّحِيْمٌ ۞ ۱٦۷ "وہ قیامت کے دن تک ان پر

ایسے لوگوں کو مسلط کر دے گا جو انہیں ذلیل کرنے والے

عذاب میں مبتلا کریں گے". حقیقت یہ ہے کہ تیرا پروردگار

(بد عملی کی) سزا دینے میں دیر کرنے والا نہیں اور ساتھ ہی

بخشنے والا رحمت والا بھی ہے ۱٦۷ .

---

۱٦۷ - (ص) آیت ۱٦۷ سے معلوم ہوا کسی قوم پر ظالم

و مستبد حکمرانوں کا مسلط رہنا بھی خدا کا ایک عذاب ہے

جو پاداش عمل میں نمودار ہوتا ہے .

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَ اَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَئِيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ ١٦٥

پھر جب ایسا ھوا کہ ان لوگوں نے وہ تمام نصیحتیں بھلا دیں جو انھیں کی گئی تھیں تو ھماری پکڑ نمودار ھو گئی۔ ھم نے ان لوگوں کو تو بچا لیا جو برائی سے روکتے تھے، مگر شرارت کرنے والوں کو ایک ایسے عذاب میں ڈالا کہ محرومی و نامرادی میں مبتلا کرنے والا عذاب (۲۳) تھا، بسبب ان نافرمانیوں کے جو وہ کیا کرتے تھے ۱٦٥۔

فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا

پھر جب (یہ سزا بھی انھیں عبرت نہ دلا سکی اور) وہ اس

= نہ ھوگی؟ ھو سکتا ھے کہ کسی کے دل کو کوئی بات لگ جائے۔ چنانچہ اسی لیے اھل حق نے کہا "معذرة الی ربکم و لعلھم یتقون" تاکہ اللہ کے حضور معذرت کر سکیں اور اس لیے بھی کہ شاید لوگ باز آجائیں۔ سبحان اللہ قرآن کی معجزانہ بلاغت! پانچ چھ لفظوں کے اندر وہ سب کچھ کہہ دیا جو اس بارے میں کہا جاسکتا ھے۔

وَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ
خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ
يَأْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى
وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ
وَاِنْ يَّأْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ
يَأْخُذُوْهُ ۗ اَلَمْ يُؤْخَذْ
عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ
اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ
اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ۗ
وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ
يَتَّقُوْنَ ۗ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝١٦٩

پھر ان لوگوں کے بعد ناخلفوں
نے ان کی جگہ پائی اور
کتاب الٰہی کے وارث ہوئے۔
وہ (دین فروشی کرکے) اس
دنیائے حقیر کی متاع (بے تأمل)
لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں:
"اس کی تو ہمیں معافی مل ہی
جائے گی"۔ اور اگر کوئی متاع
انہیں اسی طرح (فریق ثانی سے)
ہاتھ آجائے تو اسے بھی بلا تأمل
لے لیں۔ کیا ان سے کتاب میں

= بالکل معدوم نہیں ہو گئی تھیں۔ لیکن اس دور کے بعد جو نسلیں پیدا ہوئیں وہ علم و حقیقت سے یک سر محروم ہو گئیں۔ =

وَ قَطَّعْنٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ز وَ بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَ السَّیِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۝ ۱۶۸

اور هم نے انهیں الگ الگ گروه کرکے زمین میں متفرق کردیا ۔ کچھ ان میں نیك تھے، کچھ اس کے خلاف ۔ اور هم نے انهیں اچھی اور بری دونوں طرح کی حالتوں میں ڈال کر آرمایا تاکه (بد عملیوں سے) ںار آجائیں ۱۶۸ ۔

۱۶۸ - (ق) آیت ۱۶۸ میں اس قانون الٰهی کی طرف اشاره هے که جب کوئی جماعت ںدعملی و فساد میں مبتلا هوتی هے تو اس کا مهلك نتیجه فوراً ظاهر نهیں هو جاتا، ںلکه تدریج و امهال کی وحه سے یکے بعد دیگرے مهلتیں ملتی رهتی هیں که اصلاح حال پر آماده هوجائے ۔

ورمایا " هم نے انهیں الگ الگ گروه کرکے زمین میں متفرق کردیا " یعنی ںنی اسرائیل کی قومی وحدت باقی نهیں رهی، چھوٹے چھوٹے گروهوں میں منتشر هوگئے ۔ یه تباهی کی ابتدا تهی، تاهم ابھی نیك جماعتیں =

وَ الَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝١٧٠	اور (بنی اسرائیل میں سے) جو لوگ کتاب اللہ کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں اور نماز

کو قائم رکھا تو (ان کے لیے کوئی کھٹکا نہیں) ہم سنوارنے والوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتے ١٧٠ .

وَ اِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّ ظَنُّوْۤا اَنَّهٗ	اور جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے ان کے اوپر پہاڑ کو زلزلہ(٢٤)

= پیر کی مریدی یا کسی وظیفہ کا ورد یا کسی خاص نماز نفل کی مداومت یا مجالس میلاد کا انعقاد اور عرسوں کی شرکت بخشش و نجات کے لیے کافی ہے".

١٧٠ - (ش) پہلے آیت ١٥٩ میں کہا تھا کہ قوم موسیٰ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ہدایت پر چلتے ہیں. یہاں فرمایا: "جو لوگ کتاب اللہ پر سچائی کے ساتھ عمل کرتے ہیں ان کا اجر ضائع ہونے والا نہیں". دونوں جگہ یہ صراحت اس لیے کی تاکہ واضح ہو جائے جو لوگ سچائی پر قائم رہے ان کی سعادت سے انکار نہیں.

عہد نہیں لیا گیا ھے کہ خدا کے نام سے کوئی بات نہ کہیں مگر وھی جو سچ ہو اور کیا جو کچھ کتاب میں حکم دیا گیا ھے وہ پڑھ نہیں چکے ہیں؟ جو متقی ھیں ان کے لیے تو آخرت کا گھر (دنیا اور دنیا کی فانی خواھشوں سے) کہیں بہتر ھے (وہ دنیا کے لیے اپنی آخرت تاراج کرنے والے نہیں. اے علماء یہود!) کیا اتنی سی بات بھی تمہاری عقل میں نہیں آتی؟ ۱۶۹ .

۱۶۹ - (ر) چنانچہ علماء یہود کا یہ حال ہو گیا کہ دنیا کے حقیر فوائد کے لیے دین فروشی کرتے، نا جائز باتوں کو جائز بنا لیتے اور سمجھتے: "ہمارے لیے کوئی کھٹکا نہیں، خدا ہمیں بخش دے گا".

جب کسی گروہ میں عمل اور حقیقت کی روح باقی نہیں رہتی تو ارتکاب معاصی میں چھوٹ ہو جاتا ھے اور عمل کی جگہ محض خوش اعتقادی کے خود ساختہ سہاروں پر اعتماد کرنے لگتا ھے. چنانچہ یہی حال یہودیوں کا ہوا جو سمجھتے تھے "ہم خدا کی پسندیدہ امت ھیں. دوزخ کی آگ ہم پر حرام کر دی گئی ھے".
اور یہی حال اب مسلمانوں کا ہو گیا ھے جو سمجھتے ھیں: "ہم امت مرحومہ ھیں، دوزخ کی آگ ہم پر حرام کر دی گئی ھے. اگر کچھ مواخذہ ہو گا بھی تو کسی =

ھر ایك کو اس کی فطرت میں) خود اس پر گواہ ٹھیرایا تھا :
”کیا میں تمھارا پروردگار نہیں ھوں ؟“ سب نے جواب دیا تھا :
”ھاں ! (تو ھی ھمارا پروردگار ھے) ھم نے اس کی گواھی دی“.
اور یہ اس لیے کیا تھا کہ ایسا نہ ھو تم قیامت کے دن عذر
کر بیٹھو کہ ھم اس سے بے خبر رھے ۱۷۲ .

۱۷۲ و ۱۷۳ - (ت) اس حقیقت کا اعلان کہ خدا کی ھستی کا اعتقاد انسان کی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا ھے اور فطرت انسانی کی اصلی آواز ”بلیٰ“ ھے ، یعنی تصدیق ھے، انکار نہیں ھے . اور اسی لیے کوئی انسان اپنی غفلت کے لیے معذور نہیں ھو سکتا اور یہ نہیں کہہ سکتا کہ آباء و اجداد کی گم راھی سے میں بھی گم راہ ھو گیا . کیوں کہ اس کے وجود سے باھر گم راھی کے کتنے ھی مؤثرات جمع ھو جائیں لیکن اس کی فطرت کی اندرونی آواز کبھی دب نہیں سکتی ، بشرطیکہ وہ خود اس کے دبانے کے درپے نہ ھو جائے اور اس کی طرف سے کان بند نہ کر لے .

چوں کہ آیت ۱۷۱ میں اس عہد کا ذکر کیا تھا جو دین کے اتباع کا بنی اسرائیل سے لیا تھا اس لیے یہاں واضح کر دیا گیا کہ پیغمبروں کی ھدایت کوئی نیا پیام انسان کو =

وَاقِعٌ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ میں ڈالا تھا ، گویا ایک سائبان
اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا ہے (جو ہل رہا ہے) اور وہ
۲۱ ع ۱۱ مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۱۷۱ (دہشت کے مارے) سمجھے
تھے کہ بس ان کے سروں پر آ گرا۔ (اور انہیں حکم دیا تھا کہ)
"یہ کتاب جو ہم نے دی ہے مضبوطی سے پکڑے رہو اور
جو کچھ اس میں بتلایا گیا ہے اسے خوب طرح یاد رکھو۔ یہ
اس لیے ہے کہ تم برائیوں سے بچو" ۱۷۱۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ اور (اے پیغمبر! وہ وقت بھی
بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ لوگوں کو یاد دلاؤ) جب
ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى تمہارے پروردگار نے بنی آدم
اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ سے، یعنی اس ذریت سے جو آدم
وقف لازم قَالُوْا بَلٰى ۛ شَهِدْنَا ۛ اَنْ کے وجود سے (نسلاً بعد نسلٍ)
تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا پیدا ہونے والی تھی، عہد لیا
كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۱۷۲ تھا اور انہیں (یعنی ان میں سے

مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ
وَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝١٧٥

الٰہی میں) پڑھ کر سناؤ جسے
ہم نے اپنی نشانیاں دی تھیں
(یعنی دلائل حق کی سمجھ عطا کی تھی) لیکن پھر ایسا ہوا کہ اس
نے (دانش و فہم کا) وہ جامہ اتار دیا۔ پس شیطان اس کے پیچھے
لگا، نتیجہ یہ نکلا کہ گم راہوں میں سے ہو گیا ۱۷۵

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا
وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ
وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ج فَمَثَلُهٗ
كَمَثَلِ الْكَلْبِ ج اِنْ
تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ
اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ط ذٰلِكَ
مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا
بِاٰيٰتِنَا ج فَاقْصُصِ الْقَصَصَ
لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝١٧٦

اور اگر ہم چاہتے تو ان
نشانیوں کے ذریعے اس کا مرتبہ
بلند کرتے (یعنی دلائل حق کا
جو علم ہم نے دیا تھا وہ ایسا
تھا کہ اگر اس پر قائم رہتا اور
ہماری مشیت ہوتی تو بڑا درجہ
پاتا)، مگر وہ پستی کی طرف
جھکا اور ہواء نفس کی پیروی
کی تو اس کی مثال کتے کی سی

اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ
اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا
ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ
اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ
الْمُبْطِلُوْنَ ۝۱۷۳

یا کہو: (خدایا!) شرک تو ہم سے پہلے ہمارے باپ دادوں نے کیا، ہم ان کی نسل میں بعد کو پیدا ہوے (اور لاچار وہی چال چلے جس پر پہلوں کو چلتے پایا)، پھر کیا تو ہمیں اس بات کے لیے ہلاک کرے گا جو (ہم سے پہلے) جھوٹی راہ چلنے والوں نے کی تھی؟ ۱۷۳.

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ
وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝۱۷۴

اور (دیکھو!) اس طرح ہم سچائی کی نشانیاں الگ الگ کرکے واضح کر دیتے ہیں، تاکہ لوگ (حق کی طرف) لوٹ آئیں ۱۷۴

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ
اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ

اور (اے پیغمبر!) ان لوگوں کو اس آدمی کا حال (کلام

= نہیں دیتی، وہ اسی اعتقاد کو تازہ کرتی ہے جو اول دن سے فطرت انسانی میں ودیعت کر دیا گیا ہے.

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِیْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ١٧٨

جس پر اللہ (کام یابی کی) راہ کھول دے تو وھی راہ پر ھو، اور جس پر (کام یابی کی) راہ گم کر دے تو ایسے ھی لوگ ھوے جو گھاٹے ٹوٹے میں پڑے ١٧٨ ۔

= خیالات سے آشنا ھو گیا تھا۔ قدرتی طور پر ایسا شخص سب سے زیادہ مستحق تھا کہ اتباع حق کی اس سے توقع کی جاتی، لیکن جب اسلام کا ظہور ھوا تو پیغمبر اسلام کی فضیلت اس پر گراں گزری اور اس طمع میں پڑ گیا کہ خود ھی عرب کا پیغمبر کیوں نہ ھوا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ادراک حق کی جو توفیق ملی تھی ضائع گئی اور ھواء نفس کی پیروی نے محروم و نامراد کر دیا۔

کتے کی مثال میں اس طرف اشارہ ھے کہ تم ان لوگوں سے تعرض کرو یا نہ کرو، یہ اپنی مفسدانہ خصلت کا مظاھرہ ضرور کرتے رھیں گے، کیوں کہ سچائی کی مخالفت ایسے لوگوں کی طبیعت ثانیہ ھو جاتی ھے۔

ہو گئی ۔ مشقت میں ڈالو جب بھی ھانپے اور زبان لٹکائے ، چھوڑ دو حب بھی ایسا ھی کرے ۔ ایسی ھی مثال ان لوگوں کی ھے جنھوں نے ھماری نشانیاں جھٹلائیں ۔ تو (اے پیغمبر !) یہ حکایتیں لوگوں کو سناؤ ، تاکہ ان میں غور و فکر کریں ۱۷۶ ۔

سَآءَ مَثَلًا ِۨالْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝ ۱۷۷

کیا ھی بری مثال ان لوگوں کی ھوئی جنھوں نے ھماری نشانیاں جھٹلائیں ! وہ اپنے ھاتھوں خود اپنا ھی نقصان کرتے رھے ۱۷۷ ۔

---

۱۷۵ تا ۱۷۷ - پچھلی دعوتوں کا ذکر ختم ہو گیا ۔ اب یہاں یہ حقیقت واضح کی ھے کہ جس طرح پچھلے عہدوں کی مفسد جماعتوں نے آخر تک سچائی کا مقابلہ کیا اسی طرح عرب کے مفسدین بھی کر رھے ھیں اور کبھی ایمان لانے والے نہیں ۔ پس ان کی شرارتوں سے پریشان خاطر نہ ھو ، نتیجے کا انتظار کرو ۔

آیت ۱۷۵ میں غالباً عرب جاھلیت کے ایک حکیم شاعر امیہ بن عبد اللہ ابی الصلت ثقفی کی طرف اشارہ ھے ۔ یہ غیر معمولی ذکاوت و استعداد کا آدمی تھا اور اھل کتاب کی صحبت میں رہ کر خدا پرستی و دین داری کے =

= گم راهی و شقاوت کا سرچشمہ جہل و کوری اور حواس و تفکر کو بے کار کر دینا ہے۔ جو لوگ خدا کی دی ہوئی عقل سے کام نہیں لیتے یا ہواء نفس سے اس درجہ مغلوب ہو جاتے ہیں کہ ذہن و ادراک کی قوتیں بے کار ہو جاتی ہیں، وہ کبھی ہدایت نہیں پاسکتے (مزید تفصیل کے لیے تفسیر فاتحہ دیکھنی چاہیے) ۔

چنانچہ یہاں انسان کی دماغی شقاوت کی اس حالت کی طرف اشارہ کیا ہے جب بڑے بوڑھوں کے تقلیدی اثرات سے یا ہواء نفس کے غلبہ سے یا داتی طمع و بغض سے، وہ اس درجہ مغلوب ہو جاتا ہے کہ عقل و حواس کی ساری روشنیاں اس کے لیے بے کار ہو جاتی ہیں۔ قرآن کہتا ہے: ایسا ہی گروہ جہنمی گروہ ہے ۔

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ معرفت حقیقت کی دو ہی راہیں ہیں: فکر اور نظر۔ "فکر" یہ کہ خدا کی دی ہوئی عقل سے کام لیں اور اپنے اندر سوچیں سمجھیں۔ "نظر" یہ کہ کارخانۂ ہستی کے عجائب و دقائق کا مشاہدہ کریں اور اس سے بصیرت حاصل کریں۔ جو شخص ان دونوں باتوں سے محروم ہے، وہ اندھا بہرا ہے اور گم راہی سے لوٹنے والا نہیں ۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ ١٧٩

اور کتنے ھی جن اور انسان ھیں جنھیں ھم نے جہنم کے لیے پیدا کیا (یعنی بالآخر ان کا ٹھکانا جہنم ھونے والا ھے) . ان کے پاس عقل ھے مگر اس سے سمجھ بوجھ کا کام نہیں لیتے، آنکھیں ھیں مگر دیکھتے نہیں ، کان ھیں مگر سنتے نہیں . وہ (عقل و حواس کا استعمال کھو کر) چارپایوں کی طرح ھو گئے، بلکہ ان سے بھی زیادہ کھوئے ھوے . ایسے ھی لوگ ھیں جو سر تا سر غفلت میں ڈوب گئے ۱۷۹ .

---

۱۷۹ - قرآن نے جا بجا یہ حقیقت واضح کی ھے کہ ھدایت و سعادت کی راہ عقل و تفکر کی راہ ھے اور =

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ أُمَّةٌ	اور جن لوگوں کو ہم نے پیدا
يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ	کیا ان میں ایک گروہ ایسے
يَعْدِلُوْنَ ع ۱۸۱	لوگوں کا بھی ہے جو لوگوں

۲۲
ع
۱۲

کو سچائی کی راہ دکھاتا اور سچائی ہی کے ساتھ ان میں انصاف بھی کرتا ہے ۱۸۱ .

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا	اور جن لوگوں نے ہماری
سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ	نشانیاں جھٹلائیں، ہم انہیں درجہ
لَا يَعْلَمُوْنَ ج ۱۸۲	بدرجہ (آخری نتیجہ تک)

= بے شمار اسرار و دقائق کی معرفت حاصل کر لے سکتے ہیں، کیوں کہ یہاں جو کچھ ہے انہیں صفات کا ظہور ہے .

۱۸۱ - آیت ۱۸۱ میں عرب کے ان موحد اور راست باز انسانوں کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے اپنا جوہر فکر و نظر ضائع نہیں کیا تھا اور دعوت حق کے شناسا ثابت ہوئے تھے .

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا ۠ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞ ۱۸۰

اور (دیکھو!) اللہ کے لیے حسن وخوبی کے نام ہیں (یعنی صفتیں ہیں) سو تم انہیں ناموں سے اسے پکارو۔ اور جو لوگ اس کے ناموں میں کج اندیشیاں کرتے ہیں (یعنی ایسی صفتیں گھڑتے ہیں جو اس کے جمال و پاکی کے خلاف ہیں) تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ وہ وقت دور نہیں کہ اپنے کیے کا بدلا پالیں گے ۱۸۰ ۔

---

۱۸۰ - قرآن نے خدا کی صفتوں کا جو تصور ہم میں پیدا کرنا چاہا ہے وہ سرتا سر حسن وخوبی کا تصور ہے۔ چنانچہ وہ خدا کی تمام صفتوں کو ”حسنیٰ“ قرار دیتا ہے، یعنی خوبی و جمال کی صفتیں۔ یہ صفتیں کیا کیا ہیں؟ قرآن نے جا بجا بیان کی ہیں اور شمار کی گئیں تو ۹۹ نکلیں۔ ان تمام صفتوں کے معانی پر غور کروگے تو معلوم ہوجائے گا قرآن کا تصور کس درجہ بلند اور کامل ہے۔ صرف ان صفات کے معانی پر تدبر کر کے ہم کائنات ہستی کے=

پڑ کر سب کو اپنا دشمن بنالے)۔ وہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ (انکار و بد عملی کی پاداش سے) کھلے طور پر خبردار کردینے والا ہے ۱۸۴۔

اَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِىْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَىْءٍ لا وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ج فَبِاَىِّ حَدِيْثٍ م بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۸۵	پھر کیا یہ نظر اٹھا کر آسمان و زمین کی پادشاہی اور جو کچھ خدا نے پیدا کیا ہے نہیں دیکھتے ! نیز یہ بات کہ ہو سکتا ہے ان کا (مقررہ) وقت قریب آگیا ہو۔ (اگر سوچنے سمجھنے

کی یہ ساری باتیں انہیں ہشیار نہیں کر سکتیں تو) پھر اس کے بعد اور کون سی بات رہ گئی ہے جس پر یہ ایمان لائیں گے ! ۱۸۵۔

---

۱۸۴ و ۱۸۵ - داعیان حق کو ہمیشہ منکروں نے مجنون کہا ہے۔ پیغمبر اسلام کو بھی اشرار مکہ مجنون کہا کرتے تھے۔ آیت ۱۸۴ اور ۱۸۵ میں فرمایا: یہ منکر نہ تو فکر سے کام لیتے ہیں نہ مشاہدہ و نظر سے۔ اگر فکر سے کام لیں تو پیغمبر اسلام کی زندگی جو انہیں میں =

لے جائیں گے اس طرح کہ انہیں خبر بھی نہ ہو گی ۱۸۲ .

وَ اُمْلِیْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ ۞ ۱۸۳ هم انہیں ڈھیل دیتے ہیں (یعنی ہمارا قانون جزا ایسا ہے کہ نتائج بتدریج ظہور میں آتے ہیں اور مہلتوں پر مہلتیں ملتی رہتی ہیں) اور ہماری مخفی تدبیر بڑی ہی مضبوط ہے ۱۸۳ .

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ٚ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۞ ۱۸٤ کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا ان کے رفیق کو (یعنی پیغمبر اسلام کو جو انہیں میں پیدا ہوا اور جس کی زندگی کی ہر بات ان کے سامنے ہے) کچھ دیوانگی تو نہیں لگ گئی ہے (کہ خواہ مخواہ ایک بات کے پیچھے

---

۱۸۲ و ۱۸۳ - آیت ۱۸۲ و ۱۸۳ میں قانون امہال کی طرف اشارہ ہے اور مکہ کے مفسدوں کی نسبت خبر دی ہے کہ جزاء عمل کا قانون ان کی طرف سے غافل نہیں ہے. وہ بتدریج اس نتیجے تک پہنچ کر رہیں گے جو انکار و سرکشی کا لازمی نتیجہ ہے. چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ چند برسوں کے اندر قریش مکہ کی ساری طاقت نابود ہو گئی (قانون امہال کے لیے دیکھو تفسیر فاتحہ) .

لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۚ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۚ يَسْــَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۚ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ۸۷

وہ کب قرار پائے گا؟ تم کہہ دو: اس کا علم تو میرے پروردگار کو ہے۔ وہی ہے جو اس بات کو اس کے وقت پر نمایاں کرنے والا ہے۔ وہ بڑا بھاری حادثہ ہے جو آسمانوں اور زمین میں واقع ہو گا۔ وہ تم پر نہیں آئے گا مگر اچانک۔

(اے پیغمبر!) یہ لوگ تم سے اس طرح پوچھ رہے ہیں جیسے تم اس بات کی کرید میں لگے ہوئے ہو۔ تم کہو: (۲۵) اس بات کا علم تو اللہ ہی کو ہے، لیکن اکثر آدمی ایسے ہیں جو اس حقیقت سے انجان ہیں ۱۸۷۔

---

۱۸۷ - مشرکین مکہ انکار و تمسخر کی راہ سے پوچھتے تھے، ''اگر سچ مچ کو قیامت آنے والی ہے تو کیوں نہیں بتلا دیتے کہ کب آئے گی؟'' فرمایا: وقت کا علم تو اللہ کو ہے۔ تمہارے لیے اس قدر جان لینا ==

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ ؕ وَ يَذَرُهُمْ فِیْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۞ ۱۸۶

جس پر (کام یابی کی) راہ خدا گم کردے (یعنی خدا کے ٹھیرائے ہوے قانون نتائج کے مطابق کھویا جائے) تو پھر اس کے لیے کوئی راہ دکھانے والا نہیں۔ خدا (کے قانون) نے انہیں چھوڑ دیا ھے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں! ۱۸۶

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا

(اے پیغمبر!) لوگ تم سے (قیامت کے) آنے والے وقت کی نسبت پوچھتے ھیں کہ آخر

= پیدا ھوا اور انہیں میں سے ھے سچائی کی سب سے بڑی دلیل ھے۔ اگر نظر سے کام لیں تو آسمان و زمین کا ایک ایک ذرہ خدا کی ھستی اور اس کے مقررہ قوانین خلقت کی شہادت دے رھا ھے۔

غور کرو! قرآن کا طریق تلقین و استدلال کیسا ھے اور مفسروں نے اسے کیا کیا سے بنادیا ھے (تفصیل کے لیے دیکھو تفسیر فاتحہ)۔

اَنَا اِلَّا نَذِیرٌ وَّ بَشِیرٌ لِّقَومٍ اگر مجھے عیب کا علم ہوتا تو
۲۳
یُّؤمِنُونَ ؏ ۱۸۸ ضرور ایسا کرتا کہ بہت سی
۱۳
منفعت بٹور لیتا اور (زندگی میں) کوئی گزند مجھے نہ پہنچتا .
میں اس کے سوا کیا ہوں کہ ماننے والوں کے لیے خبردار
کر دینے والا اور بشارت دینے والا ہوں ۱۸۸ .

۱۸۸ - انسان کی ایک عالمگیر گمراہی یہ رہی ہے
کہ جب کوئی انسان روحانی عظمت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے
تو لوگ چاہتے ہیں اسے انسانیت و بندگی کی سطح سے
بلند کر کے دیکھیں لیکن قرآن نے پیغمبر اسلام کی حیثیت
ایسے صاف اور قطعی لفظوں میں واضح کر دی کہ ہمیشہ
کے لیے اس گمراہی کا ازالہ ہو گیا . صرف یہی ایک
بات ان کی صداقت کے اثبات کے لیے کفایت کرتی ہے .
جو دنیا اپنے پیشواؤں کو خدا اور خدا کا بیٹا بنانے کی
خواہش مند تھی اسلام کے پیغمبر نے اس سے اتنا بھی
نہ چاہا کہ کاہنوں کی طرح مجھے غیب داں تسلیم کرلو .
زیادہ سے زیادہ بات جو اپنی نسبت سنائی یہ تھی کہ
انکار و بد عملی کے نتائج سے خبردار کر دینے والا اور
ایمان و نیک عملی کی برکتوں کی بشارت دینے والا ایک بندہ
ہوں. اگر میں غیب داں ہوتا تو زندگی کا کوئی گزند=

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ	(اے پیغمبر!) تم کہ دو : میرا
نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ	حال تو یہ ھے کہ خود اپنی جان
وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ	کا نفع نقصان بھی اپنے قبضے
لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۚۛ	میں نہیں رکھتا ، وھی ھو کر
وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۚۛ اِنْ	رھتا ھے جو خدا چاھتا ھے . ۸ معانقة

= کافی ھے کہ جب آئے گی تو اچانك آجائے گی، ڈھنڈورا پیٹ کر نہیں آئے گی .

" ثقلت فی السمٰوٰت و الارض " سے معلوم ھوا وہ اجرام سماویہ کا ایك عظیم حادثہ ھو گا .

اس آیت اور اس کی ھم معنی آیات سے یہ بات بھی معلوم ھو گئی کہ قیامت کے آثار و مقدمات کے بارے میں جتنی باتیں مسلمانوں میں مشہور ھو گئی ھیں ان کا بڑا حصہ بے اصل ھے ، کیوں کہ اگر ایك واقعے سے بہت پہلے اس کی ظاھر علامتیں یکے بعد دیگرے ظہور میں آنے والی ھوں اور ان کی خبر بھی دے دی گئی ھو تو اس واقعہ کا ھونا ناگہانی نہیں ھو سکتا ، حالانکہ قرآن قطعی طور پر کہتا ھے کہ لوگ یك سر بے خبر ھوں گے اور قیامت اچانك نمودار ھو جائے گی .

پھر جب ایسا ہوتا ھے کہ مرد عورت پر جھکا (۲۶) تو عورت کو حمل رہ جاتا ھے ۔ پہلے حمل کا بوجھ ھلکا ہوتا ھے اور وہ وقت گزار دیتی ھے ۔ پھر جب بوجھل ہو جاتی ھے (اور وضع حمل کا وقت قریب آ لگتا ھے) تو مرد اور عورت دونوں اللہ کے حضور کہ ان کا پروردگار ھے دعا مانگتے ھیں کہ خدایا! ہم دونوں تیرے شکر گزار ہوں گے اگر ہمیں ایک تندرست بچہ عطا فرما دے۱۸۹ ۔

فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا پھر جب خدا نے انہیں ایک
جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ تندرست بچہ دے دیا تو جو چیز
اٰتٰهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا خدا نے دی اس میں دوسری
يُشْرِكُوْنَ ۝۱۹۰ ہستیوں کو شریک ٹھیرانے لگے ۔

سو (یاد رکھو!) یہ لوگ جیسی کچھ شرک کی باتیں کرتے ھیں اس سے اللہ کی ذات بہت بلند ھے ۱۹۰ ۔

۱۸۹ و ۱۹۰ - آیت ۱۸۹ و ۱۹۰ میں مشرکوں کی یہ گمراھی واضح کی ھے کہ اپنی احتیاجوں اور مصیبتوں میں خدا سے التجائیں کرتے ھیں، لیکن جب مطلب حاصل ہو جاتا ھے تو اسے ان آستانوں اور معبودوں کی بخشش سمجھنے لگتے ھیں جو انہوں نے ٹھیرا رکھے ھیں ۔ =

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا ج فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ج فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ۱۸۹

وھی (تمھارا پروردگار) ھے جس نے اکیلی جان سے تمھیں پیدا کیا (یعنی تمھارے قبیلوں اور گروھوں کا مورث اعلٰی ایک فرد واحد تھا) اور اس کی جنس سے اس کا جوڑا بنا دیا (یعنی مرد ھی کی نسل سے عورت بھی پیدا ھوتی ھے) تاکہ وہ اس کی رفاقت میں چین پائے۔

= مجھے نہ پھنچتا. مجھے کیا معلوم قیامت کب آئے گی. کیا ایسے انسان کی زبان سے سچائی کے سوا کوئی بات نکل سکتی ھے!

چہ عظمت دادۂ یارب بخلق آن عظیم الشان
کہ "انی عبدہ" گوید بجائے قول "سبحانی"

وَ اِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى اگر تم سیدھی راہ کی طرف
لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ بلاؤ تو تمہارے پیچھے قدم
عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ نہ اٹھا سکیں۔ اور تم انہیں پکارو
اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ۝ ۱۹۳ یا چپ رہو دونوں حالتوں کا
نتیجہ تمہارے لیے یکساں ہو ۱۹۳ .

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ (نادانو!) تم خدا کے سوا جن
دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ ہستیوں کو پکارتے ہو وہ
فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا تمہاری ہی طرح خدا کے
لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ۱۹۴ بندے ہیں۔ اگر تم (اپنے اس
وہم میں) سچے ہو (کہ ان میں خدائی طاقتیں ہیں) تو اپنی
احتیاجوں میں پکارو، وہ تمہاری پکار کا جواب دیں ۱۹۴ .

اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ۡ کیا ان (پتھر کی مورتیوں)
اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ کے پاؤں ہیں جن سے چلتے
بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ ہوں؟ ہاتھ ہیں جن سے پکڑتے

أَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۱۹۱
یہ لوگ خدا کے ساتھ کن ہستیوں کو شریك ٹھیراتے ھیں ! ایسوں کو جو کوئی چیز پیدا نہیں کرسکتے اور خود کسی کے پیدا کیے ہوے ھیں ۱۹۱ .

وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۱۹۲
ان میں نہ تو اس کی طاقت کہ ان کی مدد کریں ، نہ اس کی کہ خود اپنی ذات ھی کو مدد پہنچائیں ۱۹۲ .

= چنانچہ مشرکین عرب مصیبتوں میں خدا ھی کو پکارتے تھے ، لیکن جب مصیبت ٹل جاتی تو اپنے بنائے ہوے آستانوں پر نذریں چڑھاتے اور اپنی اولاد کو ان کی طرف منسوب کرتے اور کہتے : یہ انھیں کی بخشش ھے کہ ھمیں اولاد ملی .

اس آیت سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ شرك کی قسموں میں سے ایك قسم شرك فی التسمیہ ھے ، یعنی غیر خدا کی طرف منسوب کرکے نام رکھنا . چنانچہ مشرکین عرب عبد العزیٰ ، عبد الشمس وغیرہ نام رکھتے تھے اور افسوس ھے کہ مسلمان بھی اب اسی طرح کے نام رکھنے لگے ھیں .

اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰہُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْکِتٰبَ ۖ وَ ھُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ ۝۱۹۶

میرا کار ساز تو بس اللہ ھے جس نے یہ کتاب نازل فرمائی، اور وھی ھے جو نیک انسانوں کی کار سازی کرتا ھے ۱۹۶ .

وَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَکُمْ وَ لَآ اَنْفُسَھُمْ یَنْصُرُوْنَ ۝۱۹۷

تم اللہ کے سوا جنھیں پکارتے ھو (یاد رکھو!) وہ نہ تو تمھاری مدد کرنے کی قدرت رکھتے ھیں، نہ خود اپنی ھی مدد پر قادر ھیں ۱۹۷ .

وَ اِنْ تَدْعُوْھُمْ اِلَی الْھُدٰی لَا یَسْمَعُوْا ؕ وَ تَرٰىھُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْکَ وَ ھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ۝۱۹۸

(اے پیغمبر!) اگر تم ان لوگوں کو سیدھے رستے بلاؤ تو کبھی تمھاری پکار نہ سنیں. تمھیں ایسا دکھائی دیتا ھے کہ تمھاری طرف تک رھے ھیں، حالانکہ حقیقت یہ ھے کہ وہ تمھیں دیکھتے نہیں ۱۹۸ .

يَبْصِرُونَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا قُلِ ادْعُوا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ فَلَا تُنْظِرُونِ ۝ ۱۹۵

هوں؟ آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے ہوں؟ کان ہیں جن سے سنتے ہوں؟ (اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہو: (اگر

تمہارے ٹھیرائے ہوئے شریك تمہاری مدد کر سکتے ہیں تو) انہیں (جس قدر پکار سکتے ہو) پکار لو، پھر (میرے خلاف اپنی ساری) مخفی تدبیریں کر ڈالو اور مجھے (اپنے جانتے) ذرا بھی مہلت نہ دو (پھر دیکھو نتیجہ کیا نکلتا ہے!) ۱۹۵ .

---

۱۹۲ تا ۱۹۵ قرآن نے جا بجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ روحانی اعتقاد کے ساتھ ایك بالاتر ہستی کو پکارنا بندگی و نیاز کا ایك ایسا فعل ہے جو صرف خدا ہی کے لیے ہونا چاہیے . اگر کسی دوسری ہستی کے لیے کیا گیا تو یہ شرك ہوگا. یہی مقام ہے جہاں پیروان مذاہب نے ٹھوکر کھائی. وہ توحید ربوبیت میں نہیں کھوئے گئے، کیوں کہ خالق و رب خدا ہی کو مانتے تھے . توحید الوہیت میں گم راہ ہوگئے، یعنی اپنی دعاؤں اور منتوں مرادوں کے لیے بہت سے آستانے بنا لیے جسے قرآن ”الٰہ“ بنا لینے سے تعبیر کرتا ہے .

وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۰۰

اور اگر ایسا ہو کہ شیطان کی طرف سے وسوسے کی کوئی چبھن محسوس ہو تو اللہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس سے پناہ طلب کرو۔ بلا شبہ وہ سننے والا، جاننے والا ہے (۲۷) ۲۰۰ ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۚ ۝۲۰۱

جو لوگ متقی ہیں اگر انہیں شیطان کی وسوسہ اندازی سے کوئی خیال چھو بھی جاتا ہے تو فوراً چونك اٹھتے ہیں اور پھر (پردۂ غفلت اس طرح ہٹ جاتا ہے گویا) اچانك ان کی آنکھیں کھل گئیں ۲۰۱ ۔

وَ اِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ۝۲۰۲

مگر جو لوگ شیطانوں کے بھائی بند ہیں تو انہیں وہ

= کرو۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا کونسا گوشہ ہے جس کی ساری عملی مشکلات ان تین اصولوں سے حل نہیں ہو جاتیں ۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝ ۱۹۹ (بہر حال) نرمی و در گذر سے کام لو، نیکی کا حکم دو، جاهلوں کی طرف متوجه نه هو ۱۹۹.

۱۹۸ - آیت ۱۹۸ میں فرمایا "حقیقت یه هے که تجھے دیکھتے نہیں" کیوں که اگر دیکھتے تو کبھی انکار نه کرتے. سو ایك دیکھا سلمان فارسی کا تھا جو پہلی هی نگاہ میں پکار اٹھا: "واللہ ما هذا بوجه کذاب!" خدا کی قسم یه صورت جھوٹے آدمی کی نہیں هو سکتی. اور ایك دیکھا ابو جہل کا تھا که "ما لهذا الرسول یأکل الطعام و یمشی فی الأسواق" یه کیا رسول هے که بازاروں میں آدمیوں کی طرح چلتا پھرتا اور کھاتا پیتا رهتا هے!

۱۹۹ - آیت ۱۹۹ مہمات اصول میں سے هے. چند لفظوں کے اندر زندگی کی اخلاقی مشکلات کا پورا حل اور فضیلت و کام رانی کے تمام طریقے واضح کر دیے: "اخذ بالعفو، امر بالمعروف، اعراض عن الجاهلین"، یعنی نا سمجھوں کی نا سمجھی بخش دینی، جاهلوں کے پیچھے نه پڑنا اور نیکی کی دعوت میں سر گرم رهنا. سرسری نظر میں پتا نہیں لگے گا، اچھی طرح اور بار بار غور =

تُرْحَمُوْنَ ۝ ٢٠٤ اور چپ رھو، تا کہ اللہ کی

مہربانی کے مستحق ثابت ھو ۲۰۴ ۔

وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ اور (اے پیغمبر!) اپنے

تَضَرُّعًا وَّ خِیْفَةً وَّ دُوْنَ پروردگار کو صبح و شام یاد

الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ کیا کر دل میں عجز و نیاز کے

وَ الْاٰصَالِ وَ لَا تَكُنْ مِّنَ ساتھ ڈرتے ھوے، اور زبان

الْغٰفِلِیْنَ ۝ ٢٠٥ سے بھی آھستہ آھستہ بغیر

پکارے۔ اور ایسا نہ کرنا کہ غافلوں میں سے ھو جاؤ ۲۰۵ ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ جو اللہ کے حضور (مقرب)

لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ ھیں وہ کبھی سرکشی میں

وَ یُسَبِّحُوْنَهٗ وَ لَهٗ آکر اس کی بندگی سے نہیں

یَسْجُدُوْنَ ۝ ع السجدة ۲۰٦ جھجکتے۔ وہ اس کی پاکی

و ثناء میں زمزمہ سنج رھتے ھیں اور اسی کے آگے سر بسجود

ھوتے ھیں ۲۰٦ ۔

---

۲۰٦ - سورت کا مرکز موعظت یہ تھا کہ اوائل =

کو راهی هیں کھینچے هی لیے جاتے هیں اور پھر اس میں ذرا بھی کمی نہیں کرتے ۲۰۲ .

وَ اِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰیَةٍ	اور (اے پیغمبر!) جب ایسا
قَالُوْا لَوْ لَا اجْتَبَیْتَهَا ؕ	هوتا هے که تم ان کے پاس
قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰۤی	کوئی نشانی لے کر نه جاؤ
اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ	(جیسی نشانیوں کی وہ فرمایشیں
مِنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًی وَّ رَحْمَةٌ	کیا کرتے هیں) تو کہتے هیں
لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝ ۲۰۳	"کیوں کوئی نشانی پسند کرکے

نه چن لی؟" (یعنی کیوں اپنے جی سے نه بنالی). تم کہه دو: حقیقت حال اس کے سوا کچھ نہیں هے که جو کچھ میرے پروردگار کی طرف سے مجھ پر وحی کی جاتی هے اس کی پیروی کرتا هوں (میرے ارادے اور پسند کو اس میں کیا دخل؟). یه (قرآن) تمهارے پروردگار کی طرف سے دلیلوں کا ذخیرہ هے اور ان سب کے لیے جو یقین رکھنے والے هیں هدایت اور رحمت ۲۰۳ .

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا	اور (مسلمانو!) جب قرآن
لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ	پڑھا جائے تو جی لگا کر سنو

= دعوت دیتے رهو ، مگر جاهلوں کی طرف متوجه نه هو .

(د) اگر مخالفوں کے عناد ، نا موافق حالات کے هجوم اور اپنی بے چارگی و بے نوائی کے تصور سے مایوس کن خیالات پیدا هونے لگیں تو سمجھ جاؤ یه شیطانی وسوسه هے اور الله کی یاد سے اس کا علاج کرو .

وساوس و خطرات سب کو گهیرتے هیں ، مگر جو لوگ متقی هیں ان کا ضمیر ایسا بیدار هو جاتا هے که جونہیں کوئی وسوسه گزرا معاً چونك اٹھے اور راستی و نیکی کی روشنی نمودار هو گئی . مگر جو لوگ ایمان و تقوے سے محروم هیں وه اپنے آپ کو وسوسوں کے هاتھوں چھوڑ دیتے هیں ، جدھر لے جائیں اور جہاں تك لے جائیں کھچتے چلے جائیں گے .

(ه) کلام الٰہی کا جی لگا کر سننا وسوسوں اور خطروں کے اثرات دور کر دیتا هے .

= اسلام کی عزت و بے چارگی میں پیروان دعوت کو تسکین دی جائے اور یہ حقیقت ان کے دلوں پر نقش کر دی جائے کہ ظاہری اسباب کتنے ہی مخالف دکھائی دیتے ہوں بالآخر دعوت حق کی فتح مندی یقینی ہے۔ مخالف جماعتیں جس قدر اپنی سرگرمی میں بڑھتی جائیں گی اتنا ہی زیادہ ان کی تباہی کا وقت قریب آتا جائے گا۔

اب سورت کے تمام مواعظ پر دوبارہ نظر ڈالو اور دیکھو کس طرح سورت کی ابتدا ہوئی، کس طرح سلسلۂ بیان کھلتا اور پھیلتا گیا اور کس طرح دین حق کے تمام مہمات و مقاصد اس پھیلاؤ میں سمٹ آئے، پھر کس طرح مرکز بیان برابر ایک ہی رہا اور اب اسی پر خاتمہ ہو رہا ہے۔

چنانچہ یہاں واضح فرمایا کہ:

(ا) مشرکین مکہ دعوت حق کے خلاف کتنی ہی تدبیریں کریں کام یاب ہونے والی نہیں، کیوں کہ اس مقابلے میں حق تمہارے ساتھ ہوا، ان کے ساتھ نہیں۔

(ب) جو لوگ تعصب اور ضد میں کھوئے گئے وہ کبھی ماننے والے نہیں۔

(ج) تمہارا طریق کار یہ ہونا چاہیے کہ ہر حال میں نرمی اور درگذر کا شیوہ ملحوظ رکھو اور نیکی کی =

= پیغمبر اسلام نے تیرہ برس تک ہر طرح کے مظالم برداشت کیے۔ آخر جب مکہ میں زندہ رہنا دشوار ہو گیا تو مدینہ چلے آئے۔ لیکن قریش مکہ نے یہاں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا، پے در پے حملے شروع کر دیے

اب پیغمبر اسلام کے سامنے تین راہیں تھیں:

(ا) جس بات کو حق سمجھتے ہیں اس سے دست بردار ہو جائیں۔

(ب) اس پر قائم رہیں، مگر مسلمانوں کو قتل ہونے دیں۔

(ج) ظلم و تشدد کا مردانہ وار مقابلہ کریں اور نتیجہ خدا کے ہاتھ چھوڑ دیں۔

انہوں نے تیسری راہ اختیار کی اور نتیجہ وہی نکلا جو ہمیشہ نکل چکا ہے، یعنی حق فتح مند ہوا اور ظالموں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔

قرآن نے جس لڑائی کو جائز رکھا اس کی اصلیت اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

چوں کہ لڑائی کی حالت پیش آ گئی تھی اس لیے اس کے ضروری احکام بیان کر دیے گئے۔ اس سورت میں اور اس کے بعد کی سورت میں تذکیر و موعظت کا مرکز یہی حالت ہے۔

الانفال - ۸

مدنية و هي خمس و سبعون آية

مدنی، ۷۵ آیتیں

بسم الله الرحمن الرحيم

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ	(اے پیغمبر!) لوگ تم سے
قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ۚ	پوچھتے ہیں مال غنیمت

مکہ میں جب پیغمبر اسلام کی دعوت کا ظہور ہوا تو قدرتی طور پر دو گروہ پیدا ہو گئے: ایک ان لوگوں کا تھا جنہوں نے یہ دعوت قبول کی، دوسرا تمام قوم اور اس کے سرداروں کا جو اس کے مخالف تھے. غور کرو دونوں میں مابہ نزاع کیا تھی؟ پیروان دعوت حق کہتے تھے انہیں حق ہے کہ جس بات کو درست سمجھیں اختیار کریں. مخالف کہتے تھے انہیں یہ حق حاصل نہیں، یعنی وہ انسان کے اعتقاد و ضمیر کی آزادی تسلیم نہیں کرتے تھے. وہ چاہتے تھے بزور شمشیر مسلمانوں کو ان کے اعتقاد سے پھرا دیں. ==

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ	مومنوں کی شان تو یہ ھے کہ
اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ	حب اللہ کا ذکر کیا جاتا ھے
وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ	تو ان کے دل دھل حاتے ھیں
زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى	اور حب اس کی آیتیں پڑھ کر
رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۚ ۲	سنائی حاتی ھیں تو ان کے ایمان

کو اور زیادہ کر دیتی ھیں اور وہ ھر حال میں اپنے پرورد گار پر بھروسا رکھتے ھیں ۲ .

---

۲ - سچا مومن وہ ھے جس کی روح خدا پرستی سے معمور رھتی ھے ، جس کا ایمان گھٹنے کی جگہ برابر بڑھتا رھتا ھے ، حو نماز قائم رکھتا اور حدا کی راہ میں حرچ کرنے سے کبھی نہیں تھکتا .

یہ آیت اس باب میں قاطع ھے کہ قرآن کے نزدیک ایمان کی ھر حالت یکساں نہیں ، وہ گھٹتا بھی ھے اور بڑھتا بھی ھے . نفس تصدیق کے لحاظ سے سب برابر ھیں ، کیفیت و یقین میں تفاوت ھے . (۲۸) پس " الایمان لا یزید و لا ینقص " والی بات چل نہیں سکتی .

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ص وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ۱

(یعنی لڑائیوں میں جو مال ہاتھ آیا ھے اس) کے بارے میں کیا ھونا چاھیے ؟ کہہ دو: مال غنیمت در اصل الله اور اس کے رسول کا ھے . پس اگر تم مومن ھو تو چاھیے کہ (اس کی وجہ سے آپس میں جھگڑا نہ کرو) الله سے ڈرو ، اپنا آپس کا معاملہ درست رکھو اور اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت میں سر گرم ھو جاؤ ۱ .

---

۱ - مال غنیمت جو لڑائی میں ھاتھ آئے وہ الله اور اس کے رسول کا ھے . یعنی یہ بات نہیں ھونی چاھیے کہ جو جس کے ھاتھ پڑ گیا وہ اسی کا ھو گیا ، بلکہ سب کچھ امام کے سامنے پیش کرنا چاھیے ، وہ اسے جماعت میں تقسیم کرے گا .

امن کی حالت ھو یا لڑائی کی ، لیکن مسلمانوں کو باھم دگر صلح و صفائی کے ساتھ رھنا چاھیے .

ھر حال میں تقویٰ اور اطاعت (یعنی ڈسپلن) ان کا نصب العین ھو کہ بغیر اس کے کامیابی ممکن نہیں .

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ؕ۶

وہ تجھ سے امر حق میں جھگڑنے لگے باوجودیکہ معاملہ واضح ہو چکا تھا۔ (وہ باہر نکل کر دشمنوں کا مقابلہ کرنے سے اس درجہ ناخوش تھے) گویا انہیں زبردستی موت کے منہ میں ڈھکیلا جا رہا ہے اور وہ (اپنی موت اپنی آنکھوں سے) دیکھ رہے ہیں ۶۔

۵ و ۶ – عرب جاھلیت میں دستور تھا کہ لڑائی میں جو مال جس کے ھاتھ لگ جائے وہ اسی کا سمجھا جاتا تھا۔ رومیوں میں بھی ایسا ھی دستور تھا اور آج کل بھی یورپ کی تمام قوموں میں ایسا ھی قانون رائج ھے۔ جس شہر یا قلعے کو فوج حملہ کرکے فتح کر لیتی ھے، ایک خاص وقت تک اسے لوٹنے کا اسے حق ھوتا ھے۔ چنانچہ ھندوستان میں انگریزی فوج نے سرنگاپٹم، بھرت پور اور حیدرآباد سندھ کو بے دریغ لوٹا اور غدر سنہ ۱۸۵۷ء میں جب دھلی فتح ھوئی تو سات دن تک فوجیوں کو لوٹ مار کی اجازت دے دی گئی تھی۔ لیکن قرآن نے یہ حکم دے کر کہ مال غنیمت جو کچھ بھی=

اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا	جو نماز قائم کرتے ھیں اور
رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ؕ٣	جو کچھ ھم نے انھیں دے رکھا

ھے اس میں سے (ایك حصه ھماری راہ میں) خرچ کرتے رھتے ھیں [3].

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ	بلا شبه ایسے ھی لوگ حقیقی
حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ	مومن ھیں . ان کے لیے ان کے
رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ	پروردگار کے یہاں بڑے مرتبے
كَرِيْمٌ ۚ٤	ھوے اور بخشایش ھوئی

اور بڑی خوبی و عزت کی روزی [4] .

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ	(اس معاملے کو بھی ویسا ھی
بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ	سمجھ) جس طرح (جنگ بدر
فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	میں) یه بات ھوئی تھی که
لَكٰرِهُوْنَ ۙ٥	تیرے پروردگار نے سچائی کے

ساتھ تجھے تیرے گھر سے باھر نکالا تھا ، اور یه واقعه ھے که مومنوں کا ایك گروہ اس بات سے ناخوش تھا [5] .

میں لڑائی کی سکت نہیں (یعنی قافلے والی) وہ ھاتھ آجائے، مگر (خدا کا چاھنا دوسرا تھا) خدا چاھتا تھا اپنے وعدے کے ذریعے حق کو ثابت کر دے اور منکروں کی جڑ بنیادیں کاٹ کر رکھ دے ۷.

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ (اور) یہ اس لیے تاکہ حق کو

الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ حق کر کے اور باطل کو باطل

الْمُجْرِمُونَ ۚ ۸ کر کے دکھلا دے اگرچہ (ظلم

و فساد کے) مجرم ایسا ھونا پسند نہ کریں ۸.

= بالآخر سب نے دیکھ لیا کہ حق بات وھی تھی جو اللہ کے رسول نے چاھی تھی.

۷ و ۸ - وہ معاملہ یہ تھا کہ ھجرت کے دوسرے سال جب رؤساء مکہ نے مدینہ پر حملہ کیا تو اسی زمانے میں ان کا ایك تجارتی قافلہ بھی شام سے مکہ آرھا تھا اور مدینہ کے قرب و جوار سے ھو کر گزرنے والا تھا. پیغمبر اسلام نے وحی الٰہی سے مطلع ھو کر فرمایا: "ایك گروہ مکہ سے آرھا ھے، دوسرا قافلہ ھے. ان دو میں سے کسی ایك سے ضرور جنگ ھو گی اور تم کامیاب ھو گے". چوں کہ قافلے کے ساتھ بہت تھوڑے =

وَ اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى	اور (مسلمانو! وہ وقت یاد
الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ	کرو) جب که الله نے تم سے
وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ	وعدہ فرمایا تھا (دشمنوں کی)
الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ	دو جماعتوں میں سے کوئی ایک
وَ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ	تمھارے قبضے میں ضرور
بِكَلِمٰتِهٖ وَ يَقْطَعَ دَابِرَ	آئے گی، اور تمھارا حال یه
الْكٰفِرِيْنَ ۙ ۷	تھا که چاھتے تھے جس جماعت

= ھاتھ آئے، حکومت (یعنی اسٹیٹ) کا ھے نه که لوٹنے والوں کا، سپاھیوں کی ذاتی طمع و حرص کے ابھرنے کی راہ روک دی.

چوں که یه نئی قسم کی سختی تھی اس لیے ناگزیر تھا که لوگوں پر شاق گزرے. پس پہلے تقوے اور اطاعت کی تلقین کی، پھر سچے مومنوں کی شان بتلائی، پھر آیت ۵ میں فرمایا: اس معاملے کو بھی ویسا ھی معامله سمجھو جیسا جنگ بدر میں پیش آیا تھا. لوگوں کی خواھش دوسری تھی، الله کے رسول کا فیصله دوسرا تھا، لیکن=

وَ مَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی	اور اللہ نے یہ بات جو کی تو
وَ لِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ	اس کا مقصد اس کے سوا
وَ مَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ	کچھ نہ تھا کہ (تمہارے لیے)
عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ	خوش خبری ہو اور تمہارے
ع ۱ ۱۵ حَكِیْمٌ ۝ ع ۱۰	(مضطرب دل) قرار پاجائیں ،

ورنہ مدد تو (ہر حال میں) اللہ ہی کی طرف سے ہے. بلا شبہ وہ (سب پر) غالب آنے والا، (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے ۱۰ .

---

۱۰ - آیت ۱۰ سے واضح ہو گیا کہ فرشتوں والی بات صرف اس لیے تھی کہ کم زور مسلمانوں کے دل قرار پاجائیں ، یہ بات نہ تھی کہ لڑائی لڑنے میں اسے کچھ دخل ہو . چنانچہ محققین تفسیر و حدیث اسی طرف گئے ہیں کہ فرشتوں کا نزول مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط رکھنے کے لیے ہوا تھا . لڑائی میں ان کی شرکت ثابت نہیں ، نہ اس کی کوئی ضرورت پیش آئی تھی . اور آیت ۱۲ میں ''فاضربوا'' کا خطاب مسلمانوں سے ہے نہ کہ فرشتوں سے . =

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝ ۹	حب ایسا ھوا تھا کہ (جنگ بدر کے موقعے پر) تم نے اپنے پروردگار سے فریاد کی تھی کہ ھماری مدد کر اور اس نے

تمھاری فریاد سن لی تھی. اس نے کہا تھا: میں ایك ھزار فرشتوں سے کہ یکے بعد دیگرے آئیں گے تمھاری مدد کروں گا ۹ .

= آدمی تھے اس لیے مسلمانوں کی خواھش تھی کہ اسی سے مقابلہ ھو، مکہ والی فوج سے نہ لڑیں، کیوں کہ خود بڑی ھی کم روری اور بے سروسامانی کی حالت میں تھے. مگر پیغمبر اسلام نے لوگوں کے ان حیالات کی کچھ پروا نہ کی اور حملہ آوروں کے مقابلے کا فیصلہ کر لیا. نتیجہ یہ نکلا کہ تین سو تیرہ بے نواؤں نے رؤساء مکہ کے پورے لشکر کو شکست دے دی.

آیت ۷ میں ''غیر ذات الشوکۃ'' سے قافلے والی جماعت مراد ھے. آیت ٦ میں اس طرف اشارہ ھے کہ اگرچہ ایك فریق نے پیغمبر اسلام کا فیصلہ مان لیا تھا مگر دل میں سخت ھراساں تھا. نکلا تو اس طرح ڈرتا ھوا نکلا گویا موت کے منہ میں ڈھکیلا جا رھا ھے.

= بے بسی اور کم زوری کی تھی. کل تین سو تیرہ آدمی لڑنے کے قابل تھے اور ان کا بھی یہ حال تھا کہ ایک آدمی کے سوا کسی کے پاس گھوڑا نہ تھا. پس قدرتی طور پر لوگ ہراساں ہوئے اور جو دل کے پکے تھے انہیں طرح طرح کے وسوسے ستانے لگے. پھر بڑی مصیبت یہ ہوئی کہ پانی کی جگہ ایک ہی تھی، اس پر دشمن قابض ہو گیا. علاوہ بریں زمین ریتیلی تھی، پاؤں دھنس دھنس جاتے تھے. دشمن سوار تھے، ان کا کچھ نہ بگڑتا. مسلمان پیدل تھے، ان کے پاؤں نہ جمتے

آیت ۱۱ میں فرمایا: غور کرو! خدا کی کارسازی نے کس طرح یہ ساری مشکلیں حل کر دیں! اس نے دلوں کو چین دینے کے لیے تم سب پر نیند غالب کر دی، اٹھے تو دل کا سارا خوف وہراس دور ہو چکا تھا. چنانچہ حضرت علی فرماتے ہیں: بدر کی پہلی رات کوئی نہ تھا جو آرام سے سو نہ گیا ہو. ہاں! آنحضرت رات بھر عبادت کرتے رہے (بیہقی فی الدلائل). اور معلوم ہے جس کے دل میں خوف و خطرہ ہو وہ کبھی آرام سے سو نہیں سکتا. پس اس نیند کا طاری ہو جانا بے خوفی کا القاء تھا. پھر عین موقعے پر بارش ہو گئی اور افراط کے ساتھ سب کو پانی میسر آ گیا. نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ نہا دھو کر=

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ	جب ایسا ہوا تھا کہ اس نے
اَمَنَةً مِّنْهُ وَ يُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ	چھا جانے والی غنودگی تم پر
مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ	طاری کر دی تھی کہ یہ اس کی
بِهٖ وَ يُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ	طرف سے تمہارے لیے تسکین
الشَّيْطٰنِ وَ لِيَرْبِطَ عَلٰى	و بے خوفی کا سامان تھا، اور
قُلُوْبِكُمْ وَ يُثَبِّتَ بِهِ	آسمان سے تم پر پانی برسادیا تھا
الْاَقْدَامَ ط ١١	کہ تمہیں پاک و صاف ہونے کا

موقع دے دے اور تم سے شیطان (کے وسوسوں) کی ناپاکی دور کر دے. نیز تمہارے دلوں کی ڈھارس بندھ جائے اور (ریتیلے میدانوں میں) قدم جما دے ١١ .

= مسلمانوں کے دلوں کو تھامے رکھنے کے لیے جو فرشتوں کا نزول ہوا اس کی حقیقت کیا تھی؟ تو یہ معاملہ بھی علم غیب کے حقائق سے تعلق رکھتا ہے . ہم اپنے ذہن و ادراک سے اس کی حقیقت معلوم نہیں کر سکتے .

١١ – بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کی حالت بڑی ہی=

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى	(اے پیغمبر!) یہ وہ وقت تھا
الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ	کہ تیرے پروردگار نے
فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ	فرشتوں پر وحی کی تھی:
سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ	میں تمہارے ساتھ ہوں (یعنی
كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا	میری مدد تمہارے ساتھ ہے)

= ہونے کا بارہ بجے تک انتظار نہ کرنا پڑتا، سویرے ہی لڑائی شروع کر دیتا. نتیجہ یہ نکلتا کہ بلوشر (Blücher) کے پہنچنے سے پہلے ولنگٹن (Wellington) کو شکست ہو جاتی.

واٹرلو میں اگر بارش نہ ہوئی ہوتی تو یورپ کا سیاسی نقشہ بدل جاتا، لیکن اگر بدر میں نہ ہوئی ہوتی تو کیا ہوتا! تمام کرۂ ارضی کی ہدایت و سعادت کا نقشہ الٹ جاتا. اسی طرف پیغمبر اسلام نے اپنی دعا میں اشارہ کیا تھا: "اللھم! ان تھلك ھذہ العصابة فلا تعبد فی الارض" خدایا! اگر خدام حق کی یہ چھوٹی سی جماعت آج ہلاک ہو گئی تو کرۂ ارضی میں تیرا سچا عبادت گذار کوئی نہیں رہے گا.

= صاف ستھرے ھو گئے۔ کوئی نہ تھا جو چست و چاق اور تازہ دم نہ ھو گیا ھو۔ بارش کی وجہ سے ریت بھی جم کر سخت ھو گئی۔ پاؤں کے دھنس جانے کا اندیشہ جاتا رھا۔ اپنی کامیابی کی طرف سے بے اعتمادی و مایوسی جو در اصل شیطانی وسوسے کی ناپاکی تھی، اب، کسی کے دل میں باقی نہیں رھی:

آج کل فن جنگ میں جس بات پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا ھے، وہ یہ ھے کہ سپاھیوں کی اسپرٹ یعنی معنوی قوی درست رکھے جائیں۔ یہاں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ھے۔ صرف اس بات نے کہ پانی کی ضرورت باقی نہیں رھی، ریت میں دھنسنے کا خطرہ جاتا رھا اور نہا دھو لینے کی وجہ سے جسم میں تازگی آ گئی، لوگوں کے اندر جس درجہ خود اعتمادی اور سرگرمی پیدا کر دی ھو گی اس کا اندازہ صرف اھل نظر ھی کرسکتے ھیں۔

بعض اوقات قدرتی حوادث کا ایک معمولی سا واقعہ بھی فتح و شکست کا فیصلہ کر دیتا ھے۔ جنگ واٹرلو (Waterloo) کے تمام مؤرخین متفق ھیں کہ اگر ۱۷ اور ۱۸ جون سنہ ۱۸۱۵ء کی درمیانی رات میں بارش نہ ھوئی ھوتی تو یورپ کا نقشہ بدل گیا ھوتا، کیوں کہ اس صورت میں نپولین (Napoleon) کو زمین خشک =

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا	مسلمانو! جب کافروں کے لشکر
لَقِيتُمُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟	سے تمہاری مٹھ بھیڑ ہو جائے
زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ	(یعنی وہ تم پر ہجوم کرکے
ٱلْأَدْبَارَ ۱۵	چڑھ دوڑیں اور تم مقابل ہو)

تو انہیں پیٹھ نہ دکھاؤ (سینہ سپر ہو کر مقابلہ کرو) ۱۵ .

۱۵ - آیت ۱۵ سے معلوم ہوا کہ اگر دشمن جمع ہو کر مسلمانوں پر چڑھ دوڑیں تو لڑائی سے بھاگنا مسلمانوں کے لیے سخت گناہ کی بات ہے اور اس کے لیے بڑی ہی سخت وعید آئی ہے .

لیکن اگر دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہو تو پھر کیا کرنا چاہیے ؟

اسی سورت کی آیت ۶۶ سے معلوم ہوا کہ میدان جنگ میں ایک مسلمان کو کم از کم دو دشمنوں پر بھاری ہونا چاہیے . پس اگر دشمن دوگنے سے بھی زیادہ ہوں اور مسلمان لڑنے میں مصلحت نہ سمجھیں تو ایسا کر سکتے ہیں . لیکن اس صورت میں بھی عزیمت یہی ہوگی کہ خدا پر بھروسا رکھیں اور لڑنے سے منہ نہ موڑیں . =

فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ؕ ١٢ پس مومنوں کو استوار رکھو. عنقریب ایسا ہوگا کہ میں کافروں کے دلوں میں (مومنوں کی) دہشت ڈال دوں گا. سو (مسلمانو!) ان کی گردنوں پر ضرب لگاؤ، ان کے ہاتھ پاؤں کی ایک ایک انگلی پر ضرب لگاؤ ١٢.

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۞ ١٣ اور یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی، اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا تو یاد رکھو اللہ (پاداش عمل میں) سخت سزا دینے والا ہے ١٣.

ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ۞ ١٤ (اے اعداء حق!) یہ ہے سزا تمہارے لیے تو اس کا مزہ چکھ لو اور جان رکھو منکرین حق کو آتش دوزخ کا عذاب بھی پیش آنے والا ہے ١٤.

إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ج (یعنی محض اس کی تائید سے
وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ ایسا ہوا) ۔ اور (اے پیغمبر!)
بَلَاءً حَسَنًا ط إِنَّ اللّٰهَ جب تم نے (میدان جنگ
سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۞ ۱۷ میں مٹھی بھر کر خاک) پھینکی

تو حقیقت یہ ہے کہ تم نے نہیں پھینکی تھی، خدا نے پھینکی تھی۔ اور یہ اس لیے ہوا تھا تاکہ اس کے ذریعے ایمان والوں کو ایک بہتر آزمایش میں ڈال کر آزمائے۔ بلاشبہ اللہ سننے والا، علم رکھنے والا ہے ۱۷ ۔

ذٰلِكُمْ وَأَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ یہ سب تو ہو چکا، اب سن
كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ۞ ۱۸ رکھو کہ اللہ کافروں کی مخفی

تدبیروں کو (جو وہ دعوت حق کے مٹانے کے لیے کر رہے ہیں) کمزور کر دینے والا ہے ۱۸ ۔

---

۱۸ – آیت ۱۸ میں فرمایا "میدان جنگ کا فیصلہ تو ہو چکا، اب رہیں دشمنوں کی خفیہ تدبیریں تو وہ بھی سست پڑ جائیں گی"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، بدر کے بعد قریش مکہ کی کوئی تدبیر بھی ان کے لیے سود مند نہ ہوئی۔

وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۞ ۱۶

اور جو کوئی ایسے موقعے پر پیٹھ دکھلائے گا تو سمجھ لو وہ خدا کے غضب میں آ گیا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوا، (اور جس کا ٹھکانا دوزخ ہوا تو) اس کے پہنچنے کی جگہ کیا ہی بری جگہ ہے! مگر (ہاں!) جو کوئی لڑائی کی مصلحت سے ہٹ جائے یا (اپنے گروہوں میں سے) کسی گروہ کے پاس جگہ لینی چاہے (اور اس لیے ایک جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ جائے تو اس کا مضائقہ نہیں) ۱۶.

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ

پھر کیا تم نے انہیں (جنگ میں) قتل کیا؟ نہیں، خدا نے

= اس حکم کو خاص جنگ بدر کے لیے سمجھنا صحیح نہیں ہو سکتا، کیوں کہ اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ کہ خصوص سبب کا، اور آیت میں ”یومئذ“ سے مراد لڑائی کا وقت ہے نہ کہ جنگ بدر کا دن۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا	مسلمانو! الله اور اس کے
اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ	رسول کی اطاعت کرو، اس
وَ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ اَنْتُمْ	سے روگرانی نہ کرو اور تم
تَسْمَعُوْنَ ۲۰	(صداء حق) سن رہے ہو ۲۰.

= "اگر اسی بات کے طلب گار تھے تو وہ ظہور میں آگئی اور اہل حق کو خدا نے فتح مند کر دیا".

نیز فرمایا "اگر باز آجاؤ" یعنی اگر اب بھی ظلم و سرکشی سے باز آجاؤ اور محض اختلاف دین کی بنا پر مسلمانوں کی ہلاکت کے در پے نہ ہو تو تمہارے لیے سراسر بہتری ہے. اس سے اندازہ کرو کہ کس طرح پیغمبر اسلام نے آخر تک جنگ و خون ریزی سے بچنا چاہا اور فتح و کامرانی کے بعد بھی امن و صلح کی دعوت دیتے رہے! اگر جنگ بدر کے بعد قریش مکہ ظلم و عداوت سے باز آجاتے تو ظاہر ہے بعد کی جنگوں کی نوبت ہرگز نہ آتی، اگرچہ نتیجہ وہی نکلتا، یعنی اسلام کی دعوت تمام جزیرۂ عرب کو فتح کر لیتی.

إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَإِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَإِنْ تَعُودُوا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَأَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۞ ۱۹ ع ۲ ۱۶

(اے رؤساء مکہ!) اگر تم فتح مندی کے ظہور کے طلب گار تھے تو دیکھ لو فتح مندی تمہارے سامنے آ گئی (یعنی جنگ بدر کے نتیجے نے ہار جیت کا فیصلہ آشکارا کر دیا). اور اگر (آئندہ لڑائی سے) باز آجاؤ تو تمہارے لیے بہتری کی بات یہی ہے. اور اگر پھر یہی چال چلے تو ہم بھی چلیں گے. اور یاد رکھو! تمہارا جتھا تمہارے کچھ کام نہ آئے گا اگرچہ بہت سے آدمی اکٹھے کر لو. یقین کرو! اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے ۱۹.

---

۱۹ - کفار مکہ کہا کرتے تھے "اگر خدا تمہیں فتح مند کرنے والا ہے تو وہ فتح مندی کہاں ہے؟" خود جنگ بدر میں ابو جہل نے دعا مانگی تھی: "خدایا! دونوں میں سے جو دین تجھے زیادہ پسند ہو اس کے ماننے والوں کو فتح مند کر" پس آیت ۱۹ میں فرمایا =

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيهِمْ خَيْرًا اور اگر اللہ دیکھتا کہ ان میں
لَّأَسْمَعَهُمْ ۚ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ کچھ بھی بھلائی ہے (یعنی ان میں
لَتَوَلَّوا وَّهُم مُّعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾ فہم و قبول حق کی کچھ بھی
استعداد باقی ہے) تو ضرور انہیں سنوا دیتا۔ اور اگر وہ انہیں
سنوائے (حالانکہ وہ جانتا ہے کہ قبولیت کی استعداد کھو چکے ہیں)
تو نتیجہ یہی نکلے گا کہ اس سے منہ پھیر لیں گے اور وہ اس
سے پھرے ہوئے ہیں ۲۳۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مسلمانو! اللہ اور اس کے
اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ رسول کی پکار کا جواب دو
إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ جب وہ پکارتا ہے، تاکہ تمہیں

= جو قرآن کے ہر صفحے اور ہر بیان میں بار بار نمایاں ہوئی ہے۔ یعنی اس کی دعوت سرتا سر تعقل و تفکر کی دعوت ہے۔ جو انسان اپنے حواس و عقل سے کام نہیں لیتا وہ اس کے نزدیک انسان نہیں، بدترین چار پایہ ہے۔ نیز وہ فکر و عمل کی جس حالت کو کفر کی حالت قرار دیتا ہے اس کا سر چشمہ یہی عقل و حواس کا تعطل ہے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا	اور دیکھو! ان لوگوں کی
سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ ۲۱	طرح نہ ہو جاؤ جنھوں نے

(زبان سے) کہا تھا "ہم نے سنا" اور واقعہ یہ تھا کہ وہ سنتے نہ تھے ۲۱ .

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ	یقیناً اللہ کے نزدیک سب سے
الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ	بدتر حیوان وہ (انسان) ھیں
لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ ۲۲	جو بہرے، گونگے ھو گئے،

جو کچھ سمجھتے نہیں ۲۲ .

۲۱ - آیت ۲۱ میں اھل کتاب کی طرف اشارہ ھے کہ تورات و انجیل سنتے تھے مگر حقیقۃً نہیں سنتے تھے، کیوں کہ اگر سمجھ کر سنتے تو عمل کرتے .

افسوس! مسلمانوں کا بھی قرآن سننا ویسا ھی سننا ھو گیا . وہ سمجھتے ھیں جن حروف کی آوازوں سے قرآن کے الفاظ بنے ھیں انھیں کسی نہ کسی طرح کان میں ڈال لینا سماعت قرآن ھے، اس سے زیادہ کسی بات کی ضرورت نہیں .

۲۲ - آیت ۲۲ سے جلد نہ گزر جاؤ . یہ وھی بات ھے =

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲۵

اور اس فتنے سے بچتے رہو جو اگر اٹھا تو اس کی زد صرف انہیں پر نہیں پڑے گی جو تم میں ظلم کرنے والے ہیں، بلکہ سبھی اس کی لپیٹ میں آجائیں گے۔ اور جان لو کہ اللہ

= بسا اوقات اس کے ارادوں اور اس کے دل کے جذبوں اور انفعالوں کے درمیان اچانک کوئی غیر متوقع بات آکر حائل ہو جاتی ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اچانک اچھائی سے برائی میں جا پڑتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اچانک برائی سے بھلائی میں آ نکلتا ہے۔ چنانچہ کتنے ہی اچھے ارادے ہیں جن سے عین وقت پر ہمارے دل نے انکار کر دیا اور کتنے ہی برائی کے منصوبے ہیں جن سے اچانک ہمارے دل نے بغاوت کر دی۔ پس چاہیے کہ انسان اپنے دل کی نگرانی سے کبھی غافل نہ ہو۔

نیز کہا "یہ بھی نہ بھولو کہ خدا کے حضور لوٹنا ہے" کیوں کہ جس دل میں آخرت کا یقین ہو گا وہ زندگی کی غفلتوں سے کبھی مغلوب نہیں ہو سکتا۔

وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ ۲٤

(روحانی موت کی حالت سے نکال کر) زندہ کر دے. اور جان لو کہ (بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ) اللہ (اپنے ٹھیرائے ہوے قوانین و اسباب کے ذریعے) انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے. اور جان لو کہ (آخر کار) اسی کے حضور جمع کیے جاؤ گے ۲٤.

۲٤ - آیت ۲٤ میں فرمایا: ”پیغمبر اسلام کی دعوت اس لیے ہے کہ تمہیں زندہ کر دے“ یعنی وہ انسانیت اعلٰی کے انبعاث و قیام کی دعوت ہے. غور کرو! اس دعوت نے وقت کی تمام مردہ جماعتوں کو کس طرح قبروں سے اٹھا کر زندگی کے میدانوں میں متحرك کر دیا تھا! اس سے بڑھ کر مردوں کو جلانا اور کیا ہو گا کہ عرب کے ساربانوں میں ابو بکر، عمر، علی، عائشه، خالد، ابن وقاص، ابن العاص (رضی اللہ عنہم) جیسے اکابر عالم پیدا ہو گئے اور پچاس برس کے اندر کرۂ ارضی کی سب سے بڑی مہذب و اشرف قوم عرب کے وحشی تھے.

پھر فرمایا: ”یہ بات نہ بھولو کہ انسان کے افکار و افعال میں حکمت الٰہی کا ایك خاص قانون کام کر رہا ہے.“ =

لیے جائیں ۔ پھر اللہ نے تمھیں (مدینہ میں) ٹھکانا دیا ، اپنی مددگاری سے قوت بخشی اور اچھی چیزیں دے کر رزق کا سامان مہیا کر دیا ، تاکہ تم شکر گزار رہو۲۶ ۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا — مسلمانو! ایسا نہ کرو کہ اللہ
لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ — اور اس کے رسول کے ساتھ
وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ — خیانت کرو اور نہ یہ کہ آپس
تَعْلَمُوْنَ ۲۷ — کی اماتوں میں خیانت کرو

اور تم اس بات سے ناواقف نہیں ہو۲۷ ۔

۲۷ - آیت ۲۷ میں خیانت سے مقصود وہ تمام خیانتیں ہیں جو اسلام کے احکام کی تعمیل و تبلیغ اور امت کے مصالح و مقاصد میں کی جائیں ۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ جس بات کی طرف اشارہ کیا وہ یہ تھی کہ اہل مکہ کے ساتھ نامہ و پیام نہ رکھو جنھوں نے مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے ، اگرچہ یہ نامہ و پیام اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کے خیال ہی سے کیوں نہ ہو ۔

بعض مہاجرین نے اپنے اہل و عیال کو جو مکہ میں تھے خطوط لکھے تھے ۔ ان میں کچھ اشارہ جنگ کی نسبت بھی آ گیا تھا ۔ فرمایا : یہ اللہ کی ، رسول کی =

(بدعملیوں کی) سزا دینے میں سخت ہے ۲۵.

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ اور وہ وقت یاد کرو جب
مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ (مکہ میں) تمہاری تعداد بہت
تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ تھوڑی تھی اور تم ملك میں
النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ کم زور سمجھے جاتے تھے.
بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ تم اس وقت ڈرتے تھے کہ
الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۲۶ کہیں لوگ تمہیں اچك نہ

۲۵ - پچھلی آیات میں انفرادی زندگی کے خطرات سے متنبہ کیا تھا. اب ۲۵ میں اجتماعی خطرات کی طرف اشارہ کیا ہے. ان فتنوں سے بچو جنہیں سوسائٹی کا کوئی ایك فرد یا ایك جماعت برپا کر دیتی ہے، لیکن جب ان کی آگ بھڑك اٹھتی ہے تو صرف انہیں کو نہیں جلاتی جنھوں نے سلگائی تھی، سبھی لپیٹ میں آجاتے ہیں. اور اس لیے آجاتے ہیں کہ کیوں آگ لگانے والے کا ہاتھ نہیں پکڑا؟ کیوں بر وقت بجھانے کی کوشش نہیں کی؟

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۝۲۹ ایك قوت پیدا کر دے گا اور تم سے تمهاری برائیاں دور کر دے گا اور بخش دے گا. الله تو بهت بڑا فضل کرنے والا هے ۲۹.

وَاِذْ یَمْکُرُ بِكَ الَّذِیْنَ اور (اے پیغمبر!) وه وقت

۲۹ - آیت ۲۹ سے معلوم هوا جو جماعت متقی هو گی اس میں حق و باطل اور خیر و شر کے امتیاز کی ایك خاص قوت پیدا هو جائے گی، اور اس لیے کبهی باطل و شر کی طرف قدم نہیں اٹهائے گی. چنانچه دنیا نے دیکهه لیا که اس اعتبار سے صدر اول کے مسلمانوں کا کیا حال تها؟ عرب کے صحرا نشین جن کی ساری زندگی اونٹ چرانے میں بسر هوئی تهی یکایك ایرانیوں اور رومیوں جیسی متمدن قوموں کی قسمتوں کے مالك هو گئے. لیکن خیر و شر میں امتیاز کی ایك ایسی قوت ان کے قبضے میں آ گئی تهی که جو کچهه کرتے تهے اور جس طرح کرتے تهے وه حق و عدالت اور خیر و سعادت کے سوا اور کچهه نہیں هوتا تها:

وه زمانه کیا هوا جب مری آه میں اثر تها
یهی چشم خوں فشاں تهی یهی دل یهی جگر تها

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ	اور یاد رکھو! تمہارا مال اور
وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ	تمہاری اولاد (تمہارے لیے)
٣ ع ١٧ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ع۲۸	ایك آزمایش هے. اور یه بهی

نه بهولو که الله هی هے جس کے پاس (بخشنے کے لیے) بہت بڑا اجر هے ۲۸.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ	مسلمانو! اگر تم الله سے ڈرتے
تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ	رهو (اور اس کی نافرمانی سے
فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ	بچو) تو وه تمہارے لیے (حق
سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ	و باطل میں) امتیاز کرنے والی

= اور مسلمانوں کی خیانت هے .

اگر صرف اتنی سی بات الله اور رسول کی خیانت تهی تو غور کرو ان مسلمانوں کے لیے کیا حکم هونا چاهیے جو اپنی ساری زندگیاں اعداء ملت کی سیاسی خدمات میں صرف کر ڈالتے هیں اور جو ڈیڑھ سو برس سے بے شمار اسلامی حکومتوں کے زوال و انقراض کا باعث هوے هیں ؟

وَ اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتُنَا	اور جب ان کے سامنے ہماری
قَالُوۡا قَدۡ سَمِعۡنَا لَوۡ نَشَآءُ	آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے
لَقُلۡنَا مِثۡلَ هٰذَآ ۙ	ہیں: ہاں! ہم نے سن لیا.
اِنۡ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیۡرُ	اگر چاہیں تو ہم بھی اس طرح
الۡاَوَّلِیۡنَ ۝ ۳۱	کی باتیں کہہ لیں. یہ اس کے سوا

کیا ہے کہ جو پہلے گزر چکے ان کی لکھی ہوئی داستانیں ہیں ۳۱ .

وَ اِذۡ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنۡ کَانَ	اور (اے پیغمبر!) جب ایسا
هٰذَا هُوَ الۡحَقَّ مِنۡ عِنۡدِکَ	ہوا تھا کہ (کفار مکہ نے)
فَاَمۡطِرۡ عَلَیۡنَا حِجَارَةً	کہا تھا: خدایا! اگر یہ بات
مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائۡتِنَا	(یعنی پیغمبر اسلام کی دعوت)
بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ۝ ۳۲	تیری جانب سے امر حق ہے

تو ہم پر پتھروں کی بارش برسا دے یا ہمیں (کسی دوسرے) عذاب دردناک میں مبتلا کر دے ۳۲ .

كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ	یاد کر جب (مکہ میں) کافر
اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ	تیرے خلاف اپنی چھپی تدبیروں
وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ	میں لگے تھے، تاکہ تجھے
وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ ۳۰	گرفتار کر رکھیں یا قتل

کر ڈالیں یا جلا وطن کر دیں ۔ اور وہ اپنی مخفی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی مخفی تدبیریں کر رہا تھا اور اللہ بہتر تدبیر کرنے والا ہے[۳۰] ۔

۳۰ - آیت ۳۰ پر غور کرو! انسان اپنے جہل و غفلت کی سرشاریوں میں کیا سونچتا ہے اور حکمت الٰہی کی مخفی تدبیروں کا فیصلہ کیا ہوتا ہے؟ جب ہجرت سے پہلے قریش مکہ نے یہ منصوبے باندھے تھے تو کیا ایک لمحے کے لیے انھیں آنے والے نتائج کا گمان ہو سکتا تھا؟ مگر کس طرح خود انھیں کے ظلم و عداوت نے ان کا سارا سر و سامان کر دیا؟ اگر ظلم نہ ہوتا تو ہجرت بھی نہ ہوتی، اور اگر ہجرت نہ ہوتی تو وہ تمام نتائج بھی ظہور میں نہ آتے جو ہجرت سے ظہور میں آئے ۔ ایسی ہی صورت حال قانون الٰہی کی مخفی تدبیر ہے جو انسانی ظلم و فساد کی ساری تدبیریں ملیامیٹ کر دیتی ہے ۔

لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ ۳٤ کو روك رهے هيں؟ اور حقيقت يه هے كه وه اس کے متولی هونے کے لائق نهيں. اس کے متولی اگر هو سکتے هيں تو ایسے هی لوگ هو سکتے هیں جو متقی هوں (نه كه مفسد و ظالم) لیکن ان میں سے اکثروں کو (یه حقیقت) معلوم نهیں ۳٤.

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ۚ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۞ ۳۵

اور خانهٔ کعبه میں ان کی نماز اس کے سوا کیا تھی که سیٹیاں بجائیں اور تالیاں پیٹیں! تو دیکھو، جیسے کچھ کفر

= اور نه اس کا عذاب ایسی حالت میں نازل هو سکتا هے که استغفار کرنے والے موجود هوں.

۳٤ – پھر آیت ۳٤ میں فرمایا: "اب که پیغمبر اسلام کو انھوں نے ھجرت پر مجبور کردیا اور ان کی سرکشی یهاں تك پهنچ گئی که وه خدا کے بندوں کو اس کی عبادت گاه سے بجبر روکنے لگے تو کوئی وجه نهیں که پاداش عمل کی نمود میں تاخیر هو". چنانچه وه ظاهر هوا اور قریش مکه کے جماعتی اقبال کا همیشه کے لیے خاتمه هوگیا.

اس آیت سے یه بات بھی واضح هوگئی که جو لوگ متقی نهیں وه عبادت گاهوں کی تولیت کے حق دار نهیں.

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور الله ایسا کرنے والا نه تھا که تو ان کے درمیان موجود ہو اور پھر انھیں عذاب میں ڈالے . اور الله ایسا بھی کرنے والا نہیں که انھیں عذاب میں ڈالے ، حالانکه وہ معافی مانگ رہے ہوں ۳۳ .

وَ مَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَ هُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ مَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ

لیکن (اب که تجھے مکه چھوڑ دینے پر انھوں نے مجبور کر دیا) کونسی بات رہ گئی ہے که الله انھیں عذاب نه دے، حالانکه وہ مسجد حرام سے مسلمانوں

۳۲ و ۳۳ - آیت ۳۲ میں ابو جہل و غیرہ صناديد قریش کی طرف اشارہ ہے که انھوں نے کہا تھا : خدایا ! اگر قرآن واقعی تیری جانب سے ہے اور ہم اسے جھٹلانے میں سچے نہیں تو ہم پر اپنا عذاب نازل کر (بخاری) (۲۹) . فرمایا : یه خدا کی سنت نہیں که وہ ایك قوم پر عذاب نازل کرے ، حالانکه داعی حق اس میں موجود ہو ، ==

بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ (روحوں سے) جدا کر دے
جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِىْ اور جو ناپاک ہیں ان میں
جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ سے بعض کو بعض کے ساتھ
٤ ع ١٨ الْخٰسِرُوْنَ ع ٣٧ ملا دے، پھر سب کو (اپنی
تباہ حالیوں میں) اکٹھا کر دے، پھر (قیامت کے دن) اس (جمع شدہ گروہ) کو دوزخ کے حوالے کرے۔ یہی لوگ ہیں یک سر تباہ ہو جانے والے ٣٧۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ (اے پیغمبر!) جن لوگوں نے
يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ کفر کی راہ اختیار کی ہے
سَلَفَ ۚ وَ اِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ تم ان سے کہہ دو: اگر وہ (اب
مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ۩ ٣٨ بھی) باز آ جائیں تو جو کچھ
گزر چکا معاف کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر وہ پھر (ظلم و جنگ کی طرف) لوٹے تو (اس بارے میں) پچھلوں کا طور طریقہ اور اس کا نتیجہ گزر چکا ہے (اور وہی انہیں بھی پیش آ کر رہے گا) ٣٨۔

٣٨ - آیت ٣٨ عفو و بخشش اور دعوت امن و صلح کی=

کرتے رهے هو اب (اس کی پاداش میں) عذاب کا مزه چکھ لو ۳۵ .

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ﴿٣٦﴾	جن لوگوں نے کفر کی راه اختیار کی هے وه اپنا مال اس لیے خرچ کرتے هیں که لوگوں کو خدا کی راه سے روکیں. تو یه لوگ آینده بھی (اسی طرح) خرچ کریں گے، لیکن پھر (وقت آئے گا که

یه مال حرچ کرنا) ان کے لیے سراسر پچھتاوا هو گا اور پھر (بالآخر) مغلوب کیے جائیں گے. اور (یاد رکھو!) جن لوگوں نے کفر کی راه اختیار کی (اور آخر تك اس پر جمے رهے تو) وه دوزخ کی طرف هانکے جائیں گے ۳۶ .

لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ	اور یه اس لیے هو گا که الله ناپاك (روحوں) کو پاك

اللہ تمہارا رفیق و کارساز ہے (اور جس کا رفیق اللہ ہو تو)
کیا ہی اچھا رفیق ہے اور کیا ہی اچھا مددگار ۴۰ .

واعلموا - ۱۰

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ
مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ
وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ
وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ
اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا
عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ
يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴۱

اور حان رکھو کہ جو کچھ تمہیں
مال غنیمت میں ملے اس کا
پانچواں حصہ اللہ کے لیے،
رسول کے لیے، (رسول کے)
قرابت داروں کے لیے،
یتیموں کے لیے، مسکینوں
کے لیے اور مسافروں کے لیے
نکالنا چاہیے (اور بقیہ چار حصے
مجاہدین میں تقسیم کر دیے
حا سکتے ہیں)، اگر تم اللہ پر اور اس (غیبی مدد) پر یقین
رکھتے ہو حو ہم نے فیصلہ کر دینے والے دن (۳۰) اپنے بندے
پر نازل کی تھی حب کہ دو لشکر ایک دوسرے کے مقابل
ہوئے تھے (تو چاہیے کہ اس تقسیم پر کار بند رہو). اور

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ ۳۹

اور (مسلمانو! اب تمہارے لیے صرف یہی چارۂ کار رہ گیا ھے کہ) ان سے لڑتے رھو، یہاں تک کہ ظلم و فساد باقی نہ رھے اور دین کا سارا معاملہ اللہ ھی کے لیے ھو جائے (یعنی دین کا معاملہ خدا اور انسان کا باھمی معاملہ ھو جائے، انسان کا ظلم اس میں مداخلت نہ کر سکے). پھر اگر ایسا ھو کہ وہ (جنگ سے) باز آجائیں تو جو کچھ وہ کرتے ھیں خدا کی نگاھوں سے پوشیدہ نہیں ۳۹.

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝ ۴۰

اور اگر (صلح و در گزر کی اس آخری دعوت سے بھی) روگردانی کریں تو یاد رکھو!

=انتہا ھے. اس سے اندازہ کرو کہ دعوت اسلام کا اپنے دشمنوں کے ساتھ کیسا طرز عمل رھا اور کس طرح مجبور و بے بس ھو کر اسے میدان جنگ میں جمنا پڑا.

فِی الْمِیْعٰدِ لا وَلٰکِنْ لِّیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا کَانَ مَفْعُوْلًا ۵ لِّیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَیِّنَةٍ وَّیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْۢ بَیِّنَةٍ ط وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ لا ۴۲

کنارے کنارے نکل گیا تھا). اور اگر تم نے آپس میں لڑائی کی بات ٹھیرائی ہوتی تو ضرور میعاد جنگ سے گریز کرتے (کیوں کہ تمھیں دشمنوں کی کثرت سے اندیشہ تھا اور تم میں سے بہتوں کی نظر قافلے پر تھی)، لیکن اللہ نے دونوں لشکروں کو بھڑا دیا تاکہ جو بات ہونے والی تھی اسے کر دکھائے۔ نیز اس لیے کہ جسے ہلاک ہونا ہے اتمام حجت کے بعد ہلاک ہو اور جو زندہ رہنے والا ہے اتمام حجت کے بعد زندہ رہے۔ اور بلا شبہہ اللہ سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے ۴۲.

۴۲ - آیت ۴۲ میں جنگ بدر کے اسی واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا پہلے ذکر گزر چکا ہے. فرمایا: خدا کی مخفی تدبیروں کی کرشمہ سازی دیکھو ادھر دشمنوں کا گروہ بڑھا چلا آتا تھا، ادھر تم شہر سے نکل کر ایک قریبی ناکے تک پہنچے تھے اور ابو سفیان کا قافلہ تھا کہ نشیب میں گزر رہا تھا. تم اپنی کمزوری کی وجہ سے =

(یاد رکھو!) اللہ کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں ۴۱ .

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا یہ وہ دن تھا کہ تم ادھر قریب کے

وَ هُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى ناکے پر تھے، ادھر دشمن دور کے

وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ ناکے پر اور قافلہ تم سے نچلے

وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ حصے میں تھا (یعنی سمندر کے

---

۴۱ - سورت کے ابتداء میں فرمایا تھا کہ مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا ھے، یعنی حکومت کا ھے. اب آیت ۴۱ میں اس کی تقسیم کا طریقہ بتلا دیا. اللہ اور اس کے رسول کے حصے سے مقصود یہ ھے کہ دین و ملت کے مصالح کے لیے ایك خاص رقم رکھی جائے. اسی میں سے پیغمبر اسلام کو جب تك زندہ رھیں ضروری مصارف ملیں. ان کے بعد ائمۂ مسلمین کو.

اس آیت اور اس کی ھم معنی آیات نے واضح کردیا کہ قرآن کے نزدیك حکومت (اسٹیٹ) یتیموں، مسکینوں اور مصیبت زدوں کی خبر گیری کے لیے ذمہ دار ھے اور حکومت کے خزانے کا ایك لازمی مصرف قوم کے ان افراد کی اعانت ھے.

وَ اِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ — اور (پھر دیکھو!) جب تم
الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ — دونوں فریق ایک دوسرے کے
قَلِيْلًا وَّ يُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ — مقابل ہوئے تھے اور الله نے
اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ — ایسا کیا تھا کہ دشمن تمہاری
اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَ اِلَى — نظروں میں تھوڑے
ع ٥ ١ اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ؏ ٤٤ — دکھائی دیے (کیوں کہ تمہارے

دلوں میں ایمان و استقامت کی روح پیدا ہو گئی تھی) اور ان کی نظروں میں تم تھوڑے دکھائی دیے (کیوں کہ بظاہر تعداد میں بھی زیادہ تھے، اور یہ اس لیے کیا تھا) تاکہ جو بات ہونے والی تھی اسے کر دکھائے اور سارے کاموں کا دارو مدار الله ہی کی ذات پر ہے ٤٤.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا — مسلمانو! جب (حملہ آوروں کی)
لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا — کسی جماعت سے تمہارا مقابلہ

= اور حس میں دشمن ناکام اور مسلمان فتح مند دکھائے گئے تھے. یہ خواب مسلمانوں کے لیے مزید تقویت کا باعث ہوا تھا.

إِذْ يُرِيكَهُمُ اللهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ط وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللهَ سَلَّمَ ط إِنَّهُ عَلِيمٌ م بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ ٤٣

(اور اے پیغمبر!) یه وه دن تھا که الله نے تجھے خواب میں ان کی تعداد تھوڑی کر کے دکھائی (یعنی یه دکھلایا که اگرچه بظاهر مسلمانوں سے زیاده هوں گے، لیکن عزم و ثبات میں تھوڑے ثابت هوں گے). اور اگر انھیں بہت کر کے دکھاتا تو (مسلمانو!) تم ضرور همت هار دیتے اور اس معاملے میں جھگڑنے لگتے. الله نے تمھیں اس صورت حال سے بچا لیا. یقین کرو! جو کچھ انسان کے سینوں میں چھپا هوتا هے وه اس کے علم سے پوشیده نہیں ٤٣

= چاهتے تھے اس سے مقابله هو، لیکن خدا کو کچھ اور هی منظور تھا. قافله تو نکل گیا اور مقابله هوا حمله آوروں سے اور تمھاری مٹھی بھر کم زور جماعت نے اسے هرا کر بھگا دیا

٤٣ - آیت ٤٣ میں اس خواب کی طرف اشاره کیا هے جو جنگ بدر سے پہلے پیغمبر اسلام نے دیکھا تھا =

يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝ ٤٧ میں نمایش کرتے ہوے نکلے

اور جن کا حال یہ ہے کہ اللہ کی راہ سے (اس کے بندوں کو) روکتے ہیں۔ اور (یاد رکھو!) جو کچھ بھی یہ لوگ کرتے ہیں اللہ (اپنے علم و قدرت سے) اس پر چھایا ہوا ہے ٤٧ .

٤٥ تا ٤٧ – آیت ٤٥ سے ٤٧ تک چھ باتوں پر زور دیا ہے کہ فتح و کامرانی کا اصلی سر چشمہ ہیں :

(ا) ثابت قدم رہو . کیوں کہ میدان جنگ کی ساری کام یابی اسی کے لیے ہوتی ہے جو آخر تک ثابت قدم رہے .

(ب) بہت زیادہ اللہ کو یاد کرو، کیوں کہ جسم کا ثبات دل کے ثبات پر موقوف ہے اور دل اسی کا مضبوط رہے گا جو اللہ پر کامل ایمان رکھتا ہے .

(ج) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور رسول کے بعد اپنے امام و سردار کی، کیوں کہ بغیر اطاعت (ڈسپلن) کے کوئی جماعت کام یاب نہیں ہو سکتی .

(د) باہمی نزاع سے بچو، ورنہ سست پڑ جاؤ گے اور بات بگڑ جائے گی .

(ہ) کتنی ہی مشکلیں پیش آئیں جھیلتے رہو . بالآخر جیت اسی کی ہے جو زیادہ جھیلنے والا ہوگا .

(و) کافروں کا سا چلن اختیار نہ کرو جو ایمان و راستی =

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ ٤٥
هو جائے تو لڑائی میں ثابت قدم رہو اور زیادہ سے زیادہ اللہ کو یاد کرو تاکہ تم کام یاب ہو ٤٥ .

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۚ ٤٦
اور اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو. ایسا کروگے تو تمہاری طاقت سست پڑ جائے گی اور ہوا اکھڑ جائے گی. اور (جیسی کچھ بھی مشکلیں مصیبتیں پیش آئیں تم) صبر کرو، اللہ ان کا ساتھی ہے جو صبر کرنے والے ہیں ٤٦ .

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا
اور (دیکھو!) ان لوگوں جیسے نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے (لڑنے کے لیے) اتراتے ہوئے اور لوگوں کی نظروں

میں) بہت سرا دینے والا ھے" ٤٨ .

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ اور (پھر دیکھو!) حب ایسا
وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ: ھوا تھا کہ مںافق اور وہ لوگ
غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ۗ وَمَنْ حن کے دلوں میں (ایمان کی
يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ کم روری کا) روگ تھا
عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ٤٩ کہنے لگے تھے" ان مسلمانوں

کو تو ان کے دین نے مغرور کر دیا ھے". (یعنی یہ محض دین کا نشہ ھے حو انہیں مقابلے پر لے حارھا ھے، ورنہ ان کے پلے ھے کیا؟ وہ نہیں حانتے تھے کہ مسلمانوں کا بھروسا اللہ پر ھے) اور حس کسی نے اللہ پر بھروسا کیا تو اللہ غالب اور حکمت والا ھے ٤٩ .

---

٤٨ – آیت ٤٨ میں شیطان سے مقصود سراقہ بن مالک بن حعشم ھے حس نے مشرکین مکہ کا ساتھ دیا تھا، لیکن لڑائی شروع ھوتے ھی بھاگ گیا . چنانچہ مکہ کے لوگ کہتے تھے: سراقہ نے ھمیں ھرا دیا .

٤٩ – حب بدر میں مٹھی بھر بے سرو سامان مسلمان حنگ کے لیے نکلے تو منافق اور کچے دل کے آدمی =

وَ اِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ	اور (پھر) جب ایسا ہوا تھا
اَعْمَالَهُمْ وَ قَالَ لَا غَالِبَ	کہ شیطان نے ان کے کرتوت
لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ	ان کی نگاہوں میں خوش نما
وَ اِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا	کر کے دکھا دیے تھے اور
تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ	کہا تھا " آج ان لوگوں میں
عَلٰى عَقِبَيْهِ وَ قَالَ اِنِّيْ	کوئی نہیں جو تم پر غالب
بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى	آ سکے اور میں تمہارا پشت
مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۚ	پناہ ہوں ". مگر جب دونوں
وَ اللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۚ ٤٨	فوجیں آمنے سامنے ہوئیں

تو الٹے پاؤں واپس ہوا اور لگا کہنے " مجھے تم سے کچھ سروکار نہیں ۔ مجھے وہ بات دکھائی دے رہی ہے جو تم نہیں دیکھتے ۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ (بدعملیوں کی پاداش

= کی جگہ گھمنڈ اور دکھاوے کا طریقہ اختیار کرتے ھیں ۔ تمہارے کاموں کی بنا خدا پرستانہ عجز و اخلاص پر ھونی چاھیے ۔

ذخیرہ کر دیا، اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ اپنے بندوں کے لیے ظلم کرنے والا ہو ۵۱ .

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۞ ۵۲

جیسا کہ دستور فرعون کے گروہ کا اور ان (سرکشوں) کا جو اس سے پہلے گزر چکے ہیں، رہ چکا ہے وہی تمہارا ہوا . اللہ کی نشانیوں سے انکار کیا تو اللہ نے ان کے گناہوں پر انہیں پکڑ لیا . بلا شبہ اللہ (پاداش عمل کی) سزا دینے میں بہت سخت ہے ۵۲ .

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ ۞ ۵۳

(اور) یہ بات اس لیے ہوئی کہ اللہ کا مقررہ قانون ہے کہ جو نعمت وہ کسی گروہ کو عطا فرماتا ہے، اسے پھر کبھی نہیں بدلتا جب تک کہ خود اسی گروہ کے افراد اپنی حالت نہ بدل لیں، اور اس لیے بھی کہ اللہ

وَلَوْ تَرٰى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ	اور (اے مخاطب!) اگر تو
كَفَرُوا لا الْمَلٰئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ	(اپنی آنکھوں سے) وہ حالت
وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ج	دیکھے جب فرشتے (ان)
وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝٥٠	کافروں کی روحیں قبض کرتے

اور ان کے چہروں اور پیٹھوں پر ضربیں لگاتے ھیں اور کہتے ھیں "اب عذاب آتش کا مزہ چکھو" (تو تیرا کیا حال ھو!) ٥٠ .

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ	(اے اعداء حق!) یہ اس (بدعملی)
وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ	کا نتیجہ ھے جو خود تمہارے
لِّلْعَبِيْدِ ۝ لا ٥١	ھی ھاتھوں نے پہلے سے

= اس کی کوئی توجیہ نہیں کر سکے بجز اس کے کہ کہیں "انہیں ان کے دین کے نشہ نے مغرور کر دیا ھے". بات اگرچہ بطور طعنہ کے کہی گئی تھی، لیکن ایک لحاظ سے غلط بھی نہ تھی . بلا شبہ یہ دین ھی کا نشہ تھا، لیکن نشۂ باطل نہ تھا. یہی وجہ ھے کہ قرآن کی معجزانہ بلاغت نے آیت ٤٩ میں ان کا قول نقل کر کے رد نہیں کیا، بلکہ صرف یہ کہا کہ "من یتوکل علی اللہ" الخ .

وَ كُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۵۴ کی نشانیاں جھٹلائیں تو ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں انہیں ہلاک کر ڈالا ۔ فرعون کا گروہ (سمندر میں) غرق کیا گیا تھا اور وہ سب ظلم کرنے والے تھے ۵۴ ۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ بلا شبہ اللہ کے نزدیک بدترین الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ چار پائے وہ (انسان) ہیں لَا يُؤْمِنُوْنَ ۵۵ جنھوں نے کفر کی راہ اختیار کی، تو یہ وہ لوگ ہیں کہ کبھی ایمان لانے والے نہیں ۵۵ ۔

---

۵۵ – اسی سورت کی آیت ۲۲ میں فرمایا تھا کہ بدترین چار پائے وہ انسان ہیں جو اپنی عقل و حواس سے کام نہیں لیتے ۔ یہاں آیت ۵۵ میں فرمایا "بدترین چار پائے وہ انسان ہیں جنھوں نے کفر کی راہ اختیار کی" ۔ اس سے معلوم ہوا قرآن کے نزدیک عقل و حواس سے ٹھیک طرح کام نہ لینا اور اندھوں کی طرح چلنا انسانیت کے درجے سے گر جانا ہے اور وہ کہتا ہے "کفر اسی اندھے پن کا نتیجہ ہے" ۔ پس ایمان کی راہ عقل و بصیرت کی راہ ہوئی اور کفر اندھے پن کا دوسرا نام ہوا ۔

(سب کی) سنتا (اور سب کچھ) جانتا ھے ٥٣ ۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ	جیسا کچھ دستور فرعون کے
وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ	گروہ کا اور ان (سرکشوں)
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ	کا جو اس سے پہلے گزر چکے
فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ	ھیں ، رہ چکا ھے وھی تمہارا
وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ج	ھوا. انہوں نے اپنے پروردگار

٥٣ - آیت ٥٣ اور اس کی ھم معنی آیات نے قطعی لفظوں میں واضح کر دیا کہ قرآن کے نزدیك اقوام و جماعات کے عروج و زوال اور موت و حیات کا قانون کیا ھے ؟ فرمایا : یہ خدا کی مقررہ سنت ھے کہ جب وہ کسی گروہ کو اپنی نعمتوں سے سرفراز کرتا ھے تو اس میں کبھی تغیر نہیں کرتا جب تك کہ خود اس گروہ کے افراد اپنی حالت متغیر نہیں کر دیتے ۔ چنانچہ دنیا کی پوری تاریخ ھمیں اس بارے میں جو کچھ بتلا رھی ھے اس کی حقیقت بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں ھے ۔ ھر قوم خود ھی اپنی زندگی کا گہوارہ بناتی ھے اور پھر خود ھی اپنے ھاتھوں سے اپنی قبر بھی کھودتی ھے ۔

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِى الْحَرْبِ	تو (اب چاهیے جیسی حالت
فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ	میں انهیں پاؤ اسی کے مطابق
لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾	سلوک بهی کرو). اگر تم لڑائی

= حو کهلم کهلا لڑیں ان کا مقابله کرو. جو ایسا نه کریں اور غدر و فریب کا ان سے اندیشه هو تو انهیں کهلے طور پر خبر دے دو که اب معاهده فسخ هو گیا. لیکن فرمایا: "یه بات اس طرح کی جائے که دوسرے فریق کو نقصان نه پهنچے"، یعنی وقت سے پهلے فسخ معاهده سے خبردار هو جائے اور اگر تیاری کرنی چاهے تو هماری طرح اسے بهی تیاری کا پورا موقع ملے.

یهاں سے اندازه کرو که قرآن نے هر معاملے میں حتی که جنگ میں بهی سچائی اور دیانت کا جو معیار قائم کیا هے وه کس قدر بلند هے! کهیں بهی اس نے کوئی گوشه ایسا نهیں چهوڑا جهاں اخلاقی کمزوری کو ابهرنے کا موقع دیا گیا هو.

کیا دنیا میں اس وقت تک کسی قوم نے احکام جنگ کو اس درجه بلند اخلاقی معیار پر رکها هے؟

عالم گیر جنگ یورپ کی تاریخ کا هر صفحه اس کے جواب میں "نهیں" کهے گا.

اَلَّذِیۡنَ عٰهَدۡتَّ مِنۡهُمۡ ثُمَّ یَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَهُمۡ فِیۡ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمۡ لَا یَتَّقُوۡنَ ۝٥٦

(اے پیغمبر!) جن لوگوں سے تم نے (صلح کا) عہد و پیمان کیا تھا پھر انہوں نے اسے توڑا اور ایسا ہوا کہ ہر مرتبہ عہد کرکے توڑتے ہی رہے اور (بد عہدی کے وبال سے) ڈرتے نہیں ٥٦ .

٥٦ – آیت ٥٦ میں مدینہ کے یہودیوں کی طرف اشارہ کیا ہے . حب پیغمبر اسلام مدینہ آئے تو یہاں یہودیوں کی تین بستیاں آباد تھیں : بنی قینقاع ، بنی نضیر ، بنی قریظہ . پیغمبر اسلام نے ان سب سے صلح و امن اور باہم دگر اعانت کا معاہدہ کیا . معاہدے کی ایک شرط یہ تھی کہ تمام جماعتیں ایک قوم بن کر رہیں گی اور اگر کسی فریق پر اس کے دشمن حملہ کریں گے تو سب اس کی مدد کرین گے (ابن ہشام) (٣١). لیکن ابھی معاہدے کی سیاہی خشک بھی نہیں ہوئی تھی کہ یہودیوں نےخلاف ورزی شروع کردی اور قریش مکہ سے مل کر مسلمانوں کی تباہی کی سازشیں کرنے لگے ، حتی کہ خود پیغمبر اسلام کو ہلاک کرنے کی تدبیروں میں لگ گئے . یہاں حکم دیا ہے کہ اب ایسے دغا باز لوگوں کے ساتھ نباہ نہیں ہو سکتا . =

(پیروان حق کو) در ماندہ نہیں کر سکتے ٥٩ .

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ ج لَا تَعْلَمُونَهُمْ ج اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ط وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ۝ ٦٠

اور (مسلمانو!) اپنے مقدور بھر قوت پیدا کر کے اور گھوڑے تیار رکھ کر دشمنوں کے مقابلے کے لیے اپنا ساز و سامان مہیا کیے رہو کہ اس طرح مستعد رہ کر تم اللہ کے (کلمۂ حق کے) اور اپنے دشمنوں پر اپنی دھاك بٹھائے رکھو گے، نیز ان لوگوں کے سوا اوروں پر بھی جن کی تمھیں خبر نہیں، اللہ انھیں جانتا ھے. اور (یاد رکھو!) اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد کی تیاری میں) تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے وہ تمھیں پورا پورا مل جائے گا، ایسا نہ ھوگا کہ تمھاری حق تلفی ھو ٦٠ .

---

٦٠ - آیت ٦٠ میں فرمایا: ''اپنے مقدور کے مطابق'' =

میں انہیں موجود پاؤ تو ایسی سزا دو کہ جو لوگ ان کے پس پشت ہیں (یعنی مشرکین مکہ) انہیں بھاگتے دیکھ کر خود بھی بھاگ کھڑیں ہوں (اور) ہو سکتا ہے کہ عبرت پکڑیں ۵۷.

وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ	اور اگر ایک گروہ (ابھی	
خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى	میدان جنگ میں تو دشمنوں	
سَوَآءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ	کے ساتھ نہیں نکلا ہے، لیکن	۷
الْخَآئِنِيْنَ ۝۵۸ ع	اس) سے تمہیں دغا کا اندیشہ ہے	ع ۳

تو چاہیے ان کا عہد انہیں پر الٹا دو (یعنی عہد فسخ کر دو) اس طرح کہ دونوں جانب یکساں حالت میں ہو جائیں (یعنی ایسا نہ کیا جائے کہ اچانک شکست عہد کی انہیں خبر دی جائے، بلکہ پہلے سے جتا دینا چاہیے، تاکہ دونوں فریقوں کو یکساں طور پر تیاری کی مہلت مل جائے). یاد رکھو! اللہ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ۵۸.

وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ	اور جن لوگوں نے کفر کی
كَفَرُوْا سَبَقُوْا ۭ اِنَّهُمْ	راہ اختیار کی وہ خیال نہ کریں
لَا يُعْجِزُوْنَ ۝۵۹	کہ بازی لے گئے، وہ کبھی

عَلَی اللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ۶۱ | تم بھی اس کی طرف جھک جاؤ اور (ہر حال میں) اللہ پر بھروسا رکھو۔ بلا شبہ وھی ھے جو (سب کی) سنتا (اور سب کچھ) جانتا ھے ۶۱۔

وَ اِنۡ یُّرِیۡدُوۡۤا اَنۡ یَّخۡدَعُوۡکَ فَاِنَّ حَسۡبَکَ اللّٰہُ ؕ ھُوَ الَّذِیۡۤ اَیَّدَکَ بِنَصۡرِہٖ وَ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۙ ۶۲ | اور (اے پیغمبر!) اگر ان کا ارادہ یہ ہو گا کہ تجھے دھوکا دیں تو (کوئی اندیشہ کی بات نہیں) اللہ کی ذات تیرے لیے کافی ھے ۶۲۔

---

۶۱ و ۶۲ – آیت ۶۱ و ۶۲ نے کیسے قطعی لفظوں میں قرآن کی دعوت امن کا اعلان کر دیا ھے! یہ آیت اس وقت نازل ھوئی جب کہ جنگ بدر کے فیصلے نے مسلمانوں کی فتح مندی آشکارا کر دی تھی اور تمام جزیرۂ عرب ان کی طاقت سے متأثر ھونے لگا تھا۔ تا ھم حکم ھوا جب کبھی دشمن صلح و امن کی طرف جھکے چاھیے کہ بلا تأمل تم بھی جھک جاؤ۔ اگر اس کی نیت ==

وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ	اور (دیکھو!) اگر (دشمن) صلح
فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ	کی طرف جھکیں تو چاہیے

= کیوں کہ یہ تو مشکل ہے کہ کوئی جماعت اس طرح کا سرو سامان جنگ مہیا کر سکے جو ہر اعتبار سے مکمل ہو. پس معلوم ہوا مسلمانوں کو اس بارے میں جو کچھ حکم دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ایسے مقدور کے مطابق جو کچھ کر سکتے ہیں کریں اور اداء فرض کے لیے آمادہ ہو جائیں ۔ یہ بات نہیں ہے کہ جب تک دنیا جہان کے ہتھیار اور ہر قسم کے ساز و سامان مہیا نہ ہو جائیں اس وقت تک بے بسی کا عذر کرتے رہیں اور فرض دفاع سے بے فکر ہو جائیں ۔

اگر مسلمانوں نے اس آیت کی روح کو سمجھا ہوتا تو اس اپاهج پنے میں مبتلا نہ ہوتے جو ڈیڑھ سو برس سے تمام مسلمانان عالم پر طاری ہے ۔

چوں کہ جنگ کی تیاری بغیر مال کے نہیں ہو سکتی تھی ، اس لیے اس کے بعد کی آیت میں انفاق فی سبیل اللہ پر زور دیا ۔ اگر اس انفاق کی حقیقت آج مسلمان صحیح طور پر سمجھ لیں تو ان کی ساری مصیبتیں ختم ہو جائیں ۔

= سے باھمی جنگ و جدال کی آب و ھوا میں پرورش پاتے رھے ھوں اور جن کے نفسیاتی سانچوں میں باھمی آمیزش و ائتلاف کا کوئی ڈھنگ باقی نہ رھا ھو .

پیغمبر اسلام کا ظھور ایسے ھی لوگوں میں ھوا تھا ، مگر ابھی ان کی دعوت پر دس بارہ ھی برس گزرے تھے کہ مدینہ میں ایک ایسا گروہ پیدا ھو گیا جو اس اعتبار سے بالکل ایک نئی قسم کی مخلوق تھی . وہ جب تک مسلمان نہیں ھوے تھے باھمی کینہ و انتقام کے مجسمے تھے . لیکن جونہیں مسلمان ھوے محبت و سازگاری کی ایسی پاکی و قدوسیت ابھر آئی کہ ان میں کا ھر فرد دوسرے کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لیے مستعد ھو گیا .

فی الحقیقت یہی وہ تزکیۂ اخلاق کا عمل ھے جو ایک پیغمبرانہ عمل تھا اور جو پیغمبر اسلام کی تعلیم و تربیت نے انجام دیا اور اسی کی طرف آیت ۶۳ میں اشارہ فرمایا ھے .

اس سے معلوم ھوا مسلمانوں کی باھمی الفت ایک ایسی نعمت ھے جسے خدا نے اپنا خاص انعام قرار دیا ھے . افسوس ان پر جو اس نعمت سے محرومی پر قانع ھو گئے اور اس کے لیے اپنے اندر کوئی خلش محسوس نہیں کی . =

وَ اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝ ٦٣

وهی هے جس نے اپنی مددگاری سے اور مومنون (کی جماعت) سے تیری تائید کی اور وهی هے جس نے مومنون کے دلوں میں باهم الفت پیدا کر دی . اگر تو وہ سب کچھ

حرچ کر ڈالتا جو روے رمین میں هے جب بهی ان کے دلوں کو باهمی الفت سے نه حوڑ سکتا ، لیکن یه الله هے جس نے ان میں باهمی الفت پیدا کر دی. بلا شبه وه (اپنے کاموں میں) غالب اور حکمت والا هے ٦٣ .

= میں فتور هو گا تو هوا کرے، اس کی وجه سے صلح و امن کے قیام میں ایك لمحه کے لیے بهی دیر نہیں کرنی چاهیے .

٦٣ ـ دنیا میں کوئی کام انسان کے لیے اس سے زیادہ مشکل نہیں هے که بکهرے هوے انسانی دلوں کو ایك رشتۂ الفت میں پرو دے . اور یه کام تقریباً نا ممکن هو جاتا هے حب معامله ایسے انسانوں کا هو جو صدیوں =

لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ ٦٥

سو ہو گئے تو سمجھ لو ہزار کافروں کو مغلوب کر کے رہیں گے۔ اور یہ اس لیے ہو گا کہ کافروں کا گروہ ایسا گروہ ہے جس میں سمجھ بوجھ نہیں ٦٥۔

اَلْـٰٔنَ خَمَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ٦٦

(مسلمانو!) اب خدا نے تم پر بوجھ ہلکا کر دیا۔ اس نے جانا کہ تم میں کمزوری ہے۔ اچھا! اب اگر تم میں جھیل جانے والے سو آدمی ہوں گے تو (انہیں صرف اپنے سے دوگنی تعداد کا مقابلہ کرنا ہو گا، یعنی) وہ دو سو دشمنوں پر غالب رہیں گے۔ اور اگر ہزار ہوں گے تو سمجھو دو ہزار دشمنوں کو مغلوب کر کے رہیں گے۔ اور (یاد رکھو!) اللہ جھیل جانے والوں کا ساتھی ہے ٦٦۔

---

٦٥ و ٦٦ – آیت ٦٥ اور ٦٦ میں دو مختلف حالتوں =

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ — اے پیغمبر! اللہ تیرے لیے

وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ — کفایت کرتا ہے اور ان

٨ ع ٤ الْمُؤْمِنِيْنَ ع ٦٤ — مومنوں کو بھی جو تیرے

پیچھے چلنے والے ہیں (۳۲) ٦٤ .

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ — اے پیغمبر! مومنوں کو لڑائی

الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ — کا شوق دلا. (مسلمانو!) اگر

اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ — تم میں بیس آدمی بھی مشکلوں

صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ج — کو جھیل جانے والے نکل

وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ — آئے تو یقین کرو وہ دو سو

يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ — دشمنوں پر غالب ہو کر رہیں گے.

كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ — اور اگر تم میں ایسے آدمی

= آج باہمی الفت کی جگہ باہمی مخاصمت مسلمانوں کی سب سے بڑی پہچان ہو گئی ہے، اسی کو انقلاب حال کہتے ہیں .

فِي الْأَرْضِ ۚ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ ۶۷

جب تك كه ملك میں علبه حاصل نه كر لے (۳۳). (مسلمانو!) تم دنیا کی متاع چاهتے هو اور الله چاهتا هے (تمهیں) آخرت (كا احر دے) اور الله عالب هے ، حكمت والا ۶۷ .

۶۷ ـ جنگ بدر میں حب دشمن قید هوے تو سوال پیدا هوا اس بارے میں کیا کرنا چاهیے؟ چوں كه اس وقت مسلمان بڑی هی تنگی و افلاس کی حالت میں تھے اس لیے عام راے یه تھی كه قیدیوں کے لیے فدیه مانگا جائے اور حب تك فدیه وصول نه هو قیدی رها نه کیے جائیں . بعض صحابه کی راے هوئی كه انهیں قتل کر دیا چاهیے . حضرت عمر بھی انهیں میں تھے . لیکن آنحضرت نے عام راے کے مطابق فیصله فرمایا اور قیدیوں کے لیے فدیه طلب کیا گیا اور حن قیدیوں کے لیے فدیه نهیں ملا وه روك لیے گئے .

اس پر آیت ۶۷ نازل هوئی . فرمایا " دنیا میں نبی اس لیے نهیں آتے كه ان کے پیرو دشمنوں کو قید رکھ کر فدیے كا روپیه لیں ، بلکه مقصود اصلی دعوت حق كا اعلان هوتا هے . پس نبی کو سزاوار نهیں كه جب تك =

مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ	نبی کے لیے سزاوار نہیں کہ
لَهٗۤ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ	اس کے قبضے میں قیدی ہوں

= کے لیے عزیمت و رحصت کی دو مختلف صورتیں فرمائی ھیں ایمان کا خاصه تو یه هونا چاهیے که ایك مسلمان دس دشمنوں پر بهاری رھے ، لیکن چوں که ابهی تمهاری حالت بڑی ھی کمزوری کی حالت ھے اس لیے کم از کم اپنے سے دوگنی تعداد کا مقابله کرو. قوانین حق کا فیصله یه ھے که غالب رهو گے.

آیت ٦٥ میں علیه کی توجیه یه کی که "بانهم قوم لا یفقهون" تمهارے دشمنوں کا گروہ ایسا گروہ ھے جس میں سمجھ بوجھ نہیں ، یعنی محض اندھے پن کا تعصب ھے جس کے جوش میں لڑ رھے ھیں . علم و بصیرت ، معامله فہمی اور صلاحیت کار سے محروم ھیں . اور چوں که محروم ھیں اس لیے کتنی ھی بڑی تعداد میں ھوں اصحاب دانش و بصیرت کے مقابلے میں ٹھیر نہیں سکتے .

آج کل کے مسلمانوں کو غور کرنا چاهیے که اب اصحاب دانش و بصیرت وہ ھیں یا دنیا کی دوسری قومیں؟ اگر حالات منقلب هو گئے ھیں تو نتائج بهی کیوں منقلب نه هو جائیں ؟

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا بہر حال جو کچھ تمہیں غنیمت
طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ میں ہاتھ لگا ہے اسے حلال
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ٦٩ و پاکیزہ سمجھ کر ایسے کام ٩ ع ٥
میں لاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بلا شبہ اللہ بخشنے والا، رحمت والا ہے٦٩.

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ اے پیغمبر! لڑائی کے قیدیوں
فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ میں سے جو لوگ تمہارے قبضے
اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ میں ہیں ان سے کہہ دو: "اگر
خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اللہ نے تمہارے دلوں میں کچھ
اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ نیکی پائی تو جو کچھ تم سے
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ٧٠ لیا گیا ہے اس سے کہیں بہتر
چیز تمہیں عطا فرمائے گا اور تمہیں بخش دے گا. وہ بڑا بخشنے والا، رحمت والا ہے ٧٠.

وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ اور اگر ان لوگوں نے چاہا
فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ تمہیں دغا دیں تو (کوئی وجہ

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ	اگر (اس بارے میں) پہلے
لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ	سے اللہ کا حکم نہ ہو گیا ہوتا
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۶۸	تو جو کچھ تم نے (جنگ بدر

میں مال غنیمت) اوٹا اس کے لیے ضرور تمہیں بہت بڑا عذاب پہنچتا ٦٨ .

= اس کی دعوت ملک میں ظاهر و غالب نہ ہو جائے اسیران جنگ کو فدیے کے لیے روکے رکھے . تمہاری نظر متاع دنیا پر ہے اور خدا نے تمہارے لیے آخرت کا انعام پسند کیا ہے ".

چنانچہ اس کے بعد آیت ٧٠ نے معاملہ بالکل صاف کر دیا . فرمایا " جو قیدی فدیے کے لیے روک لیے گئے ہیں ان سے کہہ دو اگر تمہاری نیتیں صاف ہیں تو تمہارے لیے کوئی کھٹکا نہیں ".

جہاں تک اسیران جنگ کا تعلق ہے سورۂ محمد کی آیت ٤ نے آخری حکم دے دیا ہے . " فاما منا بعد و اما فداء " یعنی آیندہ یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دیا کرو یا فدیہ لے کر ، جیسی مصلحت وقت ہو .

يُهَاجِرُوْا ۚ وَ اِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ ۢ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۭ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ ٧٢

اور جن لوگوں کا حال ایسا ہوا کہ ایمان تو لائے مگر ہجرت نہیں کی تو تمہارے لیے ان کی اعانت و رفاقت میں سے کچھ نہیں ہے جب تک وہ اپنے وطن سے ہجرت نہ کریں۔ ہاں! اگر دین کے بارے میں تم سے مدد چاہیں تو بلا شبہ تم پر ان کی مددگاری لازم ہے، الا یہ کہ کسی ایسے گروہ کے مقابلے میں مدد چاہی جائے جس سے تمہارا (صلح و امن کا) عہد و پیمان ہے (کہ اس صورت میں تم عہد و پیمان کے خلاف قدم نہیں اٹھا سکتے)۔ اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں ٧٢۔

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِى الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ كَبِيْرٌ ۝ ٧٣

اور (دیکھو!) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے وہ بھی (راہ کفر میں) ایک دوسرے کے کارساز و رفیق

فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ ۷۱	نہیں کہ تم اس اندیشے سے اپنا طرز عمل بدل ڈالو) یہ اس

سے پہلے خود اللہ کے ساتھ خیانت کر چکے ہیں اور اسی کی پاداش ہے کہ تمہیں ان پر قدرت دے دی گئی ہے ۔ اور (یاد رکھو!) اللہ سب کچھ جانتا (اور اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے ۷۱ ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى	جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کیا اور جن لوگوں نے (مکہ کے مہاجروں کو مدینہ میں) جگہ دی اور ان کی مدد کی تو یہی لوگ ہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے کا کارساز و رفیق ہے ۔

بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ ط هیں (انهیں اپنے سے الگ نه
اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۷۵ ع سمجهو). اور (باقی رهے) ۱۰ ع ۶
قرابت دار تو وه الله کے حکم میں ایك دوسرے کی میراث کے
زیاده حق دار هیں (پس باهمی بهائی چارگی میں ان کے حقوق
فراموش نه کر دیے جائیں). بلا شبه الله هر بات کا علم رکهتا هے ۷۵ .

۷۳ تا ۷۵ – آیت ۷۳ سے آخر سورت تك جو کچھ بیان کیا گیا هے اس کا خلاصه حسب ذیل هے :

(۱) اسلام کی دعوت نے باهمی الفت و سازگاری کی جو روح پهونك دی تهی اس کا ایك عجیب و غریب مظهر تاریخ نے آج تك محفوظ رکها هے. یه نو مسلموں کا باهمی بهائی چاره تها جسے عربی میں ''مؤاخاة'' کهتے هیں. یعنی اسلام کے رشته سے ایك نو مسلم دوسرے نو مسلم کا بهائی هو جاتا تها اور پهر ساری باتوں میں دونوں ایك دوسرے کی شرکت و ملکیت کے ویسے هی حق دار هو جاتے جیسے حقیقی بهائی هوتے هیں، حتی که اگر ایك مر جائے تو دوسرا اس کا وارث هو جاتا تها.

یه ''مؤاخاة'' دو مرتبه هوئی: ایك مرتبه مکه میں اور یه صرف مهاجرین کے درمیان هوئی تهی. دوسری مرتبة =

هیں . اگر تم ایسا نہ کرو گے (یعنی باهمی ولایت اور بھائی چارگی کا جو حکم دیا گیا هے اور وفاء عہد اور اعانت مسلمین کی جو تلقین کی گئی هے اس پر کار بند نہیں رهو گے) تو ملك میں فتنہ پیدا هو جائے گا اور بڑی هی خرابی پھیلے گی ۷۳ .

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ۞ ۷٤

(عرض کہ) جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (مہاجرین مکہ کو) پناہ دی اور مدد کی تو فی الحقیقت یہی (سچے) مومن هیں . ان کے لیے بخشش هے اور عزت کی روزی ۷٤ .

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى

اور جو لوگ بعد کو ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ هو کر جہاد کیا تو وہ بھی تمہیں میں داخل

= که ابھی تک ھجرت نہ کر سکے ایسا نہیں ھو سکتا که تمہاری مددگاری کے حق دینی سے محروم ھو جائیں ۔

(و) البته یه بات نہیں بھولنی چاھیے که اپسے عہد و پیمان کا وفادار رھنا مسلمانوں کا سب سے پہلا فرض ھے۔ پس اگر وہ کسی ایسے غیر مسلم گروہ کے مقابلے میں مدد چاھیں جس سے تم صلح کا عہد و پیمان کر چکے ھو تو تمہارے لیے جائز نه ھو گا که ان کی مدد کے لیے عہد شکنی کرو۔ نتیجه خواہ کچھ ھی نکلے، لیکن اپنے قول و قرار پر قائم رھنا چاھیے ۔

یه اشارہ اس طرف تھا که مدینه آکر پیغمبر اسلام نے مدینه اور اطراف مدینه کی مختلف جماعتوں سے باھمی صلح و سازگاری کا معاھدہ کیا تھا جو معاھدۂ صحیفه کے نام سے مشہور ھوا۔ صحیفه کے اکثر فریق عہد شکنی کر چکے تھے، لیکن ابھی تک مسلمانوں کی طرف سے انفساخ کا اعلان نہیں ھوا تھا ۔ اس سے اندازہ کرو که قرآن نے وفاء عہد کا، اگرچه مخالفوں کے ساتھ ھو اور اگرچه اس کی وجه سے اپنوں کی مدد نه کی جا سکے، کس درجه لحاظ رکھا ھے :

(ز) فرمایا که درجے کے لحاظ سے جو مقام دو پہلی جماعتوں کا ھے وہ دوسروں کا نہیں ھو سکتا، یعنی=

= مدینه میں اور یہ مہاجرین اور انصار کے درمیان ہوئی تھی ، یعنی مکہ کے جو لوگ ھجرت کر کے آئے ان میں اور مدینہ کے نو مسلموں میں. ایك قول کے مطابق یہ نوے آدمی تھے اور ایك قول میں سو .

(ب) مسلمانوں کی بڑی تعداد ھجرت کرکے مدینہ چلی آئی تھی ، لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو موانع و مشکلات سے بے بس ھو کر مکہ ھی میں پڑے رھے.

(ج) یہاں فرمایا : " جو لوگ ایمان لائے ، اپنا گھر بار چھوڑا ، جان و مال سے راہ حق میں جہاد کیا تو وہ خواہ کسی قبیلے اور کسی حلقے کے ھوں، ایك ھی برادری کے افراد ھو گئے "، یعنی جاں نثاران حق کی برادری کے. ان کا ھر فرد دوسرے فرد کا کارساز و رفیق ھے اور اسی کار سازی و رفاقت پر تمھاری ساری کامیابیوں کا دار و مدار ھے .

(د) لیکن جو ایمان تو لائے مگر ابھی تك ھجرت نہ کر سکے تو ظاھر ھے کہ اس رشتے کے حقوق میں ان کا کوئی حصہ نہیں ھو سکتا جب تك کہ وہ ھجرت کر کے تم سے آ نہ ملیں .

(ہ) ھاں ! اگر وہ دین کے معاملے میں مدد چاھیں تو تمھارا فرض ھے کہ ان کی مدد کرو . محض اس وجہ سے =

= مسلمانوں میں اسلامی بھائی چارگی کا ایسا ولوله پیدا
هو گیا تھا که خون کے عزیزوں سے کہیں زیادہ رشتۂ حق
کے ان عزیزوں کو اپنا سمجھنے لگے تھے، حتی که اگر ایك
مر جاتا تو رشتۂ مؤاخاۃ کا بھائی اس کا وارث سمجھا جاتا.
انھوں نے اپنے سارے پچھلے رشتے بھلا دیے تھے.
صرف ایك ھی رشتے کی لگن باقی رہ گئی تھی، یعنی سب
الله کے رسول کے فدائی اور سب اسی کے حسن جہاں آرا
پر اپنا سب کچھ نثار کر دینے والے ھیں:

تو نخل خوش ثمر کیستی که باغ و چمن
همه ز خویش بریدند و در تو پیوستند

لیکن یہاں فرمایا: "جو قرابت دار ھیں وہ خدا کے ٹھیرائے
ھوے قرابت دار ھیں اور صله رحمی کا رشته کسی حال
میں نظر انداز نہیں کرنا چاھیے. پس وراثت وغیرہ کے
حقوق سے وہ محروم نہیں کیے جا سکتے". یاد رہے یہاں
"اولو الارحام" سے مقصود اولو الارحام مصطلحۂ فرائض
نہیں ھیں، بلکه مصطلحۂ لغت، یعنی قرابت دار.
(ی) آیت ۷۳ میں فرمایا: "اگر ایسا نه کروگے تو
ملك میں فتنه اٹھے گا اور بڑی ھی خرابی پھیلے گی".
یعنی دین حق کی دشمنی میں مخالف ایك دوسرے کے
کارساز و رفیق ھو گئے ھیں، پس چاھیے تم بھی =

= مکه کے ان مہاجرین کا جنھوں نے حق کی خاطر گھر بار چھوڑا اور جان و مال سے جہاد کیا ، اور مدینه کے ان انصار کا جنھوں نے انھیں پناه دی اور ان کی مددگاری کے لیے اٹھ کھڑے ہوے "اولئك هم المؤمنون حقا ". چنانچه دوسری جگه فرمایا : " و السابقون الأولون من المهاجرين و الأنصار - الخ " (۹ : ۱۰۰) اور سورهٔ حشر میں انھیں دو جماعتوں کی طرف اشاره کیا هے : " للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم " (۵۹ : ۸) . اور " و الذين تبوؤا الدار و الإيمان من قبلهم - الخ " (۵۹ : ۹) نیز " و السابقون السابقون اولئك المقربون " (۵٦ : ۱۰ ، ۱۱)۔ اور یه ظاهر هے که سچائی کی هر راه میں جو درجه پہل کرنے والوں کا هوتا هے وه دوسروں کو نصیب نہیں هو سکتا .

(ح) اس کے بعد فرمایا : جو لوگ آینده ایمان لائیں ، هجرت و جهاد کریں ، (یا جن لوگوں نے پہلی هجرت کے بعد ایمان قبول کیا اور هجرت کی) تو گو یه پہلی دو جماعتوں سے پیچھے آئے ، لیکن انھیں میں داخل سمجھے جائیں ، یعنی اسی طرح مؤاخاة و اشتراك کے مستحق سمجھے جائیں .

(ط) اس کے بعد وراثت کا معامله صاف کر دیا . =

التوبة – ۹

مدنیة و هی مائة و تسع و عشرون اٰیة

مدنی، ۱۲۹ آیتیں

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ (مسلمانو!) جن مشرکوں کے
اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ ساتھ تم نے (صلح وامن کا)
الْمُشْرِكِيْنَ ۝ۭ۱ معاہدہ کیا تھا، اب اللہ اور
اس کے رسول کی طرف سے بریٔ الذمہ ہونے کا ان کے لیے
اعلان ہے ۱ .

فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ کہ چار مہینے تک ملک میں
اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ چلو پھرو (کوئی روک ٹوک نہیں۔
غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ اس کے بعد جنگ کی حالت
مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ۝۲ قائم ہو جائے گی) اور یاد
رکھو! تم کبھی اللہ کو عاجز نہ کر سکو گے اور اللہ منکروں

= راہ حق میں ایک دوسرے کے کار ساز و رفیق رھو۔ نیز اپنے عہد و پیمان میں پوری طرح پکے رھو، کسی حال میں اس سے اِدھر نہ جاؤ۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو ظلم و فساد سر اٹھائے گا اور امن و عدالت کا جو دروازہ کھل رھا ھے نہ کھل سکے گا۔

جن مٹھی بھر مظلوم مسلمانوں نے دعوت حق کا بیج بویا تھا ان کا یہ حال تھا۔ لیکن آج جب کہ روے زمین میں چار سو ملین مسلمان موجود ھیں، ان کی باھمی مؤاخاۃ کا کیا حال ھے؟ ھندوستان کے مسلمانوں کا کیا حال ھے جس میں ستر ملین مسلمان بستے ھیں؟

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ	هاں! مشرکوں میں سے وہ لوگ
الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ	کہ تم نے ان سے معاهده کیا تھا
يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ	پھر انھوں نے (قول قرار نباهنے
يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا	میں) کسی طرح کی کمی نہیں
فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ	کی اور نه ایسا کیا که تمهارے
اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ	مقابلے میں کسی کی مدد کی ہو،
الْمُتَّقِيْنَ ۝ ٤	اس حکم سے مستثنیٰ هیں.

پس چاهیے که ان کے ساتھ جتنی مدت کے لیے عہد هوا هے اتنی مدت تك اسے پورا کیا جائے. الله انهیں دوست رکھتا هے جو (هر بات میں) متقی هوتے هیں ٤.

---

١ تا ٤ - کوئی شخص کتنے هی مخالفانه ارادے سے مطالعه کرے، لیکن تاریخ اسلام کے چند واقعات اس درجه واضح اور قطعی هیں که ممکن نہیں ان سے انکار کیا جاسکے. ازانجمله یه که جو جماعتیں پیغمبر اسلام کی مخالف تھیں ان کے تمام کام اول سے لے کر آخر تك ظلم وتشدد، دغا وفریب، وحشت وخوں خواری پر مبنی رهے، =

کو (پیروان حق کے هاتهوں) ذلیل کرنے والا هے ۲ ۔

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ ۳

اور الله اور اس کے رسول کی طرف سے حج کے بڑے دن عام منادی کی جاتی هے که الله مشرکوں سے بری الذمه هے، اور اس کا رسول بهی۔ (یعنی اب کوئی معاهده الله کے نزدیک باقی نہیں رها اور نه اس کا رسول کسی معاهدے کے لیے ذمه دار هے)۔ پس اگر تم (اب بهی ظلم و شرارت سے) توبه کرلو تو تمهارے لیے اس میں بهتری هے اور اگر نه مانو گے تو جان رکھو تم الله کو عاجز نہیں کرسکتے۔ اور (اے پیغمبر[1]) جو لوگ کفر کی راه چل رهے هیں انهیں عذاب دردناك کی خوش خبری سنا دو ۳ ۔

= چالیس آدمی بچ کر مدینہ پہنچ سکے اور پیغمبر اسلام کو اپنا حال زار سنایا .

اب معاهدہ کی رو سے پیغمبر اسلام کا فرض هو گیا کہ قریش کی عہد شکنی برداشت نہ کریں . چنانچہ دس ہزار مسلمانوں کے ساتھ انہوں نے کوچ کیا اور بغیر کسی قابل ذکر خون ریزی کے مکہ کی فتح مبین ظہور میں آ گئی .

فتح کے بعد سنہ ۹ هجری میں اس سورت کی ابتدائی آیتیں تیس یا چالیس تك نازل هوئیں اور پیغمبر اسلام نے حضرت ابو بکر اور حضرت علی کو ذیقعدہ میں مکہ بھیجا کہ حج کے موقع پر بطور اعلان عام کے یہ آیات مشتہر کر دیں . خلاصہ اس کا یہ ھے :

(ا) جن جماعتوں نے بد عہدی کی ان کے ساتھ اب کوئی معاهدہ نہیں رها ، تاهم اچانك ان پر حملہ نہیں کیا جاتا . چار ماہ کی مہلت دی جاتی ھے جو حج کے دن سے شروع هو گی اور ۱۰ ربیع الآخر کو ختم هو گی . اس عرصے میں انہیں نقل و حرکت کا پورا امن حاصل هو گا ، لیکن اس کے بعد جنگ کی حالت تصور کی جائے گی .

(ب) لیکن جن جماعتوں نے بد عہدی نہیں کی تو ان کا معاهدہ اپنی جگہ پر قائم ھے . =

= اور پیغمبر اسلام اور ان کے ساتھیوں نے جو کچھ کیا اس کا ایک ایک عمل صبر و تحمل، راستی و دیانت اور عفو و بخشش کا اعلیٰ سے اعلیٰ نمونہ تھا۔ مظلومی میں صبر، مقابلے میں عزم، معاملے میں راست باری، طاقت و اختیار کی حالت میں درگذر تاریخ انسانیت کے وہ نوادر ھیں جو کسی ایک زندگی کے اندر شاید ھی اس طرح جمع ھوئے ھوں۔

قریش مکہ نے جس طرح ظلم و تعدی میں کمی نہیں کی اسی طرح بد عہدی میں بھی اپنی مثال چھوڑ گئے۔ آخری معاملہ حدیبیہ کی صلح کا تھا۔ اس میں ایک طرف مسلمان اور ان کے حلیف تھے، دوسری طرف قریش اور ان کے حلیف۔ مسلمانوں کے ساتھ قبیلۂ خزاعہ شریک ھوا، قریش کے ساتھ بنو بکر۔ صلح کی بنیادی شرط یہ تھی کہ دس برس تک دونوں فریق صلح و امن پر قائم رھیں گے۔ لیکن ابھی دو برس بھی نہیں گزرے تھے کہ بنو بکر نے خزاعہ پر حملہ کردیا اور قریش نے ان کی مدد کی حتیٰ کہ خود سہیل بن عمر حملہ میں شریک ھوا جس نے معاھدۂ حدیبیہ پر دستخط کیے تھے۔ بنو خزاعہ نے خانۂ کعبہ میں پناہ لی اور خدا کے نام پر امان مانگی، اس پر بھی بے دریغ قتل کرائے گئے تھے۔ صرف =

وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ	جہاں کہیں پاؤ قتل کرو اور
وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ	جہاں کہیں ملیں گرفتار کرلو،
فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ	پیر ان کا محاصرہ کرو اور ہر جگہ
وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوا	ان کی تاک میں بیٹھو۔ پھر اگر
سَبِيلَهُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ	ایسا ہوکہ وہ باز آجائیں، نماز
رَّحِيمٌ ۝	قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں

تو ان سے کسی طرح کا تعرض نہ کیا جائے۔ بلا شبہہ اللہ بڑا ہی بخشنے والا، رحمت والا ہے ۝.

۵ – آیت ۵ سے یہ بات قطعی طور پر واضح ہوگئی کہ جس بات کے بعد ایک جماعت مسلمانوں کی جماعت تسلیم کی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ زبان سے اسلام کا اقرار کرے اور عمل میں دو باتیں ضرور آجائیں: نماز کی جماعت کا قیام اور زکوۃ کی ادائیگی۔ اگر یہ دو عملی باتیں ایک جماعت میں مفقود ہیں تو اس کا شمار مسلمانوں میں نہ ہوگا۔

اس اعتبار سے ایک فرد کی حالت میں اور ایک جماعت کی حالت میں جو فرق ہوا اسے سمجھ لینا چاہیے۔ ==

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ	پھر جب حرمت کے مہینے
الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ	گزر جائیں تو (جنگ کی حالت
حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ	قائم ہو گئی) مشرکوں کو

= (ج) حرم کعبہ اب شرک کی تمام آلودگیوں سے پاک کر دیا گیا ہے جو مشرکین عرب نے پیدا کر دی تھیں. پس آیندہ یہ عبادت گاہ صرف اہل توحید و ایمان کے لیے ہو گی. کوئی مشرک آیندہ سال سے اس کا قصد نہ کرے (آیت ۲۸).

سورت کا بقیہ حصہ بھی سنہ ۹ ہجری ہی میں غزوۂ تبوک کے اثناء میں اور اس کے بعد نازل ہوا تھا.

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ یہاں لڑائی کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا تعلق صرف ان مشرک جماعتوں سے تھا جو عرب میں دعوت اسلام کی پامالی کے لیے لڑ رہی تھیں، نہ کہ دنیا جہان کے تمام مشرکوں کے لیے. چنانچہ اول سے لے کر آخر تک خطاب خاص جماعتوں سے ہے اور صاف لفظوں میں واضح کر دیا ہے کہ ان جماعتوں نے کس طرح عہد شکنی کی اور کس طرح خود ہی جنگ کے اعادہ کا باعث ہوے، نیز ظلم و جنگ کی ابتدا کرنے والے بھی وہی ہیں.

كَيۡفَ يَكُوۡنُ لِلۡمُشۡرِكِيۡنَ	یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ (ان)
عَهۡدٌ عِنۡدَ اللّٰهِ وَعِنۡدَ	مشرکوں کا عہد اللہ اور اس کے

= کھلا رکھا؟ اور کس طرح دین و اعتقاد کے معاملے کو جبر و اکراہ کے شبہ سے بھی بالا تر رکھا گیا؟ آیت ٦ میں فرمایا: ان مشرکوں میں ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جن میں قرآن سننے اور حقیقت حال معلوم کرنے کی خلش پیدا ہو. اگر کوئی ایسا آدمی آ جائے تو عین لڑائی کی حالت میں بھی اسے بخوشی پناہ دو. جب تک رہنا چاہے رہے، قرآن سنے اور جانے لگے تو اسے اس کے ٹھکانے بحفاظت پہنچا دیا جائے، تاکہ اپنے امن کی جگہ پہنچ کر آزادی و اختیار کے ساتھ غور و فکر کرے اور جو راہ چاہے اختیار کرے.

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ دین کے بارے میں تقلید کافی نہیں، فہم و ادعان ضروری ہے، ورنہ قرآن کا سنانا اور پھر غور و فکر کی مہلت دینا ضروری نہ ہوتا. یاد رہے قرآن جس طرح اس معاملے میں جبر کی پرچھائیں بھی دیکھنا نہیں چاہتا، اسی طرح تقلیدی اعتقاد کا بھی روادار نہیں.

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ؏ ٦

١ ع ٧

اور (اے پیغمبر!) اگر مشرکوں میں سے کوئی آدمی آئے اور تم سے امان مانگے تو اسے ضرور امان دو، یہاں تك كه وه (اچھی طرح) الله كا كلام سن لے، پھر اسے (مامن) اس كے ٹھكانے پہنچا دو. یه بات اس لیے ضروری ہوئی كه یه لوگ (دعوت حق كی حقیقت كا) علم نہیں ركھتے ٦ .

= اگر ایك فرد قیام صلوة اور اداء زكوة میں كوتاهی كرتا هے تو گنہ گار هے، لیكن اگر ایك جماعت نے بحیثیت جماعت كے ترك كر دیا تو اسلامی زندگی كی بنیادی شناخت كهو دی اور اس لیے ان كی حیثیت مشتبه هو گئی .

ان چند لفظوں میں تمهیں اس تمام نزاع كا فیصله مل جا سكتا هے جو تارك صلوٰه كے باب میں چلی آتی هے ، بشرطیكه غور و فكر سے كام لو .

٦ ـ غور كرو! جنگ كی سخت سے سخت حالت میں بهی اصل مقصد یعنی ارشاد موعظت كا دروازه كس طرح =

چاهتے هیں ، مگر ان کے داوں کا فیصلہ اس کے حلاف هے . اور ان میں زیادہ تر ایسے هی لوگ هیں جو فاسق هیں (یعنی راست باری کے تمام طریقوں اور پابندیوں سے باهر هو چکے هیں) ٨ .

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝٩

ان لوگوں نے اللہ کی آیتیں ایك بہت هی حقیر قیمت پر بیچ ڈالیں (یعنی هواء نفس کے تابع هو گئے اور اللہ کی آیتوں پر یقین نہیں کیا) ، پس اس کی راہ سے لوگوں کو روکنے لگے . (افسوس ان پر !) کیا هی برا هے جو یہ لوگ کرتے رهے هیں ٩ .

لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝١٠

کسی مومن کے لیے نہ تو قرابت کا پاس کرتے هیں ، نہ عہد و قرار کا . یہی لوگ هیں کہ ظلم میں حد سے گزر گئے هیں ١٠ .

رَسُولِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۷

رسول کے نزدیک عہد ہو؟ ہاں! جن لوگوں کے ساتھ تم نے مسجد حرام کے قریب (حدیبیہ میں) عہد و پیمان باندھا تھا (اور انھوں نے اسے نہیں توڑا) تو (ان کا عہد ضرور عہد ہے اور) جب تک وہ تمہارے ساتھ (اپنے عہد پر) قائم رہیں، تم بھی ان کے ساتھ (اپنے عہد پر) قائم رہو. اللہ انہیں دوست رکھتا ہے جو (اپنے تمام کاموں میں) متقی ہوتے ہیں ۷.

كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۸ۚ

ان مشرکوں کا عہد کیوں کر عہد ہو سکتا ہے جب کہ ان کا حال یہ ہے کہ اگر آج تم پر غلبہ پا جائیں تو نہ تو تمہارے لیے قرابت کا پاس کریں، نہ کسی عہد و پیمان کا. وہ اپنی باتوں سے تمہیں راضی کرنا

نَكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَ هَمُّوْا	سے جنگ نہیں کرتے جنھوں
بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَ هُمْ	نے اپنے عہد و پیمان کی قسمیں
بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ط	توڑ ڈالیں ، جنھوں نے اللہ کے
اَتَخْشَوْنَهُمْ ج فَاللّٰهُ اَحَقُّ	رسول کو اس کے وطن سے
اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ	نکال باہر کرنے کے منصوبے
مُّؤْمِنِيْنَ ۞ ١٣	کیے اور پھر تمہارے برخلاف

لڑائی میں پہل بھی انھیں کی طرف سے ہوئی؟ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ (اگر ڈرتے ہو تو تم مومن نہیں ، کیوں کہ) اگر مومن ہو تو اللہ اس بات کا زیادہ سزاوار ھے کہ اس کا ڈر تمہارے دلوں میں بسا ہو ۱۳ ۔

۷ تا ۱۳ - آیت ۷ سے لے کر ۱۳ تک یہ حقیقت واضح کی ھے کہ دشمنوں کی پے در پے عہد شکنیوں اور ظلم و عداوت کی انتہا نے کس طرح اس اعلان جنگ کو ناگزیر کر دیا تھا ۔ فرمایا : ”جن لوگوں نے بار بار عہد کیے اور بار بار خلاف ورزی کی اور پھر صلح حدیبیہ کا آخری عہد بھی اس ظالمانہ طریقے پر پامال کیا ، اب ان کا عہد =

فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ وَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۱۱

بہر حال ۔ اگر یہ باز آئیں ، نماز قائم کریں ، زکوہ ادا کریں تو (پھر ان کے خلاف تمہارا ہاتھ نہیں اٹھنا چاہیے ، وہ) تمہارے دینی بھائی ہو گئے ۔ ان لوگوں کے لیے جو جاننے والے ہیں ، ہم اپنی آیتیں کھول کر بیان کر دیتے ہیں ۱۱ ۔

وَ اِنْ نَّكَثُوْۤا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْۤا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَاۤ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝۱۲

اور اگر یہ اپنے عہد و پیمان جو جوڑ کر چکے ہیں ، توڑ ڈالیں اور تمہارے دین کو برا بھلا کہیں تو پھر (اس کے سوا چارہ نہیں کہ ان) کفر کے سرداروں سے جنگ کرو ۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کی سوگند سوگند نہیں (اور تمہیں جنگ اس لیے کرنی چاہیے) تاکہ یہ (ظلم و بد عہدی سے) باز آ جائیں ۱۲ ۔

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا

(مسلمانو!) کیا تم ایسے لوگوں

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ	(مسلمانو!) ان سے (بلا تامل)
بِاَيْدِيْكُمْ وَ يُخْزِهِمْ	جنگ کرو. الله تمهارے هاتهوں
وَ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ	انهیں عذاب دے گا، انهیں
وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ	رسوائی میں ڈالے گا، ان پر
مُّؤْمِنِيْنَ ۙ ١٤	تمهیں فتح مند کرے گا اور

جماعت مومنیں کے دلوں کے سارے دکھ دور کردے گا ١٤.

= بدکرداریوں سے باز آجائیں. چنانچه یهی وجه هے که ناگزیر حالت سے زیاده ایك لمحه کے لیے بهی قرآن نے جنگ کا قیام جائز نہیں رکھا اور پے در پے عهد شکنیوں اور سخت سے سخت مظالم کے بعد بهی دشمنوں پر دروازه کبهی بند نہیں کیا.

١٤ - آیت ١٤ میں چھ باتیں فرمائی تهیں:

(ا) تمهارے هاتهوں انهیں عذاب ملے گا.

(ب) وه رسوا هوں گے.

(ج) تم فتح مند رهو گے.

(د) مومنوں کے دلوں میں اپنی مصیبتوں اور اندوهوں کے جتنے دکھ هیں سب دور هو جائیں گے. =

= کیوں کر عہد سمجھا جاسکتا ہے؟ ہاں جو فریق اس عہد پر قائم رہے تو یقیناً ان کا عہد اپنی جگہ قائم ہے. اسلام کسی حال میں بھی بد عہدی جائز نہیں رکھ سکتا ".

فرمایا: " ان کی دلی عداوت کا یہ حال ہے کہ اگر اب بھی قابو پا جائیں تو ایك مومن کو زندہ نہ چھوڑیں. اگر ایسے لوگوں کے خلاف اعلان جنگ نہ کیا جاتا تو نتیجہ یہ نکلتا کہ مسلمان دائمی خطرے میں چھوڑ دیے جاتے".

آیت ١٣ میں فرمایا: " یہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس کی ابتدا کس نے کی؟ کس نے مظلوموں کو جلا وطنی پر مجبور کیا اور کون فوج لے کر ان پر حملہ آور ہوا؟ یہی لوگ تھے جو سب کچھ کرتے رہے. اب اگر ہم ان کے خلاف ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہوے ہیں تو اس کی ذمہ داری انھیں پر ہے".

پھر غور کرو! قرآن ہر جگہ اس جنگ کا مقصد کیا قرار دیتا ہے جس کی اس نے اجازت دی تھی؟ آیت ١٢ میں فرمایا "لعلهم ينتهون" تاکہ ظلم و بد عہدی سے باز آجائیں.

اسی طرح سورۂ انفال کی آیت ٥٧ میں گزر چکا ہے "لعلهم يذكرون" تاکہ عبرت پذیر ہوں. یعنی یہ دفاعی جنگ بھی انتقام کے خیال سے یا دنیوی انتفاع و تغلب کے لیے نہیں ہے، بلکہ محض اس لیے ہے کہ ظالم اپنے ظلم و تشدد اور =

وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ
يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ
وَلِيْجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ ۟ع ١٦

٢ ع ٨

سمجھ رکھا ھے کہ تم اتنے ھی میں چھوڑ دیے جاؤ گے؟ حالانکہ ابھی تو اللہ نے ان لوگوں کو پوری طرح آزمایش میں ڈالا ھی نہیں، جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا ھے اور اللہ، اس کے رسول اور مؤمنوں کو چھوڑ کر کسی کو اپنا پوشیدہ دوست نہیں بنایا ھے۔ (یاد رکھو!) جیسے کچھ بھی تمہارے اعمال ھیں خدا ان سب کی خبر رکھنے والا ھے ١٦۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ
يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ
عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ
اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ
وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۟ ١٧

مشرکوں کو اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں ایسی حالت میں کہ وہ خود اپنے کفر کا اعتراف کر رھے ھیں۔ یہ وہ لوگ ھیں

وَ يُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ان کے دلوں کی جلن باقی نہیں
وَ يَتُوْبُ اللهُ عَلٰى مَنْ رھے گی۔ اور(پھر جس پر
يَّشَآءُ وَ اللهُ عَلِيْمٌ چاھے گا اپنی رحمت سے لوٹ
حَكِيْمٌ ۝۱۵ آئے گا۔ الله سب کچھ جانتا
اور (اپنی ھر بات میں) حکمت رکھنے والا ھے ۱۵۔
اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا (مسلمانو!) کیا تم نے ایسا

= (ہ) ان کے دلوں کی جلن نکل جائے گی۔
(و) جنھیں توبہ ملنی ھے وہ تائب ھوں گے۔

چنانچہ غور کرو! کس طرح یہ تمام باتیں حرف بحرف پوری ھوئیں۔ مشرکین عرب کی ھستی ھمیشہ کے لیے مٹ گئی۔ انھیں مسلمانوں کے ھاتھوں جو بیس برس تک ان کے مظالم سہتے رھے تھے، ان کی قوت کا خاتمہ ھوگیا۔ ان کی رسوائی اس سے زیادہ کیا ھوگی کہ تاریخ کے صفحات پر ھمیشہ کے لیے ثبت ھوگئی۔ اور پھر مسلمانوں کے دلوں کو مظلومیت و بے چارگی کے سارے دکھوں سے کیسی شفاء کامل ملی کہ پچیس برس کے اندر وہ کرۂ زمین کی سب سے بہتر قوم بن گئے۔

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ فی الحقیقت مسجدوں کو آباد
مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ کرنے والا تو وہ ہے جو

= سجادہ نشینی، کسی مزار کی مجاوری، کسی زیارت گاہ کا متولی ہونا جو اثر و رسوخ رکھتا ہے وہ بڑے سے بڑے اور بہتر سے بہتر مومن و متقی کو بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ ایک صالح و متقی مسلمان کو کوئی نہیں پوچھے گا، لیکن ایک بد عمل مجاور یا متولی درگاہ کی ہزاروں آدمی قدم بوسی کریں گے۔

یہاں اسی گم راہی کا ازالہ کیا ہے۔ فرمایا: اصلی نیکی یہ نہیں ہے کہ حاجیوں کو پانی پلانے کی سبیل لگا دی یا خانہ کعبہ میں روشنی کر دی۔ اصلی نیکی تو اس کی ہے جو ایمان لایا اور جس نے اعمال حسنہ انجام دیے۔

پھر یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ خدا کی عبادت گاہ کی تولیت کا حق متقی مسلمانوں کو پہنچتا ہے اور وہی اسے آباد رکھنے والے ہو سکتے ہیں۔ یہاں سے بات معلوم ہو گئی کہ فاسق و فاجر آدمی مساجد کا متولی نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ دونوں میں کوئی مناسبت باقی نہیں رہتی بلکہ متضاد باتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ مسجد خدا پرستی کا مقام ہے اور متولی خدا پرستی سے نفور۔

که ان کے سارے عمل اکارت گئے اور وہ عذاب آتش میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ١٧ .

١٧ - آیت ١٧ سے سلسلہ بیان ایک دوسرے معاملے کی طرف متوجہ ہوا ہے جس کا اس موقع پر اعلان کیا گیا تھا اور جو فی الحقیقت اس صورت حال کا لازمی نتیجہ تھا، یعنی خانہ کعبہ کی مستقل حیثیت. فرمایا: "یہ پرستاران توحید کی عبادت گاہ تھی اور اب آیندہ بھی انھیں کے لیے مخصوص رہے گی مشرکوں کو یہ حق نہیں کہ اسے اپنے مشرکانہ اعمال و رسوم سے ملوث کریں، چنانچہ اوپر گزر چکا ہے کہ سنہ ٩ ھجری کے حج میں حضرت علی نے جن امور کا اعلان عام کیا ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ آیندہ سال سے (٣٤) خانہ کعبہ موحدوں کی عبادت کے لیے مخصوص ہو جائے گا اور اسی حکم کی یہ تمہید ہے جو آیت مذکورہ سے شروع ہوئی ہے .

قریش مکہ کو خانہ کعبہ کی مجاوری اور حاجیوں کے کاروبار کے منصرم ہونے کا بڑا غرور تھا . اور جب ایک جماعت اعتقاد و عمل کی حقیقت سے محروم ہو جاتی ہے تو اسی طرح کے رسوم و مظاہر کو ہر طرح کی بزرگی و سعادت کا ذریعے سمجھنے لگتی ہے . چنانچہ آج کل مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے . کسی بزرگ کی =

لَا يَسْتَوُنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ هے جیسا اس شخص کا کام
وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ جو الله پر اور آخرت کے دن پر
الظّٰلِمِينَ ۝ ١٩ ایمان لایا اور الله کی راہ میں

رکوع ۳ (margin)

جہاد کیا؟ الله کے نزدیک تو یہ دونوں برابر نہیں ۔ اور الله (کا قانون ھے کہ وہ) ظلم کرنے والوں پرا (کام یابی کی) راہ نہیں کھولتا ١٩ .

اَلَّذِينَ اٰمَنُوا وَ هَاجَرُوا جو لوگ ایمان لائے، ھجرت کی
وَ جٰهَدُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اور اپنے مال اور جان سے الله
بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ۙ کی راہ میں جہاد کیا تو یقیناً
اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۚ الله کے نزدیک ان کا بہت بڑا
وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُونَ ۝ ٢٠ درجہ ھے اور وھی ھیں جو
کام یاب ھونے والے ھیں ٢٠ .

٢٠ – آیت ٢٠ میں واضح کر دیا کہ الله کے نزدیک بزرگی و فضیلت کا معیار کیا ھے. فرمایا: سب سے بڑا درجہ انھیں کا ھے جنھوں نے سچائی کی راہ میں ھر طرح کی قربانیاں کیں اور ایمان و عمل کی آزمایش میں پورے =

الْاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى	الله پر اور آخرت کے دن پر
الزَّكٰوةَ وَ لَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ	ایمان لایا، نماز قائم کی، زکوة
فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ	ادا کی اور الله کے سوا اور
يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۞ ۱۸	کسی کا ڈر نہ مانا. جو لوگ

ایسے ھیں انہیں سے توقع کی جا سکتی ھے کہ وہ (سعادت
و کامیابی کی) راہ پانے والے ثابت ھوں گے ۱۸ .

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ	کیا تم لوگوں نے یوں ٹھیرا
وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ	رکھا ھے کہ حاجیوں کے لیے
كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ	سبیل لگا دینی اور مسجد حرام
الْاٰخِرِ وَ جٰهَدَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط	کو آباد رکھنا اسی درجہ کا کام

۱۸ – آیت ۱۸ میں مومن صادق کی جو تعریف بیان
کی اس میں ایمان باللہ اور قیام صلوة اور اداء زکوة کے
ساتھ یہ بھی فرمایا کہ " الله کے سوا کسی کا ڈر نہ مانا ".
اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک اسلام کے فکری
و عملی ارکان میں سے ایک رکن یہ بھی ھے اور جس دل
میں ما سوی الله کی دهشت ھو وہ پورا مسلمان نہیں .

باغوں کی جہاں ان کے لیے ہمیشگی کی نعمت ہوگی ۲۱ .

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اور وہ ان میں ہمیشہ رہنے

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ ۲۲ والے ہوں گے . یقیناً اللہ کے

پاس (نیک کرداروں کے لیے) بہت بڑا اجر ہے ۲۲ .

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مسلمانو! اگر تمہارے باپ اور

لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ تمہارے بھائی ایمان کے مقابلے میں

وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ کفر کو عزیز رکھیں تو انہیں

اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى اپنا رفیق و کارساز نہ بناؤ . اور

الْاِيْمَانِ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ جو کوئی بنائے گا تو ایسے ہی

مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ لوگ ہیں جو (اپنے اوپر) ظلم

الظّٰلِمُوْنَ ۝ ۲۳ کرنے والے ہیں ۲۳ .

---

۲۳ - اوپر گزر چکا ہے کہ یہ سورت سنہ ۹ ھ میں نازل

ہوئی تھی اور ابتدائی آیتیں سال کے آخری مہینوں یعنی

حج کے مہینوں میں اعلان عام کی غرض سے مشتہر =

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ	ان کا پروردگار انہیں اپنی
مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ	رحمت اور کامل خوشنودی
لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۙ ٢١	کی بشارت دیتا ہے ، نیز ایسے

= اترے۔ تمہارے گھڑے ہوئے تقدس و بزرگی کے مناصب اور رواجی بڑائیاں اللہ کے نزدیک کوئی حقیقت نہیں رکھتیں ۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ آج کل مسلمانوں کی عام مذہبی ذہنیت کس درجہ اسلام سے دور ہو گئی ہے ۔ جاہلیت عرب کی طرح وہ بھی رواجی نیکیوں کو حقیقی اسلامی نیکیوں پر ترجیح دینے لگے ہیں ۔ اگر ایک بدعمل امیر محرم میں سبیل لگا دیتا ہے یا ربیع الاول میں دھوم دھام سے مولود کی مجلس کر دیتا ہے یا کسی مسجد اور درگاہ میں بجلی کی روشنی کرا دیتا ہے تو تمام مسلمان اس کی حمد و ثنا کا غلغلہ مچا دیتے ہیں اور کوئی یہ نہیں دیکھتا کہ اس کے ایمان و عمل اور ایثار فی اللہ و للہ کا کیا حال ہے ۔ سو یاد رکھنا چاہیے کہ رواجی نیکیاں اللہ کے نزدیک نیکیاں نہیں ہیں ۔ نیکی کا معیار صرف ایمان و عمل اور ایمان و عمل کی راہ میں ایثار ہے ۔

= (ج) عام مسلمانوں میں بھی فتح و عروج کی وجہ سے کچھ نہ کچھ بے پروائی سی پیدا ہو گئی تھی۔ لوگ خیال کرتے ہوں گے "اب تو تمام عرب کلمہ حق کے آگے جھک رہا ہے اور دشمنوں میں کچھ دم خم باقی نہیں رہا"، حالانکہ مشیت الٰہی نے عروج اسلام کا جو نقشہ کھینچا تھا وہ کچھ اور ہی تھا۔ اور اس موقع پر طبیعتوں کی بے پروائی نہ صرف مستقبل کے لیے بلکہ موجودہ حالت کے لیے بھی خطرے سے خالی نہ تھی۔

پس ضروری تھا کہ مسلمانوں کو ایمان و عمل کے عزائم کی از سر نو تلقین کی جائے اور یاد دلایا جائے کہ آزمایش ابھی ختم نہیں ہوئی ہے، بلکہ شروع ہوئی ہے۔ ازانجملہ اس اعلان جنگ کی آزمایش ہے جسے دشمنوں کے غدر و فریب نے ناگزیر کردیا ہے اور ملک کے امن و امان کا استحکام اس کے بغیر ممکن نہیں۔

چنانچہ پہلے آیت ۱۶ میں فرمایا تھا: "ایسا نہ سمجھو کہ تم اتنے ہی میں چھوڑ دیے جاؤ گے جتنا کچھ ہو چکا ہے، بلکہ ابھی ایمان و عمل کی آزمایشیں باقی ہیں"۔ اب یہاں سچے مومنوں کی فضیلت بیان کرنے کے بعد آیت ۲۳ میں خصوصیت کے ساتھ توجہ دلائی کہ ایمان کا دعوی اور مومنوں کے دشمنوں سے موالات ایک دل میں ==

= کی گئیں . یہ وہ وقت تھا کہ مکہ فتح ہو چکا تھا ، جنگ حنین نے دشمنوں کی رهی سہی قوت بھی ختم کردی تھی ، غروۂ تبوك میں تیس ہزار مسلمانوں نے شرکت کی تھی اور جزیرۂ عرب میں مسلمانوں کے سوا اور کوئی قوت نظر نہیں آتی تھی . تاہم صورت حال کے بعض پہلو ایسے تھے جو کمزوری سے خالی نہ تھے :

(ا) مکہ کے طلقاء کا ایك بڑا گروہ نیا نیا مسلمانوں میں داخل ہوا تھا ، یعنی ان باشندگان مکہ کا جنہیں پیغمبر اسلام نے عفو و بخشش کی ایك بے نظیر مثال قائم کرتے ہوئے فتح مکہ کے دن آزاد کردیا تھا اور فرمایا تھا : ”انتم الطلقاء ، آج تم سے کوئی باز پرس نہیں“ . یہ ابھی اسلامی زندگی کی پختگی کے محتاج تھے اور ان میں سے بہتوں کے عزیز و اقرباء دشمنوں میں ملے ہوئے تھے . جب اعلان جنگ ہوا تو انہیں ایسے قرابت داروں کی فکر ہوئی . بعضوں نے جاهلیت کے نسبی اور خاندانی عصبیت کی صدا بھی بلند کی جو ابھی پوری طرح ان کے دلوں سے محو نہیں ہوئی تھی .

(ب) منافق اور کچے دل کے آدمی بھی ابھی باقی تھے . وہ کہنے لگے : اب جنگ کے اعلان کی ضرورت کیا ہے ؟ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا . =

زیادہ پیاری ہیں تو (کلمۂ حق تمہارا محتاج نہیں) انتظار کرو، یہاں تک کہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لے آئے. اور اللہ (کا مقررہ قانون ہے کہ وہ) فاسقوں پر (کامیابی و سعادت کی) راہ نہیں کھولتا ۲٤.

---

۲٤ - آیت ۲٤ مہمات مواعظ میں سے ہے اور اس باب میں قطعی ہے کہ اگر حب ایمانی و غیر ایمانی میں مقابلہ ہو جائے تو مومن وہ ہے جس کی حب ایمانی پر دنیا کی کوئی محبت اور علاقہ بھی غالب نہ آ سکے. یہاں آٹھ چیزوں کا ذکر کیا ہے اور اگر غور کرو گے تو ایک متمدن زندگی کے تمام علائق ان میں آ گئے ہیں. نیز جس ترتیب سے ذکر کیا ہے علائق کی گیرئیوں کی قدرتی ترتیب یہی ہے.

فرمایا: انسان کی مدنی زندگی کی الفتوں کے بڑے رشتے یہی ہیں اور اپنی جگہ سب مطلوب و ضروری ہیں، لیکن اگر محبت ایمانی میں اور ان میں مقابلہ ہو جائے تو پھر مومن وہ ہے جس پر ان تمام الفتوں میں سے کسی الفت کا بھی جادو چل نہ سکے اور کوئی علاقہ بھی اسے اتباع حق سے روک نہ سکے.

غور کرو! قرآن فطرت انسانی کی کمزوری کا کس طرح کھوج لگاتا ہے! فرمایا: ''اور تجارت جس کے =

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ	(اے پیغمبر! مسلمانوں سے)
وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ	کہہ دے "اگر ایسا ہے کہ
وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ	تمہارے باپ، تمہارے بیٹے،
وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا	تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں،
وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا	تمہاری برادری، تمہارا مال جو
وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ	تم نے کمایا ہے، تمہاری تجارت
اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	جس کے مندا پڑ جانے سے
وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا	ڈرتے ہو، تمہارے رہنے کے
حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ	مکانات جو تمہیں اس قدر پسند
٣ ع ٩ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ع ٢٤	ہیں، یہ ساری چیزیں تمہیں اللہ

سے، اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے

= جمع نہیں ہو سکتے۔ اگر باپ اور بھائی بھی دشمنوں میں سے ہوں جب بھی تمہیں ان سے کوئی علاقہ نہیں رکھنا چاہیے۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ	(مسلمانو!) یہ واقعہ ہے کہ اللہ
مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ ۙ وَّ یَوْمَ	بہت سے موقعوں پر تمہاری
حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ	مدد کر چکا ہے (جب کہ تمہیں
كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ	اپنی قلت و کم زوری سے کامیابی
عَنْكُمْ شَیْـًٔا وَّ ضَاقَتْ	کی امید نہ تھی) اور جنگ
عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا	حنین کے موقع پر بھی جب کہ
رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ	تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے
مُّدْبِرِیْنَ ۚ ۲۵	(اور سمجھے تھے کہ محض اپنی

کثرت سے میدان مار لوگے) تو دیکھو وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی ساری وسعت پر بھی تمہارے لیے تنگ ہو گئی، بالآخر ایسا ہوا کہ تم میدان کو پیٹھ دکھا کر بھاگنے لگے ۲۵ .

= سب کچھ پایا جو انسانوں کی کوئی جماعت پاسکتی ہے .
لیکن آج ہمارا حال کیا ہے ؟ کیا ہم میں سے کسی کو جرأت ہو سکتی ہے کہ یہ آیت سامنے رکھ کر اپنے ایمان کا احتساب کرے ؟ .

= مندا پڑ جانے کا تمھیں ڈر لگا رہتا ھے" یعنی عزائم و مقاصد کی راہ میں جب کبھی قدم اٹھایا جائے گا تو ناگزیر ھے کہ صورت حال میں انقلاب ھو اور جب انقلاب ھو گا، خواہ جنگ کی صورت میں ھو، خواہ کسی دوسری صورت میں تو عارضی طور پر کاروبار ضرور بگڑے گا، مال و جائداد کے لیے خطرات ضرور پیدا ھوں گے .

اور یہی بات مال و دولت کے پرستاروں پر ھمیشہ شاق گذرتی ھے . وہ کہتے ھیں : "ھمارا کاروبار خراب ھو جائے گا" اور نہیں جانتے کہ اگر راہ حق میں استقامت دکھائیں تو جو کچھ خراب ھو گا وہ بہت تھوڑا ھو گا اور پھر جو کچھ بنے گا وہ بہت زیادہ ھو گا" و ان اللہ عندہ اجر عظیم " .

محبت ایمانی کی اس آزمایش میں صحابۂ کرام جس طرح پورے اترے اس کی شہادت تاریخ نے محفوظ کرلی ھے اور محتاج بیان نہیں . بلا شائبۂ مبالغہ کہا جا سکتا ھے کہ دنیا میں انسانوں کے کسی گروہ نے کسی انسان کے ساتھ ایسے سارے دل اور اپنی ساری روح سے ایسا عشق نہیں کیا ھو گا جیسا صحابہ نے اللہ کے رسول سے راہ حق میں کیا . انھوں نے اس محبت کی راہ میں سب کچھ قربان کردیا جو انسان کرسکتا ھے اور پھر اسی کی راہ سے =

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ — پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور
عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ — مومنوں پر اپنی جانب سے دل

= عباس کو حکم دیا کہ اصحاب سمرہ کو پکاریں، یعنی صلح حدیبیہ کے موقع پر بیعت رضوان کرنے والوں کو. ان کی ندا کا بلند ہونا تھا کہ ہمت و شجاعت کی نئی لہر سب کے دلوں میں دوڑ گئی اور پھر لوٹ کر اس بے جگری سے حملہ کیا کہ دشمنوں کے قدم اکھاڑ دیے.

یہ حادثہ فی الحقیقت اللہ کی طرف سے مسلمانوں کی تادیب تھی، تاکہ محض کثرت تعداد ہی کو کام یابی کی بنیاد نہ سمجھ لیں. بلا شبہ تعداد کی کثرت بھی موجبات فتح میں سے ہے، لیکن صرف اسی سے فتح مندی نہیں مل سکتی. اصلی چیز دل کی استعداد ہے اور وہ موجود ہو تو مٹھی بھر انسان سینکڑوں انسانوں پر غالب آ جا سکتے ہیں.

فرمایا: اللہ نے تمھیں بہت سی جنگوں میں نصرت دی، حالانکہ تم بہت تھوڑے تھے اور ڈرتے تھے کہ کام یابی نہیں ہو گی. اور پھر حنین کے دن بھی فتح مندی دی جب کہ تمھیں اپنی کثرت تعداد کا غرہ تھا اور کثرت تعداد نے کچھ کام نہیں دیا تھا.

۲۵ - آیت ۲۵ میں جنگ حنین کی طرف اشارہ ھے۔
سنہ ۸ ھ میں فتح مکہ کے بعد قبیلۂ ھوازن اور ثقیف نے بنی نضر اور بنی ھلال کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا تو پیغمبر اسلام مکہ سے نکلے اور حنین نامی وادی میں مقابلہ ھوا اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد دشمنوں سے تین گنا زیادہ تھی ، اس لیے لوگوں کو اپنی کثرت تعداد کا گھمنڈ ھو گیا تھا . کہتے تھے : " اب وہ دن نہیں رھا کہ تعداد کی کمی کی وجہ سے مغلوب ھو جائیں ". نتیجہ یہ نکلا کہ وقت پر تعداد کی کثرت کچھ کام نہ آئی اور فتح ملی ھوئی تو محض پیغمبر اسلام اور ان کے ساتھ مٹھی بھر مسلمانوں کے عزم و ھمت سے .

مسلمانوں کو پہاڑ کی ایک تنگ گھاٹی سے گزرنا تھا . وھاں دشمنوں کے تیر انداز گھات لگائے بیٹھے تھے . مسلمانوں کی فوج میں دو ھزار مکہ کے نئے نئے نو مسلم اور بعض معاھد مشرک بھی تھے . جونہیں انھوں نے قدم بڑھایا دشمنوں نے تیروں پر رکھ لیا اور اچانك ان کے قدم اکھڑ گئے . انھیں بھاگتا دیکھ کر تمام لشکر نے بھی بھاگنا شروع کر دیا . قریب تھا کہ شکست ھو جائے ، مگر اللہ نے پیغمبر اسلام کے قلب مبارك کو ایسے سکون و قرار کی روح سے معمور کر دیا . آپ نے حضرت =

خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ ۲۸

پس چاهیے که اب اس برس کے بعد سے (یعنی سنه ۹ هجری کے بعد سے) مسجد حرام کے نزدیک نه آئیں اور اگر تم کو (ان کی آمد و رفت کے بند هو جانے سے) فقر و فاقه کا اندیشه هو (که وه هر طرح کی ضروری چیزیں باهر سے لاتے اور تجارت کرتے هیں) تو گهبراؤ نهیں ، الله چاهے گا تو عن قریب تمهیں اپنے فضل سے تونگر کر دے گا . الله سب کچھ جانتا (اور اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا هے ۲۸ .

---

۲۸ - آیت ۲۸ میں اسی حکم کا ذکر هے جو اوپر گزر چکا هے ، یعنی آینده سے کوئی مشرک اس عبادت گاه میں جو حضرت ابراهیم اور حضرت اسماعیل نے خدائے واحد کی پرستش کے لیے بنائی تهی ، داخل نه هو سکے گا اور یه مقام امت مسلمه کے لیے مرکز هدایت بن کر رهے گا جیسا که فی الحقیقت اسے هونا تها .

اس آیت میں مشرکوں کے نجس هونے سے مقصود ان کی قلبی نجاست هے نه که جسمانی ، کیوں که اسلام =

وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا	کا سکون و قرار نازل فرمایا
وَ عَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ	اور ایسی فوجیں اتاردیں جو
وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۞ ٢٦	تمہیں نظر نہیں آئی تھیں اور

(اس طرح) ان لوگوں کو عذاب دیا جنھوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی اور یہی جزا ہے ان لوگوں کی جو کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں (یعنی ان کی بد عملی کا لازمی نتیجہ یہی ہے) ٢٦ .

ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ	پھر اس کے بعد اللہ جس پر
ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ	چاہے گا اپنی رحمت سے لوٹ
وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ ٢٧	آئے گا (یعنی توبہ قبول کرلے گا)

اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے ٢٧ .

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا	مسلمانو! حقیقت حال اس کے
الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا	سوا کچھ نہیں ہے کہ مشرک نجس
يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ	ہیں (یعنی شرک نے ان کے
بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَ اِنْ	دلوں کی پاکی سلب کرلی ہے)،

الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ حنهیں الله اور اس کے رسول
عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ۲۹ ع نے (ان کی کتاب میں) حرام ٤ ع ١٠
ٹھیرا دیا ہے، اور نہ سچے دین ہی پر عمل پیرا ہیں تو (مسلمانو!)
ان سے (بھی) جنگ کرو، یہاں تک کہ وہ اپنی خوشی سے جزیہ
دینا قبول کرلیں اور حالت ایسی ہو جائے کہ ان کی سرکشی
ٹوٹ چکی ہو ۲۹ ۔

---

۲۹ - آیت ۲۹ میں مشرکین عرب کی طرح عرب کے یہودیوں اور شام کے عیسائیوں کے خلاف بھی جنگ کا حکم دیا ہے۔ اور یہی آیت جزیہ کے باب میں اصل و بنیاد ہے۔ اس کی تشریح سورت کے آخری نوٹ میں ملے گی۔

چوں کہ سلسلۂ بیان اہل کتاب کی طرف متوجہ ہو گیا تھا، اس لیے آیت ۳۰ تک ان کی اعتقادی اور عملی گمراہیوں کے اصول و مبادی واضح کیے ہیں اور دعوت قرآنی کی دائمی فتح مندی کی بشارت دی ہے۔ ان کی ضروری تشریح بھی سورت کے آخری نوٹ میں ملے گی۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ	اهل کتاب میں سے جن لوگوں
بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	کا یہ حال ہے کہ نہ تو خدا پر
وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ	(سچا) ایمان رکھتے ہیں، نہ
وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ	آخرت کے دن پر، نہ ان
الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا	چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں

= کسی انسان کے جسم کو ناپاک نہیں قرار دیتا اور ہر انسان کو انسان ہونے کے لحاظ سے ایک درجے پر رکھتا ہے. اور یہی وجہ ہے کہ اسلام نے چھوت چھات کی ہر قسم اور ہر شکل کو ناجائز قرار دیا ہے. خود پیغمبر اسلام کا یہودیوں اور مشرکوں سے ہر طرح کی معاشرت رکھنا، ایک ساتھ کھانا پینا، ان کی دعوتوں میں جانا اور انہیں دعوتوں میں بلانا حتی کہ انہیں مسجد کے اندر ٹھیرانا ثابت ہے.

بالاتفاق یہ حکم صرف خانۂ کعبہ سے تعلق رکھتا ہے. عام مساجد میں غیر مسلموں کے لیے کوئی شرعی روک نہیں، چنانچہ پیغمبر اسلام نے یمن کے عیسائیوں اور طائف کے مشرکوں کو اپنی مسجد میں ٹھیرایا تھا.

سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾ وہ اس کے سوا کچھ نہ تھا

کہ ایک خدا کی بندگی کرو۔ کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی۔
اس کی پاکی ہو اس ساجھے سے جو یہ اس کی ذات میں
لگا رہے ہیں ۳۱۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾

یہ لوگ چاہتے ہیں اللہ کی روشنی اپنی پھونکوں سے بجھا دیں، حالانکہ اللہ یہ روشنی پوری کیے بغیر رہنے والا نہیں اگرچہ کافروں کو پسند نہ آئے ۳۲۔

هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

(ہاں!) وہی ہے جس نے اپنے رسول کو حقیقی ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا، تاکہ اس دین کو تمام (ٹھہرائے ہوئے) دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرکوں کو ایسا ہونا پسند نہ آئے ۳۳۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ ٣٠

اور یہودیوں نے کہا "عزیر اللہ کا بیٹا ہے" اور عیسائیوں نے کہا "مسیح اللہ کا بیٹا ہے". یہ ان کی باتیں ہیں محض ان کی زبان سے نکالی ہوئی (ورنہ سمجھ بوجھ کر کوئی ایسی بات نہیں کہہ سکتا). ان لوگوں نے بھی انہیں کی سی بات کہی جو ان سے پہلے کفر کی راہ اختیار کر چکے ہیں. ان پر اللہ کی لعنت! یہ کدھر کو بھٹکے جا رہے ہیں ۳۰.

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو پروردگار بنا لیا اور مریم کے بیٹے مسیح کو بھی، حالانکہ انہیں جو کچھ حکم دیا گیا تھا

لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ	ان کے ماتھے، ان کے پہلو اور
تَكْنِزُوْنَ ۞٣٥	ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی

(اور اس وقت کہا جائے گا:) یہ ہے جو تم نے اپنے لیے ذخیرہ کیا تھا. سو جو کچھ ذخیرہ کر کے جمع کرتے رہے اس کا مزہ آج چکھ لو ٣٥.

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ	الله کے نزدیک مہینوں کی گنتی
اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ	بارہ مہینے کی ہے. الله کی
يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ	کتاب میں ایسا ہی لکھا گیا
مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ	جس دن آسمانوں کو اور زمین
الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۵ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا	کو اس نے پیدا کیا (یعنی جب
فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا	سے اجرام سماویہ بنے ہیں، خدا
الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا	کا ٹھیرایا ہوا حساب یہی ہے).
يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ	ان بارہ مہینوں میں سے چار
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ	مہینے حرمت کے مہینے ہوئے

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ ٣٤

مسلمانو! یاد رکھو! (یہودیوں اور عیسائیوں کے) علماء اور مشائخ میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو لوگوں کا مال ناحق نارو‌ا کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے انہیں روکتے ہیں۔ اور جو لوگ چاندی سونا ایسے دھیروں میں ڈھیر کرتے رہتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کو عذاب دردناک کی خوش خبری سنا دو ٣٤۔

يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ

عذاب دردناک کا وہ دن جب کہ (ان کا جمع کیا ہوا) سونے چاندی کا ڈھیر دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا اور اس سے

اس میں لڑائی جائز کر دیتے ھیں) اور پھر اسی کو دوسرے برس
حرام کر دیتے ھیں (یعنی اس میں لڑائی نا جائز کر دیتے ھیں) تا کہ
اللہ نے حرمت کے مہینوں کی جو گنتی ٹھیرا دی ھے اسے اپنی
گنتی سے مطابق کر کے اللہ کے حرام کیے ھوے مہینوں کو
حلال کرلیں ۔ ان کی نگاھوں میں ان کے برے کام خوش نما
ھو کر دکھائی دیتے ھیں۔ اور اللہ (کا قانون ھے کہ وہ) منکرین
حق پر (کام یابی و سعادت کی) راہ نہیں کھولتا ۳۷ ۔

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مَا لَكُمْ — مسلمانو! تمھیں کیا ھوگیا ھے کہ
إِذَا قِيلَ لَكُمُ ٱنفِرُوا۟ فِى — جب تم سے کہا جاتا ھے " اللہ کی راہ
سَبِيلِ ٱللَّهِ ٱثَّاقَلْتُمْ إِلَى — میں قدم اٹھاؤ" تو تمھارے پاؤں

۳٦ و ۳۷ - چوں کہ اب خانۂ کعبہ اور حج کا معاملہ
جاھلیت کی تمام آلودگیوں سے پاك ھو گیا تھا، اس لیے
ضروری تھا کہ جاھلیت کی اس جاھلانہ رسم کا بھی ازالہ
کر دیا جاتا جس نے حج کا زمانہ مشتبہ کر دیا تھا اور
مہینوں کے حساب کا عرب میں کوئی معیار قائم نہیں
رھا تھا ۔ آیت ۳٦ اور ۳۷ میں اسی بات کا اعلان کیا ھے ۔
مزید تشریح کے لیے سورت کا آخری نوٹ دیکھو ۔

الْمُتَّقِينَ ۞ ۳٦ (یعنی رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ

اور محرم کہ امن کے مہینے سمجھے جاتے تھے اور لڑائی ممنوع تھی). دین کی سیدھی راہ یہ ہے، پس ان حرمت کے مہینوں میں (جنگ و خون ریزی کر کے) اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو. اور چاہیے کہ تمام مشرکوں سے بلا استثناء جنگ کرو جس طرح وہ تم سب سے بلا استثناء جنگ کرتے ہیں. اور (ساتھ ہی) یاد رکھو کہ اللہ انہیں کا ساتھی ہے جو (ہر حال میں) تقوے والے ہیں ۳٦.

إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ ۚ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۞ ع ۳۷

''نسیء'' (یعنی مہینے کو اس کی جگہ سے پیچھے ہٹا دینا جیسا کہ جاہلیت میں دستور ہو گیا تھا) اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ کفر میں کچھ اور بڑھ جانا ہے، اس سے کافر گمراہی میں پڑتے ہیں. ایک ہی مہینے کو ایک برس حلال سمجھ لیتے ہیں (یعنی

ع ٥ ١١

= عرب سے باهر كی ایك سب سے بڑی طاقت ور شہنشاهیت آمادۂ پیکار هوئی تهی ، اس لیے ضروری تها که بر وقت مدافعت کا پورا سامان کیا جاتا . چنانچـه پیغمبر اسلام نے تیاری اور کوچ کا اعلان کردیا .

لیکن اگر ایك طرف ضرورت نا گزیر تهی تو دوسری طرف وقت کی ساری باتیں نا موافق هو رهی تهیں . مسلمان چند ماه پہلے جنگ حنین وطائف کی لڑائی میں چور هو چکے تهے اور اس سے پہلے فتح مکه کا معاملـه پیش آچکا تها . پهر اچانك مسلمانوں کی تعداد بهت بڑھ گئی تهی اور چوں که مالی وسائل محدود تهے اور باهمی اشتراك و معاونت کی زندگی تهی ، اس لیے تنگی وعسرت سب پر چهائی هوئی تهی . پهر موسم بڑی هی گرمی کا تها اور فصل کاٹنے کا وقت سر پر آگیا تها . نیز سفر ملك کے اندر نه تها ، اس سے باهر چوده مرحلوں کا تها . ان سب باتوں نے مل کر مسلمانوں کے لیے بڑی هی مشکلیں پیدا کردیں اور قدرتی طور پر ان کے قدم رك رك کر اٹهنے لگے . حالت بلا شبه مجبوری کی تهی ، لیکن جب دفاع ملت کی گهڑی آجائے تو اس طرح کی کوئی مجبوری مجبوری تسلیم نہیں کی جاسکتی . اور اداء فرض کی راه بهر حال آسانیوں اور راحتوں کی راه نہیں هے . اس میں مشکلیں =

اَلْاَرْضِ ؕ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ بوجھل ھو کر زمین پکڑ لیتے ھیں ۔
الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا کیا آخرت چھوڑ کر صرف
مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی دنیا کی زندگی ھی پر ریجھ گئے
الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ ۞ ۳۸ ھو؟ (اگر ایسا ھی ھے) تو
(یاد رکھو!) دنیا کی زندگی کی متاع تو آخرت کے مقابلے میں اس کے سوا کچھ نہیں ھے کہ تھوڑا سا فائدہ اٹھا لیا ۳۸ ۔

---

۳۸ – اوپر گزر چکا ھے کہ اس سورت کی بقیہ آیتیں غزوۂ تبوک کے متعلق نازل ھوئی تھیں ، چنانچہ یہاں سے لے کر آخر تک اسی غزوہ کا بیان ھے اور جابجا موعظت و ارشاد کے مختلف اطراف و متعلقات بھی نمایاں ھوتے جاتے ھیں ۔

"تبوک" مدینہ اور دمشق کے درمیان ایک مقام کا نام ھے جس کے فاصلے کا آج کل مدینہ سے چھ سو دس ۶۱۰ کیلو میٹر حساب کیا گیا ھے ۔

سنہ ۹ ھ میں پیغمبر اسلام کو خبر ملی کہ قیصر روم نے یعنی قسطنطنیہ کی مشرقی رومی حکومت نے مدینہ پر حملے کا حکم دے دیا ھے اور عرب کے عیسائی قبائل بھی شامل ھو گئے ھیں ۔ یہ مسلمانوں کے لیے پہلا موقع تھا کہ =

إِلَّا تَنْفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۙ وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ٣٩

اگر قدم نہ اٹھاؤ گے تو یاد رکھو وہ تمھیں ایک ایسے عذاب میں ڈالے گا جو دردناک ہوگا اور تمھاری جگہ کسی دوسرے گروہ کو لا کھڑا کرے گا۔ اور تم (دواع سے عاول ھوکر) اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکو گے (اپنا ھی نقصان کرو گے)۔ اور اللہ تو ھر بات پر قادر ھے ٣٩۔

= چوں کہ اس فوج کی تیاری بڑی ھی تنگی و افلاس کی حالت میں ھوئی تھی، اس لیے جیش عسرت کے نام سے مشہور ھوئی۔

٣٩ - قرآن نے یہاں آیت ٣٩ میں اور بہ دیگر مقامات میں "استبدال اقوام" کا ذکر کیا ھے، یعنی ورمایا ھے: یاد رکھو! اگر تم نے اداء ورض میں کوتاھی کی تو خدا کا قانون اس طرح کا واقع ھوا ھے کہ تمھاری حگہ کسی دوسرے گروہ کو لا کھڑا کرے گا۔

تاریخ کا مطالعہ کرو تو اس "استبدال" کے مناظر =

= اور مصیبتیں جھیلنی ھی پڑیں گی، البتہ مصیبتیں عارضی ھوں گی اور نتائج کی کام رانیاں دوامی.

چنانچہ ان آیات میں مسلمانوں کو اسی حقیقت کی تلقین کی گئی ھے.

مومنین صادقین نے اس دعوت کا کیا جواب دیا اور ساری باتوں کے نا مواقق ھونے پر بھی کس جوش و سرگرمی کے ساتھ اٹھے؟ اس کا جواب تاریخ سے مل سکتا ھے. مختصر لفظوں میں یہ ھے کہ تیس ہزار مسلمانوں نے پیغمبر اسلام کے ساتھ کوچ کیا تھا. اور انفاق مال کی فدا کاریوں کا یہ حال تھا کہ اگر ایک طرف حضرت عثمان نے نوسو اونٹ پیش کر دیے تھے تو دوسری طرف ابو عقیل انصاری نے رات بھر ایک کھیت میں آب پاشی کر کے دو سیر چھوارے مزدوری میں حاصل کیے تھے اور وہ لا کر اللہ کے رسول کے قدموں پر رکھ دیے تھے.

اسی جوش تیاری کا یہ واقعہ ھے کہ حضرت ابو بکر نے اپنا تمام مال و متاع پیش کر دیا تھا، حتی کہ کرتے کی گھنڈیاں بھی توڑ کر شامل کر دی تھیں. اور جب اللہ کے رسول نے پوچھا تھا: ما ابقیت لاھلك: بیوی بچوں کے لیے کیا چھوڑ آئے؟ تو اس پیکر صدق و وفا نے جواب دیا تھا: اللہ و رسولہ! =

اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ	اور اس وقت کی ھے جب کافروں
اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ	نے اسے اس حال میں گھر سے
سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَ اَيَّدَهٗ	نکالا تھا کہ (صرف دو آدمی
بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَ جَعَلَ	تھے اور) دو میں دوسرا (اللہ
كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا	کا رسول) تھا اور دونوں غار
السُّفْلٰى ۗ وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ	(ثور) میں چھپے بیٹھے تھے۔
الْعُلْيَا ۗ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ	اس وقت اللہ کے رسول نے
حَكِيْمٌ ۝ ۴۰	اپنے ساتھی سے کہا تھا: غمگین

نہ ہو، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ھے (وہ دشمنوں کو ہم پر قابو پانے نہ دے گا)۔ پس اللہ نے اپنا سکون و قرار اس پر نازل کیا اور پھر ایسی فوجوں سے مددگاری کی جنھیں تم نہیں دیکھتے اور بالآخر کافروں کی بات پست کی اور (تم دیکھ رہے ہو کہ) اللہ ھی کی بات ھے جس کے لیے بلندی ھے اور اللہ غالب اور حکمت والا ھے ۴۰ ۔

۴۰ – آیت ۴۰ میں واقعۂ ہجرت کی طرف اشارہ =

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ	اگر تم اللہ کے رسول کی مدد
اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	نہیں کرو گے تو (نہ کرو)
ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ	اللہ نے اس کی مدد کی ھے

= تمہارے سامنے آجائیں گے اور قرآن پر تدبر کرو تو اس کے سنن و نوامیس واضح ھو جائیں گے .

حکمت الٰہی نے افراد کی طرح جماعتوں کی زندگی و قیام کے لیے بھی ایك خاص نظام مقرر کردیا ھے اور اسی کے مطابق ایك جماعت کی جگہ دوسری جماعت سے اور ایك قوم کی زندگی دوسری قوم کی زندگی سے ھمیشہ بدلتی رھتی ھے . قرآن کہتا ھے : افراد کے نظام حیات کی طرح جماعات کا نظام حیات بھی جد وجہد ، سعی و طلب اور فکر و عمل کی صلاحیت کا نظام ھے اور یہاں بھی "بقاء انفع" کا قانون کام کر رھا ھے ، یعنی وھی جماعت کش مکش حیات میں باقی رھتی ھے جو دنیا کے لیے انفع ھو ، جو انفع نہیں وہ چھانٹ دی جاتی ھے . پس جو جماعت اس قانون فطرت کے مطابق اپنے کو زندگی و بقاء کا اھل ثابت نہیں کرے گی ، ضروری ھے کہ اس کی جگہ دوسری جماعت کو مل جائے اور یہی "استبدال اقوام" ھے .

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا	(مسلمانوا ساز و سامان کے
وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ	بوجھ سے) ھلکے ھو یا بوجھل
وَ اَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ	جس حال میں ھو نکل
ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ	کھڑے ھو (که دفاع کے لیے

= دل کو نہیں روك سکتے تھے . اگر روك سکتے تو محبت کی عدالت کا فیصله ان کے حلاف ھوتا .

لیکن پیغمبر اسلام کے سکون قلب کا عالم دوسرا تھا . ان کا رفیق غار حب حوش محبت میں مضطرب ھوتا تو تسلی دیتے اور فرماتے " غم گین نه ھو، الله ھمارے ساتھ ھے ". خود حضرت ابوبکر کا بیان ھے که حب دشمن غار کے قریب آئے تو میں نے مضطرب ھو کر کہا: ان میں سے کسی نے پاؤں اونچا کیا تو ھمیں دیکھ لے گا . آنحضرت نے فرمایا: ابو بکر! تم ان دو آدمیوں کے لیے کیا خیال کرتے ھو حن کے لیے تیسرا خود الله ھے! (شیخین، عن انس) .

یہاں فرمایا: " الله نے اپنی جانب سے اس پر سکون و قرار اتارا " یعنی ابو بکر رضی الله عنه پر، کیوں که پیغمبر اسلام کا قلب مبارك تو پہلے ھی سے ساکن و برقرار تھا .

= کیا ھے حس کا ذکر سورۂ انفال میں بھی گزر چکا ھے (دیکھو آیت ۳۰) ۔ جب مکہ میں اعداء حق نے فیصلہ کر لیا کہ تمام قبائل کے لوگ مل کر بیك وقت پیغمبر اسلام پر حملہ کر دیں تو آپ کو ھجرت کا حکم ھوا ۔ آپ حضرت ابو بکر کو ساتھ لے کر ثور کے غار میں پوشیدہ ھو گئے حو مکہ سے تقریباً چھ میل کے فاصلہ پر ایك پہاڑ ھے ۔ یہاں آپ نے تین راتیں بسر کیں اور پھر مدینہ روانہ ھو گئے دشمن حو آپ کی تلاش میں تھے وہ یہاں بھی پہنچے، لیکن اللہ نے آپ کی حفاظت کا ایسا سامان کر دیا تھا کہ بغیر دیکھے بھالے واپس چلے گئے ۔

یہ تین راتیں حضرت ابو بکر نے کہ شمع نبوت کے پروانہ تھے ، حس عالم میں بسر کی ھوں گی اس کا اندازہ وھی کر سکتا ھے حس نے عشق و محبت کا کچھ بھی ذائقہ چکھا ھو ۔ اللہ کا رسول غار میں پوشیدہ تھا ، دشمن سراغ میں تھے ، ھر لمحہ اندیشہ تھا کہ کہیں سراغ نہ پالیں اور ایك مرتبہ ان کی صدائیں بھی کانوں میں آنے لگیں تھیں ۔ ایسی حالت میں ظاھر ھے کہ ان کے دل کے حزن و اضطراب کا کیا عالم ھو گا ! بلا شبہ انھیں یقین تھا کہ اللہ اپنے رسول کا مددگار ھے ، لیکن عشق و محبت کا قدرتی تقاضا ھے کہ محبوب کو خطرے میں دیکھ کر اضطراب ھو ۔ اس سے وہ اپنے =

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا	(اے پیغمبر!) اگر تمہارا بلاوا
وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ	کسی ایسی بات کے لیے ہوتا

= و معذور ہوں .

ابو راشد حرانی کہتے ہیں : میں نے مقداد بن اسود کو حمص میں دیکھا جنگ کے لیے نکل رہے تھے . میں نے کہا : خدا نے تمہیں معذور ٹھیرا دیا ہے (یعنی بوڑھے ہو) . انہوں نے کہا : "انفروا خفافا و ثقالا" کا کیا جواب ہے؟ حیان بن زید شرعبی سے مروی ہے کہ میں نے افیسس (Ephesus) جاتے ہوے فوج میں ایك نہایت بوڑھے آدمی کو دیکھا جس کی بھویں آنکھوں پر آ گری تھیں . میں نے متعجب ہو کر کہا : خدا نے معذوروں کو معاف نہیں کر دیا؟ اس نے کہا : خدا نے تو ہمیں ہر حال میں نکل کھڑے ہونے کا حکم دیا ہے "خفافا و ثقالا" . ابو ایوب انصاری سے بھی ایسا ہی مروی ہے (ابن جریر) .

یہ آیت اس باب میں قطعی ہے کہ جب دفاع کے لیے امام بلائے تو بجز ان معذوروں کے جنہیں آگے چل کر آیت ۹۱ میں مستثنیٰ کر دیا ہے ، ہر شخص پر واجب ہو جاتا ہے کہ جان و مال سے شریك جہاد ہو اور اس بارے میں کوئی عذر مسموع نہیں .

كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ٤١ تمھیں بلایا جا رہا ھے) اور اپنے مال سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو. اگر تم (اپنا نفع نقصان) جانتے ھو تو یہ تمھارے حق میں بہتر ھے ٤١ .

٤١ - آیت ٤١ میں فرمایا "خفافا و ثقالا"، خواہ ھلکے ھو خواہ بوجھل . یہاں اس سے مقصود کیا ھے؟ تو حق یہ ھے کہ استعداد اور کمی استعداد کی تمام حالتیں اس میں داخل ھیں . نوجوان نکل چلنے میں ھلکا ھوتا ھے ، زیادہ عمر کا آدمی بوجھل ھوتا ھے . سرگرم آدمی فوراً اٹھ کھڑا ھوگا ، کسل مند کے قدم بوجھل ھوں گے . جس کے علائق زیادہ ھیں وہ اپنے کو اتنا ھلکا نہ پائے گا جتنا ایك مجرد آدمی یا کم علائق رکھنے والا . اسی طرح کوئی سرو سامان سفر سے ھلکا ھوگا ، کوئی اسلحہ جنگ سے . اگر قرآن کے سمجھنے میں ھمیں صحابہ و سلف کے فہم کا اعتبار کرنا چاھیے ، نہ کہ بعد کے منطقی اصولیوں اور جدلی فقیھوں کا تو انھوں نے اس طرح کی ساری صورتیں اس میں داخل سمجھی تھیں اور جب کبھی جنگ کا عام اعلان ھو جاتا تو کسی حال میں بھی وہ اپنے کو شرکت سے معاف نہیں رکھتے تھے ، الا یہ کہ قطعاً عاجز =

= منافقوں کی نسبت سورۂ آل عمران کی آیت ۱۷۹ میں پڑھ چکے ہو کہ اللہ انہیں مومنوں سے ممتاز کرکے آشکارا کر دے گا. چنانچہ یکے بعد دیگرے ایسے مرحلے پیش آتے رہے جن میں نفاق کے چہروں کو بے نقاب ہونا پڑا. اس سلسلے کا آخری مرحلہ غزوۂ تبوك تھا.

پڑھ چکے ہو کہ اس موقع پر نا موافق حالات سے عام مسلمانوں کی سرگرمیاں بھی ابتداء میں کچھ دھیمی رہی تھیں، لیکن منافقوں کی حالت بالکل دوسری تھی. یہ حکم ان کے لیے پیام موت سے بھی زیادہ سخت ہوا. لگے حیلے بہانے کرنے. ہر شخص ایك نیا بہانہ گھڑ لاتا اور کہتا: "ویسے تو مجھے چلنے میں کوئی عذر نہیں، مگر مشکل یہ ہے کہ فلاں کام ناگزیر ہو گیا ہے، فلاں بات نا قابل حل ہو رہی ہے، فلاں الجھاؤ سلجھایا نہیں جا سکتا. اب جیسا آپ کا حکم ہو". مقصود یہ تھا کہ جھوٹی سچی مجبوریاں سنائیں گے تو پیغمبر اسلام کا اخلاق ایسا نہیں ہے کہ کسی کو مجبور کرکے لے جانا چاہیں. ان کی رحمت و رافت ہمیشہ رسی ڈھیلی چھوڑ دیتی ہے. وہ یہی کہیں گے کہ مجبور ہو تو نہ چلو.

چنانچہ ایسا ہی ہوا. پیغمبر اسلام ان کے حیلے بہانے=

وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكٰذِبُونَ ۝٤٢ ع ٦ ١٢

جس میں قریبی فائدہ نظر آتا اور ایسے سفر کے لیے جو آسان ہوتا تو (یہ منافق) بلا تأمل تمھارے پیچھے ہو لیتے. لیکن انھیں راہ دور کی دکھائی دی (اس لیے جی چرانے لگے).

اور (تم دیکھو گے کہ یہ) قسمیں کھا کر (مسلمانوں سے) کہیں گے "اگر ہم مقدور رکھتے تو ضرور تمھارے ساتھ نکلتے". (افسوس ان پر!) یہ (قسمیں کھا کر) اپنے کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ قطعاً جھوٹے ہیں ٤٢ .

٤٢ ـ اب آیت ٤٢ سے سلسلۂ بیان منافقوں کی طرف متوجہ ہوا ہے جن کے لیے غزوۂ تبوک کا معاملہ ایک آخری اور فیصلہ کن آزمایش ثابت ہوا تھا. اس نے تظاہر و نمایش کے تمام پردے چاک کر دیے. یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام اس سورت کو "الفاضحة" کے نام سے بھی پکارتے تھے، کیوں کہ اس نے منافقوں کے بھید کھول کر ان کی فضیحت کر دی. =

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ۝٤٣

(اے پیغمبر!) اللہ تجھے بخشے! تو نے ایسا کیوں کیا کہ (ان کی منافقانہ عذرداریوں پر) انہیں (پیچھے رہ جانے کی) رخصت دے دی؟ اس وقت تک رخصت نہ دی ہوتی کہ تجھ پر کھل جاتا کون سچے ہیں اور تو معلوم کر لیتا کون جھوٹے ہیں ٤٣۔

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

جو لوگ اللہ پر اور آخرت کے

---

٤٣ – آیت ٤٣ (٣٥) میں پیغمبر اسلام کو متنبہ کیا ہے کہ رحمت و درگذر کی ایک حد ہونی چاہیے۔ اب یہ اس کے مستحق نہیں کہ رسی اتنی ڈھیلی چھوڑ دی جائے۔

فرمایا: جب یہ لوگ ایک طرف تو جھوٹے عذر سناتے تھے، دوسری طرف یہ بھی کہتے جاتے تھے کہ جو آپ کا حکم ہو، تو بہتر تھا کہ تم انہیں پوری آزمایش میں ڈال دیتے، یعنی کہتے میرا حکم تو یہی ہے کہ چلنا چاہیے۔ نتیجہ یہ نکلتا کہ کھل جاتا کون یہ کہنے میں سچا تھا، کون ایسا کہہ دینے پر بھی نہ نکلنے والا تھا۔

= سنتے اور یہ دیکھ کر کہ بخوشی چلنے کے لیے تیار نہیں، کہہ دیتے ”اچھا تمھیں رخصت ہے“.

ان میں سے بعضوں نے بات بنانے کے لیے یہ بھی کہا کہ مال حاضر ہے، لے لیجیے، مگر نکلنا دشوار ہے.

اللہ تعالی نے ان آیات میں انھیں واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے. فرمایا: اگر کوئی ایسی بات ہوتی کہ فوری فائدہ دکھائی دیتا اور سفر بھی دور کا نہ ہوتا تو ان کے نفاق کو چھپنے کی آڑ مل جاتی جیسی بار بار مل چکی ہے. یہ فوراً تیرے پیچھے قدم اٹھا دیتے. ظاہر میں حکم کی تعمیل کرتے، دل میں دنیا کی طمع اور مکر وغدر کی چالیں ہوتیں. چنانچہ احد وغیرہ میں ایسا ہی کیا تھا. مگر انھیں مشکل یہ آپڑی کہ معاملہ نکل آیا عرب سے باہر دور دراز کا اور سفر کی مشقتیں ہوئیں بڑی ہی سخت. نہ تو دنیا کے نفع قریب کی توقع، نہ قرب مقام کی سہولت کا سہارا. پس بے بس ہوکر رہ گئے اور دکھاوے کے لیے ساتھ نہ نکل سکے. اللہ کی طرف سے یہی فیصلہ کن آزمایش تھی جس نے سارا بھانڈا پھوڑ کر رکھ دیا اور جب کبھی راہ حق میں کوئی سخت آزمایش آجاتی ہے تو منافقوں کے چہرے اسی طرح بے نقاب ہو جایا کرتے ہیں.

اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ	تجھ سے اجازت طلب کرنے
لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ	والے تو وھی ھیں جو
الْاٰخِرِ وَ ارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ	(فی الحقیقت) اللہ اور آخرت کے
فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ۝٤٥	دن پر ایمان نہیں رکھتے اور

ان کے دل شك میں پڑ گئے ھیں تو اپنے شك کی حالت میں متردد هو رهے هیں ٤٥ .

وَ لَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ	اور اگر واقعی ان لوگوں نے
لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّ لٰكِنْ	نکلنے کا ارادہ کیا ھوتا تو
كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ	اس کے لیے کچھ نہ کچھ سر و سامان
فَثَبَّطَهُمْ وَ قِيْلَ اقْعُدُوْا	کی تیاری ضرور کرتے، مگر
مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝٤٦	(حقیقت یہ ھے کہ) اللہ نے

ان کا اٹھنا پسند ھی نہیں کیا . پس انہیں بوجھل کر دیا

= دن آ گئے . عبد اللہ بن ابی بن سلول نے جو منافقوں کا سرغنہ تھا ، لوگوں کو یقین دلایا تھا کہ پیغمبر اسلام اس سفر سے لوٹنے والے نہیں .

بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ	دن پر ایمان رکھتے ھیں وہ
يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ	کبھی تجھ سے اجازت کے
وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ	طلب گار نہ ھوں گے کہ اپنے
بِالْمُتَّقِيْنَ ۝ ٤٤	مال سے اور اپنی جانوں سے

(اللہ کی راہ میں) جہاد کریں. اور اللہ جانتا ھے کہ کون متقی ھیں ٤٤ .

٤٤ – آیت ٤٤ میں فرمایا: جن کے دلوں میں ایمان کی لگی ھے بھلا وہ ایك ایسے کام میں کیوں حکم مانگنے لگے اور کیوں اس کے انتظار میں بیٹھنے لگے؟ ان کے لیے تو صرف اتنا ھی کافی ھے کہ اداء فرض کا وقت آ گیا ھے اور جسے ایمان عزیز ھے وہ اداء فرض کے لیے مستعد ھو جائے. حکم تو وھی مانگیں کے جن کے دلوں میں سچا ایمان نہیں اور جو شك کے روگی ھو رھے ھیں، تاکہ کوئی نہ کوئی راہ نکل بھاگنے کی مل جائے.

چوں کہ مقابلہ بیزنطانی شہنشاھی (Byzantine Empire) سے تھا جو مشرق میں رومۃ الکبری کی عظمت کی جانشین تھی اور ابھی حال میں ایران کو شکست دے چکی تھی، اس لیے منافقوں کو یقین تھا مسلمانوں کے خاتمے کے =

= بهکاتے رهتے . اس سے پہلی آیت میں فرمایا : ”مگر الله کے حضور ان کا اٹھنا ناپسند هوا “ ، یعنی الله کے علم میں تھا که اب کے نہیں نکلیں کے اور الله نے تمهارے لیے اسی میں بهتری دیکھی که نه نکلیں .

اس سے معلوم هوا که جماعتی زندگی کے لیے مذبذب اور کچے دل کے آدمیوں کی موجودگی ایك بڑا مہلکه هے خصوصا جب که قوم موت و حیات کی جدو جہد میں مشغول هو . یہی وجه هے که آزاد قومیں بهی مجبور هوئیں که جنگ کے وقت حکومت کو غیر معمولی اختیارات دے دیں اور اگر شخصی آزادی کے قوانین بهی معطل کر دے تو معترض نه هوں ، کیوں که اس وقت ایك منافق کی شرارت پوری قوم کو خطرے میں ڈال دے سکتی هے .

ان آیات کی موعظت یه هے که حتی الامکان ایسے افراد کی موجودگی برداشت نہیں کرنی چاهیےاور ایسا خیال نہیں کرنا چاهیے که ان کی علیحدگی سے جو عارضی شور وشغب هوگا وہ جماعتی مصالح کے لیے زیادہ مضر هوگا . اگر درخت کی جڑ درست هے تو جتنا چھانٹو کے اتنا هی زیادہ پهلتا جائے گا اور فاسد اعضاء کا الگ کر دینا مضر نہیں هوتا ، چھوڑ دینا جسم کے لیے مہلك هوتا هے .

اور ان سے کہا گیا (یعنی ان کے بوجھل پنے نے کہا) دوسرے بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ تم بھی بیٹھ رہو٤٦ .

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَا اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ٤٧

اگر یہ تم مسلمانوں میں (گھل مل کے) نکلتے تو تمہارے اندر کچھ زیادہ نہ کرتے مگر (ہر طرح کی) خرابی اور ضرور تمہارے درمیان فتنہ انگیزی کے گھوڑے دوڑاتے (کہ ادھر کی بات ادھر لگاتے، ادھر کی ادھر). اور (تم جانتے ہو کہ) تم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو ان کی بات پر کان دھرنے والے ہیں (پس ظاہر ہے کہ ان کی موجودگی سے بجز فتنہ و فساد کے کچھ حاصل نہ ہوتا). اور اللہ جانتا ہے کون ظلم کرنے والے ہیں٤٧ .

---

٤٧ - آیت ٤٧ میں فرمایا: یہ سمجھے پیچھے رہ کر مصیبت سے بچے، اور واقعہ یہ ہے کہ ان کا نہ نکلنا ہی تمہارے لیے بہتر ہوا، کیوں کہ نکلتے تو فتنوں کے گھوڑے دوڑاتے اور کچے دل کے آدمیوں کو =

جو ان کے نفاق نے گھڑ لیا ھے) اور بلا شبہ دوزخ کافروں
کو گھیرے ہوئے ھے ٤٩ .

---

٤٩ - جب انسان میں سچائی باقی نہیں رھتی تو نیکی
و پرھیزگاری کے خیال کو خود نیکی و پرھیزگاری ھی
کے خلاف استعمال کرنے لگتا ھے اور اس سے حیلہ
بہانے کا کام نکالتا ھے اور یہ نفاق کا سب سے زیادہ
پر فریب حربہ ھے ، بہت سے سادہ لوح دین دار اس کے
دھوکے میں آ جاتے ھیں .

چنانچہ آیت ٤٩ میں اسی بات کی طرف اشارہ
کیا ھے . فرمایا : بعض منافق کہتے ھیں : اس سفر میں
نکلنا فتنوں میں پڑنا ھے . پس ھمیں فتنے میں نہ ڈالیے .
مدینہ میں ھی بیٹھے رھنے دیجیے .

اس فتنے سے ان کا مقصود کیا تھا ؟ اسے اس لیے بیان
نہیں کیا کہ صریحی قرائن واضح کر رھے ھیں اور یہی
قرآن کی معجزانہ بلاغت ھے . وہ یقیناً ھر طرح کے متوقع
اور وھمی خطرات ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالتے ھوں گے
اور فتنے سے تعبیر کرتے ھوں گے ، مثلاً اس موسم میں
ھزاروں آدمیوں کو اس قدر دور کے سفر پر لے جانا
جان بوجھ کر انہیں ھلاک کرنا ھے اور یہ نیکی کا کام
نہیں . پھر جہاں جانا ھے وہ دوسروں کا ملک ھے ، =

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ	(اے پیغمبر!) یہ واقعہ ہے کہ
قَبْلُ وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ	ان لوگوں نے اس سے پہلے بھی
حَتَّىٰ جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ	فتنہ انگیزی کی کوششیں کیں
أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَرِهُونَ ۝٤٨	اور تمہارے خلاف ہر طرح کی

تدبیریں الٹ پلٹ کر آزمائیں (چنانچہ جنگ احد میں انہوں نے اپنی طرف سے کوئی کمی نہیں کی تھی) یہاں تک کہ سچائی نمایاں ہو گئی اور اللہ کا حکم غالب ہوا اور ایسا ہونا ان کے لیے خوش گوار نہ تھا ٤٨ .

وَمِنْهُم مَّن يَقُولُ ائْذَن	اور ان (منافقوں) میں کوئی
لِّي وَلَا تَفْتِنِّيٓ ۚ أَلَا فِي	ایسا بھی ہے جو کہتا ہے
الْفِتْنَةِ سَقَطُوا ۗ وَإِنَّ	"مجھے اجازت دیجیے (کہ گھر
جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ ۢ	میں بیٹھا رہوں) اور فتنے میں
بِالْكَفِرِينَ ۝٤٩	نہ ڈالیے". تو سن رکھو! یہ

لوگ فتنے ہی میں گر پڑے (کہ جھوٹے بہانے بنا کر خدا کی راہ سے منہ موڑا اور فتنہ یہی فتنہ ہے، نہ کہ وہ وہمی فتنہ

إِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ	(اے پیغمبر!) اگر تمھیں کوئی
تَسُؤْهُمْ ۚ وَإِنْ تُصِبْكَ	اچھی بات پیش آجائے تو وہ
مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ	انھیں (یعنی منافقوں کو)

= توجہ دلاؤں۔ ممکن ہے چند اصحاب رشد و عمل نکل آئیں۔ چنانچہ میں نے اس کی کوشش کی، لیکن ایک تنہا شخصیت کو مستثنیٰ کر دینے کے بعد سب کا متفقہ جواب یہی تھا کہ یہ دعوت ایک فتنہ ہے "ائذن لی و لا تفتنی"۔ یہ مستثنیٰ شخصیت مولانا محمود حسن دیوبندی کی تھی۔

تم نے بعض علماء کے فتوے پڑھے ہوں گے کہ مسلمانوں کو وقت کی سیاسی مجالس میں شریک نہ ہونا چاہیے، کیوں کہ اس میں غیر مسلم عورتیں کھلے منہ موجود ہوتی ہیں اور اس لیے ان کی شرکت فتنے سے خالی نہیں۔ اسی طرح یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ ان کی شرکت سے نماز با جماعت فوت ہو جاتی ہے اور یہ تقوے کے خلاف ہے۔ یاد رکھو! یہ تقوی اور دین داری نہیں ہے جو ان کاموں کی مخالفت پر انھیں ابھارتی ہے۔ یہ مرض نفاق کی قسموں میں سے ایک قسم ہے اور قرآن کی شہادت اس کے لیے بس کرتی ہے۔

= نہیں معلوم کن کن برائیوں میں پڑنا پڑے ۔

احادیث سے معلوم ہوتا ھے کہ جب پیغمبر اسلام نے تبوک کا ارادہ کیا تو منافقوں کے ایک سردار جد بن قیس نے کہا: "عورتوں کے معاملے میں میں بہت کمزور ہوں، مجھے ڈر ھے کہیں بنو اصفر کی عورتیں دیکھ کر مفتوں نہ ہو جاؤں۔ پس مجھے رہ جانے کی اجازت دے دیجیے اور اس فتنے میں نہ ڈالیے"۔ (ابن جریر) بنو اصفر یعنی رومی۔

اس سے معلوم ہوا جو باتیں کہی گئی ہوں گی وہ اسی قسم کی ہوں گی۔

فرمایا: یہ جھوٹے بہانے نکالنے کے لیے جھوٹے فتنہ کا ذکر کرتے ھیں، حالانکہ یہ کہہ کر اصلی فتنہ میں گر پڑے کہ راہ حق میں جہاد کرنے سے جی چرایا اور اس کے لیے جھوٹی نیکی و پرھیزگاری کی آڑ پکڑی۔

غور کرو گے تو نفاق کی یہ خصلت آج بڑے بڑے مدعیان علم و مشیخت میں بولتی نظر آئے گی۔ جھوٹی دین داری اور وھمی پرھیزگاری نے سعی و عزم کی تمام راھیں ان پر بند کر دی ھیں اور وہ ساعی ھیں کہ امت پر بھی بند کر دیں۔ سنہ ۱۹۱٤ع کی بات ھے کہ مجھے خیال ہوا ھندوستان کے علماء و مشایخ کو عزائم و مقاصد وقت =

مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ۝ ۵۲

ھمارے لیے اس کے سوا کیا ھے کہ دو خوبیوں میں سے ایک خوبی ھے (یعنی فتح اور شہادت میں سے شہادت). اور ھم تمھارے لیے جس بات کے منتظر ھیں وہ یہ ھے کہ اللہ اپنے یہاں سے کوئی عذاب بھیج دے یا ھمارے ھی ھاتھوں عذاب دلائے. تو اب (نتیجے کا) انتظار کرو، ھم بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والے ھیں[۵۲].

---

۵۲ – آیت ۵۲ کا ٹھیک مطلب سمجھ لو. فرمایا: تم ھمارے لیے جس بات کے انتظار میں رھتے ھو وہ یہ ھے کہ ھم جنگ میں مارے جائیں اور شکست ھو، لیکن ھمارے لیے تو یہ بھی "احدی الحسنیین" ھے، یعنی دو خوبیوں میں سے پہلی خوبی فتح ھے اور دوسری شہادت. اور یہی مقام ھے جسے قرآن ایمان اور ایمان والوں کی خصوصیت قرار دیتا ھے اور کہتا ھے: جو کفر کی راہ چلے تو انھیں اس کی سمجھ نہیں.

دنیا میں جب کبھی کوئی فرد یا جماعت کسی مقصد کے لیے جد و جہد کرتی ھے تو اس کے سامنے امید بھی ھوتی ھے، مایوسی بھی، کام یابی بھی ھوتی ھے، نا کام یابی=

اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ بری لگے اور اگر کوئی مصیبت

وَ يَتَوَلَّوْا وَّ هُمْ فَرِحُوْنَ ۝۵۰ پیش آجائے تو کہنے لگیں:

''اسی خیال سے ہم نے پہلے ھی اپنے لیے مصلحت بینی کرلی تھی''

اور پھر گردن موڑ کے خوش خوش چل دیں ۵۰ .

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا کہ دو ہمیں کچھ پیش نہیں

كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰنَا ۚ آسکتا مگر وھی جو الله نے

وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ ھمارے لیے (اپنی کتاب میں)

الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۵ لکھ دیا ہے . وھی ھمارا کار

ساز ہے اور مومنوں کو چاھیے کہ الله ھی پر (ھر طرح کا)

بھروسا رکھیں (اس کے سوا بھروسے کا سہارا کوئی نہیں) ۵۱ .

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ (اے پیغمبر! تم ان سے) کہو:

اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ تم ھمارے لیے جس بات کا

وَ نَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ انتظار کرتے ھو (یعنی جنگ

يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ میں قتل ھو جانے کا) وہ

= درمعرکۂ دوکون فتح ازعشق است
با آنکه سپاه او شہیدند ہمہ

دوسرے اگر لڑیں اور دشمنوں پر غالب نہ آسکیں تو ان کی ہار ہوئی، لیکن مومن وہ ہے جو ہار کے معنی ہی سے نا آشنا ہوتا ہے. وہ اگر کسی میدان میں غالب نہ آئے جب بھی جیت اسی کی ہے، کیوں کہ اس کی ہار جیت کا معیار میدان جنگ نہیں ہوتا، خود اس کی طلب و سعی ہوتی ہے. اگر وہ اپنی سعی و طلب میں پورا نکلا تو اس نے میدان مار لیا، اگرچہ میدان جنگ میں اس کی لاش ہزاروں لاشوں کے نیچے دبی ہوئی ہو.

یہی وجہ ہے کہ اس راہ میں وہ کبھی مر نہیں سکتا. اس کی موت بھی اس کی زندگی ہوتی ہے ”و لکن لا تشعرون“.

یہ قرآن نے جا بجا زور دیا ہے کہ مومن کا مقصد سعی صرف اللہ اور اس کی سچائی ہے اور مومن کی جہد کا نام ”جہد فی سبیل اللہ“ رکھ دیا تو اس میں یہی حقیقت پوشیدہ ہے. یعنی وہ ساری منزلوں سے جو دنیا میں پیش آسکتی ہیں، بلند کر دیا گیا. اب یہاں کی کوئی منزل اس کی منزل مقصود نہیں ہو سکتی کہ اس تک نہ پہنچ سکنا اس کی ناکام یابی کا فیصلہ کر دے. اس =

بھی . لیکن قرآن کہتا ھے : "مومن وہ ھے جس کی
جد و جہد میں جو کچھ ھے امید و کام رانی ھی ھے ،
مایوسی و ناکامی کی اس پر پرچھائیں بھی نہیں پڑھ سکتی .
اور اس کے لیے یہی بات کام یابی نہیں ھوتی کہ کسی خاص
منزل تک پہنچ جائے ، بلکہ اس کی راہ میں چلتے رھنا اور
جد و جہد میں لگے رھنا بجائے خود بڑی کام یابی ھو گی .
وہ جب اپنا سفر شروع کرتا ھے تو اس لیے نہیں کرتا
کہ کسی خاص منزل تک ضرور ھی پہنچ جائے ، بلکہ
صرف اس لیے کہ کسی کی راہ میں چلتا رھے . اور یہ
جو کسی کی راہ میں چلتے رھنا ھے تو یہی اس کے لیے
منزل مقصود ھے .

رہ روان را خستگی راہ نیست
عشق ھم راہ است ھم خود منزل است

دوسرے اگر جد و جہد کرتے ھوے مر جائیں
تو یہ ان کی ناکام یابی ھے . مومن اگر مر جائے تو
اس کی بڑی سے بڑی فتح مندی ھے . ایسی فتح مندی
جس سے بڑی فتح مندی کی وہ اپنی ذات کے لیے آرزو
ھی نہیں کر سکتا :

آنانکہ غم تو برگزیدند ھمہ
در کوے شہادت آرمیدند ھمہ =

كَفَرُوْا بِاللهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَأْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝ ٥٤

مگر اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے انکار کیا (اگرچہ وہ ایمان کے دعوے میں کسی سے پیچھے نہیں).

وہ نماز کے لیے نہیں آتے مگر کاہلی کے ساتھ اور (راہ حق میں) مال خرچ نہیں کرتے مگر اس حال میں کہ خرچ کرنے کی ناگواری ان کے دلوں میں بسی ہوئی ہے ٥٤.

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ ٥٥

تو دیکھو! یہ بات کہ ان کے پاس مال و دولت ہے اور صاحب اولاد ہیں، تمہیں متعجب نہ کرے. یہ تو اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ نے مال اور اولاد ہی کی راہ سے انہیں دنیوی زندگی میں عذاب دینا چاہا (کہ نفاق و بخل کی وجہ سے مال کا غم وبال جان ہو رہا ہے اور اولاد کو اپنے سے برگشتہ اور اسلام میں ثابت قدم دیکھ کر

قُلْ أَنفِقُوا طَوْعًا (اور) کہو: تم (بظاہر) خوشی
أَوْ كَرْهًا لَّن يُتَقَبَّلَ سے (راہ حق میں) خرچ کرو
مِنكُمْ ۖ إِنَّكُمْ كُنتُمْ یا ناخوش ہو کر، تمہارا خرچ
قَوْمًا فَاسِقِينَ ۞ ۵۴ کرنا کبھی قبول نہیں کیا
جائے گا، کیوں کہ تم ایک ایسی گروہ ہو گئے ہو (احکام
الہٰی سے) نافرمان ہے ۵۳ .
وَمَا مَنَعَهُمْ أَن تُقْبَلَ اور خرچ کرنے کی قبولیت
مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ سے وہ محروم نہیں کیے گئے

= کے لیے منزل مقصود تو صرف یہ ہے کہ حق کی راہ میں چلتا رہے اور رکے نہیں . اس کا ہر قدم جو چلتا رہا فتح مندی ہے، اور ہر قدم جو رک گیا نا مرادی!

بہر حال یاد رہے کہ "دو خوبیوں" سے مقصود یہی حقیقت ہے، یعنی فتح مندی یا شہادت، اور شہادت بھی فتح مندی ہے . یہ مطلب نہیں ہے کہ "شہادت یا مال غنیمت" جیسا کہ ہمارے مفسروں نے خیال کیا . اور جانتا کہ مال غنیمت قرآن کے نزدیک "احدی الحسنیین" ہو!

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ۝٥٨

اور ان میں کچھ ایسے ھیں که مال زکوٰة بانٹنے میں تجھ پر عیب لگاتے ھیں (که تو لوگوں کی رعایت کرتا ھے). پھر حالت ان کی یه ھے که اگر انھیں اس میں سے دیا جائے تو حوش ھو حائیں ، نه دیا حائے تو بس اچانك بگڑ بیٹھیں ۵۸ .

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۝٥٩ ع

اور (کیا اچھا ھوتا!) اگر ایسا ھوتا که حو کچھ الله اور اس کے رسول نے انھیں دے دیا اس پر رضا مند ھو حاتے اور کہتے: ھمارے

٧ ع ١٣ لیے الله بس کرتا ھے ، الله

اپنے فضل سے ھمیں (بہت کچھ) عطا فرمائے گا اور اس کا

شب و روز جل رہے ہیں) اور (باقی رہا آخرت کا معاملہ تو) ان کی جانیں اس حالت میں نکلیں گی کہ ایمان سے محروم ہوں گے ٥٥ .

وَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۚ وَمَا هُمْ مِنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ ۝٥٦

اور (دیکھو !) اللہ کی قسمیں کھا کر (تمھیں) یقین دلاتے ہیں کہ وہ تمھیں میں سے ہیں ، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں ، بلکہ ایک گروہ ہے ڈرا سہما ہوا ٥٦ .

لَوْ يَجِدُونَ مَلْجَأً أَوْ مَغٰرٰتٍ أَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُونَ ۝٥٧

(ان کے دلوں کے خوف و دہشت کا یہ حال ہے کہ) اگر انھیں پناہ کی کوئی جگہ مل جائے یا کوئی غار یا کوئی اور چھپ بیٹھنے کا سوراخ تو تم دیکھو کہ یہ فوراً اس کا رخ کریں اور حالت یہ ہو کہ گویا رسی توڑ کر بھاگے جا رہے ہیں ٥٧ .

(جو اپنے گھر نہ پہنچ سکتے ہوں اور مفلسی کی حالت میں پڑ گئے ہوں) ۔ یہ اللہ کی طرف سے ٹھیرائی ہوئی بات ہے اور اللہ (سب کچھ) جاننے والا، (اپنے تمام حکموں میں) حکمت رکھنے والا ہے ۶۰ ۔

وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ ۚ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ ۚ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۞ ۶۱

اور انھیں (منافقوں) میں (وہ لوگ بھی) ہیں جو اللہ کے نبی کو (اپنی بدگوئی سے) اذیت پہنچانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ شخص تو بہت سننے والا ہے (یعنی کان کا کچا ہے۔ جو بات کسی نے کہہ دی اس نے مان لی۔ اے پیغمبر!) تم کہو: ہاں! وہ بہت سننے والا ہے، مگر تمہاری بہتری کے لیے (کیوں کہ وہ بجز حق کے کوئی

---

۶۰ - آیت ۶۰ میں زکوٰۃ کے مصارف بیان کر دیے۔ توضیح کے لیے آخری نوٹ دیکھو۔

رسول بھی (عطا و بخشش میں کمی کرنے والا نہیں)، ہمارے لیے تو بس اللہ ہی غایت و مقصود ہے ۵۹ .

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ	صدقے کا مال (یعنی مال زکوٰۃ)
وَ الۡمَسٰكِيۡنِ وَ الۡعٰمِلِيۡنَ	تو اور کسی کے لیے نہیں ہے،
عَلَيۡهَا وَ الۡمُؤَلَّفَةِ قُلُوۡبُهُمۡ	صرف فقیروں کے لیے ہے
وَ فِى الرِّقَابِ وَ الۡغٰرِمِيۡنَ	اور مسکینوں کے لیے ہے
وَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَ ابۡنِ السَّبِيۡلِ ؕ	اور ان کے لیے جو اس کی
فَرِيۡضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ	وصولی کے کام پر مقرر کیے
عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ۞ ۶۰	جائیں اور وہ کہ ان کے

دلوں میں (کلمۂ حق کی) الفت پیدا کرنی ہے اور وہ کہ ان کی گردنیں (غلامی کی زنجیروں میں) جکڑی ہیں (اور انہیں آزاد کرانا ہے)، نیز قرض داروں کے لیے (جو قرض کے بوجھ سے دب گئے ہوں اور ادا کرنے کی طاقت نہ رکھیں) اور اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد کے لیے اور ان تمام کاموں کے لیے جو مثل جہاد کے اعلاء کلمۂ حق کے لیے ہوں) اور مسافروں کے لیے

نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ۚ اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ
ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ۝ ۶۳ کرتا ہے اس کے لیے دوزخ
کی آگ ہے، ہمیشہ اس میں جلے گا. یہ بہت ہی بڑی
رسوائی ہے (جو کسی انسان کے حصے میں آسکتی ہے) ۶۳.

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُونَ اَنْ منافق اس بات سے (بھی)
تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ ڈرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو
تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ ۚ ان کے بارے میں کوئی سورت
قُلِ اسْتَهْزِءُوا ۚ اِنَّ اللّٰهَ نازل ہو جائے اور جو کچھ
مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُونَ ۝ ۶۴ ان کے دلوں میں (چھپا) ہے
وہ انہیں (علانیہ) جتا دے. (تو اے پیغمبر!) تم ان سے کہہ دو:
تم (اپنی عادت کے مطابق) تمسخر کرتے رہو، یقیناً اللہ اب وہ
بات (پوشیدگی سے) نکال کر ظاہر کر دینے والا ہے جس کا
تمہیں اندیشہ رہتا ہے ۶۴.

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ اور اگر تم ان لوگوں سے
اِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ پوچھو (ایسی باتیں کیوں

بات قبول نہیں کرتا) . وہ اللہ پر یقین رکھتا ھے (اس لیے اللہ
جو کچھ اسے سناتا ھے اس پر اسے یقین ھے) اور وہ (سچے)
مومنوں کی بات پر بھی یقین رکھتا ھے (جن کی سچائی ھر طرح
کے امتحانوں میں پڑ کر کھری ثابت ھو چکی ھے) اور وہ ان
لوگوں کے لیے سرتا سر رحمت ھے جو تم میں سے ایمان لائے
ھیں. اور جو لوگ اللہ کے رسول کو آزار پہنچانا چاھتے ھیں تو
انھیں سمجھ لینا چاھیے ان کے لیے عذاب ھے، عذاب دردناک ٦١ .

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ج (مسلمانو!) یہ تمھارے سامنے
وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ اللہ کی قسمیں کھاتے ھیں تاکہ
يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا تمھیں راضی کرلیں ، حالانکہ
مُؤْمِنِيْنَ ۞ ٦٢ اگر یہ واقعی مومن ھوتے تو الثلثة
سمجھتے کہ اللہ اور اس کا رسول اس بات کا زیادہ حق دار ھے
کہ اسے (اپنے ایمان و عمل سے) راضی رکھیں ٦٢ .

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ کیا (ابھی تک) انھوں نے یہ
يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ بات (بھی) نہ جانی کہ جو کوئی

يَأْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ يَنْهَوْنَ	برائی کا حکم دیتے ہیں ،
عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَ يَقْبِضُوْنَ	اچھی باتوں سے روکتے ہیں
اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ	اور (راہ حق میں خرچ کرنے
فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ	سے) اپنی مٹھیاں بند رکھتے ہیں۔
هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۞ ٦٧	حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اللہ

کو بھلا دیا ، نتیجہ یہ نکلا کہ یہ بھی اللہ کے حضور بھلا دیے گئے (یعنی جو اس کی طرف سے غافل ہو جاتا ہے اس کے قوانین فضل و سعادت بھی اسے بھلا کر چھوڑ دیتے ہیں). بلا شبہ یہ منافق ہی ہیں جو (دائرۂ حق سے) باہر ہو گئے ہیں ٦٧ .

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ	منافق مردوں اور منافق
وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْكُفَّارَ نَارَ	عورتوں کے لیے اور (کھلے)
جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ	منکروں کے لیے اللہ کی طرف
هِيَ حَسْبُهُمْ ج وَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ج	سے دوزخ کی آگ کا وعدہ
وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۞ لا ٦٨	ہے کہ ہمیشہ اس میں رہیں گے

اور وہی انہیں بس کرتی ہے . پھر اللہ نے ان پر لعنت کی اور ان کے لیے عذاب ہے ، ایسا عذاب کہ برقرار رہے گا ٦٨ .

قُلْ اَبِاللهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ کرتے ھو؟) تو یہ ضرور

كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٦٥ جواب میں کہیں "ہم نے تو

یونہیں جی بہلانے کو ایك بات چھیڑ دی تھی اور ھنسی مذاق

کرتے تھے". تم (ان سے) کہو: کیا تم اللہ کے ساتھ، اس کی

آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ ھنسی مذاق

کرتے ھو؟ ٦٥.

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بہانے نہ بناؤ. حقیقت یہ ھے

بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۭ اِنْ کہ تم نے ایمان کا اقرار کرکے

نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ پھر کفر کیا. اگر ھم تم میں

نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ سے ایك گروہ کو (اس کے

٨ ع ١٤ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝٦٦ عدم اصرار اور توبہ و انابت کی

وجہ سے) معاف بھی کردیں، تاھم ایك گروہ کو ضرور عذاب

دیں گے، اس لیے کہ (اصل میں) وھی مجرم تھے ٦٦.

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ منافق مرد اور منافق عورتیں،

الربع بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ سب ایك دوسرے کے ھم جنس،

أَلَمْ يَأْتِهِمْ نَبَأُ الَّذِينَ	کیا انہیں ان لوگوں کی خبر
مِن قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوحٍ	نہیں ملی جو ان سے پہلے
وَعَادٍ وَثَمُودَ ۙ وَقَوْمِ	گزر چکے ہیں؟ قوم نوح،
إِبْرَاهِيمَ وَأَصْحَابِ مَدْيَنَ	قوم عاد، قوم ثمود، قوم ابراہیم
وَالْمُؤْتَفِكَاتِ ۚ أَتَتْهُمْ	اور مدین کے لوگ اور وہ کہ
رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ فَمَا	ان کی بستیاں الٹ دی گئی تھیں!
كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ	ان سب کے رسول ان کے پاس
وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ	روشن دلیلوں کے ساتھ
يَظْلِمُونَ ۝ ۷	آئے تھے، (مگر وہ اندھے پن

سے باز نہ آئے)۔ اور ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ اللہ ان پر ظلم کرتا مگر وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے ۷۰۔

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ	اور جو مرد اور عورتیں
بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ	مومن ہیں تو وہ سب ایک
يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ	دوسرے کے کارساز و رفیق ہیں۔

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ
كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً
وَّ اَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ط
فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ
فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ
كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ
كَالَّذِيْ خَاضُوْا ط اُولٰٓئِكَ
حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي
الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ج وَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۞٦٩

(منافقو! تمھارا بھی وہی حال ہوا) جیسا ان لوگوں کا حال تھا کہ تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ وہ تم سے کہیں زیادہ قوت والے تھے اور مال و اولاد بھی تم سے زیادہ رکھتے تھے۔ پس ان کے حصے میں جو کچھ دنیا کے فوائد آئے وہ برت گئے، تم نے بھی اپنے حصے کا فائدہ اسی طرح برت لیا جس طرح انھوں نے برتا تھا اور جس طرح (ہر طرح کی باطل پرستی کی) باتیں وہ کر گئے تم نے بھی کر لیں۔ (پس یہ نہ بھولو کہ) یہی لوگ تھے جن کے سارے کام دنیا و آخرت میں اکارت ہوئے اور یہی ہیں گھاٹے ٹوٹے میں رہنے والے ٦٩۔

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۚ ع ٧٢ وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے ۔ ٩ ع ١٥

پھر ان کے لیے ہمیشگی کے باغوں میں پاک مسکن ہوں گے اور ان سب سے بڑھ کر (نعمت یہ کہ) اللہ کی خوشنودیوں کا ان پر نزول ہوگا، یہی بڑی کامیابی ہے (٣٦) ٧٢ ۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ اے پیغمبر! کافروں اور
الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ منافقوں دونوں سے جہاد کر
وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آ
وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ (کیوں کہ کافروں کی
وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۞ ٧٣ عہد شکنیاں اور منافقوں کا

غدر و فریب اب آخری درجہ تک پہنچ چکا ہے) بالآخر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، (اور جس کا آخری ٹھکانا دوزخ ہو تو) کیا ہی بری پہنچنے کی جگہ ہے ٧٣ ۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۭ یہ (منافق) اللہ کی قسم کھاتے ہیں
وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ کہ ہم نے ایسا نہیں کہا، اور
وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے

وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ	نیکی کا حکم دیتے ہیں ،
وَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ	برائی سے روکتے ہیں ، نماز
وَ يُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ	قائم رکھتے ہیں ، زکوۃ ادا
وَ يُطِيعُونَ اللّٰهَ وَ رَسُولَهٗ ؕ	کرتے ہیں اور ہر (حال میں)
اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ	اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت
اِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ ٧١	کرتے ہیں . سو یہی لوگ ہیں

جن پر عن قریب اللہ رحمت فرمائے گا . یقیناً اللہ سب پر غالب (اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے ٧١ .

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِينَ	مومن مردوں اور مومن
وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِي	عورتوں کے لیے اللہ کی طرف
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ	سے (نعیم ابدی کے) باغوں کا
خٰلِدِينَ فِيهَا وَ مَسٰكِنَ	وعدہ ہے جن کے نیچے نہریں
طَيِّبَةً فِي جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ	بہ رہی ہوں گی (اور اس لیے
وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ	کبھی خشک ہونے والے نہیں) ،

وَمِنْهُم مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِن فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾	اور (دیکھو!) ان میں (کچھ لوگ) ایسے بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر

وہ اپنے فضل سے ہمیں (مال و دولت) عطا فرمائے گا تو ہم ضرور خیرات کریں گے، اور ضرور نیکی کی زندگی بسر کریں گے ۷۵.

فَلَمَّآ اٰتٰهُم مِّن فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُم مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾	پھر جب ایسا ہوا کہ اللہ نے انھیں اپنے فضل سے (مال) عطا فرمایا تو اس میں کنجوسی

کرنے لگے اور اپنے عہد سے پھر گئے. اور حقیقت یہ ہے کہ (نیکی کی طرف سے) ان کے دل ھی پھرے ہوئے ہیں ۷۶ .

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾	پس اس بات کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے دلوں میں نفاق (کا روگ) دائمی ہوگیا اس وقت تک کے لیے کہ یہ اللہ سے ملیں

وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا ۚ
وَمَا نَقَمُوٓا إِلَّآ أَنْ
أَغْنَىٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ مِنْ
فَضْلِهِ ۚ فَإِنْ يَتُوبُوا يَكُ
خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَإِنْ يَتَوَلَّوْا
يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا أَلِيمًا ۙ
فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ
وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ
وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۞ ۷۴

ضرور کفر کی بات کہی .
وہ اسلام قبول کر کے پھر
کفر کی چال چلے اور اس
بات کا منصوبہ باندھا جو نہ
پا سکے . انھوں نے انتقام
نہیں لیا مگر اس بات کا کہ
اللہ اور اس کے رسول نے
انھیں اپنے فضل سے (مال
غنیمت دے دے کر) تونگر
کر دیا ھے . بہر حال اگر یہ لوگ اب بھی باز آجائیں تو ان
کے لیے بہتر ھے ، اور اگر گردن موڑیں تو پھر یاد رکھیں اللہ
ضرور انھیں دنیا اور آخرت میں عذاب دردناک دے گا اور
روئے زمین پر ان کا نہ کوئی کارساز ہونے والا ھے ،
نہ مددگار ۷۴ .

(انہیں معلوم ہو جائے کہ) در اصل اللہ کی طرف سے خود
ان پر تمسخر ہو رہا ہے (کہ ذلت و نامرادی کی زندگی بسر کر رہے
ہیں) اور (آخرت میں) ان کے لیے عذاب درد ناک ہے ۷۹ .

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ	(اے پیغمبر!) تم ان کے لیے
لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۚ اِنْ	مغفرت کی دعا کرو یا نہ کرو
تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ	(اب ان کی بخشش ہونے والی
مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۚ	نہیں). تم اگر ستر مرتبہ بھی ان
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ	کے لیے مغفرت کی دعا کرو
وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي	(یعنی سینکڑوں مرتبہ ہی دعا
الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۸ ع	کیوں نہ کرو) جب بھی اللہ ۱۰ ع ۱۶

انہیں کبھی نہیں بخشے گا. یہ اس بات کا نتیجہ ہے کہ انھوں
نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اللہ (کا مقررہ
قانون یہ ہے کہ وہ) دائرۂ ہدایت سے نکل جانے والوں پر
(کامیابی و سعادت کی) راہ کبھی نہیں کھولتا ۸۰ .

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ	جو (منافق جہاد میں شریک

(یعنی قیامت تک دور ہونے والا نہیں)۔ اور یہ اس لیے کہ انھوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا اسے (جان بوجھ کر) پورا نہیں کیا، اور نیز دروغ گوئی کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے ہیں ۷۷ .

اَلَمۡ یَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ سِرَّہُمۡ وَ نَجۡوٰىہُمۡ وَ اَنَّ اللّٰہَ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ ۚ ۷۸

(افسوس ان پر!) کیا انھوں نے نہیں جانا کہ اللہ ان کے بھیدوں اور سرگوشیوں سے واقف ہے اور یہ کہ غیب کی کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں ۷۸ .

اَلَّذِیۡنَ یَلۡمِزُوۡنَ الۡمُطَّوِّعِیۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَ الَّذِیۡنَ لَا یَجِدُوۡنَ اِلَّا جُہۡدَہُمۡ فَیَسۡخَرُوۡنَ مِنۡہُمۡ ؕ سَخِرَ اللّٰہُ مِنۡہُمۡ ۫ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۷۹

جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ خوش دلی سے خیرات کرنے والے مومنوں پر (ریاکاری کا) عیب لگاتے ہیں، اور جن مومنوں کو بجز محنت مشقت کی کمائی کے سوا اور کچھ میسر نہیں (اور اس میں سے بھی جتنا نکال سکتے ہیں راہ حق میں خرچ کر دیتے ہیں) ان پر تمسخر کرنے لگتے ہیں تو

جو یہ کماتے رہے ہیں ۸۲ .

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِیَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِیْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِیْنَ ۝۸۳

تو (دیکھو!) اگر اللہ نے تمھیں ان کے کسی گروہ کی طرف (صحیح سلامت) لوٹادیا اور پھر (کسی موقع پر) انھوں نے (جہاد میں) نکلنے کی اجازت مانگی تو اس وقت تم کہہ دینا: نہ تو تم میرے ساتھ کبھی نکلو اور نہ کبھی میرے ساتھ ہو کر دشمن سے لڑو. تم نے پہلی مرتبہ بیٹھ رہنا پسند کیا تو اب بھی پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ (گھروں میں) بیٹھے رہو ۸۳ .

وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا

اور (اے پیغمبر!) ان میں سے کوئی مر جائے تو تم کبھی اس کے جنازہ پر (اب) نماز نہ پڑھنا

خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۞ ۸۱

نہیں ہوے اور) پیچھے چھوڑ دیے گئے وہ اس بات پر خوش ہوے کہ اللہ کے رسول کی خواہش کے خلاف اپنے گھروں میں بیٹھے ہوے ہیں اور انھیں یہ بات ناگوار ہوئی کہ اپنے مال اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ انھوں نے لوگوں سے کہا تھا: اس گرمی میں (گھر کا آرام چھوڑ کر) کوچ نہ کرو۔ (اے پیغمبر!) تم کہو "دوزخ کی آگ کی گرمی تو (اس سے) کہیں زیادہ گرم ہوگی"۔ اگر انھوں نے سمجھا ہوتا (تو کبھی اپنی اس حالت پر خوش نہ ہوتے) ۸۱۔

فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءً ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۞ ۸۲

اچھا! یہ تھوڑا سا ہنس لیں۔ پھر انھیں اپنی ان بد عملیوں کی پاداش میں بہت کچھ رونا ہے

الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا   اور اس کے رسول کے ساتھ
ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝٨٦   ھو کر جہاد کرو تو جو لوگ
ان میں مقدور والے ھیں وھی تجھ سے رخصت مانگنے
لگتے ھیں کہ ''ھمیں چھوڑ دیجیے گھر میں بیٹھ رھنے والوں کے
ساتھ بیٹھے رھیں'' ٨٦ .

رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ   انھوں نے پسند کیا کہ پیچھے
الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى   رہ جانے والیوں کے ساتھ رھیں
قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝٨٧   (یعنی مرد ھو کر جنگ کے
وقت عورتوں کے ساتھ گھروں میں بیٹھے رھیں) اور ان کے
دلوں پر مہر لگ گئی، پس یہ کچھ سمجھتے نہیں ٨٧ .

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ   لیکن اللہ کے رسول نے اور
اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا   انھوں نے جو اس کے ساتھ
بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ   ایمان لائے ھیں اپنے مال سے
وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫   اور اپنی جانوں سے (راہ حق
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝٨٨   میں) جہاد کیا (اور ان کی

بِاللهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ مَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝٨٤

اور نہ اس کی قبر پر کھڑے رھنا، کیوں کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اس حالت میں مرے کہ (دائرۂ) ھدایت سے باھر تھے ۸۴.

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الدُّنْيَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝٨٥

اور (دیکھو!) ان کے مال اور ان کی اولاد پر تمھیں تعجب نہ ھو. یہ اس کے سوا کچھ نہیں ھے کہ اللہ چاھتا ھے مال و اولاد کے ذریعے انھیں عذاب دے (یعنی ایسے لوگوں کے لیے اس کا مقررہ قانون حیات ایسا ھی ھے) اور ان کی جان اس حالت میں نکلے کہ سچائی کے منکر ھوں ۸۵.

وَ اِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللهِ وَ جَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا

اور (اے پیغمبر!) جب کوئی (قرآن کی) سورت اس بارے میں اترتی ھے کہ اللہ پر ایمان لاؤ

رسول سے جھوٹ بولا تھا وہ گھروں ھی میں بیٹھے رھے۔
سو معلوم ھوا کہ ان میں سے جنھوں نے کفر کی راہ اختیار کی
انھیں عن قریب عذاب دردناک پیش آئے گا ۹۰۔

۹۰ - آیت ۹۰ میں سلسلۂ بیان ایک دوسرے گروہ کی طرف متوجہ ھوا ھے کہ ان میں بھی ایک جماعت منافقوں کی تھی اور ایک جماعت کم زور ایمان والوں کی، یعنی صحرا نشین قبائل جن کا بقیہ آج بھی موجود ھے اور عرب کے بدو کہے جاتے ھیں۔ ان کا بڑا حصہ نیا نیا مسلمان ھوا تھا اور شہروں میں نہ رھنے کی وجہ سے ابھی اسلامی زندگی کی تربیت نہیں ملی تھی۔ غزوۂ تبوک کا بلاوا ھوا تو کچھ لوگ آئے اور عذر پیش کیے۔ کچھ ایسے نکلے جو چپکے بیٹھے رھے، معذرت کے لیے بھی نہیں آئے۔ بعض روایات سے معلوم ھوتا ھے کہ عذر کرنے والے عامر بن طفیل کے قبیلے کے تھے۔ انھوں نے کہا تھا: اگر ھم آپ کے ساتھ نکلیں تو طی کے بدو ھمارے مویشی اور اولاد پر آ پڑیں گے (ابن جریر)۔ چنانچہ جو منافق تھے ان کے لیے وعید ھوئی اور جنھوں نے کم زوری کی وجہ سے پہلوتہی کی تھی ان پر عتاب ھوا۔

منافقانہ چالیں کچھ بھی نہ کر سکیں)۔ یہی لوگ ہیں کہ ان کے لیے
نیکیاں ہیں اور یہی ہیں کہ کامیاب ہوے ۸۸ .

أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ع ۸۹ ۱۱ ع ۱۷

اللہ نے ان کے لیے (نعیم ابدی کے) ایسے باغ تیار کر دیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں (اور اس لیے کبھی خشک ہونے والے نہیں) یہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ ہے بہت بڑی فیروزمندی (جو ان کے حصے میں آئی) ۸۹ .

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ۹۰

اور (اے پیغمبر!) اعرابیوں میں سے (یعنی عرب کے صحرائی بدووں میں سے) عذر کرنے والے تمہارے پاس آئے کہ انہیں بھی (رہ جانے کی) اجازت دی جائے اور (ان میں سے) جن لوگوں نے (اظہار اسلام کر کے) اللہ اور اس کے

= هوا، لیکن اس پر بھی لوگوں کا کیا حال تھا؟ یہ تھا کہ شدت درد و غم سے بے اختیار ہو کر رونے لگتے تھے۔ کس بات پر؟ اس پر کہ عیش و راحت میں انھیں حصہ نہیں ملا؟ نہیں، اس پر کہ راہ حق کی مصیبتوں اور قربانیوں میں شریک ہونے سے رہ گئے۔

آیت ۹۱ میں بتلا دیا کہ اگر دفاع کے لیے نفیر عام ہو تو کن کن لوگوں کو معذور تصور کیا جا سکتا ہے۔ فرمایا: ناتوان آدمی، یعنی جو لوگ جسمانی طور پر مجبور ہوں، مثلاً بہت بوڑھے، اندھے، اپاہج۔ دوسرے بیمار۔ تیسرے ایسے لوگ جو سفر کی لازمی ضروریات کے انتظام کی مقدرت نہ رکھتے ہوں۔

اس عہد میں نہ تو کوئی سرکاری فوج وجود میں آئی تھی، نہ رضا کاروں کی کوئی الگ قسم تھی، نہ سپاھیوں کے مصارف کے لیے حکومت کا کوئی خزانہ تھا۔ سبھی رضا کار تھے اور سب کے لیے ضروری تھا کہ اپنا خرچ خود ھی اٹھائیں، بلکہ بن پڑے تو دوسروں کے لیے بھی خرچ کریں۔ پس فرمایا: جو لوگ فی الحقیقت مقدور نہیں رکھتے کوئی وجہ نہیں کہ ان پر الزام آئے، خصوصاً وہ لوگ جن کے ایمان و اخلاص کا یہ حال تھا کہ جب ان کے لیے سواری کا انتظام نہ ہو سکا اور تیرے =

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ	ناتوانوں پر ، بیماروں پر اور
وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى	ایسے لوگوں پر جنھیں حرج
الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ	کے لیے کچھ میسر نہیں ، کچھ
حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ	گناہ نہیں ہے (اگر وہ دفاع
وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ	میں شریک نہ ہوں) بشرطیکہ
مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ	اللہ اور اس کے رسول کی
رَّحِيْمٌ ۙ ۹۱	خیر خواہی میں کوتاہ رہیں ،

(کیوں کہ ایسے لوگ نیک عملی کے دائرے سے الگ نہیں ہوئے اور) نیک عملوں پر الزام کی کوئی وجہ نہیں . اللہ بڑا ہی بخشنے والا ، رحمت والا ہے ۹۱ .

---

۹۱ و ۹۲ - کوئی بات دنیا میں اس سے زیادہ عجیب نہیں ہو سکتی کہ وحشی اور بہائم صفت انسان اچانک محبت و اخلاص اور ایثار و خود فروشی کے فرشتے بن جائیں ، لیکن قرآن کی تعلیم نے ایسا ہی انقلاب پیدا کیا . اوپر گزر چکا ہے کہ غزوۂ تبوک بڑے ہی ناموافق حالات میں پیش آیا تھا ، حتی کہ لوگوں کی افسردگی پر اللہ کا عتاب =

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ	اور نہ ان لوگوں پر کچھ گناہ ہے
اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ	جن کا حال یہ تھا کہ (خود
لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ	سواری کی مقدرت نہیں
عَلَيْهِ ص تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ	رکھتے تھے، اس لیے) تیرے
تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا	پاس آئے کہ ان کے لیے
اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۞ ط ٩٢	سواری بہم پہنچادے۔ اور

جب تو نے کہا " میں تمہارے لیے کوئی سواری نہیں پاتا تو (بے بس ہو کر) لوٹ گئے، لیکن ان کی آنکھیں اس غم میں

= یہ حال تھا کہ "البکّائین" کے نام سے مشہور ہو گئے تھے، یعنی بہت رونے والے (ابن جریر).

سبحان اللہ ان چند آنسوؤں کی قدر و قیمت جو ایمان کی تپش سے بہے تھے کہ ہمیشہ کے لیے ان کا ذکر کتاب اللہ نے محفوظ کردیا! آج بھی کہ تیرہ صدیاں گزر چکی ہیں، ممکن نہیں ایک مومن یہ آیت پڑھے اور ان آنسوؤں کی یاد میں خود اس کی آنکھیں بھی اشک بار نہ ہو جائیں.

= ادب و احترام نے اس کی بھی اجازت نہ دی کہ زیادہ اصرار کریں تو خاموش اٹھ کر لوٹ گئے، لیکن آنکھیں جو درد دل کی غماز ہیں، خاموش نہ رہ سکیں. حسرت وغم کے آنسو بے اختیار بہنے لگے:

ز چشمم آستیں بردار و اشکم را تماشا کن

قرآن کی معجزانہ بلاغت دیکھو! پہلے بے مقدوروں کا ذکر ہو چکا تھا، لیکن خصوصیت کے ساتھ پھر ان کا ذکر کیا اور ان کی محبت ایمانی کی تصویر کھینچ دی، تاکہ نفاق کے مقابلے میں ایمان کا بھی ایک مرقع سامنے آجائے. یعنی یا تو وہ ہیں کہ قدرت رکھنے پر بھی حیلے بہانے نکالتے ہیں. یا یہ ہیں کہ مقدرت نہ رکھنے پر بھی دل کی لگن چین سے بیٹھنے نہیں دیتی، آنسو بن کر آنکھوں سے ٹپک رہی ہے.

غزوۂ تبوک میں سواریوں کی بڑی قلت تھی، اٹھارہ آدمیوں کے حصے میں ایک اونٹ آیا تھا. احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت نے جو زاد راہ کی مقدرت نہیں رکھتی تھی، پیغمبر اسلام سے عرض کیا: "ہمارے لیے سواری کا بندوبست کر دیجیے". آپ نے کہا: "کہاں سے کروں؟ کوئی سامان نہیں پاتا". اس پر وہ روتے ہوئے چلے گئے اور ان کے درد وغم کا =

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ	جب تم (جہاد سے لوٹ کر)
اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ	ان کے پاس واپس جاؤ گے
لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ	تو وہ (آئیں گے اور) تمہارے
لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ	سامنے (طرح طرح کی)
اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ	معذرتیں کریں گے۔
عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ	(اے پیغمبر!) تمہیں چاہیے
تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ	(اس وقت) کہہ دو: معذرت
وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ	کی باتیں نہ بناؤ۔ اب ہم تمہارا
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ٩٤	اعتبار کرنے والے نہیں۔ اللہ نے

ہمیں پوری طرح تمہارا حال بتلا دیا ہے اب آیندہ اللہ اور اس کا رسول دیکھے گا تمہارا عمل کیسا رہتا ہے (نفاق پر مصر

= اس حالت کو جو انتہا درجہ غفلت و انکار کا لازمی نتیجہ ہے، قرآن مہر لگا دینے سے تعبیر کرتا ہے۔ اس تعبیر کی تشریح پچھلی سورتوں میں گزر چکی ہے، خصوصاً سورۂ اعراف کی آیت ١٤٦ کے نوٹ میں۔

اشك بار هو رهی تهیں که افسوس همیں میسر نهیں که اس راه میں کچھ خرچ کریں ۹۲ .

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ ۚ رَضُوا بِأَن يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ ۹۳

الزام تو در اصل ان پر هے جو تجھ سے (بیٹھے رهنے کی) اجازت مانگتے هیں حالانکه مال دار هیں . انهوں نے پسند کیا که (جب سب لوگ راه حق میں کوچ کر رهے هوں تو یه) گهروں میں ره جانے والی عورتوں کے ساتھ رهیں . (حقیقت یه هے که) الله نے ان کے دلوں پر مهر لگا دی ، پس جانتے بوجھتے نهیں ۹۳ .

---

۹۳ – آیت ۹۳ میں فرمایا : اداء فرض کے وقت عورتوں کے ساتھ بیٹھے رهنا ایك ایسی نامردی کی بات هے جسے کوئی خود دار آدمی گوارا نهیں کر سکتا ، لیکن انهوں نے یه بهی گوارا کر لیا ، کیوں که جهل و بے حسی کی انتهائی حالت ان پر طاری هو گئی هے . =

فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ إِنَّهُمْ رِجْسٌ ۖ وَمَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝٩٥

تا که ان سے در گذر کرو. سو چاہیے که تم ان سے در گذر ہی کر لو (یعنی رخ پھیر لو)۔ یه ناپاك ہیں ، ان کا ٹھکانا دوزخ ہو گا ، اس کمائی کا نتیجه جو یه (اپنی بد عملیوں سے) کماتے رہے ۹۵.

يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝٩٦

یه تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے ، تا که ان سے راضی ہو جاؤ . سو (یاد رکھو!) اگر تم راضی بھی ہو گئے (حالانکه تمہیں راضی نہیں ہونا چاہیے ، اور تم راضی نه ہو گے) تو الله ان سے کبھی راضی ہونے والا نہیں جو (دائرۂ) ہدایت سے باہر ہو گئے ہیں ۹۶.

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا

اعرابی کفر اور نفاق میں سب سے زیادہ سخت ہیں اور اس کے

رهتے هو یا باز آتے هو). اور پهر (بالآخر) اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو ظاهر و پوشیده هر طرح کی باتیں جاننے والا هے ، پس وه تمهیں بتلائے گا که (دنیا میں) کیا کچھ کرتے رهے هو ۹٤ .

سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ — جب تم لوٹ کر ان سے ملو گے
إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ — تو ضرور یه تمهارے سامنے
لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ — الله کی قسمیں کهائیں گے ،

۹٤ - یه آیتیں سفر تبوك کے اثناء میں نازل هوئی هیں .
آیت ۹٤ میں فرمایا : منافق تو سمجھے هوے تھے تم اس سفر سے بخیر و عافیت لوٹنے والے نهیں . اب لوٹو گے تو حسب عادت آئیں گے اور طرح طرح کی باتیں عذر و معذرت کی کریں گے پهر جب دیکھیں گے که بات بنتی نهیں تو قسمیں کهانی شروع کردیں گے . لیکن خواه وه کتنی هی قسمیں کهائیں تمهیں ان کا اعتبار نهیں کرنا چاهیے . اب ان کا قول نهیں ، ان کا عمل دیکھا جائے گا اور اسی کے مطابق ان سے سلوك کیا جائے گا . پهر بالآخر الله کے حضور لوٹنا اور اپنے کیے کا نتیجه پانا هے .

سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ ٩٨ اور منتظر هیں که تم پر کوئی گردش آجائے (تو الٹ پڑیں). حقیقت یه هے که بری گردش کے دن خود انهیں پر آنے والے هیں . اور الله (سب کچھ) سننے والا ، (سب کچھ) جاننے والا هے ۹۸ .

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ اور (هاں!) اعرابیوں هی میں

بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وه لوگ بھی هیں جو الله پر

وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ اور آخرت کے دن پر ایمان

---

۹۸ - آیت ۹۸ میں فرمایا : انهیں میں وه منافق هیں جو اگر اسلام کی راه میں کچھ خرچ بھی کرتے هیں تو محض اس خوف سے که سمجھتے هیں بغیر اس کے چاره نهیں اور یه خرچ کرنا ان کے لیے ایسا هے جیسے کوئی ناگواری سے جرمانه بھرے . وه اس انتظار میں رهتے هیں که مسلمانوں پر کوئی مصیبت آپڑے تو ان پر الٹ پڑیں . غزوۂ تبوک کے موقع پر انهوں نے سمجھا هوگا رومیوں کے مقابلے میں مسلمان کب ٹھہر سکتے هیں، اب ان کے دن ختم هوئے. بعض روایات سے معلوم هوتا هے یه بنو اسد اور غطفان کے قبائل تھے (ابن جریر) .

يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۞ ٩٧

زیادہ مستحق ہیں کہ ان کی نسبت سمجھا جائے دین کے ان حکموں کی انہیں خبر نہیں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کیے ہیں (کیوں کہ آبادیوں میں نہ رہنے کی وجہ سے تعلیم و تربیت کا موقع انہیں حاصل نہیں) ۔ اور اللہ (سب کا حال) جاننے والا، (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے ٩٧ ۔

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ

اور اعرابیوں ہی میں ایسے لوگ ہیں کہ جو کچھ (راہ حق میں) خرچ کرتے ہیں اسے (اپنے اوپر) جرمانہ سمجھتے ہیں

---

٩٧ - شہریوں کے مقابلے میں بادیہ نشین قبائل عموماً سخت طبیعت کے ہوتے ہیں، کیوں کہ ان میں وہ لچک اور نرمی پیدا نہیں ہو سکتی جو معاشرتی زندگی کا خاصہ ہے ۔ یہی حال عرب کے بدوؤں کا تھا ۔ آیت ٩٧ میں اسی طرف اشارہ کیا ہے ۔

خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝۱۰۰ وہ اللہ سے خوشنود ہوے اور اللہ نے ان کے لیے (نعیم ابدی کے) باغ تیار کر دیے جن کے نیچے نہریں بہ رهی هیں (اور اس لیے وہ خشك هونے والے نہیں) وہ همیشه اس (نعمت وسرور کی زندگی) میں رهیں گے اور یہ هے بہت بڑی فیروز مندی ۱۰۰ .

۱۰۰ – آیت ۱۰۰ سے معلوم هوا اس امت کے بہتریں طبقے تین هیں :

(۱) مہاجریں میں سے "سابقون الاولون"، یعنی مکه کے وہ حق پرست جنہوں نے دعوت حق کی قبولیت میں سبقت کی اور سب سے پہلے ایمان لائے، پھر صلح حدیبیه سے پہلے که غربت و مصیبت کا زمانه تھا، اپنا گھر بار چھوڑ کر هجرت کی .

بالاتفاق سب سے پہلے ایمان لانے والی هستی حضرت خدیجه کی تھی . ان کے بعد گھر کے آدمیوں میں سے حضرت علی (که دس برس سے زیادہ عمر کے نه تھے) اور زید بن حارثه ایمان لائے اور باهر کے آدمیوں میں حضرت ابو بکر . حضرت ابو بکر هجرت مدینه میں بھی اسبق هیں که خود آنحضرت کے ساتھی تھے . =

قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَ صَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِیْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
١٢ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ع ٩٩
ع
١

رکھتے ھیں اور جو کچھ (راہ حق میں) خرچ کرتے ھیں اسے اللہ کے تقرب اور رسول کی دعاؤں کا وسیلہ سمجھتے ھیں۔ تو سن رکھو کہ فی الحقیقت وہ ان کے لیے موجب تقرب ھی ھے۔ اللہ انھیں اپنی رحمت کے دائرے میں داخل کرے گا۔ بلا شبہ وہ بڑا ھی بخشنے والا، بڑا ھی رحمت والا ھے ۹۹۔

وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ

اور مہاجرین اور انصار میں جو لوگ سبقت کرنے والے، سب سے پہلے ایمان لانے والے ھیں اور وہ لوگ جنھوں نے راست بازی کے ساتھ ان کی پیروی کی تو اللہ ان سے خوشنود ھوا

= ساری دنیوی ترغیبوں سے خالی رہا ھے جو کسی انسان کے دل کو مائل کر سکتی ھیں . پس جو نفوس قدسی اس وقت حق کا ساتھ دیتے ھیں ان کی حق شناسی و حق پرستی کے درجے تك کوئی نہیں پہنچ سکتا ، کیوں که وہ داعی حق کا پہلے پہل ساتھ دے کر خود بھی داعیان حق کے گروہ میں داخل ھو جاتے ھیں اور ان کی حق پرستی دنیا کے ھر طرح کے تأثرات سے یك قلم منزہ ھوتی ھے .

تاریخ اسلام میں مہاجرین و انصار کی جماعت کا یہی مقام ھے . اسی لیے " السابقون الاولون " سے زیادہ ان کے وصف میں کچھ کہنا ضروری نہ ھوا ، کیوں که یہاں اسبقیت و اولیت سے بڑھ کر اور کوئی بات نہیں ھو سکتی .

جب پیغمبر اسلام نے پہلے پہل حضرت ابو بکر کو دعوت دی اور اس پیکر صدق و وفا نے سنتے ھی قبول کرلی تو غور کرو اس وقت اس معاملے کا کیا حال تھا ! پورے کرۂ ارضی میں تن تنہا دو آدمی کھڑے تھے : ایك نے بلایا تھا ، دوسرا دوڑ گیا تھا . جس نے بلایا اس کے اندر وحی الہی کا یقین بول رہا تھا . لیکن جو دوڑا اس نے کیا دیکھا تھا که ایك عجیب و غریب بات سنتے ھی قبول کرلی اور بیٹھے بٹھائے تمام ملك و قوم کو اپنا دشمن جانی بنا لیا ! =

=(ب) انصار میں سے ''سابقون الاولون''، یعنی مدینہ کے وہ حق شناس جنھوں نے عین اس وقت جب کہ تمام جزیرۂ عرب داعی حق کو جھٹلا رہا تھا اور خود اس کے اہل وطن اس کے قتل و ہلاکت کے در پے تھے دعوت حق قبول کی اور عقبۂ اولیٰ اور ثانیہ میں بیعت کا ہاتھ بڑھایا. پہلی بیعت میں سات آدمی تھے اور یہ اعلان نبوت سے گیارھویں برس ہوئی. دوسری میں ستر مرد تھے اور دو عورتیں اور یہ پہلی سے ایک برس بعد ہوئی. پیغمبر اسلام نے دوسری بیعت والوں کے ساتھ ابو زرارہ بن مصعب (۳۷) کو بغرض تعلیم بھیج دیا تھا. کچھ لوگ ان کے جانے پر ایمان لائے اور کچھ اس وقت جب خود آنحضرت نے ہجرت فرمائی.

(ج) وہ لوگ جو ان دونوں جماعتوں کے قدم بقدم چلے، اور گو بعد کو آئے لیکن ان کا شمار پہلوں ہی کے ساتھ ہوا. چوں کہ بعد کو ایمان لانے والوں میں بعض منافق اور کچے دل کے آدمی بھی تھے، اس لیے ''باحسان'' کی قید لگا دی، یعنی وہ جنھوں نے راست بازی کے ساتھ ان کی پیروی کی.

دنیا میں جب کبھی سچائی کا ظہور ہوا ہے تو اس کا پہلا عہد ہمیشہ غربت و بے کسی کا رہا ہے اور ان=

وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ ۖ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ ۖ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۚ سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ ۝ ١٠١

اور ان اعرابیوں میں جو تمہارے آس پاس بستے ہیں کچھ منافق ہیں اور خود مدینہ کے باشندوں میں بھی جو نفاق میں (رہتے رہتے) مشاق ہو گئے ہیں۔ (اے پیغمبر!) تم انہیں نہیں جانتے، لیکن ہم جانتے ہیں۔ ہم انہیں دو مرتبہ عذاب دیں گے، پھر اس عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے جو بہت ہی بڑا عذاب ہے ١٠١ .

= وعمل کا نتیجہ تھی، لیکن خود ان کے خوشنود ہونے کا یہاں کیا مطلب ہوا؟ افسوس ہے کہ لوگ اس کی حقیقت نہیں سمجھے اور اگرچہ یہاں سمجھانے کی گنجائش نہیں، مگر پھر بھی کوشش کروں گا کہ سورت کے آخری نوٹ میں اس کی تشریح بھی آجائے .

١٠١ - آیت ١٠١ میں منافقوں کے ایک خاص گروہ کا ذکر کیا جو اطراف مدینہ کے بدوی قبائل میں بھی تھے =

= یاران خبر دهید که این حلوه گاه کیست

اسی طرح عور کرو حب عقبهٔ اولیٰ میں مدینہ کے سات آدمی بیعت کر رہے تھے تو کس سے کر رہے تھے اور کس حال میں کر رہے تھے! جس مظلوم کو گیارہ برس سے تمام جزیرۂ عرب جھٹلا رہا تھا اور جو حود اپنی قوم و وطن میں دشمنوں سے گھرا ہوا تھا. اس نے کہا: "مجھے قبول کرلو اور ساری دنیا کی دشمنی مول لے لو". اور ان عشاق حق نے کہا: "هم نے قبول کیا اور تیرے لیے سارے جہان کی دشمنیاں اور هر طرح کی مصیبتیں اپنے سر لے لیں":

دو عالم نقد جان بردست دارند
ببازارے کہ سودائے تو باشد

یہی وجہ ہے کہ یہاں ان کا معاملہ ایسے پیرایہ میں بیان فرمایا جس سے بڑھ کر پیرایۂ بیان عشاق حق کے لیے نہیں ہوسکتا: "رضی اللہ عنهم و رضوا عنه"، اللہ ان سے خوشنود ہوا، وہ اللہ سے خوشنود ہوے. اور سورۂ مائدہ میں انہیں کے لیے پیشین گوئی گزر چکی ہے: "یحبونهم و یحبونه"، اللہ ان سے محبت کرے گا وہ اللہ سے محبت کریں گے.

اللہ کی خوشنودی تو ظاہر ہے کہ ان کے کمال ایمان =

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا	اور دوسرے لوگ (وہ ھیں)
بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا	جنھوں نے اپنے گناھوں کا
صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى	اعتراف کیا . انھوں نے ملے
اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ	جلے کام کیے، کچھ اچھے، کچھ
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝١٠٢	برے . تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ

ان پر (اپنی رحمت سے) لوٹ آئے. اللہ بڑا ھی بخشنے والا، بڑا ھی رحمت والا ھے ١٠٢ .

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً	(اے پیغمبر!) ان لوگوں کے
تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا	مال سے صدقات قبول کرلو.
وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ	تم قبول کر کے انھیں (بخل
سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ	وطمع کی برائیوں سے) پاك اور
عَلِيْمٌ ۝١٠٣	(دل کی نیکیوں کی ترقی سے)

تربیت یافتہ کر دو گے . نیز ان کے لیے دعاء خیر کرو. بلا شبہ تمھاری دعا ان کے دلوں کے لیے راحت و سکون ھے . اور اللہ

= اور شہری باشندوں میں بھی۔ فرمایا : مردوا علی النفاق''، یہ نفاق میں مشاق اور حاذق ہو گئے ہیں ، یعنی منافقانہ زندگی میں رہتے رہتے اس کی ایسی مشق و مزاولت ہو گئی ہے کہ نو آموزوں کی طرح پکڑے نہیں جا سکتے ۔ جو کچے اور نو آموز ہیں ان کے لیے مشکل ہے کہ اپنی دلی حالت چھپائے رکھیں ۔ وہ ان کے چہروں پر ابھر ہی آتی ہے اور باتوں سے ٹپکنے ہی لگتی ہے ، لیکن یہ لوگ اس بناوٹ کے ایسے عادی ہو گئے ہیں کہ ممکن نہیں عام نگاہیں تاڑ سکیں ۔

ہم انھیں دو مرتبہ عذاب دیں گے ، یعنی یہ اپنی دھری استعداد نفاق کی وجہ سے دھرے عذاب کے مستحق ہو گئے ۔ پہلی استعداد یہ کہ منافق ہوئے ، دوسری یہ کہ اس میں کامل و مشاق ہو گئے ۔

قرآن نے جا بجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ اعمال کے نتائج ٹھیک ٹھیک ان کی حالت اور درجے کے مطابق نکلتے ہیں ۔ اگر ایک شخص نے زہر کھا لیا ہلکے قسم کا تو نتیجہ بھی ہلکے قسم کی مضرت کا نکلے گا ، لیکن اگر زہر قاتل ہے تو نتیجہ بھی قاتل ہو گا ۔ ایسا ہی قانون روحانی زندگی میں بھی کام کر رہا ہے اور اچھائیوں کی طرح برائیوں کے بھی اقسام و مدارج ہیں ۔

اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے جس کے علم سے نہ تو کوئی ظاہر بات پوشیدہ ھے نہ کوئی چھپی بات ۔ پس وہ تمہیں بتلائے گا کہ جو کچھ کرتے رھے ھو اس کی حقیقت کیا تھی ۱۰۵ ۔

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ ۱۰۶

اور (پچھلے تائب گروہ کے علاوہ) کچھ اور لوگ ھیں جن کا معاملہ اس انتظار میں کہ اللہ کا حکم کیا ھوتا ھے ملتوی ھو گیا ھے ۔ وہ انہیں عذاب دے یا (اپنی رحمت سے) ان پر لوٹ آئے ، (اسی کے ھاتھ ھے) ۔ اور اللہ (سب کچھ) جاننے والا ، (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ھے ۱۰۶ ۔

---

۱۰۲ تا ۱۰۶ - آیت ۱۰۲ سے لے کر ۱۰۶ تک ان لوگوں کا ذکر کیا ھے جنھوں نے اگر چہ اس موقع پر کوتاھی کی تھی ، لیکن اس کا سبب نفاق نہ تھا ، سستی اور کاھلی تھی ۔ پیغمبر اسلام جب سفر سے واپس آئے تو ان میں سے ھر شخص سچائی کے ساتھ اپنی غفلت پر منفعل ھوا اور کوئی نہ تھا جس کا دل حسرت و ندامت کے زخموں سے چور نہ ھو رھا ھو ۔ اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی کیوں کہ=

(دعائیں) سننے والا (اور سب کچھ) جاننے والا ہے ۱۰۳ .

أَلَمْ يَعْلَمُوٓا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَٰتِ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝١٠٤

کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا اور جو کچھ بطور خیرات کے نکالیں اسے منظور کر لیتا ہے، اور یہ کہ اللہ ہی ہے زیادہ سے زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور بڑی ہی رحمت والا ۱۰۴ .

وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ ۖ وَسَتُرَدُّونَ إِلَىٰ عَٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَٰدَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝١٠٥

اور (اے پیغمبر!) تم کہو: عمل کیے جاؤ. اب اللہ دیکھے گا کہ تمہارے عمل کیسے ہوتے ہیں. اور اللہ کا رسول بھی دیکھے گا اور مسلمان بھی دیکھیں گے اور (پھر) تم

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ	اور (منافقوں میں سے وہ لوگ بھی ہیں) جنھوں نے اس غرض سے ایک مسجد بنا کھڑی کی کہ نقصان پہنچائیں، کفر کریں، مؤمنوں میں تفرقہ

= ہونا ایک ایسا معاملہ ہے جو نفس کی پاکی و تربیت کا باعث ہوتا ہے۔ مزید اشارات کے لیے آخری نوٹ میں ”زکوٰۃ“ کا مبحث دیکھو۔

۱۰۶ – آیت ۱۰۶ میں فرمایا: کچھ اور لوگ ہیں جو خدا کے فیصلے کا ابھی انتظار کر رہے ہیں یعنی ان کی توبہ کی قبولیت و عدم قبولیت کا ابھی فیصلہ نہیں ہوا۔ یہ کل تین آدمی تھے: مرارۃ بن الربیع، کعب بن مالک، ہلال بن امیۃ۔ انھوں نے واپسی پر کوئی معذرت نہیں کی اور کہا: ”سچی بات یہ ہے کہ کوئی عذر نہ تھا، محض کاہلی اور سستی تھی جس نے نکلنے نہیں دیا“۔ اس پر آنحضرت نے فرمایا ”اللہ کے حکم کا انتظار کرو“۔ چنانچہ آگے چل کر آیت ۱۱۷ میں ان کا حکم ملے گا

= اس کی بخشش و رحمت کا دروازہ کبھی بند نہیں ہو سکتا ، شرط صرف یہ ہے کہ خود ہم اپنے دلوں کا دروازہ اپنے ہاتھوں بند نہ کر لیں :

نہ پہنچی ضعف سے لب تك دعا ہی ورنہ سدا
در قبول تو اس آرزو میں بار رہا

فرمایا : انہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا اور ان کا اعتراف دل کا اعتراف ہے ، پس کوئی وجہ نہیں کہ ان کی توبہ قبول نہ ہو ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس بارے میں اصل کار گناہوں کا سچا اعتراف ہے اور جو سر اعتراف دوب میں جھك گیا پھر اس کے لیے محرومی نہیں ہو سکتی :

کہ مستحق کرامت گناہ گار انند

اس سے پہلے حکم گزر چکا ہے کہ منافقوں کی خیرات قبول نہ کرو اور نہ ان کی بخشش کے لیے دعا کرو . یہاں فرمایا ”جن لوگوں نے اب اپنی خطاؤں کا اقرار کر لیا اور تائب ہو گئے تو وہ جو کچھ راہ حق میں نکالیں اسے قبول کر لو اور ان کے حق میں دعاء خیر کرو . تمہاری دعا ان کے دلوں کے لیے کہ حسرت و ندامت سے زخمی ہو رہے ہیں راحت و سکون کا مرہم ثابت ہوگی“ .

پھر فرمایا : ”تم اس ذریعے سے انہیں مطہر اور مزکی کر دو گے ، یعنی خیرات و زکوٰۃ کا نکالنا اور اس کا قبول =

اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ ۝۱۰۸

تمہارے پیچھے نماز پڑھیں) وہی مسجد حق دار ہے جس کی بنیاد اول دن سے تقوے پر رکھی گئی ہے (یعنی مسجد قبا اور مسجد نبوی)۔ اس میں ایسے لوگ (آتے) ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ پاک و صاف رہیں اور اللہ (بھی) پاک و صاف رہنے والوں ہی کو پسند کرتا ہے ۱۰۸۔

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰی تَقْوٰی مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝۱۰۹

کیا وہ شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے خوف اور اس کی خوشنودی پر رکھی (جو کبھی ہلنے والی نہیں) یا وہ جس نے ایک کھائی کے گرتے ہوئے کنارے پر اپنی عمارت کی بنیاد رکھی اور وہ مع اپنے مکین کے آتش دوزخ (کے گڑھے) میں جا گری؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ انہیں (کامیابی و سعادت کی) راہ نہیں دکھاتا جو ظلم کا شیوہ اختیار کرتے ہیں ۱۰۹۔

إِنْ أَرَدْنَآ إِلَّا الْحُسْنٰى ۖ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكٰذِبُونَ ۝ ۱۰۷

ڈالیں اور ان لوگوں کے لیے ایک کمیں گاہ پیدا کر دیں جو اب سے پہلے اللہ اور اس کے رسول سے لڑ چکے ہیں۔ وہ ضرور قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہمارا مطلب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ بھلائی ہو، لیکن اللہ کی گواہی یہ ہے کہ وہ اپنی قسموں میں قطعاً جھوٹے ہیں ۱۰۷۔

لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ۚ لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ ۚ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ

(اے پیغمبر!) تم کبھی اس مسجد میں کھڑے نہ ہونا۔ اس بات کی کہ تم اس میں کھڑے ہو (اور بندگان الٰہی

---

۱۷ - آیت ۱۰۷ میں منافقوں کی ایک بہت بڑی شرارت کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے ایک مسجد بنا کر کرنی چاہی تھی اور خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر کیا کہ اس میں مسلمانوں کے لیے عبرت و موعظت تھی۔ اس باب میں ضروری اشارات سورت کے آخری نوٹ میں ملیں گے۔

وَالْقُرْاٰنِ ۭ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۞ ١١١

میں نہیں بلکہ) اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں، پس مارتے بھی ہیں اور مرتے بھی ہیں۔ یہ وعدہ اللہ کے ذمہ ہو چکا (یعنی اس نے ایسا ہی قانون ٹھیرا دیا) تورات، انجیل، قرآن (تینوں کتابوں) میں (یکساں طور پر) اس کا اعلان ہے۔ اور اللہ سے بڑھ کر کون ہے جو اپنا عہد پورا کرنے والا ہو! پس (مسلمانو!) اپنے اس سودے پر جو تم نے اللہ سے چکایا خوشیاں مناؤ اور یہی ہے جو بڑی سے بڑی فیروز مندی ہے ١١١۔

---

١١١ - آیت ١١١ میں جب ایمانی کی حقیقت واضح کی ہے۔ فرمایا: جو لوگ اللہ پر ایمان لائے تو ایمان کا معاملہ یوں سمجھو کہ انہوں نے اپنا سب کچھ اللہ کے ہاتھ بیچ ڈالا، جان بھی اور مال و متاع بھی اب ان کی کوئی چیز ان کی نہیں رہی، اللہ اور اس کی سچائی کی ہو گئی۔ =

لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي	یہ عمارت جو انہوں نے بنائی
بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ	ہے (یعنی مسجد ضرار) ہمیشہ
إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ ۚ	ان کے دلوں کو شک و شبہ سے
١٣ ع ٢ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ع ١١٠	مضطرب رکھے گی (یہ کانٹا

نکلنے والا نہیں) مگر یہ کہ ان کے دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں (کیوں کہ یہ ان کے نفاق کی ایک بہت بڑی شرارت تھی جو چلی نہیں، اس لیے ہمیشہ اس کی وجہ سے خوف و ہراس کی حالت میں رہیں گے). اور اللہ سب کا حال جاننے والا، (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے ١١٠.

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ	بلا شبہ اللہ نے مومنوں سے ان
أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ	کی جانیں بھی خرید لیں اور ان
لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ	کا مال بھی، اور اس قیمت پر
فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ	خرید لیں کہ ان کے لیے بہشت
وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ	(کی جاودانی زندگی) ہو. وہ
حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ	(کسی دنیوی مقصد کی راہ

الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ	لغزشوں اور خطاؤں سے) توبہ
الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ	کرنے والے، عبادت میں
وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ	سرگرم رہنے والے، اللہ کی
وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ	حمد وثنا کرنے والے، سیر
وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۞ ۱۱۲	و سیاحت کرنے والے،

رکوع و سجود میں جھکنے والے، نیکی کا حکم دینے والے، برائی سے روکنے والے اور اللہ کی ٹھیرائی ہوئی حد بندیوں کی حفاظت کرنے والے ہیں ۔ (اے پیغمبر! یہی سچے مومن ہیں) اور مومنوں کو (کام یابی و سعادت کی) خوش خبری دے دو ۱۱۲۔

۱۱۲ - آیت ۱۱۲ اس سورت کی مہمات معارف میں سے ہے ۔ فرمایا: سچے مومنوں کے اوصاف و مدارج یہ ہیں کہ:

(ا) التائبون ، یعنی وہ جو اپنی توبہ میں سچے اور پکے ہوتے ہیں اور ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کرتے اور اپنی غفلتوں اور لغزشوں پر نادم رہتے ہیں ۔

(ب) العٰبدون ، یعنی وہ جو اللہ کی عبادت میں سرگرم رہتے ہیں اور ان کی ساری بندگیاں اور نیازمندیاں =

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ (ان لوگوں کے اوصاف و اعمال
الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ کا یہ حال ہے کہ :) (اپنی

= بندگان تو در عشق خداوندانند
دو جہاں را بہ تمنائے تو بفروختہ اند
اور پھر اللہ کی طرف سے اس کے معاوضے میں کیا ہوا ؟
یہ ہوا کہ نعیم ابدی کی کامرانیاں انہیں عطا فرمائیں .
یہ گویا خرید و فروخت کا ایک معاملہ تھا جو اللہ میں
اور عشاق حق میں طے پا گیا اب نہ بیچنے والا اپنی متاع
واپس لے سکتا ہے نہ خریدنے والا قیمت لوٹائے گا .
اثامن بالنفس النفیسة ربها فلیس لها فی الخلق کلهم ثمن
اذا ذهبت نفسی بدنیا اصبتها فقد ذهبت منی و قد ذهب الثمن
اور چوں کہ مقصود اللہ کے لطف و کرم کا اظہار تھا
اس لیے معاملے کو اپنی طرف سے شروع کیا ، نہ کہ
بیچنے والوں کی طرف سے . یعنی یہ نہیں کہا کہ مومنوں
نے بیچ ڈالی ، بلکہ کہا : " اللہ نے مومنوں سے خرید لی "
گویا معاملے کا طالب وہ تھا ، حالانکہ ہر طرح کی طلب
و احتیاج سے وہ منزہ ہے ۔ اور جو متاع اس نے قبول کی
وہ بھی اسی کی تھی اور جو کچھ معاوضے میں بخشا وہ بھی
اس کے سوا اور کس کا ہو سکتا ہے !

= الارض'' (۳: ۱۳۷) زمین میں عبرت و نظر کے لیے گردش کرتے ھیں، علم کی ڈھونڈھ میں نکلتے ھیں، راہ حق میں جد و جہد کرتے ھوے ایک گوشے سے دوسرے گوشے کا رخ کرتے ھیں، حج کے لیے خشکی و تری کی مسافتیں قطع کرتے رھتے ھیں۔

(ہ) الرّٰکعون السّٰجدون، وہ جو اللہ کے آگے جھک جاتے ھیں اور رکوع و سجود سے کبھی نہیں تھکتے۔ یہ رکوع و سجود کی حالت جسم پر بھی طاری ھوتی ھے، قلب پر بھی طاری ھوتی ھے اور زبان پر بھی طاری ھوتی ھے۔

(و) الاٰمرون بالمعروف و الناھون عن المنکر، وہ جو نیکی کا حکم دیتے ھیں اور برائیوں سے روکتے ھیں، یعنی صرف اپنے ھی نفس کی اصلاح پر قانع نہیں ھو جاتے، بلکہ دوسروں کی بھی اصلاح کرتے اور دنیا میں حق و عدالت کے نشر و قیام کو اپنا فرض سمجھتے ھیں۔

(ز) الحٰفظون لحدود اللہ، یہ آخری وصف اور آخری مقام ھوا، یعنی وہ جو ان تمام حدود کی حفاظت کرنے والے ھیں جو اللہ نے انسان کے لیے ٹھیرا دی ھیں۔ قرآن کی اصطلاح یہ ھے کہ تمام واجبات و حقوق کو، خواہ افراد کی زندگی سے تعلق رکھتے ھوں، خواہ جماعت سے، وہ حدود اللہ سے تعبیر کرتا ھے، یعنی یہ حدیں ھیں =

= صرف اسی کے لیے ہوتی ہیں .

عبادت سے مقصود عبادت خاص بھی ہے اور عام بھی . خاص یہ کہ خاص وقتوں اور خاص شکلوں کی عبادت جو دین حق نے قرار دے دی ہے اسے پورے اخلاص اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرے . عام یہ کہ انسان کی فکری حالت عبادت گزارانہ ہو جائے اور پھر وہ جو کچھ بھی سمجھے ، جو کچھ بھی کہے ، جو کچھ بھی کرے ، سب میں ایک عابدانہ روح کام کر رہی ہو .

(ج) الحمدون ، یعنی وہ جو اپنے فکر سے اور اپنے قول سے اللہ کی حمد و ستایش کرنے والے ہیں . فکر سے حمد و ستایش یہ ہوئی کہ بحکم " و یتفکرون فی خلق السموٰت و الأرض " (۳ : ۱۹۱) آسمان و زمین کی خلقت میں غور و فکر کرنا اور ان تمام کار فرمائیوں کی معرفت حاصل کرنا جو اس کی محمودیت و جمال پر دلالت کرتی ہیں . قول سے حمد و ستایش اس فکری حالت کا قدرتی نتیجہ ہے ، کیوں کہ حسن ہستی کی محمودیت دل و دماغ میں بس جائے گی ضروری ہے کہ زبان سے بھی بے اختیار اس کی حمد و ثنا کے ترانے نکلنے لگیں .

(د) السائحون ، وہ جو راہ حق میں سیر و سیاحت کرتے ہیں ، یعنی بحکم " قد خلت من قبلکم سنن فسیروا فی =

= دروازہ کھل جائے، اس لیے تیسری منزل تحمید و تسبیح کی منزل، یعنی اللہ کی حمد و ثنا کے جوش سے معمور ہو جانے کی منزل کہ "ربنا ما خلقت ھذا باطلا" (۳ : ۱۹۱) (۳۸).

پھر اگر توبہ و انابت کا تنبہ، عبادت کا ذوق اور تحمید و تسبیح کا عرفان کامل درجے کا ھے تو ممکن نہیں کہ وہ مومن صادق کو گھر میں چین سے بیٹھنے دے. ضروری ھے کہ وطن و مکان کی الفت کی زنجیریں ٹوٹیں اور سیر و سیاحت میں قدم سرگرم ہو جائیں. پس یہ چوتھی منزل ہوئی اور "السائحون" کا طبقہ چوتھا طبقہ ہوا.

ان چار منزلوں سے جو کاروان عمل گزر گیا اس نے اصلاح نفس کی مسافت طے کرلی. پس اب پانچویں منزل "الرکعون السجدون" کی ہوئی، یعنی بندگی و نیاز مندی میں پورے ہو گئے اور اللہ کے آگے سر نیاز ہمیشہ کے لیے جھک گیا. اب "الآمرون بالمعروف و الناھون عن المنکر" کا مقام انہیں حاصل ہو جائے گا، یعنی اپنی تعلیم و تربیت کا معاملہ پورا کر کے دوسروں کے لیے معلم و مربی ہو جائیں گے. چنانچہ چھٹی منزل یہی ہوئی اور اسی سے آخری منزل کے ڈانڈے مل گئے کہ "الحفظون لحدود اللہ" کا مقام ھے. یہاں پہنچ کر ان کے =

= جو مقرر کردی گئیں ۔ ان کے ٹوٹنے میں انسانی امن و سعادت کی بنیادوں کا ٹوٹ جانا ہے ۔

یہ کل سات وصف ہوے اور جس ترتیب سے بیان کیے گئے ہیں وہ قابل غور ہے ۔ یہ گویا نفس انسانی کے تزکیہ و ترقی کے سات درجے ہیں یا سات طبقے جو یکے بعد دیگرے ٹھیک اسی ترتیب سے سلوک ایمانی میں پیش آتے ہیں ۔

جب کوئی انسان راستی و ہدایت کی راہ میں قدم اٹھائے گا تو قدرتی طور پر پہلا مقام توبہ و انابت ہی کا ہوگا ، یعنی پچھلی غفلتوں اور گمراہیوں سے ، خواہ وہ کفر کی ہوں ، خواہ نفاق کی ، خواہ معاصی و زلّات کی ، باز آئے گا اور آیندہ کے لیے ان سے بچنے کا عہد کرے گا اور اپنے سارے دل اور ساری روح سے اللہ کی طرف رجوع ہو جائے گا ، اور یہی توبہ کی حقیقت ہے ۔ پھر اگر توبہ سچی ہوگی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ اللہ کی بندگی و نیاز مندی کی سرگرمی پیدا ہو جائے ۔ پس یہ دوسری منزل ہوئی یا سلوک ایمانی کا دوسرا طبقہ ۔ پھر چوں کہ عبادت گذاری کی زندگی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ فکر اور ذکر کا مقام حاصل ہو جائے اور "ملکوت السمٰوٰت و الارض" کے مشاہدہ و معرفت کا =

= کے کتنے مرحلے طے کرنے پڑتے هیں تب کهیں جا کر یه عمل انجام پاتا هے.

سورۂ تحریم میں یہی وصف مسلمان عورتوں کے لیے بهی فرمایا "مؤمنٰت قٰنتٰت تٰئبٰت عٰبدٰت سٰئحٰت" (٦٦ : ٥) الله کی فرماں بردار، برائیوں سے پرهیز کرنے والیاں، عبادت گذار، سیاحت میں سرگرم. اور روایات سے ثابت هے که نه صرف صحابۂ کرام کی بی بیاں، بلکه خود پیغمبر اسلام کی ازواج مطهرات بهی جنگ میں نکلتی تهیں اور مجاهدین کی خدمت کرتی تهیں. بعد کو اس بارے میں جو حال رها وه شرح و بیاں سے مستغنی هے.

بعضوں کو اس پر تعجب هوا که سیر وسیاحت کا شمار بهی خصائص ایمانی میں هو، اس لیے "السائحون" اور "السٰئحات" کے لغوی اور مصطلحه معنی سے گریز کرنے لگے. لیکن فی الحقیقت ان کا تعجب محل تعجب هے. قرآن نے هجرت کو ایمان کا بهترین عمل قرار دیا هے جو گهر بار چهوڑ کر نکلنا هے. اور جهاد فی سبیل الله کے لیے فرمایا: "انفروا خفافا و ثقالا" (٩ : ٤١) (٣٩). اور حج هر مستطیع مسلمان پر، مرد هو یا عورت، فرض کردیا جو باشندگان مکه کے علاوه سب کے لیے بڑی سے بڑی سیاحت هی هے. "یاتین من کل فج عمیق" (٢٢ : ٢٧) (٤٠). پهر جا بجا زور دیا=

= تمام اعمال حدود الہی کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں ۔ وہ خود اپنے اعمال میں بھی حدود اللہ کی کامل نگہداشت رکھتے ہیں اور اپنے وجود سے باہر بھی ان کے نفاذ و قیام کی نگہبانی کرتے ہیں ۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ نیک مقصد سے سیر و سیاحت کرنا سچے مومنوں کا بہترین عمل ہے اور ان اعمال میں سے ہے جن کے ذریعے وہ ایمان کے مدارج طے کرتے اور خصائص ایمانی میں کامل ہوتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ جس سرعت کے ساتھ صدر اول کے مسلمان تمام دنیا میں پھیل گئے اس کی کوئی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی اور جب تک اسلام کی عملی روح زندہ رہی ان سے بڑھ کر زمین کی مسافتیں قطع کرنے والی کوئی قوم نہ تھی ۔ وہ سیاحت کو سیاحت سمجھ کر نہیں کرتے تھے ، بلکہ اللہ کی عبادت سمجھتے تھے اور فی الحقیقت سیاحت نہ صرف ایک تنہا عبادت ہے ، بلکہ کتنی ہی عبادتوں کا مجموعہ ہے ۔ گھر بار چھوڑنا ، عزیز و اقارب کی جدائی برداشت کرنی ، سفر کی مشقتوں میں پڑنا ، قدم قدم پر مال خرچ کرنا ، آب و ہوا کی ناموافقت ، اجنبیوں سے صحبت و معاملت اور پھر ان تمام موانع و مشکلات میں عزم و عمل کا استوار رہنا ، ایثار و تحمل =

أُولِیْ قُرْبٰی مِنْ بَعْدِ　　یہ لوگ دوزخی ہیں تو پھر
مَا تَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ　　مشرکوں کی بخشایش کے
الْجَحِیْمِ ۞ ١١٣　　طلب گار ہوں اگر چہ وہ
ان کے عزیز و اقارب ہی کیوں نہ ہوں ١١٣ .

استغفار للمشرکین کی ممانعت

١١٣ - اس عہد کے مسلمانوں نے کلمۂ حق کے رشتے پر دنیا کے سارے رشتے قربان کر دیے تھے. انھیں اپنے ان عزیزوں اور رشتہ داروں سے لڑنے میں ایک لمحہ کے لیے بھی تأمل نہیں ہوا جنھوں نے اسلام کے خلاف تلوار اٹھائی تھی . اور اس وقت حالت ہی ایسی ہوگئی تھی کہ کلمۂ حق کا ساتھ دینا دنیا کے تمام رشتوں علاقوں کو خیر باد کہہ دینا تھا . لیکن اسلام کے جو دشمن لڑتے ہوے قتل ہوگئے یا اپنی موت مر گئے ان کی حالت زندوں سے مختلف ہوگئی تھی، کیوں کہ اب وہ زندہ نہ تھے کہ مسلمانوں پر ظلم و ستم کرتے یا ان کے خلاف لڑتے. بعض لوگوں کو خیال ہوا جب اللہ کے رسول کی دعا مقبول ہے تو کیوں نہ ہم اپنے ان عزیزوں کے لیے دعاء مغفرت کی التجاء کریں جو مرچکے ہیں! اور خود قرآن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت نازل ہوچکا ہے =

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ | پیغمبر کو اور ان لوگوں کو جو
اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا | ایمان رکھتے ہیں، ایسا کرنا سزاوار
لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا | نہیں کہ جب واضح ہو گیا

=کہ ملکوں کی سیر کرو، پچھلی قوموں کے آثار و باقیات سے عبرت پکڑو، ان کے عروج و زوال کے حالات و بواعث کا کھوج لگاؤ: ''افلم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبة الذین من قبلهم'' (۱۲: ۱۰۹) (۴۱). خدا کی قدرت و حکمت کی ان نشانیوں پر غور کرو جو زمین کے چپے چپے میں پھیلی ہوئی ہیں: ''و کأین من اٰیة فی السمٰوٰت و الارض یمرون علیها و هم عنها معرضون'' (۱۲: ۱۰۵) (۴۲). اور اسی سورت میں یہ حکم پڑھو گے کہ طلب علم کے لیے گھروں سے نکلو اور علم کے مرکزوں میں پہنچو: ''فلو لا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین و لینذروا قومهم اذا رجعوٓا الیهم'' (۹: ۱۲۲). اور تجارت کے سفر کو بھی فضل الٰہی کی جستجو سے تعبیر کیا، حتیٰ کہ حج کے موقع پر بھی اس کی اجازت دی: ''لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم'' (۲: ۱۹۸) (۴۳). جب کہ سیر و سیاحت کے صریح احکام موجود ہیں تو پھر کونسی وجہ ہے کہ یہاں اس وصف کی موجودگی موجب تعجب ہو؟

= اس کے بعد اس شبہ کا ازالہ کردیا جو بعض طبیعتوں کو ہوا تھا۔ فرمایا: حضرت ابراہیم نے جو اپنے باپ کے لیے مغفرت کی دعائیں کی تھیں تو صرف اس لیے کہ جب تک آدمی زندہ رہتا ہے اس کی ہدایت و اصلاح سے قطعی مایوسی نہیں ہوجاسکتی اگرچہ کتنا ہی گم راہی و شقاوت میں ڈوبا ہوا ہو، کیوں کہ ہوسکتا ہے مرنے سے پہلے باز آجائے۔ چنانچہ جب تک ان کا باپ زندہ رہا وہ مایوس نہ ہوئے اور دعائیں مانگتے رہے۔ یہ بات انہوں نے اپنے باپ سے کہہ دی تھی جب اس سے الگ ہوئے تھے اور وہ اپنی بات کے پکے تھے لیکن جب وہ کفر و جحود کی حالت میں مرگیا تو ان پر واضح ہوگیا کہ وہ اپنی روش سے باز آنے والا نہ تھا، پس اپنی اس طلب سے دست بردار ہوگئے۔

چنانچہ قرآن نے سورۂ مریم اور ممتحنہ میں ان کے اس وعدے کا ذکر کیا ہے۔ مریم میں ہے کہ جب ان کے باپ نے غصے میں آکر انہیں نکال دیا اور کہا "اگر تو اپنی روش سے باز نہ آیا تو سنگ سار کردوں گا" تو انہوں نے کہا: "سلٰم علیك ج سأستغفر لك ربی ط إنه كان بی حفیا (١٩ : ٤٧) اچھا! میں جاتا ہوں، تجھ پر سلامتی ہو، اب میں اپنے پروردگار سے تیرے لیے بخشش کی دعا =

= کہ انھوں نے اپنے باپ کے لیے دعاء مغفرت کی تھی ، حالانکہ وہ مؤمنوں کا مخالف تھا : " و اغفر لابی انہ کان من الضالین " (۲٦ : ۸٦) .

آیت ۱۱۳ میں اسی معاملے کی طرف اشارہ کیا ھے . فرمایا : نہ تو پیغمبر کو سزاوار ھے کہ ایسا کرے اور نہ مؤمنوں کو اگرچہ وہ ان کے عزیز و اقارب ھی کیوں نہ ھوں ، کیوں کہ جب ان پر یہ بات روشن ھوگئی کہ وہ دوزخی ھیں تو پھر انھیں یہ زیب نہیں دیتا کہ اللہ کے فیصلے کے خلاف زبان کھولنے کی جسارت کریں .

ان پر یہ بات روشن کس طرح ھوئی تھی ؟ اللہ کی وحی سے اگر تعیّن کے ساتھ کسی کی نسبت نازل ھو چکی ھو ، یا ان کے ان اعمال سے جن پر ان کی زندگیوں کا خاتمہ ھوا . یہ ظاھر ھے کہ وہ بیس برس تک داعی حق اور دعوت حق کے جانی دشمن رھے اور کفر و جحود اور ظلم و طغیان کی کوئی شرارت ایسی نہیں ھے جو انسان کر سکتا ھو اور انھوں نے نہ کی ھو . پھر ان کی زندگی کا خاتمہ بھی اسی عالم میں ھوا اور اپنے اعمال بد پر ایک لمحے کے لیے شرمندہ نہ ھوئے . جن لوگوں کی حالت ایسی رہ چکی ھو ان کے دوزخی ھونے سے زیادہ اور کون سی بات روشن ھو سکتی ھے ؟ =

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرٰهِيْمَ لِأَبِيْهِ إِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ إِيَّاهُۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ أَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُؕ إِنَّ إِبْرٰهِيْمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ۝١١٤	اور ابراهیم نے جو اپنے باپ کے لیے بخشایش کی آرزو کی تھی تو صرف اس وجه سے که اپنا وعده پورا کر دے جو وه اس سے کرچکا تھا (یعنی اس نے کہا تھا:

= ان کی وه مقبول دعائیں نقل کی هیں جو امت مسلمه کے ظهور اور خانۂ کعبه کی آبادی کے لیے کی تھیں، وهاں یه دعا بھی نقل کی هے ''ربنا اغفر لی و اوالدی و للؤمنین (١٤ : ٤١) خدایا! مجھے بخش دے اور میرے باپ کو بھی اور ان سب کو جو ایمان لائے''.

یهاں ''باپ'' سے مقصود ان کا حقیقی باپ هے یا چچا جس نے بطور باپ کے پرورش کیا تھا؟ تو زیاده قوی بات یهی معلوم هوتی هے که آزر ان کا چچا تھا اور یه معامله اسی کے ساته پیش آیا تھا. چنانچه سورۂ انعام آیت ٧٤ کے حاشیے میں اسی طرف اشاره گزر چکا هے

= کروں گا، وہ مجھ پر بہت مہربان ہے". اور ممتحنہ میں ہے
کہ حضرت ابراہیم نے اپنے خاندان سے تمام تعلقات قطع
کر دیے تھے، مگر صرف اتنا واسطہ اپنے باپ سے رکھا
کہ" لأستغفرن لك و ما أملك لك من الله من شيء (٦٠-٤)
میں ضرور تیری بخشش کا طلب گار رہوں گا۔ اللہ کے آگے
اس سے زیادہ تیرے لیے میرے اختیار میں کچھ نہیں ہے".

اور خود پیغمبر اسلام کا بھی یہی حال رہا کہ دشمنان
حق کے لیے ان کی زندگی میں برابر طلب گار بخشش
رہے کہ ابھی امید منقطع نہیں ہوئی تھی۔ جنگ احد میں
جب ان کا چہرۂ مبارک زخمی ہو گیا تھا تو زبان مقدس
پر یہی دعا طاری تھی کہ " رب اغفر لقومی فانہم لا یعلمون۔
خدایا: میری قوم کو بخش دے، کیوں کہ وہ جانتے نہیں
کیا کر رہے ہیں" ۔

یہ واضح رہے کہ قرآن نے حضرت ابراہیم کی یہ بات
ان کے مناقب و فضائل میں شمار کی ہے اور جابجا بطور
نمونے کے پیش کی ہے، کیوں کہ کتنے ہی ناموافق حالات
ہوں مگر ہدایت سے مایوس نہ ہونا اور اپنے ماں باپ
کے لیے ہر حال میں خیر طلب رہنا جن کی محبت و شفقت
انسان کی پرورش کا ذریعہ ہوتی ہے، ایمان و راستی کے
بہترین اعمال میں سے ہے۔ چنانچہ سورۂ ابراہیم میں جہاں =

رفیق و کارساز ہے نہ مددگار ١١٦ .

لَقَد تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ	یقیناً اللہ اپنی رحمت سے پیغمبر
وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ	پر متوجہ ہو گیا، پھر مہاجرین
الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ	اور انصار پر جنھوں نے بڑی
الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ	تنگی اور بے سر و سامانی کی
يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ	گھڑی میں اس کے پیچھے
مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ط	قدم اٹھایا اور اس وقت اٹھایا

حیات و ممات روحانی

١١٦ – آیت ١١٦ میں فرمایا: "آسمان و زمین کی بادشاہت اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے"۔ یہاں جسمانی موت و حیات کا ذکر نہ تھا۔ پس مقصود یہ ہے کہ نجات و بخشش کا رشتہ اسی کے ہاتھ میں ہے اور جس طرح اجسام کی موت و حیات اس کے حکم سے ہے اسی طرح روح کی ہدایت و شقاوت کا معاملہ بھی اسی کے حکم پر موقوف ہے۔ اور اس کے حکم سے مقصود اس کے ٹھیرائے ہوئے قوانین ہیں۔ ان قوانین کے مطابق کسی کی راہ سعادت کی راہ ہوتی ہے، کسی کی شقاوت کی۔ اور ان کے خلاف کبھی کوئی بات ظہور میں نہیں آسکتی۔

میرے بس میں اور تو کچھ نہیں، دعا ہے تو اس سے باز نہیں رھوں گا)۔ لیکن جب اس پر واضح ھو گیا کہ وہ اللہ (کی سچائی) کا دشمن ہے (اور کبھی حق کی راہ اختیار کرنے والا نہیں) تو اس سے بیزار ھو گیا۔ بلا شبہ ابراھیم بڑا ھی درد مند، بڑا ھی برد بار (انسان) تھا ۱۱۴۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا ۢ بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ۞ ۱۱۵

اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ ایک گروہ کو ھدایت دے کر پھر گم راہ قرار دے تا وقتیکہ ان پر وہ ساری باتیں واضح نہ کر دے جن سے انھیں بچنا چاھیے۔ بلا شبہ اللہ کے علم سے کوئی بات باھر نہیں ۱۱۵۔

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۞ ۱۱۶

بلا شبہ آسمان اور زمین کی (ساری) بادشاھت اللہ ھی کے لیے ہے۔ وھی جلاتا ہے اور وھی مارتا ہے (سب کچھ اسی کے قبضے میں ہے)۔ اور (مسلمانو!) اس کے سوا نہ تو تمھارا کوئی

وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ	اور (اسی طرح) ان تین
خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا	شخصوں پر بھی (اس کی رحمت
ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ	لوٹ آئی) جو (معلق حالت
بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ	میں) چھوڑ دیے گئے تھے
عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ	(اور اس وقت لوٹ آئی)
وَ ظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ	جب کہ زمین اپنی ساری وسعت
مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ	پر بھی ان کے لیے تنگ

= تاکہ اب کوئی اس حلقے سے باہر نہ رہے۔ جن سے قصور ہوا تھا وہ بھی محسوس کرنے لگیں کہ رحمت و قبولیت کی ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے ہیں:

گدایاں را ازیں معنی خبر نیست

کہ سلطان جہاں با ماست امروز

توبہ کے معنی رجوع ہونے اور لوٹنے کے ہیں۔ اللہ کا اپنی رحمت کے ساتھ لوٹنا کاملوں کے لیے یہ ہے کہ مزید رحمت و اکرام ہو، قصور مندوں کے لیے یہ کہ قبولیت و مغفرت ہو۔

اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ لا ١١٧ حب كه حالت ايسى هو چكى تهى
كه قريب تها ان ميں سے ايك گروه كے دل ڈگمگا جائيں . پهر
وه اپنى رحمت سے ان سب پر متوجه هو گيا . بلا شبه وه شفقت
ركهنے والا ، رحمت فرمانے والا هے ١١٧ .

---

١١٧ - آيت ١١٧ پچهلى آيتوں كے بعد نازل هوئى هے .
اس ميں ان لوگوں كو قبوليت توبه كى بشارت دى هے
جن سے غزوهٔ تبوك كى تياريوں ميں كوتاهى هوئى تهى
اور جن كى نسبت آيت ١٠٢ ميں فرمايا تها كه انهيں رحمت
الٰهى كا اميدوار رهنا چاهيے . چوں كه قبوليت كا مقتضا
يه تها كه ان كے دلوں كے زخم دهوئے جائيں اور مرحمت
و اكرام كے مرهموں سے تسكين پائيں ، اس ليے پيرايهٔ
بياں ايسا اختيار كيا گيا كه ان كے سارے دكهوں كا
مداوا هو گيا . انهوں نے اس لغزش كى وجه سے اپنى
اصلى جگه كهو دى تهى ، يعنى جن مقبولوں كے ساتھ ان
كا شمار تها ان كى صف سے باهر هو گئے تهے . پس
قبوليت توبه كا مژده سنايا گيا تو اس طرح كه پهلے خود
پيغمبر اسلام كا نام آيا ، پهر مهاجرين و انصار كا اور پهر
انهيں كے ضمن ميں ان لوگوں كا بهى ذكر كر ديا گيا اور
رحمت الٰهى كى توجه يكساں طور پر سب كے ليے كهى گئى . =

= ان تینوں سے بھی غزوۂ تبوك میں کوتاهی هوئی اور شریك نه هوے، لیکن جب آنحضرت واپس تشریف لائے اور ساتھ نه دینے والے اپنے اپنے عذر پیش کر کے معافی مانگنے لگے تو انهوں نے کوئی خاص عذر پیش نهیں کیا اور صاف صاف تسلیم کر لیا که هماری سستی اور کاهلی تهی که اس سعادت سے محروم رهے. یه سن کر آپ نے فرمایا ''حکم الٰہی کا انتظار کرو''. پھر تمام مسلمانوں کو حتی که ان کی بیویوں کو بھی حکم هوا که ان سے ملنے جلنے کے تمام تعلقات منقطع کر لو. چنانچه اچانك انهوں نے اپنے آپ کو اس حالت میں پایا که مدینه اور اطراف مدینه کی پوری آبادی نے ان کی طرف سے رخ پھیر لیا تھا. ان کے عزیز و قریب تك ان کے سلام کا جواب نهیں دیتے تھے. آخر جب پورے پچاس دن اس حالت میں گزر گئے تو یه آیت نازل هوئی اور انهیں قبولیت توبه کی بشارت ملی.

ان تین صحابیوں میں سے حضرت کعب بن مالك نے خود اپنی سرگذشت تفصیل کے ساتھ بیان کی هے. وه کهتے هیں: تمام جنگوں میں میں نے رسول الله کے ساتھ شرکت کی اور اس موقع پر بھی نکلنے کا فیصله کر لیا تھا. لیکن ایك کے بعد ایك دن نکلتے گئے اور میں اسی خیال =

تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا ۚ هو گئی تھی اور وہ خود بھی

إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ اپنی جان سے تنگ آگئے تھے

١٤ الرَّحِيمُ ۝ ع ١١٨ اور انھوں نے جان لیا تھا کہ

ع ٣ اللہ سے بھاگ کر انہیں کوئی پناہ نہیں مل سکتی مگر خود

اسی کے دامن میں ۔ پس اللہ (اپنی رحمت سے) ان پر لوٹ آیا

تاکہ وہ رجوع کریں ۔ بلا شبہ اللہ ہی ہے بڑا توبہ قبول کرنے

والا ، بڑا ہی رحمت والا ١١٨ ۔

---

١١٨ - اس کے بعد فرمایا: ان تین آدمیوں کی بھی

توبہ قبول ہو گئی جن کا معاملہ ملتوی کر دیا گیا تھا ۔

یعنی جن کی نسبت کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا اور پیغمبر

اسلام نے فرمایا تھا حکم الٰہی کا انتظار کرو ۔ چنانچہ

آیت ١٠٦ میں انہیں کی نسبت گزر چکا ہے کہ حکم

الٰہی کے انتظار میں ہیں ۔

یہ تین شخص کعب بن مالک، ھلال بن امیہ اور مرارہ

بن ربیع تھے ۔ کعب بن مالک ان تہتر سابقین انصار میں سے

ہیں جنھوں نے عقبۂ ثانیہ میں بیعت کی تھی ۔ اور ھلال بن

امیہ اور مرارہ بن ربیع دونوں بدری تھے، یعنی ان

جاں نثاروں میں جنھوں نے جنگ بدر میں شرکت کی تھی ۔ =

ح ۱۱۸ ”و علی الثلثة الذین خلفوا“

= شریك ابتلاء گھر میں بند ھو کر بیٹھ رھے تھے۔ لیکن میں سخت جان تھا۔ اس حالت میں بھی روز گھر سے نکلتا، مسجد میں حاضری دیتا، جماعت میں شریك ھوتا اور پھر ایك گوشے میں سب سے الگ بیٹھ جاتا۔ اکثر ایسا ھوتا کہ نماز کے بعد قریب جا کر سلام عرض کرتا اور پھر اپنے جی میں کہتا: "دیکھوں! سلام کے جواب میں آپ کے لبوں کو حرکت ھوتی ھے یا نہیں"؟ آپ گوشۂ چشم سے کبھی کبھی دیکھ لیتے، لیکن جب میری نگاہ حسرت اٹھتی تو رخ پھر جاتا:

پھر تسکین دل نے رکھ لی ھے غنیمت جان کر

وہ جو وقت ناز کچھ جنبش ترے ابرو میں ھے

ایك دن شہر سے باھر نکلا تو ابو قتادہ کے باغ تك پہنچ گیا۔ یہ میرا چچیرا بھائی تھا اور اپنے تمام عزیزوں میں اسے زیادہ محبوب رکھتا تھا۔ میں نے سلام کیا، مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا: "ابو قتادہ! کیا تم نہیں جانتے کہ میں مسلمان ھوں اور اللہ اور اس کے رسول کی اپنے دل میں محبت رکھتا ھوں"؟ اس پر بھی اس نے میری طرف رخ نہیں کیا۔ لیکن جب میں نے یہی بات بار بار دھرائی تو صرف اتنا کہا "اللہ و رسولہ أعلم" اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ھے۔ تب مجھ سے ضبط =

= میں رہا کہ اپنے معاملات نبٹا لوں تو نکلوں، یہاں تک کہ آج کل ہوتے ہوتے پورا وقت نکل گیا. اتنے میں خبر اڑی کہ آنحضرت واپس آرہے ہیں. تب میری آنکھیں کھلیں، لیکن اب کیا ہوسکتا تھا. آپ حسب معمول پہلے مسجد میں تشریف لائے اور جو لوگ کوچ میں شریک نہیں ہوے تھے وہ آآکر معذرتیں کرنے لگے اور قسمیں کھا کھا کر اپنی سچائی کا یقین دلانے لگے. یہ کچھ اوپر اسّی آدمی تھے. انھوں نے جو کچھ ظاہر کیا آنحضرت نے قبول کر لیا اور ان کے دلوں کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا. جب میری طرف متوجہ ہوے تو مجھ سے یہ نہ ہوسکا کہ کوئی جھوٹی معذرت بنا کر کہہ دیتا. جو کچھ سچی بات تھی صاف صاف عرض کر دی. آپ نے سن کر فرمایا: "اچھا! جاؤ اور انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے". میں نے لوگوں سے پوچھا اور بھی کسی کو ایسا حکم ہوا ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں! مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ کو.

اس کے بعد جب آنحضرت کا حکم ہوا کہ ہم تینوں سے کوئی بات چیت نہ کرے تو سب نے منہ پھیر لیا. اچانک دنیا کچھ سے کچھ ہو گئی، گویا کل تک جس دنیا میں تھا اب وہ دنیا ہی نہیں رہی تھی. میرے دونوں =

= اور خدا کی زمین بھی اپنی ساری پہنائیوں پر میرے لیے تنگ ہو گئی تھی . اچانک کیا سنتا ہوں ! کوئی آدمی کوہ سلع پر سے پکار رہا ھے : کعب بن مالك ! بشارت ہو . تمہاری توبہ قبول ہو گئی .

چه مبارک سحرے بود و چه فرخنده شبے
آن شب قدر که ایں تازه براتم دادند

اب لوگ جوق جوق مجھے مبارک باد دینے کے لیے دوڑے . ایك آدمی گھوڑا دوڑاتے ہوئے آیا . لیکن بشارت کی آواز اس سے بھی زیادہ تیز ثابت ہوئی تھی . میں مسجد میں حاضر ہوا تو آنحضرت لوگوں کے حلقے میں بیٹھے تھے . آنحضرت کا قاعدہ تھا که جب خوش ہوتے تو چہرۂ مبارک چمکنے لگتا جیسے چاند کا ٹکڑا ہو . ہم لوگوں کو یہ بات معلوم تھی ، اس لیے ہمیشه آپ کے چہرہ پر نگاہ رکھتے تھے . چنانچه میں نے دیکھا اس وقت بھی چہرۂ مبارک چمك رہا تھا . فرمایا : کعب ! تجھے آج اس دن کے ورود کی بشارت دیتا ہوں جو تیری زندگی کا سب سے بہتر دن ھے . میں نے عرض کیا : یہ بات آپ کی جانب سے ہوئی یا الله کی وحی سے ؟ فرمایا : الله کی وحی سے . (صحیحین)

اس آیت کا نوٹ نوٹ کے حدود سے متجاوز ہو گیا ، =

= نہ ہو سکا اور بے اختیار آنکھیں اشک بار ہو گئیں .

وہاں سے واپس ہوا تو راستے میں شام کا ایک نبطی مل گیا . وہ لوگوں سے کہہ رہا تھا: "کوئی ہے جو کعب بن مالک تک پہنچا دے"؟ لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا تو اس نے بادشاہ غسان کا ایک خط نکال کر میرے حوالے کیا. اس میں لکھا تھا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارے آقا نے تم پر سختی کی ہے. تم ہمارے پاس چلے آؤ، ہم تمہاری قدر و منزلت کریں گے. خط پڑھ کر میں نے کہا: یہ ایک اور نئی مصیبت آئی، گویا پچھلی بلائیں کافی نہ تھیں .

جب اس حالت پر چالیس راتیں گزر چکیں تو آنحضرت کی جانب سے ایک آدمی آیا اور کہا: حکم ہوا ہے تم اپنی بیوی سے الگ ہو جاؤ . میں نے کہا: طلاق دے دوں؟ کہا: نہیں ' صرف علٰحدگی کا حکم ہے. ہلال اور مرارہ کو بھی ایسا ہی حکم ہوا ہے . اس پر میں نے اپنی بیوی کو اس کے میکے بھجوا دیا .

جب دس دن اور گزر گئے تو پچاسویں رات پر صبح آئی . میں اپنے مکان کی چھت پر نماز پڑھ کر بیٹھا تھا اور ٹھیک وہی حالت تھی جس کی تصویر اللہ کے کلام نے کھینچ دی ہے . زندگی سے تنگ آ گیا تھا =

= ان تین لفظوں میں اس عہد کے مسلمانوں کی دھیت کی پوری تصویر اتر آئی ھے ۔ یعنی مجھے معلوم تو سب کچھ ھے ، جانتا ھوں کہ تم پکے مسلمان ھو ، لیکن اپنے جاننے کو کیا کروں ؟ جاننا تو اللہ اور اس کے رسول کا ھے اور اس کا حکم یہی ھے کہ تم سے کوئی واسطہ نہ رکھوں ۔

پھر اس اطاعت کے لیے نہ تو کوئی مادی قوت کام میں لائی گئی تھی ، نہ عمال حکومت کا ڈر تھا ، نہ قانون و عدالت کا ۔ صرف ایک شخص کے لبوں نے حرکت کی تھی اور اتنی بات سب کو معلوم ھو گئی تھی کہ اس کی مرضی یہی ھے ۔ بس اتنی بات کا معلوم ھو جانا اس کے لیے کافی تھا کہ سب کے دل مجسم اطاعت و امتثال بن جائیں ۔

(ج) پھر یہ بھی دیکھو کہ مسلمانوں کی باھمی اخوت و محبت کا کیا حال تھا ؟ اس سختی کے ساتھ حکم کی تعمیل تو سب نے کی ، لیکن ساتھ ھی ان کی مصیبت کے غم سے کوئی دل خالی بھی نہ تھا ۔ سب کے دلوں کو لگی تھی کہ ان کی توبہ قبول ھو جائے ۔ جونہیں قبولیت کا اعلان ھوا ایک پر ایک دوڑنے لگا کہ ان سختی کشان عشق کو سب سے پہلے میری زبانی مژدۂ قبولیت ملے ۔ کوہ سلع پر سے جس نے پکارا کہ سب سے پہلے بشارت سنائی تھی ، حضرت کعب نے گو اس کا نام نہیں لیا لیکن وہ حضرت ابو بکر تھے ۔

= ليكن تفصيل اس ليے ضروری هوئی كه معامله اهم هے اور اس ميں مسلمانوں كے ليے بڑی هی عبرت و موعظت هے. امام احمد بن حنبل كی نسبت منقول هے كه قرآن كی كوئی آيت انهيں اس قدر نهيں رلاتی تهی جس قدر يه آيت اور كعب بن مالك كی روايت. اس سے معلوم هوا كه :

(ا) خدمت حق ميں تساهل ايك مومن كے ليے كيسا سخت جرم هے كه ايسے مخلص اور مقبول صحابی بهی اس درجه سرزنش كے مستحق هوے اور تمام مسلمانوں كو ان سے قطع علائق كا حكم ديا گيا.

(ب) مسلمانوں كی اطاعت و امتثال كا كيا حال تها كه جونهيں انقطاع علائق كا حكم هوا تمام شهر نے بيك دفعه رخ پهير ليا. چوری چهپے بهی كسی نے اس حكم كی خلاف ورزی نهيں كی، حتی كه ان كے محبوب سے محبوب عزيزوں كو بهی يه خيال نه گزرا كه ايك لمحے كے ليے اس پر عمل نه كريں يا كم از كم تعميل ميں نرمی و تساهل سے كام ليں. ابو قتاده كا حال خود حضرت كعب كی زبان سے سن چكے هو. جب انهوں نے كها: تم تو اس سے بے خبر نهيں هو سكتے كه سچا مسلمان هوں. الله اور اس كے رسول كو دوست ركهتا هوں. پهر مجھ سے رخ كيوں پهير ليا هے؟ تو ابو قتاده نے صرف يهی كها كه" الله و رسوله اعلم". =

عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۙ ١٢٠

مصیبت بھی پیش آتی وہ ان کے لیے ایک نیک عمل شمار کی جاتی . ہر پیاس جو وہ جھیلتے، ہر محنت جو وہ اٹھاتے، ہر مخمصہ جس میں وہ پڑتے، ہر وہ قدم جو وہاں چلتا جہاں چلنا کافروں کے لیے غیظ و غضب کا باعث ہوتا اور ہر وہ چیز جو وہ (مال غنیمت میں) دشمنوں سے پاتے (یہ سب کچھ ان کے لیے عمل نیک ثابت ہوتا، کیوں کہ) اللہ نیک کرداروں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا ١٢٠ .

وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ١٢١

اور (اسی طرح) وہ (اللہ کی راہ میں) کوئی رقم نہیں نکالتے، چھوٹی ہو یا بڑی، اور کوئی میدان طے نہیں کرتے مگر یہ کہ (اس کی نیکی) ان کے نام لکھی جاتی ہے، تاکہ اللہ ان کے کاموں کا انہیں بہتر سے بہتر اجر عطا فرمائے ١٢١ .

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا	مسلمانو! خدا کے خوف سے
اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ	بےپروا نہ ہو جاؤ) اور چاہیے
الصّٰدِقِيْنَ ۞ ١١٩	کہ سچوں کے ساتھی ہو (کہ

یہ سچائی تھی جو ان لوگوں کی بخشش کا وسیلہ ہوئی) ۱۱۹ .

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ	مدینہ کے باشندوں کو اور ان
وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ	اعرابیوں کو جو اس کے
الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا	اطراف میں بستے ہیں، لائق
عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا	نہ تھا کہ اللہ کے رسول کا
بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ط	(دفاع میں) ساتھ نہ دیں اور
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ	پیچھے رہ جائیں، اور نہ یہ
ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا	بات لائق تھی کہ اس کی جان کی
مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	پروا نہ کر کے محض اپنی جانوں
وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ	کی فکر میں پڑ جائیں، اس لیے
الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ	کہ اللہ کی راہ میں انہیں جو

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا مسلمانو! ان کافروں سے
قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ جنگ کرو جو تمہارے آس
مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا پاس (پھیلے ہوئے) ہیں اور
فِيكُمْ غِلْظَةً ۚ وَاعْلَمُوٓا چاہیے کہ وہ (جنگ میں)
اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ۞ ١٢٣ تمہاری سختی محسوس کریں
(کہ بغیر اس کے جنگ جنگ نہیں) اور یاد رکھو اللہ ان کا

اسلام

= کے لیے نکل کھڑے ہوں. پس ایسا کرنا چاہیے کہ ہر بستی اور ہر گروہ میں سے کچھ لوگ اس کام کے لیے وقف ہو جائیں. وہ تعلیم و تربیت کے مرکز میں (اور اس وقت مرکز مدینہ تھا) رہ کر دین میں بصیرت پیدا کریں اور پھر اپنی آبادیوں میں جا کر دوسروں کو تعلیم دیں.

قرآن کے یہی اشارات ہیں جنھوں نے مسلمانوں میں اول دن سے تحصیل علم کا عام ولولہ پیدا کر دیا تھا، حتی کہ انھوں نے ایک صدی کے اندر ہی اندر اس کا ایک ایسا عالم گیر نظام قائم کر دیا جس کی نظیر دنیا کی کسی قوم کی تاریخ میں نہیں مل سکتی.

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوٓا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ
يَحْذَرُونَ ع ۱۲۲ ١٥ ع ٤

اور (دیکھو!) یہ ممکن نہ تھا کہ سب کے سب مسلمان (اپنے گھروں سے) نکل کھڑے ہوں (اور تعلیم دین کے مرکز میں آکر علم و تربیت حاصل کریں)۔ پس کیوں نہ ایسا کیا گیا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکل آئی ہوتی کہ دین میں دانش و فہم پیدا کرتی اور جب (تعلیم و تربیت کے بعد) اپنے گروہ میں واپس جاتی تو لوگوں کو (جہل و غفلت کے نتائج سے) ہشیار کرتی تاکہ برائیوں سے بچیں ۱۲۲۔

۱۲۲ – اس سے پہلے آیت ۹۷ میں بدوی قبائل کی نسبت فرمایا تھا کہ احکام دین سے بے خبری ان سے زیادہ متوقع ہے، کیونکہ تعلیم و تربیت سے محروم رہتے ہیں۔ اب یہاں اشارہ کیا کہ تعلیم کا ایک عام نظم قائم کرنا چاہیے۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ تمام مسلمان گھر چھوڑ کر تحصیل علم =

فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُولُ (الله کی طرف سے) قرآن کی
اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِيْمَانًا ج کوئی سورت اترتی ھے تو ان
فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ (منافقون) میں کچھ لوگ ھیں
اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝۱۲۴ جو (انکار و شرارت کی راہ
سے) کہتے ھیں ''تم لوگوں میں سے کس کا ایمان اس نے
زیادہ کر دیا''؟ تو حقیقت یہ ھے کہ جو ایمان رکھتے ھیں
ان کا ایمان تو ضرور زیادہ کر دیا اور وہ اس پر خوشیاں
منا رھے ھیں ۱۲۴.
وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ لیکن (ھاں!) جن لوگوں کے
مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا دلوں میں (نفاق کا) روگ ھے
اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا (اور ایمان کی جگہ انکار کی
وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۱۲۵ ناپاکی) تو بلا شبہ اس نے
ان کی ناپاکی پر ایک اور ناپاکی بڑھا دی اور (نتیجہ بھی دیکھ لو!)
وہ مر گئے اور اس حالت میں مرے کہ ایمان سے قطعی
محروم تھے ۱۲۵.
اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ (افسوس ان پر!) کیا یہ نہیں

ساتھی ہے جو (ہر حال میں) متقی ہوتے ہیں ۱۲۳ .

وَ اِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اور جب ایسا ہوتا ہے کہ

معرکۂ یرموک کی پیشین گوئی

۱۲۳ - آیت ۱۲۳ میں غالباً اس طرف اشارہ تھا کہ گو تبوک میں رومیوں سے مقابلہ نہیں ہوا، کیوں کہ انھوں نے حملے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا، لیکن وہ پھر تیاریاں کرنے والے ہیں اور ضروری ہے کہ مسلمان جنگ کے لیے مستعد رہیں. اس صورت میں "الذین یلونکم" کا مطلب یہ ہوگا کہ جو دشمن تمھاری سرحد سے متصل ہیں یعنی شام کے رومی اور عرب کے عیسائی قبائل. چنانچہ چند سالوں کے بعد ایسا ہی ہوا اور یرموک کا معرکہ پیش آیا.

چوں کہ رومیوں کا مقابلہ اس عہد کی سب سے زیادہ طاقتور اور متمدن شاہنشاہی کا مقابلہ تھا، اس لیے فرمایا: "اس قوت سے لڑو کہ وہ تمھاری سختی محسوس کریں". مسلمانوں نے اس حکم کی جس طرح تعمیل کی اس کا اندازہ صرف اس بات سے کر لیا جاسکتا ہے کہ ہرقل کی فوج بالاتفاق دو لاکھ سے زیادہ تھی اور مسلمان زیادہ سے زیادہ چوبیس ہزار تھے، لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ ہمیشہ کے لیے رومی حکومت کا شام میں خاتمہ ہو گیا.

وَ إِذَا مَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ	اور جب کوئی سورت نازل
نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ ؕ	ہوتی ہے (جس میں منافقوں
هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ	کا ذکر ہوتا ہے) تو وہ آپس
انْصَرَفُوا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ	میں ایک دوسرے کی طرف

= خدا کے روحانی قوانین بھی اس کے جسمانی قوانین کی طرح ہیں . تم بد پرہیزی کرتے ہو تو فوراً نہیں مرجاتے ، البتہ موت کے پیام آنا شروع ہو جاتے ہیں . یہ پیام کیا ہیں ؟ بیماریاں ہیں جو موت کی طرف سے آنے لگتی ہیں ، تاکہ تمہیں بر وقت ہشیار کر دیں . اگر تم ہشیار ہو گئے تو وہ رک جائے گی ، نہ ہوئے تو پھر تمہارے سرھانے آ کھڑی ہو گی . ٹھیک ایسا ہی معاملہ جماعتوں اور قوموں کے ساتھ بھی پیش آتا ہے . اور ایسا ہی معاملہ افراد کی معنوی سعادت و شقاوت کا بھی سمجھو . جو نصیحت پکڑتے اور باز آجاتے ہیں وہ سنت الٰہی کے مطابق ہلاکت سے بچ جاتے ہیں . جو مصر رہتے ہیں ہلاک ہو جاتے ہیں . یہی حقیقت ہے جسے قرآن نے جا بجا امہال ، تربص ، اور تمتع سے بھی تعبیر کیا ہے . (تشریح کے لیے دیکھو تفسیر فاتحہ)

فِیْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَیْنِ ثُمَّ لَا یَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ۝١٢٦

دیکھتے کہ کوئی برس اس سے خالی نہیں جاتا کہ ایک مرتبہ یا دو مرتبہ آزمایش میں نہ ڈالے جاتے ہوں، پھر بھی یہ ہیں کہ نہ تو توبہ کرتے ہیں، نہ نصیحت پکڑتے ہیں ۱۲۶ .

قانون انذار و تنبیہ

۱۲۶ - آیت ۱۲۶ میں اگرچہ منافقوں کا ذکر ہے، لیکن قرآن کے تمام بیانات کی طرح یہاں بھی مقصود یہ ہے کہ غفلت انسانی کی ایک عام تصویر سامنے آجائے. افراد کی زندگی ہو یا جماعات کی، لیکن ہر ہلاکت و بربادی کے بعد تم سراغ لگاؤ گے تو پاؤ گے کہ ان کی ہلاکت اچانک ان پر نہیں آگری تھی. وہ مدتوں تک ان پر منڈلاتی رہی لیکن اتری نہیں. وہ اپنی آمد کی علامتیں بھیجتی رہی. ان کی زندگی کا کوئی برس، کوئی مہینہ، بلکہ کوئی دن ان سے خالی نہیں گیا. لیکن جب یہ ساری تنبیہیں بے کار ہوئیں اور وہ غفلت و گمراہی سے باز نہ آئے تو پھر ان پر اتر آئی، کیوں کہ یہ ان کی ”اجل“ تھی اور جب اجل آجائے تو وہ ٹل نہیں سکتی. (دیکھو ۷ : ۳٤)

١٦ ع ٥

رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۚ ١٢٩ سہارا بس کرتا ھے . کوئی معبود نہیں ھے مگر صرف اسی کی ذات . میں نے اس پر بھروسا کیا ، وہ (تمام عالم ھستی کی جہاں داری کے) عرش عظیم(٤٤) کا خداوند ھے ١٢٩ .

براءت الٰہی وداعی موعظت تھی .

١٢٨ و ١٢٩ - امام بخاری نے براء سے روایت کی ھے کہ آخری سورت جو نازل ھوئی براءت ھے . اور حاکم وغیرہ نے ابی بن کعب اور ابن عباس کا قول نقل کیا ھے کہ سب سے آخری آیات جو نازل ھوئیں براءت کی آخری دو آیتیں ھیں . لیکن تمام روایتوں کو جمع کیا جائے تو معلوم ھوتا ھے براءت سب سے آخری نہیں ھوسکتی . کم از کم "واتقوا یوما ترجعون فیه الی الله" (٢٨١:٢) اور سورۂ نصر اس کے بعد ضرور نازل ھوئی ھے . بہر حال آخریں ھو یا نہ ھو ، لیکن باعتبار نزول کے یہ آخری کلام میں سے ضرور ھے اور اسی لیے بحیثیت مجموعی پوری سورت میں اور آخری دو آیتوں میں خصوصیت کے ساتھ اس طرح کا طرز خطاب پایا جاتا ھے جیسے امت کو آخری احکام دیے جا رھے ھوں یا آخری موعظت کا پیام ھو .

چنانچہ آخری دو آیتوں میں عرب کی اس نسل سے =

قُلُوبَهُم بِأَنَّهُم قَوْمٌ دیکھنے لگتے ہیں کہ تم پر
لَّا يَفْقَهُونَ ۝ ١٢٧ کسی کی نگاہ تو نہیں؟ (یعنی
اپنا ذکر سن کر جو تم چونک اٹھے ہو تو اس پر کسی کی نگاہ
تو نہیں پڑ رہی؟) پھر منہ پھیر کر چل دیتے ہیں۔ تو حقیقت یہ
ہے کہ اللہ نے ان کے دل ہی (راست باری سے) پھیر دیے
کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ بوجھ سے کورے ہو گئے ١٢٧۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ (مسلمانو!) تمہارے پاس (اللہ
أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ کا) ایک رسول آ گیا ہے جو
مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم تمہیں میں سے ہے، تمہارا رنج
بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ ١٢٨ و کلفت میں پڑنا اس پر بہت
شاق گزرتا ہے، وہ تمہاری بھلائی کا بڑا ہی خواہش مند ہے،
وہ مومنوں کے لیے شفقت رکھنے والا، رحمت والا ہے ١٢٨۔

فَإِن تَوَلَّوْا فَقُلْ (اے پیغمبر!) اگر اس پر بھی
حَسْبِيَ اللَّهُ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا یہ لوگ سرتابی کریں تو ان
هُوَ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَهُوَ سے کہہ دو: میرے لیے اللہ کا

= یقینی نہیں ہو سکتی کہ وہ سر تاپا شفقت و رحمت ہے.
وہ تمہارا دکھ برداشت نہیں کر سکتا. تمہاری ہر تکلیف
خواہ جسم کے لیے ہو خواہ روح کے لیے، اس کے دل
کا درد وغم بن جاتی ہے. وہ تمہاری بھلائی کی خواہش
سے لبریز ہے. وہ اس کے لیے ایسا مضطرب قلب رکھتا
ہے کہ اگر اس کی بن پڑتی تو ہدایت و سعادت کی
ساری پاکیاں پہلے ہی دن گھونٹ بنا کر پلا دیتا. پھر
اس کی یہ شفقت و محبت صرف تمہارے ہی لیے نہیں ہے،
وہ تو تمام مومنوں کے لیے خواہ عرب کے ہوں خواہ
عجم کے، رءوف رّحیم ہے".

"رءوف" رأفة سے ہے اور اس کا اطلاق ایسی
رحمت پر ہوتا ہے جو کسی کی کمزوری و مصیبت پر جوش
میں آئے. پس "رأفة" رحمت کی ایك خاص صورت ہے
اور رحمت عام ہے. دونوں کے جمع کر دینے سے رحمت
کا مفہوم زیادہ قوت و تأثر کے ساتھ واضح ہو گیا.

خدا نے یہ دونوں وصف جا بجا اپنے لیے فرمائے ہیں
اور یہاں اپنے رسول کے لیے بھی فرمائے.

اس کے بعد فرمایا کہ اگر یہ مجمع مخاطبین یہ سب کچھ
دیکھ لینے اور تجربہ کر لینے کے بعد بھی اداء فرض سے
اعراض کرے تو اے پیغمبر! تم آخری اعلان کردو =

= خطاب ہے جو اس وقت مخاطب تھی۔ فرمایا: ”اللہ کا رسول تم میں آ گیا اور اس نے اپنا فرض رسالت ادا کر دیا۔ وہ کسی دوسری جگہ سے تم میں نہیں آ نکلا تھا، سنت الٰہی کے مطابق خود تمھیں میں پیدا ہوا۔ اور چوں کہ وہ تمھیں میں سے ہے اس لیے اول سے لے کر آخر تک اس کی ساری باتیں تمھاری نگاہوں کے سامنے رہی ہیں۔ اس کا لڑکپن بھی تم میں گزرا، اس کی جوانی کے دن بھی تم میں بسر ہوئے۔ پھر اس نے نبوت کا اعلان کیا تو تم سے کہیں چھپ کر زندگی بسر نہیں کی۔ اس کی ساری باتیں تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ پھر جو کچھ گزرنا تھا گزرا اور تم نے مظلومی و بے کسی کے اعلان بھی سن لیے، فتح و کامرانی میں ان کی تصدیق بھی کر لی۔ تم میں کوئی نہیں جو اس کی بے داغ زندگی کا شاہد نہ ہو اور کوئی نہیں جس نے اس کی ایک ایک بات کی سچائی آزما نہ لی ہو“۔

پھر ان کے ایک ایسے وصف پر زور دیا جو منصب رسالت کے لیے اور ہر اس انسان کے لیے جو قوم کی رہ نمائی و قیادت کا مقام رکھتا ہو، سب سے زیادہ ضروری وصف ہے۔ یعنی ابناء جنس کے لیے شفقت و رحمت۔ فرمایا: ”اس سے زیادہ کوئی بات تمھارے لیے =

= یہی وجہ ھے کہ اس سورت میں اس تفصیل اور شدت کے ساتھ استعداد کار اور عزم و ھمت کی تلقین کی گئی کہ اس کی نظیر کسی دوسری سورت میں نہیں ملتی .

پس یہاں اس آخری موعظت و اعلان کا مطلب یہ ھے کہ اھل عرب پر دو باتیں واضح کردی جائیں : ایك یہ کہ جو کچھ ھو چکا ھے یہ معاملے کی تکمیل نہیں ھے بلکہ محض ابتدا ھے اور اس لیے اداء فرض کا مطالبہ بدستور باقی ھے ، یہ نہیں سمجھنا چاھیے کہ کام سے فارغ البال ھو گئے . دوسری یہ کہ کلمۂ حق اپنے عروج کے لیے تمھارا محتاج نہیں . اگر آیندہ تم نے کوتاھی کی تو خود نقصان اٹھاؤ گے ، دعوت حق کا کچھ نہیں بگڑے گا . اس کے لیے صرف اللہ کی جہاں داری عالم کے عرش عظیم کا مالك ھے ، نصرت و حمایت کفایت کرتی ھے .

مندرجۂ بالا سطور سے وہ تمام الجھاؤ دور ھو گئے جو ان دو آیتوں کے بارے میں پیدا ھو گئے تھے . چوں کہ ان آیتوں میں اھل عرب سے خطاب ھے اور اعراض کی صورت میں توکل علی اللہ کی تلقین کی گئی ھے اور یہ اسلوب بیان زیادہ تر مکی سورتوں کا رھا ھے ، اس لیے مفسرین نے خیال کیا یہ مدنی آیتیں نہیں ھوسکتیں اور سورۂ براءت میں ان کا ھونا تعجب انگیز ھے ، =

= كه ميرے ليے الله بس كرتا تها اور اب بهی الله بس كرتا هے . وه اپنے كلمۂ حق كا محافظ هے اور اس كی مشيت نے جو كچه فيصله كر ديا هے بهرحال هو كر رهنے والا هے . اس كا قيام و عروج كسی خاص ملك اور قوم كی پشت پناهی پر موقوف نهيں . ميرا بهروسا اسی پر تها اور اسی پر هے . ميں اپنے فرض سے سبك دوش هو گيا .

يه پيام موعظت يهاں كيوں ضروری هوا؟ اس كے سمجهنے كے ليے ضروری هے كه دو باتيں سامنے ركهی جائيں : سورت كے نزول كا وقت اور سورت كے مطالب . يه سورت اس وقت نازل هوئی جب تمام عرب ميں كلمۂ حق سر بلند هو چكا تها اور گو قرآن نے دعوت حق كی عالم گير فيروز مندیوں كی خبر دے دی تهی ، تاهم ان لوگوں كے ليے جو كل تك غربت و بے كسی كی انتهائی مصيبتوں ميں ره چكے تهے ، تمام عرب كا مسلمان هو جانا بڑی سے بڑی كام رانی تهی اور اس ليے ناگزير تها كه ايك طرح كی فارغ البالی اور بے پروائی طبيعتوں ميں پيدا هو جائے . غزوۂ تبوك كی تياريوں ميں جو بعضوں سے تساهل هوا تو اس كی ته ميں بهی اس حالت كی جهلك صاف دكهائی دے رهی هے اور =

= ابتداء سے مواقفانہ روش اختیار کی تھی اور خود اپنی خوشی سے جزیہ دینا قبول کر لیا تھا۔ پھر خود بخود اسلام نے اپنی راہ وہاں نکال لی۔ انھیں کے وفد سے وہ مخاطبات ہوے تھے جو سورۂ آل عمران میں گزر چکے ہیں۔

عرب سے باہر کے جن عیسائیوں تک اسلام کی دعوت پہلے پہل پہنچی ان کا بھی یہی حال رہا۔ چنانچہ تاریخ اسلام میں سب سے پہلے جو بادشاہ مسلمان ہوا وہ حبش کا عیسائی فرمان روا نیگوس (Negus) تھا جسے عرب نجاشی کہا کرتے تھے اور جس کی حق شناسی اور استعداد ایمانی کی مدح خود کلام الٰہی نے کی ہے۔ (دیکھو ۵ : ۸۳)

اس عہد کے یہودیوں اور عیسائیوں کے اس اختلاف حال کا ذکر قرآن میں بھی موجود ہے اور اس کی علت بھی واضح کردی ہے۔ (دیکھو ۵ : ۸۲)

لیکن آگے چل کر جب اسلام کی دعوت زیادہ پھیل گئی تو وہ عیسائی ریاستیں جو عرب اور شام کے سرحدی علاقے میں قائم ہو گئی تھیں اور رومی حکومت کے ماتحت تھیں، اس تحریک کی ترقی گوارہ نہ کر سکیں اور رومی شاہنشاہی کی پشت گرمی سے مغرور ہو کر=

= پھر اس استعجاب کو دور کرنے کے لیے طرح طرح کی توجیہیں کی گئیں. لیکن مندرجۂ بالا تفسیر کے بعد وہ سب غیر ضروری اور بے محل ہو گئیں.

* * *

سورت کے بعض مبہمات کی تشریح ابھی باقی ہے:

(ا) آیت ۲۹ میں عرب کے ان یہودیوں اور عیسائیوں سے بھی تمام معاہدات فسخ کر دیے کا حکم دیا ہے جنھوں نے یکے بعد دیگرے معاہدوں کی خلاف ورزیاں کی تھیں اور مسلمانوں کے امن و عافیت کے خلاف ایک بہت بڑا خطرہ بن گئے تھے، اور حکم دیا ہے کہ مشرکین عرب کی طرح ان کے خلاف بھی اب اعلان جنگ ہے.

اسلام کا جب ظہور ہوا تو حجاز میں یہودیوں کی متعدد جماعتیں آباد تھیں، لیکن عیسائیوں کی کوئی قریبی آبادی نہ تھی. وہ یا تو یمن میں تھے یا عرب اور شام کے سرحدی علاقے میں. یہودیوں کا جو طرز عمل رہا اس کی طرف اشارات گزر چکے ہیں. عیسائیوں کی حالت یہودیوں سے مختلف رہی. ان کی طبیعت میں وہ جمود اور سختی نہ تھی جو یہودیوں میں طبیعت ثانیہ ہو چکی تھی، اس لیے جب انھوں نے اس دعوت کا حال سنا تو مخالفت کا جوش پیدا نہیں ہوا، بلکہ اس کی طرف مائل ہونے لگے. چنانچہ یمن کے عیسائیوں نے =

اهل کتاب سے قتال کا حکم کیوں دیا گیا

= ہوئی تہیں ۔ اور چوں کہ اب مسلمانوں پر اس جانب سے سخت حملہ ہونے والا تہا اور دوسری طرف عرب کے یہودی بھی اپنی سازشوں میں سرگرم تھے، اس لیے ناگزیر ہوگیا تہا کہ مشرکین عرب کی طرح ان کے خلاف بہی جنگ کا اعلان کر دیا جائے ۔

پس اس آیت میں ''جنگ کرو'' کے حکم سے مقصود جنگ کی یہی صورت ہے ۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ دنیا کے تمام یہودیوں اور عیسائیوں پر محض ان کے یہودی اور عیسائی ہونے کی وجہ سے حملہ کر دو جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں یا جزیہ نہ دیں، جیسا کہ معترضین اسلام نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے . ایسا مطلب صرف وہی قرار دے سکتا ہے جو .ورے قرآن سے ، پیغمبر اسلام کی زندگی سے ، صحابہ کے حالات سے اور تاریخ اسلام سے یك قلم آنکھیں بند کر لے .

حکم قتال کے ساتھ یہ بات بہی واضح کردی کہ ان جماعتوں کو دعوت حق سے کیوں بغض ہوا اور کیوں راستی وعدالت سے منہ موڑ کر مسلمانوں کی ہلاکت وبربادی کے درپے ہوگئے؟ چنانچہ پہلے اہل کتاب کا نام نہیں لیا بلکہ ان کے چار سلبی وصف بیان کیے، یعنی جن لوگوں کے اوصاف کا یہ حال ہے ان سے راستی وعدالت اور =

= آمادۂ پیکار ہو گئیں۔ سب سے پہلا معاملہ حضرت حارث بن عمیر کی شہادت کا پیش آیا۔ آنحضرت نے انہیں دعوت اسلام کا خط دے کر ''موتہ'' بھیجا تھا جہاں کا رئیس شرحبیل بن عمرو غسانی تھا۔ اس نے انہیں بغیر کسی جرم و قصور کے قتل کرادیا۔ اس صریح غدر و ظلم نے پیغمبر اسلام کو جنگ پر مجبور کر دیا اور ایک فوج سنہ ۸ ہجری میں روانہ کی گئی۔ اس وقت شہنشاہ قسطنطنیہ بھی شام میں مقیم تھا۔ اس سے رئیس موتہ نے مدد مانگی اور شاہی فوج بھی میدان میں آ گئی۔ تاہم فتح مسلمانوں ہی کو ہوئی۔

اس واقعے کے بعد شام کے تمام عرب قبائل نے تہیہ کر لیا کہ مسلمانوں پر حملہ کردیں اور شہنشاہ قسطنطنیہ نے بھی ان کی اعانت کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ ابھی ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ شاہی فوجیں شام میں جمع ہونے لگیں اور پیغمبر اسلام کو خود دفاع کے لیے نکلنا پڑا۔ یہی دفاعی اقدام ہے جو غزوۂ تبوک کے نام سے مشہور ہوا۔ لیکن جب پیغمبر اسلام تبوک پہنچے تو معلوم ہوا مسلمانوں کے اس بے باکانہ اقدام نے دشمنوں کے ارادے پست کر دیے اور اب حملے کا ارادہ ملتوی ہو گیا ہے۔

اس سورت کی یہ آیتیں اس واقعے کے بعد ہی نازل =

= عربی زبان میں بلکہ تقریباً ہر زبان میں یہ محاورہ موجود ہے کہ کسی چیز کو خود اپنے ہاتھ سے دے دینا رضامندی سے دینا ہوتا ہے مثلاً اردو میں کہیں گے: تم اپنے ہاتھ سے اٹھا کر جو دے دو گے ہم لے لیں گے، یعنی اپنی خوشی سے جو کچھ دے دو وہی ہمارے لیے بہت ہے. ٹھیک یہی مطلب عربی میں بھی اس ترکیب کا ہوتا ہے. پس مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنی خوشی سے جزیہ دینا منظور کرلیں اور ان کا گھمنڈ اور ظلم جس نے انسان کے امن و راحت کو خطرہ میں ڈال دیا تھا باقی نہ رہے (٤٥).

(ج) عربی میں "جزیہ" (٤٦) خراج کے معنی میں بھی بولا گیا ہے جو اراضی سے وصول کیا جاتا ہے اور ٹیکس کے لیے بھی جو اشخاص پر عائد ہوتا ہے. ایران اور روم میں اس طرح کے ٹیکس لیے جاتے تھے اور عرب کے جن حصوں نے ان کی باج گزاری منظور کرلی تھی وہ اس طرح کے ٹیکسوں سے آشنا ہو گئے تھے. چنانچہ یہی وجہ ہے کہ نجران (یمن) کے عیسائیوں کا جب وفد آیا تو اس نے خود یہ بات پیش کی کہ ہم مسلمان تو نہیں ہوتے لیکن اطاعت قبول کرلیتے ہیں. آپ ہم پر جزیہ مقرر کردیں. غالباً یہ جزیہ لینے کا پہلا واقعہ ہے جو تاریخ اسلام میں پیش آیا. اس کے بعد بحرین کے یہودیوں اور =

= پاس عہد و قرار کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی اور وہ پیروان حق کی عداوت سے کبھی باز آنے والے نہیں. پس اگر ان سے جنگ نہ کی جائے تو چارۂ کار کیا رہا ھے؟

فرمایا: باوجود اهل کتاب ھونے کے اب ان کا حال یہ ھے کہ نہ تو اللہ پر ایمان باقی رہا ھے نہ آخرت پر. زبان سے دعوی کرتے ھیں کہ ھم مومن ھیں، لیکن ان کا ھر عمل اعلان کرتا ھے کہ مومن نہیں. پھر اللہ اور اس کے رسول نے جو کچھ حرام کر دیا تھا اب ان کے لیے حرام نہیں رہا. کیونکہ اول تو ھوائے نفس سے حیلے نکال کر کتنی ھی حرام چیزیں حلال کر لیں، پھر حلت و حرمت کا حق بھی خدا و رسول کی جگہ اپنے فقیہوں اور پیشواؤں کے ھاتھ میں دے دیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جس دین حق کی انھیں حضرت موسیٰ اور مسیح علیہما السلام نے تعلیم دی تھی اسے یک قلم چھوڑ چکے ھیں.

یہاں اهل کتاب کے ایمان کی اسی طرح نفی کی ھے جس طرح سورۂ بقرہ میں کی ھے کہ " و من الناس من یقول اٰمنا باللہ و بالیوم الاٰخر و ما ھم بمؤمنین". (۲ : ۸)

(ب) اس کے بعد فرمایا "حتی یعطوا الجزیة عن ید و ھم صٰغرون" (۹ : ۲۹) یہاں تک کہ وہ اپنے ھاتھ سے اٹھا کر جزیہ دے دیں اور ان کا گھمنڈ ٹوٹ چکا ھو. نہ صرف =

= قرآن نے غیر مسلموں سے جزیہ لینے کا حکم کیوں دیا؟ اس لیے کہ حق و انصاف کا مقتضا یہی تھا اور اس لیے کہ وہ چاهتا تھا مسلمانوں کے نظام حکومت میں غیر مسلموں پر اتنا بوجھ نہ ڈالا جائے جتنا بوجھ مسلمانوں کو اٹھانا پڑے گا.

اسلام نے مسلمانوں پر جنگی خدمت فرض کردی تھی، یعنی آج کل کی اصطلاح میں وہی قانون جبری تھا اور اس لیے ضروری تھا کہ جو غیر مسلم اسلامی حکومت کے ماتحت شہری زندگی بسر کریں وہ بھی ملك کی حفاظت کے لیے جنگ میں شریك هوں. لیکن اسلام نے اسے انصاف کے خلاف سمجھا کہ اس بارے میں غیر مسلموں پر جبر کیا جائے. اس نے یہ بات ان کی مرضی پر چھوڑ دی اور کہا "اگر خود اپنی خوشی سے چاهو تو جنگی خدمات میں مسلمانوں کی طرح شریك هو، نہ شریك هونا چاهو تو اس کے بدلے ایك سالانہ رقم ادا کردیا کرو" یہی رقم تھی جو غیر مسلموں کے لیے جزیہ هوئی.

فی الحقیقت انسان کے عقائد و جذبات کی آزادی کا یہ ایسا اعتراف تھا جس کا اس عہد میں کوئی دوسری قوم تصور بھی نہیں کرسکتی تھی. جنگ کے لیے نکلنا اپنی جان کو هتھیلی پر رکھ لینا ھے. مسلمان مسلمانوں کو اس =

= مجوسیوں سے جزیہ لیا گیا ۔

(د) یہاں "جزیہ" لینے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ اگرچہ یہودیوں اور عیسائیوں کے ذکر میں آیا، لیکن اصلاً حکم تمام غیر مسلموں کے لیے ہے جو اسلامی حکومت کے ماتحت رہنا منظور کرلیں ۔ چنانچہ صدر اول سے لے کر آخر تک تمام اسلامی حکومتوں کا عمل اسی پر رہا ۔ خود آنحضرت نے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا، صحابہ نے صابیوں سے لیا اور خلفاء بنو امیہ و عباسیہ کا سندھ کے ہندووں اور پیروان بدھ سے لینا معلوم ہے ۔

البتہ عرب کے غیر مسلموں کے بارے میں اختلاف ہوا اور امام ابو حنیفہ اور قاضی ابو یوسف اس طرف گئے ہیں کہ ان سے جزیہ پر مصالحت نہیں ہوسکتی ۔ لیکن اس بارے میں صحیح مذہب جمہور ہی کا ہے، یعنی عرب و عجم کی کوئی تفریق نہیں، کیوں کہ خود آنحضرت اور صحابہ کا عرب کے غیر مسلموں سے جزیہ لینا ایک مسلّم واقعہ ہے ۔

باقی رہے مشرکین عرب تو ان کا سوال عملاً پیدا ہی نہیں ہوا، کیوں کہ سورۂ براءت کے نزول کے بعد تمام مشرکین عرب مسلمان ہوچکے تھے اور حکمت الٰہی کا فیصلہ یہی تھا کہ جاہلیت عرب کا شرک پھر یہاں سر نہ اٹھائے ۔ =

= لیکن مالی بوجھ مسلمانوں کی طرح نہیں ڈالا . ان تمام ٹیکسوں کے بدلے جو مسلمانوں پر عائد کیے تھے صرف ایک ھی ٹیکس کی ادایگی ضروری ٹھیرائی ، یعنی جزیہ کی ، اور وہ بھی انھیں معاف کر دیا جو فوجی خدمت کے لیے تیار ھو جائیں . نتیجہ یہ نکلا کہ فی الحقیقت غیر مسلموں کے لیے کوئی بوجھ بھی نہ رھا اور حقوق سب کے سب رھے . یعنی اگر ایک غیر مسلم ذمی فوجی خدمت سے انکار نہ کرے (جو خود اسی کے وطن کی حفاظت کے لیے ھوگی) تو وہ اسلامی حکومت میں آزادی و حقوق کی ٹھیک ویسی ھی زندگی بسر کرے گا جیسی ایک مسلمان بسر کر سکتا ھے ، لیکن مسلمان کی طرح اسے کوئی ٹیکس ادا نہیں کرنا پڑے گا . کیا اس طرز عمل کی کوئی دوسری نظیر تاریخ عالم سے پیش کی جاسکتی ھے ؟

جہاں تک غیر مسلموں کے مذھبی ، معاشرتی اور شہری حقوق کا تعلق ھے ، موسیو لیبان (Monsieur Lebon) کا یہ قول کفایت کرتا ھے کہ اسلامی حکومت کے ماتحت غیر مسلم ذمیوں کو وہ سب کچھ حاصل تھا جو کسی قوم کو حاصل ھو سکتا ھے ، البتہ صرف ایک بات کا حق نہ تھا ، یعنی وہ خلیفہ نہیں ھو سکتے تھے . =

= کے لیے مجبور کر سکتے ھیں ، لیکن انھیں کیا حق ھے کہ غیر مسلموں کو اس کے لیے مجبور کریں ؟

چنانچہ صحابۂ کرام کے زمانے میں غیر مسلموں کو جو سرکاری فرامین دیے گئے ان میں ھم صاف صاف اس کی تصریح پاتے ھیں ”جو فوج میں شریك ھوگا اس سے جزیہ نہیں لیا جائے گا ، جو نہ ھوگا اس سے جزیہ لیا جائے گا“۔ بعض فرمانوں میں یہاں تك سہولت دی ھے کہ اگر عام طور پر شریك نہیں ھوتے ، صرف ایك برس شریك ھو گئے تو اس برس کی رقم معاف ھو جائے گی ۔ طبری نے تاریخ میں اور بلاذری نے فتوح البلدان میں یہ فرامین نقل کیے ھیں ۔

یہ تو پہلی علت ھوئی ۔ دوسری علت کا یہ حال ھے کہ اسلام نے مسلمانوں پر کئی طرح کے ٹیکسوں کا بوجھ ڈال دیا ۔ زکوۃ انھیں ادا کرنی چاھیے ، عام صدقات و خیرات میں انھیں حصہ لینا چاھیے ، جنگ پیش آجائے تو اس کا بوجھ بھی اٹھانا چاھیے ۔ پس ضروری تھا کہ غیر مسلم رعایا پر بھی ایسا ھی بوجھ ڈالا جاتا ، کیوں کہ جہاں تك آزادی و حقوق کا تعلق ھے ان میں اور مسلمانوں میں کوئی امتیاز نہیں کیا گیا تھا ۔ لیکن اسلام نے ایسا نہیں کیا کہ غیر مسلموں کو حقوق تو مسلمانوں ھی کی طرح دیے =

= صحائف لکھے اور یہی نسخہ اصلی نسخہ کا بدل سمجھا گیا۔
چونکہ حضرت عزرا نے از سر نو شریعت مرتب کی،
اور قید بابل کے بعد نئے دور کے بانی ہوئے، اس لیے
یہودیوں میں ان کی شخصیت بہت ہی مقدس مانی گئی ہے
حتی کہ موسی کا ہم رتبہ اور شریعت کا دوسرا بانی کہا
گیا۔ چنانچہ آج تک یہودیوں کا عام اعتقاد یہ ہے کہ اگر
اس عہد میں لوگوں سے قصور نہ ہوا ہوتا تو عزرا بھی
وہ سارے معجزے دکھا دیتے جو حضرت موسی نے
دکھائے تھے (٤٧)۔

جب یہودیوں کا ان کی نسبت عام اعتقاد یہ ہے تو
کوئی وجہ نہیں کہ یہود یثرب کا غلو موجب تعجب ہو۔

(د) اس کے بعد آیت ۳۱ میں اس گمراہی کی
طرف اشارہ کیا ہے جو یہود و نصاری کی تمام فکری
و عملی گمراہیوں کا سرچشمہ تھی، یعنی انہوں نے خدا کو
چھوڑ کر اپنے علماء و مشائخ کو پروردگار بنا لیا ہے۔
پروردگار بنا لینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ انہیں رب
السموٰت و الارض کہتے ہیں، کیونکہ اس طرح تو
کبھی کسی نے کسی کو رب نہیں بنایا۔ مطلب یہ ہے کہ
یہودیوں نے اپنے فقیہوں کو اور عیسائیوں نے اپنے
پوپ اور اس کے مقرر کیے ہوئے پادریوں کو دین =

ح ٤٠ اتخذ اربابا من دون اللہ

حضرت عزیر کی نسبت یہودیوں کا اعتقاد

= (ج) آیت ۳۰ اور اس کے بعد کی آیتوں میں یہود و نصاری کی ان گمراہیوں کی طرف اشارہ کیا ھے جن میں پڑ کر وہ دین حق سے منحرف ھو گئے ۔

یہاں یہودیوں کا یہ قول جو نقل کیا ھے کہ عزیر خدا کے بیٹے ھیں تو اس سے مقصود یہودیوں کا عام اعتقاد نہیں ھے بلکہ صرف ان یہودیوں کا اعتقاد ھے جو یثرب میں آباد تھے ۔ چنانچہ حضرت ابن عباس سے مروی ھے کہ سلام بن مشکم، نعمان بن اوفی ابو انس، شاس بن قیس اور مالك بن الصیف کہ رؤساء یہود میں سے تھے، آنحضرت کے پاس آئے اور کہا: ھم آپ کی کس طرح پیروی کرسکتے ھیں جب کہ آپ نے ھمارا قبلہ ترك کردیا اور عزیر کو ابن اللہ نہیں مانتے (ابن جریر) ۔ عزیر سے مقصود عزرا (Ezra) ھیں ۔ بخت نصر (Nebu chad nezzar بنو خد نصر) کے حملۂ بیت المقدس میں تورات کے تمام نسخے جل گئے تھے، اس لیے جب یہودی قید بابل سے چھوٹ کر واپس آئے تو ان کے پاس تورات کا کوئی نسخہ نہ تھا اور ان کی نئی نسل عبرانی زبان سے بھی نا آشنا ھوگئی تھی ۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت عزرا نے کلدانی (Chaldean) حروف میں اور ایسی عبرانی (Hebrew) میں کہ کلدانی زبان سے مخلوط تھی، از سر نو تورات کے =

= پوپ اور اس کے مقرر کیے ہوے فادرر (Fathers) کو خدا سمجھا ہو، اور نہ یہودیوں نے کبھی ایسے ربیوں کو ایسا سمجھا لیکن ان کے عمل کا یہی حال رہا ۔ گویا حق و باطل، حلال وحرام، عذاب وثواب اور جنت ودوزخ کی تقسیم کا سارا اختیار انھیں کے قبضہ میں ہے ۔ وہ جو حلال کردیں حلال ہے، جو حرام کردیں حرام ہے، جسے چاہیں بخشش کا پروانہ دےدیں، جسے چاہیں محروم و مردود کردیں، جنت کی کنجی بھی انھیں کے ہاتھ میں ہے، دوزخ کا داروغہ بھی انھیں کے زیر حکم ۔ وہ ایسے مقدس ہیں کہ کوئی بات ان کی غلط نہیں ہو سکتی اور اللہ نے انھیں ایسا با اختیار کردیا ہے کہ ان کے حکم سے کوئی بات باہر نہیں :

ما شئت لا ما شاءت الأقدار

فاحكم فأنت الواحد القهار (٤٨)

اس گم راہی کا نتیجہ یہ نکلا کہ :

اولاً، خدا کی کتاب جو اس غرض سے نازل کی گئی تھی کہ لوگ اسے پڑھیں اور اس پر عمل کریں یك قلم بے اثر و بے کار ہو گئی، کیوں کہ اس کی جگہ انسانوں کی رایوں اور فیصلوں نے لے لی ۔

ثانیاً، ہدایت کا مرکز عملاً خدا کا حکم نہ رہا، انسانوں کا حکم ہو گیا ۔ =

= کے بارے میں جو منصب دے دیا ہے اور وہ اپنے زاہدوں اور درویشوں کی نسبت جیسا کچھ اعتقاد رکھتے ہیں ، وہ فی الحقیقت انہیں مثل پروردگار کے بنا لینا ہے .

چنانچہ خود پیغمبر اسلام نے اس کا یہی مطلب قرار دیا . عدی بن حاتم طائی جو پہلے عیسائی تھے ، کہتے ہیں : آنحضرت نے جب براءت کی یہ آیت پڑھی تو میں نے عرض کیا : ہم انہیں پوجتے تو نہیں ! آپ نے کہا : کیا ایسا نہیں ہے کہ جس بات کو وہ حرام ٹھہرا دیتے ہیں تم حرام سمجھ لیتے ہو . جس بات کو حلال کر دیتے ہیں حلال مان لیتے ہو ؟ عرض کیا : ہاں ! فرمایا : یہی انہیں پوجنا ہے . (ترمذی و البیہقی فی السنن) . اس سے معلوم ہوا کہ اپنے دینی پیشواؤں کو تشریع دینی کا حق دے دینا ، یعنی اس بات کا حق دے دینا کہ وہ جو کچھ اپنی خواہش اور رائے سے ٹھہرا دیں ، اس کی بلا چون و چرا تقلید و اطاعت کرنی چاہیے ، قرآن کے نزدیك انہیں رب بنا لینا ہے ، کیوں کہ اس بات کا حق اللہ کے سوا اور اللہ کی وحی کے مبلغ کے سوا اور کسی کو نہیں . پس جب دوسروں کو بھی یہ حق دے دیا گیا تو گویا وہ خدائی میں شریك کر لیے گئے .

عیسائیوں میں ایك انسان بھی ایسا نہیں ہوا جس نے =

=انسانی کی شرارتیں ان سے جو کچھ بھی کرائیں کم ہے۔
یورپ کے اس عہد کی تاریخ پر نظر ڈالو جسے مورخ ازمنہ وسطیٰ کے نام سے پکارتے ہیں، بلکہ اس عہد کی بھی جو نشأۃ ثانیہ کے نام سے مشہور ہے، تمہیں ان نتائج کی ساری نظریں اور مثالیں قدم قدم پر ملنے لگیں گی۔ صرف پوپ کے منصب کی نسلاً بعد نسل تاریخ ہی دیکھ لی جائے، اس کے لیے کفایت کرے گی۔

قرآن نے جس وقت یہ صدا بلند کی عیسائی دنیا تیار نہ تھی کہ اس کا جواب دیتی، لیکن بالآخر اس سے اعراض نہ کرسکی۔ اس وقت تو قرآن کی اس دعوت حق کو عیسائیوں نے نہیں سمجھا، لیکن یہ تخم ریزی برگ و بار لائے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ صلیبی لڑائیوں میں جب یورپ کے عیسائیوں کو مسلمانوں سے ملنے اور اسلام کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تو اس کے اثرات کام کرنے لگے اور بالآخر لوتھر (Luther) نے اصلاح کنیسہ کی دعوت بلند کی۔ لوتھر اور کلیسا میں بناء نزاع یہ تھی کہ حق کا معیار کیا ہے، کتاب اللہ یا پوپ کا اجتہاد؟ اور خدا کی کتاب اس لیے ہے کہ پڑھی جائے اور سمجھی جائے، یا اس لیے کہ سب کچھ پوپ پر چھوڑ دیا جائے؟ نزاع کی ابتداء نجات کے مسئلے سے ہوئی تھی، یعنی نجات کا دارومدار ایمان پر ہے، یا پوپ کی=

= ثالثاً، دینی پیشواوں کا ایك گروہ پیدا ھو گیا جو لوگوں کو اندھا بہرا بنا کر حس طرح چاھتا اپنے اعراض کے لیے کام میں لاتا.

رابعاً، انسان کی عقلی ترقی کی تمام راھیں بند ھو گئیں، کیوں کہ جب لوگوں نے اپنی سمجھ بوجھ سے کام لینا چھوڑ دیا اور اپنے بنائے ھوے پیشواؤں کا حکم بلا دلیل ماننے لگے کہ یہی معنی تقلید کے ھیں تو ظاھر ھے کہ پھر عقل کی نشو و نما اور ترقی کے لیے کونسی راہ باقی رہ گئی.

خامساً، تو ھم پرستی اور جہل و کوری کا دروازہ کھل گیا، کیوں کہ حب اعتقاد و عمل کا دار و مدار چند انسانوں کی رایوں پر آ ٹھیرا اور دوسروں کو اس کا حق نہ رھا کہ اپنی عقل و بینش سے کام لیں تو ظاھر ھے کہ عقل و بینش کی جگہ جہل و توھم ھی پھیلے گا اور جو حرافات کسی ٹھیرائے ھوے پیشوا کی زبان سے نکل جائے گی لوگوں کے لیے دلیل وحجت کا کام دے گی.

سادساً، دینی پیشوا اچھے انسان ھونے کی جگہ بے پناہ دیوتا بن گئے اور ان کی ساری باتوں نے تقدیس و پاکی کا جامہ پہن لیا، کیوں کہ جب انہیں اپنے پیرووں کے لیے حکم و تشریع کی غیر مشروط طاقت مل گئی اور اپنے احکام و اعمال میں یك قلم غیر مسؤل ھو گئے تو پھر نفس=

= جنهیں اس دعوت کی تبلیغ سپرد کی گئی تھی؟ افسوس ہے کہ وہ خود بھی اس گمراہی سے بچ نہ سکے اور انہوں نے بھی تشریع دینی کا حق کتاب و سنت کی جگہ انسانوں کی رایوں کے حوالہ کردیا، اعتقاداً نہیں عملاً. اور سوال یہاں عمل ہی کا ہے نہ کہ اعتقاد کا. نتیجہ نکلا کہ وہ تمام مفاسد ظہور میں آگئے جن کا دروازہ قرآن نے بند کرنا چاہا تھا. اور سب سے بڑا فساد یہ پیدا ہوا کہ صدیوں سے ان کی عقلی ترقی یك قلم رك گئی اور تقلید نے علم و بصیرت کی راہوں سے انہیں دور کردیا، حتی کہ اب معاملہ یہاں تك پہنچ چکا ہے کہ ایك طرف مسلمانوں کی معاشرتی و اجتماعی زندگی مختل ہو رہی ہے، کیوں کہ اس کی ضرورتوں کے مطابق احکام فقہ نہیں ملتے اور شریعت کو فقہ کے مذاہب مدونہ ہی میں منحصر سمجھ لیا گیا ہے. دوسری طرف تمام اسلامی حکومتوں نے قوانین شرع پر عمل درآمد ترك کردیا ہے اور اس کی جگہ یورپ کے دیوانی و فوجداری قوانین اختیار کرنے لگے ہیں، کیوں کہ انھوں نے دیکھا کہ دفاتر فقہ وقت کے انتظامی و معاشرتی مقتضیات کا ساتھ نہیں دے سکتے. اور کوئی نہیں جو انہیں بتلائے کہ اللہ کی شریعت کا دامن اس نقص سے پاك ہے اور اگر وہ کتاب و سنت کی طرف =

= سند مغفرت پر؟ ظاهر هے كه يه حرف بحرف اسی صداے حق كی بار گشت تهی كه " اتخـذوا احبـارهم و رهبانهم اربابا من دون الله ". (٩ : ٣١)

آج يه واقعه دنيا كے تاريخی حقائق ميں سے سمجها جاتا هے كه يورپ كی تمام ذهنی اور عملی ترقيوں كا دور اصلاح كنيسه كی دعوت سے شروع هوا . يه سچ هے . ليكن اسی طرح يه بهی سچ هے كه اصلاح كنيسه كی بنياد اس دن پڑی تهی جس دن الله كے رسول نے نجران كے بشب (Bishop) كو يه دعوت اصلاح دی تهی : " يا اهل الكتب تعالوا الی كلمة سواء بيننا و بينكم الا نعبد الا الله و لا نشرك به شيئا و لا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله" (٣ : ٦٤) اور پهر اس دن جس دن سورهٔ براءت كی يه آيت نازل هوئی تهی (٤٩) .

اگر چهٹی صدی عيسوی كے عيسائی جهل و تعصب نے اس دعوت سے انكار نه كيا هوتا تو وه تمام تاريك صديان ظهور ميں نه آتيں جن كی وحشت انگيز سرگذشتيں تاريخ كو قلم بند كرنی پڑيں اور ازمنهٔ مظلمه كے نام سے پكاری گئيں اور تعيينا يورپ كے علم عقليت كی تاريخ چودهويں صدی كی جگه ساتويں صدی سے شروع هو جاتی .

يه سرگذشت تو عيسائی دنيا كی هے جسے اس دعوت حق نے مخاطب كيا تها . ليكن خود مسلمانوں كا كيا حال هوا =

= تو بے شمار باتیں سامنے آئیں گی، لیکن خصوصیت کے ساتھ حسب ذیل امور قابل غور ہیں:

۱ - بادشاہوں اور امیروں کی مطلب براریوں کے لیے حلال کو حرام، حرام کو حلال بنا دیتے اور اس کے فتوے دے کر انعام و اکرام لیتے. حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ شریعت کے کسی حکم سے انکار کردیتے تھے، بلکہ یہ ہے کہ اس کے حکموں کو توڑ مروڑ کر یا طرح طرح کے حیلے بہانے نکال کر ایسی صورتیں نکال لیتے کہ امیروں کی ہواء نفس پوری ہو جائے مثلاً کوئی امیر اپنے کسی دشمن سے انتقام لینا چاہتا ہے تو یہ اس کے کفر کا فتویٰ تیار کرکے دے دیتے کہ شرعاً اسے قتل کرنا جائز ہے. بیوی سے نجات حاصل کرنی چاہتا تو فتویٰ دے دیتے کہ نکاح قائم نہیں رہا. اگر کسی روپیے پیسے والے سے کوئی ایسی بات ہو جاتی جس کی شرع میں تعزیر ہے اور وہ روپیہ دے کر بچنا چاہتا تو مسئلہ کی کوئی ایسی صورت کھینچ تان کے بنا دیتے کہ تعزیر ساقط ہو جاتی.

بادشاہوں اور امیروں کے نکاح و طلاق کے بارے میں پوپ (Pope) اور کارڈینلوں (Cardinals) کی دین فروشیاں تاریخ یورپ کے ایسے مشہور واقعات ہیں کہ=

= رحوع کرتے تو انھیں اس زمانے کے لیے بھی ویسے ھی اصلح و اوفق قوانین مل جاتے حس طرح پچھلے عہدوں کے لیے مل چکے ھیں . فیاللہ و للمسلمین من هذه الفاقرة التی هی اعظم فواقر الدین و الرزیة التی ما رزی بمثلها سبیل المؤ منین !

(۵) چوں کہ پچھلی آیت میں احبار و رھبان کا ذکر کیا گیا تھا ، اس لیے آیت ۳۴ میں خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کو مخاطب کر کے ان کی حالت بیان فرمائی ھے ، تا کہ اس سے نصیحت پکڑیں .

قرآن نے یہاں اور متعدد مقامات میں یہود و نصاریٰ کے علماء و مشایخ کی ایك بہت بڑی گمراھی یہ بتلائی ھے کہ ناجائز طریقے پر لوگوں کا مال کھالینے میں بے باك ھوگئے ھیں . اس لیے ضروری ھے کہ ٹھیك طور پر سمجھ لیا جائے اس سے مقصود کیا ھے ؟ یہ مقصود تو ھو نہیں سکتا کہ وہ لوگوں کے مال پر علانیہ ڈاکے ڈالتے تھے . ضرور کوئی ایسی ھی بات ھوگی جو ان کی روزانہ زندگی کے اعمال میں داخل ھوگئی تھی اور جس کا نتیجہ ”اکل اموال بالباطل“ تھا .

یہودیوں اور عیسائیوں کے مذھبی حلقوں اور اداروں کی تاریخ اب منضبط ھو چکی ھے . اس پر نظر ڈالی جائے =

اکل اموال بالباطل

= زیادہ سے زیادہ بڑھیں ، ہمیشہ نئی نئی رسمیں اور نئی نئی تقریبیں نکالتے رہتے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مذہبی زندگی کے تمام اعمال خرید و فروخت کا معاملہ بن گئے۔ کوئی نماز پڑھے تو اس کے لیے کچھ نہ کچھ خرچ کرے ، روزہ رکھے تو اس کے لیے نذرانہ نکالے، شادی غمی ہو جائے تو اس کے لیے فیس مقرر ، وعظ و نصیحت کی محفل کرنی چاہے تو اس کے لیے باقاعدہ رقوم ، حتی کہ کوئی خدا سے دعا بھی نہیں کرا سکتا جب تک کہ اس کا مقررہ نذرانہ ادا نہ کر دے۔

٦ - کتاب اللہ کے علم و تعلیم کو صرف اپنے ہی طبقے کے لیے مخصوص کر لیا کہ یہ عوام کے سمجھنے کی چیز نہیں ، صرف تبرکاً سن کر ثواب کمانے کی چیز ہے اور پھر جو یہ نیت ثواب سننا چاہے اسے معاوضہ لے کر سنانے لگے۔ چنانچہ علماء یہود نے تورات خوانی کو پیشہ بنا لیا تھا اور رومن کیتھولک چرچ (Roman Catholic Church) کے راہب آج تک ایک ایک گھر میں جا کر انجیل سناتے اور اس کی قیمت وصول کرتے ہیں۔

۷ - عوام میں یہ اعتقاد پیدا کر دیا کہ نجات کا سررشتہ انہیں کے ہاتھ میں ہے ، جسے چاہیں بخش دیں ، جسے چاہیں نہ بخشیں۔ اور پھر اس غرض سے اعتراف گناہ (Confession) کا طریقہ رائج کیا ، یعنی ہر عیسائی کے لیے =

= محتاج بیاں نہیں ۔

۲ – نا جائز طریقے پر مال کھانے کی ایسی صورتیں نکالتے کہ مثلاً فلاں جماعت کافروں اور بت پرستوں کی جماعت ہے۔ ان کا مال دھوکے فریب سے بھی کھا لیا جائے تو کوئی مضایقہ نہیں بلکہ ثواب ہے۔ چنانچہ علماء یہود کا مشرکین عرب کی نسبت ایسا ہی فتویٰ تھا۔ سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے " ذلك بانهم قالوا لیس علینا فی الامیین سبیل " ۔ (۳ : ۷۵)

۳ – معاملات و قضایا میں رشوت لے کر فیصلے کرتے۔ قرون وسطی میں پوپ سے لے کر کسی گاؤں کے ایك پادری تك جس طرح بات بات میں رشوتیں لیا کرتے تھے، تاریخ کے مسلمات میں سے ہے۔

٤ – راہبوں میں سے جو شخص زیادہ شہرت حاصل کر لیتا لوگ سمجھتے اسے روحانی تسلط و تصرف کا مقام حاصل ہوگیا ہے اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ پس ہر طرح کی حاجتیں لے کر اس کے پاس آتے اور وہ ان سے طرح طرح کی نذریں لے کر انہیں یقین دلا دیتا کہ تمہاری حاجت روائی کا سامان ہوگیا۔

٥ – تمام مذہبی اعمال و رسوم کے لیے باقاعدہ قیمتیں مقرر کر دی تھیں اور اس غرض سے کہ آمدنی کے وسائل =

= نسبت یقین دلایا جاتا تھا کہ یہ اسی صلیب کا ہے جس پر حضرت مسیح کو سولی دی گئی تھی یا کسی سینٹ (Saint) کا ناخن یا کوئی کپڑا یا تسبیح . لوگ ان کی زیارت کرتے اور مقررہ نذریں ادا کرتے . ان تبرکات پر ہیکل بھی تعمیر کیے جاتے تھے جو آج تک موجود ہیں .

۱۰ - " اکل اموال بالباطل " کا ایک بڑا ذریعہ مقابر و مشاہد کی مجاوری بھی ہوئی . چنانچہ عیسائیوں میں یہ معاملہ اس قدر بڑھا کہ حج و زیارت کا مرکز یہی مقامات بن گئے اور ایک دنیا کی دولت وہاں سمٹ آئی .

۱۱ - چوں کہ دین میں اخلاص باقی نہیں رہا تھا ، اس لیے جب کبھی دیکھتے کہ شریعت کا کوئی حکم ان کی دنیا پرستیوں میں روک ہے تو فوراً کوئی نہ کوئی شرعی حیلہ نکال لیتے . قرآن نے اصحاب سبت کے حیلے کا ذکر کیا ہے (۷ : ۱٦۳) اور اس طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ انہیں سود کے لین دین سے روکا گیا تھا ، مگر وہ بلا تأمل کھانے لگے (٤ : ۱٦۱). اس باب میں تورات کا حکم کیا تھا اور علماء یہود نے کس طرح یکے بعد دیگرے حیلے نکالے ، اس کی تشریح " البیان " میں ملے گی .

۱۲ - جو مرجائے اسے ثواب پہنچانے اور اس کے گناہوں کا کفارہ دلانے کے لیے مقررہ رقمیں وصول =

= ضروری هوگیا که کسی پادری کے سامنے حو اس غرض سے مقرر هو اپنے گناهوں کا اقرار کرے اور وه اسے مسیح کے نام پر بخش دے. اصلاح کے بعد نئے کلیسا نے یعنی پروٹسٹنٹ (Protestant) نے اس سے انکار کر دیا، لیکن کیتھولك کلیسا (Catholic church) کے معتقدین میں آج تك رائج هے.

۸ - اس سے بھی بڑھ کر حلب زر کا یه طریقه نکالا گیا که مغفرت کے پروانے فروحت کیے حانے لگے. یعنی حو شخص ایك حاص مقرره قیمت ادا کر دیتا اسے نجات کا مقدس پروانه مل حاتا اور اس پروانے کے حصول کا مطلب یه سمجھا حاتا تھا که اب کتنے هی معاصی و جرائم کیے جائیں، آسمان میں کوئی پرسش نه هوگی. مؤرخین نے تصریح کی هے که اس تجارت کو اس قدر فروغ هوا تھا که کاروباری آدمیوں نے پوپ سے اس کی فروحت کا ٹھیکا لینا شروع کر دیا تھا. لوتھر کے دل میں سب سے پہلے اسی معاملے نے حلش پیدا کی تھی.

۹ - طرح طرح کے تبرکات اور آثار بنائے تھے اور عوام کے دلوں میں اعتقاد پیدا کر دیا تھا که حس کسی نے ان کی زیارت کرلی یا انھیں چھولیا، اسے دین و دنیا کی ساری برکتیں مل گئیں، مثلاً لکڑی کا کوئی ٹکڑا جس کی =

= میں یہاں بھی کام نہیں کر رہی ہیں؟ حضرت شاہ ولی اللہ نے اب سے دوسو برس پہلے الفوز الکبیر میں لکھا تھا کہ اگر احبار یہود کی حالت دیکھنی چاہتے ہو تو آج کل کے علماء کو دیکھ لو اور اگر عیسائیوں کے رہبان کا نقشہ کھینچنا چاہتے ہو تو آج کل کے مشائخ کے سامنے بیٹھ کر کھینچ لو۔

قرآن نے اس آیت میں یہ بات تمام احبار و رہبان کی طرف منسوب نہیں کی ہے بلکہ اکثر کی طرف منسوب کی ہے۔ اور اس طرح کے مواقع میں اس کا عام انداز یہی ہے، مثلاً اہل کتاب ہی کی نسبت دوسری جگہ فرمایا ہے: ''و ان اکثرکم فسقون'' (۵ : ۵۹) تم میں سے اکثر فاسق ہیں۔ یہ نہیں کہا کہ تم سب فاسق ہو، کیوں کہ اگر ایسا کہا جاتا تو گو اس اعتبار سے حق ہوتا کہ اکثریت کا حکم کل ہی کا ہوتا ہے، لیکن پھر بھی حقیقت حال کی پوری تعبیر نہ ہوتی اور یہ مطلب نکالا جاسکتا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کا ایک ایک فرد بلا استثناء اسی طرح کا ہوگیا ہے، حالانکہ ان میں حال حال ایمان دار اور مخلص افراد بھی موجود تھے۔ یہ بات نہ تھی کہ پوری امت میں ایک فرد بھی نیک راہ پر نہ رہا ہو۔ =

= کرتے اور اس غرض سے طرح طرح کی رسمیں رائج کر دی تھیں، چنانچہ یہودیوں اور کیتھولک عیسائیوں میں آج تک رائج ہیں۔

۱۳ - سب سے آخر مگر سب سے اول یہ کہ دین کی ساری باتوں کو یک قلم دکان داری اور پیشہ بنا لیا تھا اور ان کی پوری زندگی ہر معنیٰ میں دکان داری کی زندگی ہو گئی تھی۔ عالم اور درویش ہونے کے معنیٰ ہی یہ ہو گئے کہ دین اور خدا کے نام سے پیشے کی روٹی کھانے والے۔ علم دین کا پڑھنا پڑھانا، مسائل دین کی تعلیم، فتویٰ نویسی، ہدایت و وعظ، قراءت و ذکر، کوئی کام ایسا نہ تھا جو بغیر دنیوی معاوضے کے کیا جاتا ہو۔

قرآن نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے ان کی اس گمراہی کی طرف اس لیے اشارہ کیا تا کہ واضح ہو جائے ان کا ایمان سے محروم ہو جانا اور دین حق کا عملاً ترک کر دینا دراصل ان کے علماء و مشایخ کی ان گمراہیوں اور دنیا پرستیوں کا نتیجہ تھا

لیکن آج مسلمان اور مسلمانوں کے علماء و مشایخ اپنی حالت پر نظر ڈالیں اور غور کریں کہ کیا وہ بھی ٹھیک ٹھیک احبار و رہبان کے قدم بہ قدم نہیں چل رہے ہیں؟ اور کیا "اکل اموال بالباطل" کی یہ تمام صورتیں کسی نہ کسی بھیس=

= جس کی طرف خود قرآن نے اشارہ کر دیا ھے اور آثار صحابہ میں اس کی تفصیل موجود ھے ۔

عرب میں حضرت اسماعیل کے زمانے سے یہ بات چلی آتی تھی کہ سال کے چار مہینے امن کے مہینے ھیں ، ان میں لڑائی نہیں ھونی چاھیے : رجب ، ذوالقعدہ ، ذوالحجہ ، محرم ۔ اسی لیے انھیں " اشھر حرم " کہتے تھے ، یعنی حرمت کے مہینے ۔ نیز قمری مہینوں کے حساب سے کہ قدرتی حساب ھے ، حج کا مہینا بھی متعین تھا اور وہ اسی نام سے پکارا جاتا تھا ، یعنی ذی الحجہ ۔ اسی مہینے کی آٹھویں ، نویں ، دسویں حج کے اعمال و رسوم کے دن سمجھے جاتے تھے ۔

ایک مدت تک یہ بات اسی طرح قائم رھی ، لیکن پھر لوگوں پر اس حکم کی پابندی شاق گزرنے لگی ۔ اول تو اس لیے کہ قمری مہینوں کے حساب کی وجہ سے حج کا زمانہ ھمیشہ ایک ھی موسم میں نہیں آتا ، بدلتا رھتا ، اور اس کی وجہ سے قریش کے سفر تجارت میں خلل پڑتا ۔ ثانیاً ، امن کے مہینوں کا معاملہ بھی ان کے جنگ جویانہ مقاصد کے خلاف واقع ھوا تھا ۔ ایک قبیلے کو دوسرے قبیلے سے کتنی ھی عداوت ھو اور انتقام کا کتنا ھی موزوں موقع سامنے دیکھے ، لیکن اس کی جرأت نہیں کرسکتا تھا =

"نسئ" کی حقیقت

= (و) آیت ۳۷ میں "نسئ" سے مقصود کیا ہے؟
اسے خود قرآن نے بتلا دیا ہے اور صحابہ کرام نے مزید تشریح کر دی. لیکن بعد کو مفسروں کی کاوشوں نے اور خصوصاً علماء ہیئت کی دقیقہ سنجیوں نے اسے ایک پیچیدہ سوال بنا دیا. غالباً ابو معشر فلکی پہلا شخص ہے جس کا خیال اس طرف گیا کہ یہ کبیسہ کا معاملہ تھا. پھر ابو ریحان بیرونی نے بھی اسی کی پیروی کی. گزشتہ صدی کے بعض مستشرقین یورپ کو بھی اس مسئلہ پر خصوصیت کے ساتھ توجہ ہوئی، کیونکہ انہوں نے خیال کیا اس سے عرب جاہلیت کی تقویمی معلومات پر روشنی پڑے گی. چنانچہ پوکاك (Pocock) دی ساسی (De Sacy) گارسین دی پرسیول (Garcon De Perceval) اسپرنگر (Springer) ول ہواسن (Wellhousen) وغیرہم نے اس پر طول طویل بحثیں کی ہیں اور زمانۂ حال کا ایک اطالوی مستشرق پرنس کائتانی (Prince Caetani) بھی اپنی زیر تصنیف تاریخ اسلام کی پہلی جلد میں اس پر بحث کر چکا ہے. مستشرقین ہی کی صف میں محمود پاشا فلکی کو بھی شمار کرنا چاہیے جس نے کبیسہ کا نظریہ تسلیم کر کے یہ کوشش کی کہ اس عہد کے شمسی مہینوں کی تقویمی حالت منضبط کی جائے.

لیکن حق یہ ہے کہ اس نظریہ کے لیے کوئی تاریخی بنیاد موجود نہیں اور صاف بات وہی معلوم ہوتی ہے =

= کی بنیاد کسی حسابی قاعدے پر ہوتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ قرآن اسے "زیادۃٌ فی الکفر" سے تعبیر کرتا۔

اسلام کا جب ظہور ہوا تو عرب میں قمری مہینوں کا حساب رائج تھا۔ اس نے بھی اپنے اعمال و عبادات کے لیے اسی حساب پر اعتماد کیا، کیوں کہ انسان کے لیے مہینوں کا قدرتی حساب یہی ہے۔ چاند چھپتا ہے اور پھر نکلتا ہے اور ہر شخص خواہ کسی متمدن شہر میں رہتا ہو خواہ صحرا میں، معلوم کر لے سکتا ہے کہ کب مہینا ختم ہوا اور کب شروع ہوا اس کے لیے نہ تو علم ہیئت کی حساب دانیوں کی ضرورت ہے نہ تقویم کی جدولوں کی۔ علاوہ بریں موسموں اور طلوع و غروب کے وقتوں کی جو تبدیلیاں قدرتی طور پر ہوتی رہتی ہیں وہ سب اس حساب میں پیش آتی رہتی ہیں۔ مثلاً رمضان اور حج کا مہینا ہمیشہ گردش میں رہتا ہے، کبھی کسی موسم میں آتا ہے، کبھی کسی موسم میں، اور اس طرح ہر انسان کو اپنی زندگی میں پورا موقع مل جاتا ہے کہ یہ اعمال ہر طرح کے موسموں اور ان کے تأثرات کے ساتھ انجام دے جس میں بے شمار مصلحتیں ہیں، اور یہ موقع تفصیل کا نہیں۔

(ز) آیت ۶۰ مصارف زکوٰۃ کے باب میں اصل ہے اور ضروری ہے کہ بعض مہمات واضح ہو جائیں: =

شرح مصارف زکوٰۃ

= که ان مہینوں کی بے حرمتی کر کے اعلان جنگ کر دے۔ چوں که عرب جاهلیت کی طبیعتوں کے لیے نه تو دینی قیود تھے نه علمی حدود، اس لیے مطلب براری کا ایک ڈھنگ نکال لینے میں انھیں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ وہ ڈھنگ یه تھا که امن کے مہینوں کا معامله ان کے قدرتی حساب پر موقوف نہیں رکھا، بلکه اس کے لیے ایک خود ساخته اعلان ضروری ٹھیرا دیا جو حج کے موقع پر کیا جاتا تھا۔ اس اعلان کے ذریعے حسب ضرورت امن کے مہینے پیچھے ڈال دیتے یا حج کا مہینا مؤخر کر دیتے۔ مثلاً محرم امن کا مہینا تھا، اعلان کر دیا جاتا که اس سال محرم صفر میں واقع ہوگا۔ نتیجه یه نکلتا که محرم کا حقیقی مہینا حکماً معدوم ہو جاتا اور اس میں لڑائی شروع ہو جاتی۔ پھر جب یه فرق بہت دور تک پہنچ جاتا تو اسے لوٹانا شروع کر دیتے، یہاں تک که اصلی مہینوں کی ترتیب پھر قائم ہو جاتی۔

چوں که یه طریقه سر تا سر جہل و فساد پر مبنی تھا اور اس کی وجه سے نه تو تقویم کا کوئی معیار باقی رہا تھا نه امن و جنگ کے ایام کا، اس لیے ضروری تھا که اس کا قطعاً انسداد کر دیا جائے اور حج کے لیے ایک معین اور قطعی زمانه مقرر ہو جائے۔ اگر فی الحقیقت اس معاملے =

= فقیر اور مسکین میں اس لحاظ سے بھی فرق ہے کہ فقیر کو سوال کرنے میں عار نہیں ہوتا، لیکن مسکین کو اس کی خود داری اور عفت نفس طلب و الحاح کی اجازت نہیں دیتی۔ صحیحین کی ایک حدیث میں خود آنحضرت نے "مسکین" کی یہ تعریف کی ہے کہ "الذی لا یجد غنی یغنیہ، ولا یفطن لہ فیتصدق علیہ، ولا یقوم فیسأل الناس" (کتاب الزکوٰۃ) جسے ایسے وسائل میسر نہیں کہ تونگر کردیں، جس کا فقر ظاہر نہیں کہ لوگ خیرات دیں، جو خود سوال کے لیے کھڑا نہیں ہوتا کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے۔ اور پھر اسی حدیث میں سورۂ بقرہ کی آیت ۲۷۳ کی طرف اشارہ فرمایا کہ "یحسبھم الجاھل اغنیآء من التعفف ج تعرفھم بسیمٰھم ج لا یسئلون الناس الحافا ط" ان کی خود داری کا یہ حال ہے کہ ناواقف خیال کرے یہ تو تونگر ہیں۔ تم انہیں ان کے چہروں سے پہچان لے سکتے ہو، مگر وہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر کبھی سوال نہیں کرتے۔

بلاشبہ ایسے علماء دین جو سورۂ بقرہ کی آیت متذکرہ صدر کے مصداق ہوں کہ "الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الارض" (۲ : ۲۷۳) یعنی دین کی تعلیم و خدمت کے لیے وقف ہوگئے ہوں اور فکر معیشت =

= ۱ - ہم نے ترجمہ میں ''فقراء'' اور ''مساکین'' کے لیے دوسرے الفاظ اختیار نہیں کیے، کیوں کہ عربی میں ''فقر'' اور ''مسکنت'' سے مقصود احتیاج کی دو مختلف حالتیں ہیں اور ضروری ہے کہ ان کی لغوی نوعیت بجنسہ قائم رکھی جائے۔

فقیر اور مسکین

''فقیر'' اور ''مسکین'' دونوں سے مقصود ایسے لوگ ہیں جو محتاج ہوں، لیکن ''فقر'' عام ہے اور ''مسکنت'' کی حالت خاص ہے۔ ''فقیر'' اسے کہیں گے جس کے پاس ضروریات زندگی کے لیے کچھ بھی نہیں، لیکن ''مسکین'' وہ ہے جس کی احتیاج ابھی اس آخری درجہ تک تو نہیں پہنچی، مگر پہنچ جائے گی اگر خبر گیری نہ کی جائے۔ مثلاً سوسائٹی کے ایسے افراد جو مختلف اسباب سے مفلس ہو گئے ہیں یا وسائل معیشت کا اہتمام نہیں کر سکتے، ان کے جسم پر اجلے کپڑے ابھی باقی ہیں، گھر میں تھوڑا بہت سامان بھی نکل آئے، ممکن ہے دو چار روپے بھی جیب میں موجود ہوں۔ اگر انہیں آج کھانا نہ ملے تو بھوکے نہیں رہیں گے، کل نہ ملے تو برتن بیچ ڈالیں گے، پرسوں نہ ملے تو کپڑے فروخت کر ڈالیں گے، لیکن پھر اس کے بعد تو کوئی وسیلۂ معاش سامنے نہیں دیکھتے۔ =

= اور ضروری ہے کہ اس مد سے ان کی بھی خبر گیری کی جائے. مسکنت سے مقصود ایسی حالت ہے کہ معیشت بہت ہی تنگ اور ناکافی ہو مگر تھوڑی بہت ہو ضرور. چنانچہ کہف میں جو ملاح صاحب موسیٰ کو ملا تھا اور جس کی کشتی میں چھید کر کے اسے ناقص کر دیا تھا، اس کی نسبت فرمایا: "اما السفینة فکانت لمسٰکین یعملون فی البحر" (۱۸ : ۷۹) . کشتی کے مالکوں کو مسکین کہا، حالانکہ وہ کشتی کے مالك تھے اور اس کی اجرت سے اپنا کام چلاتے تھے.

۲ - ان مصارف کے بیان سے مقصود یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ہر رقم ان سب میں وجوباً تقسیم کی جائے، یا یہ ہے کہ خرچ انھیں میں کی جاسکتی ہے، جس مصرف میں خرچ کرنا ضروری ہو اسی میں خرچ کی جائے؟ تو اس بارے میں فقہاء نے اختلاف کیا. لیکن جمہور کا مذہب یہی ہے کہ تمام مصارف میں بہ یك وقت تقسیم کرنا ضروری نہیں. جس وقت جیسی حالت اور جیسی ضرورت ہو اسی کے مطابق خرچ کرنا چاہیے اور یہی مذہب قرآن وسنت کی تصریحات اور روح کے مطابق ہے. ائمۂ اربعہ میں صرف امام شافعی اس کے خلاف گئے ہیں.

۳ - یہ آٹھ مصارف جس ترتیب سے بیان کیے ہیں اگر =

=کے لیے وقت نہ نکال سکیں "مساکین" میں داخل ہیں، بشرطیکہ انہوں نے تعلیم دین کو حصول زر کا پیشہ نہ بنا لیا ہو، ما یحتاج سے زیادہ نہ لیتے ہوں اور کسی حال میں خود سائل و ساعی نہ ہوتے ہوں۔ نیز وہ تمام افراد جو ان کی طرح خدمت دین و امت کے لیے وقف ہو جائیں اور معیشت کا کوئی سامان نہ رکھتے ہوں۔

قوم کے تمام ایسے افراد جن پر وسائل معیشت کی تنگی کی وجہ سے معیشت کے دروازے بند ہو رہے ہیں اور اگرچہ وہ خود پوری طرح ساعی ہیں، لیکن نہ تو نوکری ہی ملتی ہے نہ کوئی اور راہ معیشت نکلتی ہے، یقیناً "مساکین" میں داخل ہیں اور اس مد کے اولین مستحق ہیں۔ لیکن اس کا انتظام اس طرح ہونا چاہیے کہ ان کی خبر گیری بھی ہو جائے اور ساتھ ہی ان میں بے کاری کی عادت اور اپاہج پنا بھی پیدا نہ ہو۔ یہ بات نہ صرف ان کی اعانت میں بلکہ تمام مستحقین کی اعانت میں ملحوظ رہنی چاہیے۔

ایسے افراد جو خوش حال تھے لیکن کاروبار کی خرابی کی وجہ سے یا کسی اور ناگہانی مصیبت کی وجہ سے مفلس ہو گئے ہیں، اگرچہ اپنی پچھلی حیثیت کی بناء پر معزز سمجھے جاتے ہوں، حکماً "مساکین" میں داخل ہیں =

= سے کم اور مقدار کے لحاظ سے بہت ہی محدود صورت میں پیش آنے والا مصرف تھا ۔

سبیل اللہ

٤ – قرآن کی اصطلاح میں وہ تمام کام جو براہ راست دین و ملت کی حفاظت و تقویت کے لیے ہوں "سبیل اللہ" کے کام ہیں اور چوں کہ حفظ و صیانت امت کا سب سے زیادہ ضروری کام دفاع ہے، اس لیے زیادہ تر اطلاق اسی پر ہوا۔ پس اگر دفاع درپیش ہے اور امام وقت اس کی ضرورت محسوس کرتا ہے کہ مد زکوٰۃ سے مدد لی جائے تو اس میں خرچ کیا جائے گا، ورنہ دین و امت کے عام مصالح میں، مثلاً قرآن اور علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت میں، مدارس کے اجراء وقیام میں، دعاۃ و مبلغین کے قیام و ترسیل میں، ہدایت و ارشاد امت کے تمام مفید وسائل میں (۵۰)۔

نظام زکوٰۃ اور اسلام کا نظام اجتماعی

٥ – دنیا میں کوئی دین نہیں جس نے محتاجوں کی اعانت اور ابناء جنس کی خدمت کی تلقین نہ کی ہو اور اسے عبادت یا عبادت کا لازمی جزء نہ قرار دے دیا ہو۔ لیکن یہ خصوصیت صرف اسلام کی ہے کہ وہ صرف اتنے ہی پر قانع نہیں ہوا، بلکہ ہر مستطیع مسلمان پر ایک خاص ٹیکس مقرر کر دیا جو اسے اپنی تمام آمدنی کا حساب کر کے سال بسال ادا کرنا چاہیے۔ اور پھر اسے اس درجہ اہمیت دی کہ اعمال میں نماز کے بعد اسی کا درجہ ہوا اور قرآن نے ہر جگہ دونوں عملوں کا ایک ساتھ ذکر کر کے یہ بات واضح کر دی کہ کسی جماعت =

= غور کروگے تو معلوم ہو جائے گا کہ معاملے کی قدرتی ترتیب یہی ہے۔ سب سے پہلے ان دو گروہوں کا ذکر کیا جو استحقاق میں سب سے زیادہ مقدم ہیں، کیوں کہ زکوٰۃ کا اولین مقصود انہیں کی اعانت ہے، یعنی فقراء اور مساکین۔ پھر اس گروہ کا ذکر کیا جس کی موجودگی کے بغیر زکوٰۃ کا نظام قائم نہیں رہ سکتا اور اس اعتبار سے اس کا تقدم ظاہر ہے، لیکن چوں کہ اس کا استحقاق بالذات نہیں تھا، اس لیے اولین جگہ نہیں دی جاسکتی، پس دوسری جگہ پائی "العُملین علیها"۔ پھر "المؤلفة قلوبهم" کا درجہ ہوا کہ ان کا دل ہاتھ میں لینا ایمان کی تقویت اور حق کی اشاعت کے لیے ضروری تھا۔ پھر غلاموں کو آزاد کرانے اور قرض داروں کو بار قرض سے سبک دوش کرانے کے مقاصد نمایاں ہوئے جو نسبتاً موقت اور محدود تھے۔ پھر "فی سبیل الله" کا مقصد رکھا گیا کہ مستحقین کی پچھلی جماعتیں کسی وقت مفقود ہوگئی ہوں یا کم ہوگئی ہوں یا مقتضیات وقت نے ان کی اہمیت کم کردی ہو یا مال زکوٰۃ کی مقدار بہت زیادہ ہوگئی ہو تو ایک جامع وحاوی مقصد کا دروازہ کھول دیا جائے جس میں دین وامت کے مصالح کی ساری باتیں آجائیں۔ سب کے آخر میں "ابن السبیل" کی جگہ ہوئی، کیوں کہ تقدم میں یہ سب =

= تا کہ ایسا نہ ہو مال و دولت صرف دولت مندوں کے گروہ ھی میں محصور ہو کر رہ جائے .

یعنی زکوٰۃ کا مقصد یہ ھے کہ دولت سب میں پھیلے ، سب میں بٹے ، کسی ایک گروہ ھی کی ٹھیکے داری نہ ھو جائے . اور اسی سورت کی آیت ۳۴ میں گزر چکا ھے " والذین یکنزون الذهب والفضة ولا ینفقونها فی سبیل الله فبشرهم بعذاب الیم " جو لوگ چاندی سونا خزانہ بنا کر رکھتے ھیں اور الله کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ، ان کے لیے اگر کوئی بشارت ھو سکتی ھے تو یہی کہ عذاب دردناک کی بشارت دے دو . اور حدیث " بعث معاذ الی الیمن " میں زکوٰۃ کا مقصد یہ فرمایا کہ " تؤخذ من اغنیائهم فترد فی فقرائهم " (رواہ الجماعة) ان کے دولت مندوں سے وصول کی جائے اور پھر ان کے محتاج افراد میں لوٹائی جائے .

قرآن اور احتکار و اکتناز

ان تصریحات سے معلوم ھوا کہ قرآن کی روح دولت کے احتکار و اختصاص کے خلاف ھے ، یعنی وہ نہیں چاھتا کہ دولت کسی ایک گروہ کی ٹھیکے داری میں آجائے ، یا سوسائٹی میں کوئی ایسا طبقہ پیدا ھو جائے جو دولت کو خزانہ بنا بنا کر جمع کر لے ، بلکہ وہ چاھتا ھے دولت ھمیشہ سیر و گردش میں رھے اور زیادہ سے زیادہ تمام =

= کی اسلامی زندگی کی سب سے پہلی شناخت یہی دو عمل ہیں: نماز اور زکوٰۃ. اگر کوئی جماعت بحیثیت جماعت کے انہیں یک قلم ترک کر دے گی تو اس کا شمار مسلمانوں میں نہ ہوگا. اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام نے مانعین زکوٰۃ سے قتال کیا اور حضرت ابوبکر نے کہا: "واللہ لأقاتلن من فرق بین الصلوٰۃ و الزکوٰۃ" (متفق علیہ).

بلا شبہہ حضرت مسیح علیہ السلام کے مواعظ اس بارے میں بہت دور تک چلے گئے ہیں. انھوں نے صرف یہی نہیں کہا کہ اتنا دے دو، بلکہ کہا "سب کچھ دے دو" لیکن چونکہ اسلام کی طرح کوئی معین نظم قائم نہیں کیا، اس لیے یہ تعلیم محض زھد و ترک دنیا کا ایک اعلیٰ مقام بن کر رہ گئی اور مسیحیت کے صدر اول کے سوا (جب کہ کلیسا کی بنیاد باھمی اخوت و اشتراک پر قائم کی گئی تھی) کوئی زمانہ ایسا ظہور میں نہ آسکا کہ عیسائیوں میں اس تعلیم کے نتائج نے نشو و نما پایا ہو.

۶ - پھر اس باب میں اس کی ایک دوسری خصوصیت بھی ہے، یعنی وہ علت جو نہ صرف زکوٰۃ کے لیے بلکہ تمام صدقات و خیرات کے لیے قرار دی گئی اور جس کی وجہ سے اس معاملے نے بالکل ایک دوسری ہی نوعیت اختیار کر لی: "کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم" (۵۹: ۷) =

= جماعت کی بنیادی فلاح موقوف تھی اور ضروری تھا کہ اسے ایمان و انقیاد کا معیار قرار دیا جاتا .

اور یہی وجہ ہے کہ سورۂ بقرہ میں انفاق کا حکم دینے کے بعد متصلاً فرمایا : "یؤتی الحکمة من یشاءؑ و من یؤت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا، و ما یذکر الا اولوا الالباب" (۲ : ۲۶۹) یعنی یہ بات کہ اپنی کمائی کا ایک حصہ دوسرے افراد جماعت کو دے دینا کھونا نہیں ہے، پانا ہے، بہت دقیق بات ہے . اسے وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو صاحب حکمت ہیں اور جس کسی نے حکمت کی دولت پائی تو اس نے بڑی سے بڑی بھلائی پائی : "وما یذکر الا اولوا الالباب" (۵۱) .

۷ - قرآن و سنت کی تعلیمات اور صحابۂ کرام کی عملی زندگی کے مطالعے کے بعد مجھے اس حقیقت کا پورا اذعان ہو گیا ہے کہ اسلام کے بنائے ہوے اجتماعی نقشے میں دولت اور وسائل دولت کے احتکار اور اکتناز کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے . "احتکار" یہ کہ دولت کا کسی ایک طبقہ ہی میں محصور ہو جانا . "اکتناز" یہ کہ دولت کے بڑے بڑے خزانوں کا افراد کے پاس جمع ہو جانا . اس نے سوسائٹی کی نوعیت کا جو نقشہ بنایا ہے اگر ٹھیک ٹھیک قائم ہو جائے اور صرف چند خانے =

= افراد قوم میں پھیلے اور منقسم ہو . یہی وجہ ہے کہ اس نے ورثہ کے لیے تقسیم و اسہام کا قانون نافذ کر دیا اور اقوام عالم کے عام قوانین کی طرح یہ نہیں کیا کہ خاندان کے ایک ہی فرد کے قبضہ میں رہے. جونہیں ایک شخص کی آنکھیں بند ہوئیں ، اس کی دولت جو اس وقت تک تنہا ایک جگہ میں تھی ، اب وارثوں میں بٹ کر کئی جگہوں میں پھیل جائے گی اور پھر ان میں سے ہر وارث کے وارث ہوں گے اور اسے بانٹتے اور پھیلاتے رہیں گے .

اور پھر یہی وجہ ہے کہ اس نے سود کا لین دین حرام کر دیا اور قاعدہ یہ ٹھیرایا کہ " یمحق اللہ الربوا و یربی الصدقٰت " (۲ : ۲۷٦) اللہ سود کا جذبہ گھٹانا چاہتا ہے ، خیرات کا جذبہ بڑھانا چاہتا ہے . یعنی یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں . جس قوم میں سود کا جذبہ ابھرے گا اس کے غالب افراد شقاوت و محرومی میں مبتلا رہیں گے جس قوم میں خیرات کا جذبہ ابھرے گا اس کا کوئی فرد محتاج و مفلس نہیں رہے گا .

اور اسی لیے اس نے سود کے معاملے کو اتنی اہمیت دی کہ فرمایا : جو لوگ اس پر مصر رہیں گے وہ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف اعلان جنگ کریں گے : " فاذنوا بحرب من اللہ و رسولہ " (۲ : ۲۷۹) کیوں کہ اس معاملے پر =

= کا معاملہ ھی احکام قرآنی کے مطابق درست کر لیں تو بغیر کسی تأمل کے دعویٰ کیا جا سکتا ھے کہ ان کی تمام اجتماعی مشکلات و مصائب کا حل خود بخود پیدا ھو جائے گا۔

۹ - لیکن مصیبت یہ ھے کہ مسلمانوں نے یا تو احکام قرآنی کی تعمیل یك قلم ترك کر دی ھے یا پھر عمل بھی کر رھے ھیں تو اس طرح کہ فی الحقیقت عمل نہیں کر رھے ھیں۔

زکوٰۃ کا طریقہ

قرآن نے زکوٰۃ کا معاملہ ایك خاص نظام سے وابستہ کر دیا ھے اور اسی نظام کے قیام پر اس کے تمام مقاصد و مصالح کا حصول موقوف ھے۔ زکوٰۃ ایك ٹیکس ھے بالکل اسی طرح کا ٹیکس جس طرح آج کل انکم ٹیکس وصول کیا جاتا ھے۔ پس اس کی ادائگی کا طریقہ یہ نہ تھا کہ ھر شخص خود ھی اپنا ٹیکس نکالے اور خود ھی خرچ بھی کر ڈالے، بلکہ یہ تھا کہ حکومت اپنے کلکٹروں کے ذریعے ھر شخص سے وصول کرکے بیت المال میں جمع کرے اور پھر ضروریات وقت کے مطابق جس مصرف کو مقدم دیکھے اس میں خرچ کرے۔ جب ایك شخص نے حکومت کے مقررہ عامل کو اپنی زکوٰۃ دے دی اس کی زکوٰۃ ادا ھو گئی۔ چنانچہ اسی لیے کلکٹروں =

= هی نهیں بلکه تمام حانے اپنی اپنی جگه بن جائیں تو ایک ایسا اجتماعی نظام پیدا هو جائے گا جس میں نه تو بڑے بڑے کروڑ پتی هوں گے نه مفلس و محتاج طبقے، ایک طرح کی درمیانی حالت غالب افراد پر طاری هو جائے گی. بلا شبه زیاده سے زیاده کمانے والے افراد موجود هوں گے، کیوں که سعی و کسب کے بغیر کوئی مومن زنده هی نهیں ره سکتا. لیکن جو فرد جتنا زیاده کمائے گا اتنا هی زیاده انفاق پر مجبور بھی هو گا. اور اس لیے افراد کی کمائی جتنی بڑھتی جائے گی اتنی هی زیاده جماعت به حیثیت جماعت کے خوش حال هوتی جائے گی. قابل اور مستعد افراد زیاده سے زیاده کمائیں گے لیکن صرف اپنے هی لیے نهیں کمائیں گے، تمام افراد قوم کے لیے کمائیں گے. یه صورت پیدا نه هو سکے گی که ایک طبقه کی کمائی دوسرے طبقوں کے لیے محتاجی و مفلسی کا پیام هو جائے، جیسا که اب عام طور پر هو رها هے. یه بات که قرآن کی تعلیم کے مطابق دنیا میں کس طرح کی مدنیت اور اجتماعیت پیدا هو سکتی هے، جس درجه اهم هے اتنی هی زیاده دقیق بھی هے. "البیان" میں به ضمن تفسیر فقره اس کی مفصل بحث و تحقیق ملے گی.

٨- اگر مسلمان آج اور کچھ نه کریں، صرف زکوٰة =

= حکام ظلم و تشدد پر اتر آئے تو بعض لوگوں کو خیال ہوا ایسے لوگ ہماری زکوٰۃ کے کیوں امین سمجھے جائیں؟ لیکن تمام صحابہ نے یہی فیصلہ کیا کہ زکوٰۃ انہیں کو دینی چاہیے. یہ کسی نے نہیں کہا کہ خود اپنے ہاتھ سے خرچ کر ڈالو. حضرت عبد اللہ بن عمر سے ایک شخص نے پوچھا: اب زکوٰۃ کسے دیں؟ کہا: وقت کے حاکموں کو. اس نے کہا: " اذا یتخذون بها ثیابا و طیبا" وہ تو زکوٰۃ کا روپیہ اپنے کپڑوں اور عطروں پر خرچ کر ڈالتے ہیں. فرمایا " و ان" اگرچہ ایسا کرتے ہوں مگر دو انہیں کو (ابن ابی شیبہ)، کیوں کہ زکوٰۃ کا معاملہ بغیر نظام کے قائم نہیں رہ سکتا.

صدر اول سے لے کر آخر عہد عباسیہ تک یہ نظام بلا استثناء قائم رہا. لیکن ساتویں صدی ہجری میں جب تاتاریوں کا سیلاب تمام اسلامی ممالک میں امنڈ آیا اور نظام خلافت معدوم ہوگیا تو سوال پیدا ہوا کہ اب کیا کرنا چاہیے؟ فقہاء حنفیہ کے جس قدر شروح و متون اور کتب فتاویٰ آج کل متداول ہیں، زیادہ تر اسی دور میں یا اس کے بعد لکھے گئے ہیں. اس وقت پہلے پہل اس بات کی تخم ریزی ہوئی کہ زکوٰۃ کی رقم بطور خود خرچ کر ڈالی جائے، کیوں کہ غیر مسلم حاکموں کو نہیں =

= اور عاملوں کی تنخواہ کا بار بھی اسی فنڈ پر ڈال دیا اور صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ " و العٰملین علیھا " جو کارندے وصولی کے لیے مقرر ھوں ان کے ضروری مصارف۔ اگر ادائگی کے لیے یہ بات ضروری نہ ھوتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ مصارف کی مد میں مستقلاً عمال حکومت کا ذکر کیا جاتا۔

اور پھر یہی وجہ ھے کہ صاف و صریح لفظوں میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ اس باب میں عمال حکومت کی اطاعت کریں اور بلا عذر زکوٰۃ ان کے حوالے کردیں۔ حتی کہ اگر عمال ظالم ھوں یا بیت المال کا روپیہ ٹھیک طور پر خرچ نہ ھو رھا ھو جب بھی اصلاح حال کی سعی کے ساتھ ادائگی کا سلسلہ جاری رکھنا چاھیے۔ یہ نہیں کرنا چاھیے کہ زکوٰۃ بطور خود خرچ کر ڈالی جائے۔ بشیر بن خصاصیہ کی روایت میں ھے کہ لوگوں نے کہا: "ان قوما من اصحاب الصدقہ یعتدون علینا" عمال کا ایک گروہ صدقہ لینے میں ھم پر زیادتیاں کرتا ھے۔ کیا اس کا مقابلہ کریں؟ فرمایا: نہیں (ابو داود)۔ سعد بن وقاص کی روایت میں صاف صاف موجود ھے: "ادعوا الیھم ما صلوا" جب تک وہ نماز پڑھتے ھیں زکوٰۃ انھیں دیتے رھو۔

بنو امیہ کے زمانے میں جب نظام خلافت بدل گیا اور =

=پر موقوف تھا تو زکوٰۃ کا نظام کیوں ترك کر دیا جائے؟
کس نے مسلمانوں کے ھاتھ اس بات سے باندھ دیے تھے
کہ اپنے اسلامی معاملات کے لیے ایك امیر منتخب کر لیں
یا ایك مرکزی بیت المال پر متفق ھو جائیں یا اقلاً ویسی ھی
انجمنیں بنالیں جیسی انجمنیں بے شمار غیر ضروری باتوں
کے لیے، بلکہ بعض حالتوں میں بدع و محدثات کے لیے
انھوں نے جابجا بنالی ھیں .

١١ - اسلام نے اجتماعی زندگی کا ایك پورا نقشہ بنایا
تھا . جہاں اس کے چند جانے بگڑے سمجھو پورا نقشہ
بگڑ گیا . چنانچہ اس ایك نظام کے فقدان نے مسلمانوں کی
پوری اجتماعی زندگی مختل کر دی ھے. لوگ اصلاح کے لیے
طرح طرح کے ھنگامے برپا کرتے ھیں اور سمجھتے ھیں
انجمنوں اور قومی چندوں کے ذریعے وقت کی مشکلوں
اور مصیبتوں کا علاج ڈھونڈھ نکالیں گے، حالانکہ مسلمان
کے لیے اصلی سوال یہ نہیں ھے کہ کوئی نیا طریقہ ڈھونڈھ
نکالیں، سوال یہ ھے کہ اپنے گم گشتہ طریقے کا کھوج
لگائیں :

درازی شب و بیداری من ایں ھمہ نیست
زبخت من خبر آرید تا کجا خفتست

اگر محض دولت مند افراد کے عطیوں اور قومی انجمنوں =

=دی جاسکتی . مگر ساتھ ھی فقہاء نے اس پر بھی زور دیا کہ جن ملکوں میں اسلامی حکومت قائم نہیں رھی ھے اور اعادۂ حالت فوراً ممکن نہیں ، وھاں مسلمانوں کے لیے ضروری ھے کہ کسی اھل مسلمان کو اپنا امیر مقرر کر لیں، تاکہ اسلامی زندگی کا نظام قائم رھے ، معدوم نہ ھو جائے .

لیکن افسوس ھے کہ بعد کو بتدریج اس نظام کی اھمیت سے مسلمان غافل ھوتے گئے اور رفتہ رفتہ یہ حالت ھو گئی کہ لوگوں نے سمجھ لیا زکوٰۃ نکالنے کا معاملہ اس کے سوا کچھ نہیں ھے کہ خود حساب کر کے ایک رقم نکال لیں اور پھر جس طرح چاھیں خود ھی خرچ کر ڈالیں . حالانکہ جس زکوٰۃ کی ادائگی کا قرآن نے حکم دیا ھے اس کا قطعاً یہ طریقہ نہیں ھے اور مسلمانوں کی جو جماعت اپنی زکوٰۃ کسی امین زکوٰۃ یا بیت المال کو حوالے کرنے کی جگہ خود ھی خرچ کر ڈالتی ھے ، وہ دیدہ و دانستہ حکم شریعت سے انحراف کرتی ھے اور یقیناً عند اللہ اس کے لیے جواب دہ ھوگی .

۱۰ - اگر کہا جائے کہ ھندوستان میں اسلامی حکومت موجود نہیں ، اس لیے مسلمان مجبور ھو گئے اور انفرادی طور پر خرچ کرنے لگے تو شرعاً و عقلاً یہ عذر مسموع نہیں ھو سکتا . اگر اسلامی حکومت کے فقدان سے جمعہ ترک نہیں کر دیا گیا جس کا قیام امام و سلطان کی موجودگی=

= ایک یہ کہ اپنی نوعیت میں یہ زیادہ وسیع ہے، یعنی صرف کاروبار کی گھٹتی بڑھتی آمدنی ھی پر عائد نہیں ہوتا، بلکہ اندوختہ پر بھی واجب ھوجاتا ہے، اگرچہ اس سال کوئی نئی آمدنی نہ ھوئی ھو۔ نیز اس طرح کی تمام ملکیتیں بھی اس میں داخل ھیں جو بڑھنے کی استعداد رکھتی ھوں، مثلاً مویشی۔ دوسری یہ کہ مقصد کے لحاظ سے یہ ایک خاص مصرف رکھتا ہے جس کی مختلف صورتیں معین کردی گئی ھیں۔ اسٹیٹ کو حق نہیں کہ ان مصارف کے علاوہ کسی دوسرے مصرف میں خرچ کرے۔

۱۳ - قرآن نے یہودیوں کی اس گمراھی کا ذکر کیا ہے کہ انھوں نے احکام شرع کی تعمیل سے بچنے کے لیے شرعی حیلے نکال لیے تھے۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں میں بھی اس گمراھی نے سر اٹھایا، حتی کہ حیلے کا معاملہ بعض کتب فقہ کا ایک مستقل باب بن گیا، ازانجملہ ایک حیلہ زکوٰۃ کے باب میں بھی مشہور ہے: طریقہ اس کا یہ بتلایا جاتا ہے کہ جو شخص زکوٰۃ سے بچنا چاہے وہ کسی آدمی سے بخش دینے اور بخشوا لینے کا فرضی معاملہ کرلے اور قبل اس کے کہ برس پورا ھو، اپنا تمام مال اس کے نام ھبہ کردے، پھر وہ برس ختم ھونے سے پہلے وھی مال اس کے نام ھبہ کردے گا۔ نتیجہ یہ =

= کے نظام سے قوم کا اقتصادی مسئلہ حل ہو سکتا تو آج یورپ اور امریکہ سے بڑھ کر کون ہے جو ان دونوں باتوں کا انتظام کر سکتا ہے؟ لیکن معلوم ہے کہ ان کا کوئی قومی فنڈ اور کوئی قومی نظام بھی بچارے طبقوں کی بے کاری اور متوسط طبقے کا افلاس روک نہ سکا اور اب اجتماعی مسئلے کا ہلاکت آفریں خطرہ ان کے سروں پر منڈلا رہا ہے۔ اصل یہ ہے کہ افراد کی وقتی فیاضیاں کتنی ہی زیادہ ہوں، قوم کی اجتماعی زندگی کے قیام کے لیے کبھی کفیل نہیں ہو سکتیں۔ اس صورت حال کا علاج صرف وہی ہے جو اسلام نے تیرہ سو برس پہلے تجویز کیا تھا، یعنی قانون سازی کے ذریعے قوم کی پوری کمائی کا ایک خاص حصہ کمزور افراد کی خبر گیری کے لیے مخصوص کر دینا کہ "تؤخذ من اغنیائهم وترد فی فقرائهم" اور "کی لا یکون دولة بین الاغنیاء منکم"۔

١٢ - بہر حال یہ بات یاد رہے کہ زکوٰۃ کی نوعیت عام خیرات کی سی نہیں ہے، بلکہ یہ اپنے پورے معنوں میں ایک انکم ٹیکس ہے جو اسلامی حکومت نے ہر کمانے والے فرد پر لگا دیا تھا، بشرطیکہ اس کی کمائی اس کی ذاتی ضروریات زندگی سے زیادہ ہو۔ موجودہ زمانے کے انکم ٹیکسوں میں اور اس میں صرف دو باتوں کا فرق ہے: =

= عملی زندگی ھی کو نہیں بلکہ ایمان و فکر کو بھی تاراج کر دینے والا ھے .

یہی وجہ ھے کہ جونہیں اس طرح کے حملوں کا چرچا پھیلا ، تمام سلف امت نے اس پر انکار عظیم کیا اور ائمہ و فقہاء میں کوئی نہیں جس نے انہیں جائز رکھا ہو .

۱٤ - ایك اور غلط فہمی اس باب میں یہ پھیل گئی ھے کہ لوگ سمجھتے ھیں اپنے مفلس رشتہ داروں کی خبر گیری کا یہی طریقہ ھے کہ زکوٰۃ کی رقوم سے ان کی مدد کی جائے .

بلا شبہ ھر مسلمان کے لیے ضروری ھے کہ غیروں سے پہلے اپنے محتاج رشتہ داروں کی خبر لے اور قرآن نے صدقات و خیرات کے معاملے میں جو اصلاحات کی ھیں ، من جملہ ان کے ایك بڑی اصلاح یہ ھے کہ رشتہ داروں کی اعانت کو بھی خیرات قرار دے دیا ، بلکہ خیرات کا سب سے پہلا اور بہتر مصرف : ” قل ما انفقتم من خیر فللوالدین و الاقربین “ (۲ : ۲۱۵) . لیکن زکوٰۃ جو خیرات کی ایك خاص قسم ھے اس لیے واجب نہیں کی گئی ھے کہ لوگ خیرات کی دوسری قسموں سے ھاتھ روك لیں اور اپنے محتاج رشتہ داروں کی مدد کا بوجھ بھی اسی پر ڈال دیں . زکوٰۃ وھی دے گا جو صاحب استطاعت ہو =

= نکلے گا کہ دونوں پر سے باوجود مال دار ہونے کے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ مثلاً شوہر نے اپنی بیوی سے رجب کے مہینے میں کہہ دیا: میں نے اپنا مال تجھے ہبہ کر دیا۔ اس نے کہا: قبول۔ اب شوہر پر زکوٰۃ نہیں رہی، کیوں کہ قبل اس کے کہ سال تمام ہو وہ صاحب نصاب نہ رہا۔ البتہ بیوی پر پڑ گئی، بشرطیکہ بارہ مہینے گزر جائیں، لیکن وہ بارہ مہینے کیوں گزرنے دے گی؟ وہ جمادی الاولی میں شوہر سے کہہ دے گی: میں نے تمام مال اب تمہیں ہبہ کر دیا۔ اس طرح اس نیک بخت پر سے بھی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی:

قصہ کوتہ گشت ورنہ درد سر بسیار بود

لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ احکام شرع کی تعمیل میں اس طرح کی حیلہ باریاں نکالنی فسق و ضلالت کا انتہائی مرتبہ ہے اور جو شخص اس طرح کی مکاریاں کر کے احکام الٰہی سے بچنا چاہتا ہے، اس کی معصیت ان لوگوں سے بدرجہا زیادہ ہے جو سیدھی سادی طرح ترک اعمال کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ بات کہ ایک شخص سے جرم ہو گیا، محض جرم ہے، مگر یہ بات کہ ایک شخص جرم کو بے جرمی و پاک عملی بنا کر کرتا ہے، صرف جرم ہی نہیں ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے اور صرف اس کی =

=١٥ - ایك عام اور سب سے زیادہ مہلك غلط وہمی یہ پھیل گئی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں زکوٰۃ دے دینے کے بعد انفاق و خیرات کے اور تمام اسلامی فرائض ختم ہو جاتے ہیں. جہاں ایك شخص نے رمضان میں اٹھنیوں اور روپیوں کی پڑیاں باندھ کر تقسیم کے لیے رکھ دیں، سال بھر کے لیے اسے ہر طرح کے انسانی و اسلامی تقاضوں سے چھٹی مل گئی!

حالانکہ ایسا سمجھنا یك قلم اسلام کو بھلا دینا ہے. اسلام نے مسلمانوں کو جس طرح کی زندگی بسر کرنے کی تلقین کی ہے، وہ محض اپنے بیوی بچوں کے پیٹ ہی کی زندگی نہیں ہے، بلکہ منزلی، خاندانی، معاشرتی، جماعتی اور انسانی فرائض کی ادائگی کی ایك پوری آزمایش ہے اور جب تك ایك انسان اس آزمایش میں پورا نہیں اترتا اسلامی زندگی کی لذت اس پر حرام ہے.

اس پر اس کے نفس کا حق ہے، اس کے والدین کا حق ہے، رشتہ داروں کا حق ہے، بیوی بچوں کا حق ہے، ہمسایہ کا حق ہے اور پھر تمام نوع انسانی کا حق ہے. اس کا فرض ہے کہ اپنی استطاعت اور مقدور کے مطابق یہ تمام فرائض ادا کرے اور انہیں فرایض کی ادائگی پر اس کی زندگی کی ساری دنیوی اور اخروی سعادتیں موقوف ہیں:=

= اور اگر ایك شخص خوش حال ھے اور اس کے رشته دار تنگی و محتاجی میں مبتلا ھو گئے ھیں تو بحیثیت مسلمان ھونے کے اس کا فرض ھے که ان کی خبر گیری کرے. اگر نہیں کرے گا تو یقیناً عند الله جواب دہ ھو گا، کیوں که صلۂ رحمی کا حق خدا کا ٹھیرایا ھوا حق ھے: ”واتقوا الله الذی تساءلون به والارحام“ (٤: ١). بلاشبه اس کی یه خبر گیری اس کے لیے خیرات کا بہترین عمل ھو گی، لیکن خبر گیری ھر حال میں اس کا اسلامی فرض ھے. یه طریقه کسی حال میں بھی شرعی نہیں ھو سکتا که باوجود خوش حال ھونے کے اپنے رشته داروں کو فقر و فاقے میں چھوڑ دیا جائے اور پھر اگر کچھ دیا بھی جائے تو اسے زکوٰۃ کی مد میں شمار کر لیا جائے.

حقیقت یه ھے که مسلمانوں نے کوئی خاص اسلامی عمل ھی ترك نہیں کر دیا ھے، بلکه ان کی پوری زندگی غیر اسلامی ھو گئی ھے. ان کی فکری حالت غیر اسلامی ھے، ان کی عملی رفتار غیر اسلامی ھے، ان کا دینی زاویۂ نگاہ غیر اسلامی ھو گیا ھے، وہ اگر اسلامی احکام پر عمل بھی کرنا چاھتے ھیں تو غیر اسلامی طریقے سے اور یه دینی تنزل کی انتہا ھے ”فما ھؤلاء القوم لایکادون یفقھون حدیثا“ (٤: ٧٨) =

==پس یہ سمجھنا کہ جہاں سال میں ایک مرتبہ زکوٰۃ کا ٹیکس دے دیا انفاق فی سبیل اللہ کے تمام مطالبات پورے ہوگئے، صریح قرآن کی تعلیم سے اعراض کرنا ہے۔ زکوٰۃ تو ایک خاص قسم کا ٹیکس ہے اور ایک خاص مقصد کے لیے لگایا گیا ہے جو سال میں ایک مرتبہ دینا پڑتا ہے، لیکن ہماری زندگی کا ہر چوبیس گھنٹا ہم سے انفاق کا مطالبہ کرتا ہے اور اگر ہم اسلامی زندگی کا توشہ لے کر دنیا سے جانا چاہتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ حسب استطاعت اس کے تمام مطالبات پورے کریں۔

قرآن اور سوشلزم

۱۶ - دنیا میں دولت اور وسائل دولت کا احتکار اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ ضروری تھا اس کا رد فعل پیدا ہو۔ چنانچہ اٹھارھویں صدی میں موجودہ سوشلزم کی بنیادیں پڑیں اور اب اس نے کمیونزم کی انتہائی صورت اختیار کرلی ہے اور پندرہ برس سے روس میں اس کا اولین تجربہ بھی ہو رہا ہے۔ قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرآن کی تعلیم سرمایہ داری کے مفاسد مٹانا چاہتی ہے اور دولت کی تقسیم کی حامی ہے تو کیا ایسا نہیں سمجھا جاسکتا کہ اس کا رخ بھی اسی طرف ہے جس طرف سوشلزم جا رہا ہے؟ بلا شبہ سمجھا جا سکتا ہے، لیکن ایک خاص درجے تک اور اس کی حقیقت سمجھنی چاہیے۔ ==

=" و اعبدوا الله و لا تشركوا به شيئا و بالوالدين احسانا و بذى القربى و اليتمى و المسكين و الجار ذى القربى و الجار الجنب و الصاحب بالجنب و ابن السبيل و ما ملكت ايمانكم" (٤:٣٦).

یہ تمام فرائض ادا نہیں کیے جاسکتے جب تك کہ انفاق و خیرات کے لیے انسان کا ھاتھ کشادہ نہ ھو جائے. یہی وجہ ھے کہ قرآن نے اعمال میں سے کسی عمل پر اتنا زور نہیں دیا جس قدر نماز اور انفاق پر. اور منافقوں کی سب سے بڑی پہچان اسی سورت میں یہ بتلائی کہ ان کی مٹھیاں بند رھتی ھیں، انفاق کے لیے کھلتی نہیں: " و یقبضون ایدیھم" (٩: ٦٧)، اور اگر کچھ دیتے بھی ھیں تو مجبور ھو کر: " و لا ینفقون الا و ھم کرھون" (٩: ٥٤). اور مومنوں کی نسبت فرمایا: " ینفقون اموالھم باللیل و النھار سرا و علانیة" (٢: ٢٧٤) مومن وہ ھیں جن کا ھاتھ ھمیشہ کھلا رھتا ھے، رات دن، پوشیدہ اور ظاھر ھر حال میں سر گرم انفاق رھتے ھیں. نیز فرمایا: یہ شیطانی خیال ھے کہ خرچ کرنے سے ھم محتاج ھو جائیں گے. اور اس راہ میں بخل " فحش " ھے، یعنی سخت قسم کی برائی. اور اللہ انفاق کا حکم دے کر تمھیں مغفرت اور خوش حالی کی راھوں پر لگاتا ھے: " الشیطن یعدکم الفقر و یامرکم بالفحشاء و اللہ یعدکم مغفرة منه و فضلا " (٢: ٢٦٨). =

= قرآن نے جو صورت اختیار کی ھے وہ یہی ھے، اور سوشلزم (٥٣) بھی ایسا ھی نظام قرار دینا چاھتا ھے. لیکن قرآن میں اس طرح کے اشارات جا بجا پائے جاتے ھیں کہ معیشت کے مدارج کا یہ اختلاف قدرتی ھے اور ضروری تھا کہ ظہور میں آئے. وہ کہتا ھے: اگر یہاں سب کی حالت یکساں ھو جاتی تو تزاحم و تنافس کی حالت پیدا نہ ھوتی اور اگر یہ حالت پیدا نہ ھوتی تو انسان کی قدرتی قوتوں کے ابھرنے اور ترقی پانے کے لیے کوئی شے محرک بھی نہ ھوتی اور اجتماعی زندگی کی وہ تمام سرگرمیاں ظہور میں نہ آتیں جن سے یہ تمام کارخانہ چل رھا ھے:

”وھو الذی جعلکم خلٰئف الارض و رفع بعضکم فوق بعض درجٰت لیبلوکم فی مآ اٰتٰکم ؕ ان ربك سریع العقاب و انه لغفور رحیم“ (٦ : ١٦٥) اور وھی ھے جس نے تمھیں زمین میں ایك دوسرے کا جانشین بنایا اور بعض کو بعض پر مرتبے دیے، تاکہ جو کچھ تمھیں دیا ھے اس میں تمھیں آزمائے. بلا شبہ تمھارا پروردگار (بد عملیوں کی) فوراً سزا دینے والا ھے اور بلا شبہ وہ بڑا ھی بخش دینے والا، رحمت والا ھے.

اس آیت میں تین باتوں کی طرف اشارہ کیا ھے: =

= دو صورتیں هیں اور ضروری هے که دونوں کا فرق ملحوظ رکھا جائے :

ایك صورت یه هے که دولت اور وسائل دولت کا احتکار روك دیا جائے اور کمانے والے فرد کو قانون سازی کے ذریعے مجبور کیا جائے که اپنی آمدنی کا ایك حصه کم زور افراد کے لیے نکالے . نیز اسٹیٹ کو اس بات کا ذمه دار ٹھیرایا جائے که کوئی فرد ضروریات زندگی سے محروم نه رهے . لیکن ساتھ هی یه اصل بھی تسلیم کی جائے که معیشت کے لحاظ سے تمام افراد و طبقات کی حالت یکساں نہیں هو سکتی اور یه عدم یکسانیت اکثر حالتوں میں قدرتی هے ، کیوں که سب کی جسمانی و دماغی استعداد یکساں نہیں اور جب استعداد یکساں نہیں تو ناگزیر هے که جدو جہد معیشت کے ثمرات بھی یکساں نه هوں . بالفاظ دیگر انفرادی ملکیت کا حق تسلیم کر لیا جائے که جو جس قدر حاصل کر سکتا هے وه اس کا هے .

دوسری صورت یه هے که صرف دولت کا احتکار هی نه روکا جائے ، بلکه دولت کی انفرادی ملکیت بھی ختم کر دی جائے اور ایسا نظام قائم کیا جائے جس میں اجباری قوانین کے ذریعے اقتصادی اور معیشتی مساوات کی حالت پیدا کر دی جائے (٥٢) . =

= ایک ھی درجے میں نہیں ھیں ۔ کوئی کسی درجے میں ھے ، کوئی کسی درجے میں ۔

بہر حال قرآن نے اجتماعی مسئلہ کا جو حل تجویز کیا ھے وہ یہ ھے کہ وہ مدارج معیشت کی مساوات قائم کرنی نہیں چاھتا ۔ (٥٤) یعنی شخصی دولت سے جو انفاق کے ساتھ ھو تعرض نہیں کرتا ، لیکن پرائیویٹ دولت یعنی اکتناز کا مخالف ھے ۔ اس نے ھر طرح کے نسلی ، خاندانی ، جغرافیائی اور طبقاتی امتیاز مٹا دیے ۔ اس نے زندگی کے ھر میدان میں انسانی مساوات کا اعلان کر دیا اس نے وہ تمام رکاوٹیں دور کر دیں جو سوسائٹی کے اونچے طبقوں نے کم زور افراد کی خوش حالی و ترقی کی راہ میں پیدا کر دی تھیں ۔ اس نے قانون ساری کے دریعے دولت کا احتکار و اختصاص روک دیا ۔ اس نے زندگی کے ھر گوشے میں دولت کے اکتناز کی جگہ دولت کی تقسیم پر زور دیا ۔ اس نے اس بات سے قطعاً انکار کر دیا کہ دولت مندی بجائے خود کوئی حق ھے ۔ اس نے بے اعتدالانہ سرمایہ داری کی تمام راھیں روک دیں ۔ اس نے سود کی ھر شکل حرام کر دی ۔ اس نے جوے کو کسی حال میں جائز نہ رکھا ۔ پھر ان تمام باتوں سے بڑھ کر یہ کہ انسانی زندگی کے اعمال حق میں انفاق فی سبیل اللہ کو سب سے زیادہ =

= اولاً، خدا نے انسانی زندگی کا کارخانہ کچھ اس طرح چلایا ھے کہ یہاں ھر گوشے میں ایك طرح کی جانشینی کا سلسلہ جاری رھتا ھے، یعنی ایك فرد اور گروہ جاتا ھے، دوسرا فرد اور گروہ اس کی جگہ لیتا اور اس کے ثمرات و نتائج سعی کا وارث ھوتا ھے. ثانیاً، درجے کے لحاظ سے سب یکساں نہ ھوے، بعض اوپر ھوے، بعض ان سے نیچے. ثالثاً، مدارج معیشت کی یہ بلندی و پستی اس لیے ھوئی تاکہ انسان کے عمل و تصرف کے لیے آزمایش کی حالت پیدا ھو جائے اور ھر فرد اور ھر گروہ کو موقع دیا جائے کہ اپنی سعی و کاوش سے جو درجہ حاصل کرسکتا ھے حاصل کرلے. آخر میں فرمایا: خدا کا قانون جزاء سست رفتار نہیں، یعنی سعی و طلب کی اسی امتحان گاہ سے جزاء عمل کا معاملہ وابستہ ھے. جیسے جس کے اعمال ھوں گے ویسے ھی نتائج اس کے حصہ میں آجائیں گے.

اسی طرح جا بجا قرآن میں پاؤ گے: "واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق" (١٦ : ٧١) خدا نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں برتری دی ھے. "نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوٰۃ الدنیا و رفعنا بعضھم فوق بعض درجٰت" (٤٣ : ٣٢) دنیوی زندگی کی معیشت ھم نے لوگوں میں تقسیم کردی اور اس کا کارخانہ ایسا بنا دیا کہ سب =

= اس میں پہلے گروہ کی مستعدی نہیں ہوتی کہ جو بات مان لی اسے ٹھیک ٹھیک مان لے اور عمل کرے۔ اس میں دوسرے گروہ کی بے باکی و جرأت بھی نہیں ہوتی کہ یکسو ہو کر صاف صاف انکار کر دے۔ پس گو وہ سمجھتا ہے کہ ایک راہ اختیار کر لی ہے، لیکن فی الحقیقت دونوں راہوں میں سے کسی میں بھی نہیں ہوتا۔ جہاں تک اقرار کا تعلق ہے، قبول کرنے والوں میں ہوتا ہے۔ جہاں تک اذعان و عمل کا تعلق ہے، منکروں کی سی حالت میں: "مذبذبین بین ذلک ج لا الی ھؤلاء و لا الی ھؤلاء" (۴: ۱۴۳)

حزم و یقین اور عزم و عمل پہلے گروہ کا خاصہ ہے، انکار و جحود دوسرے کا اور شک و تذبذب اور بے عملی و تعطل تیسرے کا۔

بعینہ یہی حال ایمان و عمل کے دائرے کا بھی ہے۔ یہاں بھی طبیعت انسانی کی یہ تینوں حالتیں ظہور میں آتی ہیں۔ مستعد طبیعتیں قبول کر لیتی اور چل کھڑی ہوتی ہیں، یہ مومن ہیں۔ مفسد انکار کرتے اور مخالفت میں سرگرم ہو جاتے ہیں، یہ کافر ہیں۔ کچھ لوگ قبول کر لیتے ہیں، لیکن فی الحقیقت قبولیت کی روح ان کے اندر نہیں ہوتی، یہ منافق ہیں۔

۲ - قرآن نے کفر کی طرح نفاق کے اعمال و خصائص =

= نمایاں جگہ دی اور ہر کمانے والے فرد کو سالانہ ٹیکس کے ذریعے مجبور کر دیا کہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ دوسروں کے لیے بھی نکالے. بس یہ نقشہ ہے جو اسلام نے اجتماعی نظام کا بنایا ہے (۵۵).

(ح) قرآن نے "کفر" کی طرح "نفاق" کا بھی جا بجا ذکر کیا ہے اور منافقوں کے اعمال و خصائل کی سب سے زیادہ تفصیل اسی سورت میں ملتی ہے. پس ضروری ہے کہ ٹھیک طور پر سمجھ لیا جائے نفاق کی حقیقت کیا ہے اور منافقوں کی جماعت کس طرح کی جماعت تھی: حقیقت نفاق

۱ - دنیا میں ہم دیکھتے ہیں فکر و عمل کا کوئی گوشہ ہو تین طرح کے آدمی ضرور ہوتے ہیں:

مستعد اور صالح طبیعتیں، یہ ہر اچھی بات کو پہچان لیتیں اور قبول کر لیتی ہیں اور پھر سر گرم عمل ہو جاتی ہیں.

مفسد طبیعتیں، انہیں ہر اچھی بات سے انکار ہوتا ہے. کوئی سیدھی بات ان کے اندر اترتی نہیں.

درمیانی گروہ، یہ ہر بات کو سن لینے اور مان لینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے، لیکن فی الحقیقت اس کے اندر تیاری نہیں ہوتی. وہ قدم اٹھا دیتا ہے، مگر چلنا نہیں چاہتا اور چلتا ہے تو پہلے ہی قدم میں لڑکھڑا جاتا ہے. =

= کرتے تھے (٥٦). جہاں تک کسی دین کو بطور ایک دین کے اختیار کر لینے کا تعلق ہے کوئی بات ایسی نہ تھی جو بظاہر ان کے مسلمان ہونے کے خلاف ہو. تاہم قرآن نے فیصلہ کیا کہ وہ مسلمان نہیں ہیں، کیونکہ اسلام کا گھونٹ تو انہوں نے پی لیا تھا، لیکن حلق کے نیچے اترا نہیں تھا. کسی تعلیم کو اختیار کر لینے کے بعد یقین و عمل کی جو روح پیدا ہونی چاہیے اس سے یک قلم محروم تھے. اخلاص اور صداقت کے لیے ان کے دلوں میں کوئی جگہ نہیں تھی. وہ اللہ کا کلام سنتے مگر اس لیے نہیں کہ عمل کریں، بلکہ اس لیے کہ محض سنتے رہیں. وہ نماز پڑھتے مگر بے دلی کے ساتھ. خیرات کرتے مگر مجبور ہو کر. ان کے دلوں میں دین سے زیادہ دنیا کا عشق تھا. اسلام کے جو احکام ان کے شخصی اغراض کے خلاف نہ ہوتے ان پر خوش خوش عمل کرتے، جو خلاف ہوتے ان سے نکل بھاگنا چاہتے. جب کبھی خوش حالیوں کا موقع ہوتا تو وہ سب سے پہلے مومن تھے. جب کبھی قربانیوں کا موقع آجاتا تو سب سے آخری صفوں میں بھی دکھائی نہ دیتے. جہاد کے تصور سے ان کی روحیں لرز جاتیں. انفاق کا حکم ان کے لیے موت کا پیام ہوتا. =

= بھی پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیے۔ کیوں کہ کفر کی طرح نفاق بھی محض عہد نزول ہی کی پیداوار نہ تھا، ہمیشہ ظہور میں آنے والی گم راہی تھی اور انسان کی گم راہیاں کسی خاص عہد و نسل کی نہیں، بلکہ نوع انسانی کی گم راہیاں ہوتی ہیں۔

۳ - ایک عام غلط فہمی یہ پھیلی ہوئی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں منافقوں کا گروہ کافروں کا کوئی خاص سازشی گروہ تھا جو جاسوسوں کی طرح بھیس بدل کر مسلمانوں میں رہنے لگا تھا۔ باہر نکلتا تو مسلمان بن جاتا، اکیلے میں ہوتا تو اپنے اصلی بھیس میں لوٹ آتا۔ حالانکہ ایسا سمجھنا قرآن و احادیث کی صاف صاف تصریحات کو جھٹلانا ہے۔ ان لوگوں نے اسلام بطور اپنے دین و اعتقاد کے اسی طرح اختیار کر لیا تھا جس طرح دوسرے مسلمانوں نے، چنانچہ اسی سورت کی آیت ۷٤ میں ہے کہ: ''وکفروا بعد اسلامھم''، اسلام لا کر پھر کفر کی باتیں کیں۔ وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے تھے، ان کی بیویاں انھیں مسلمان سمجھتی تھیں، ان کے بچے انھیں مسلمان سمجھتے تھے، ان کے گھر کا ہر فرد یقین کرتا تھا کہ ہم مسلمان ہیں۔ وہ نماز پڑھتے تھے، روزہ رکھتے تھے، اسلام کے طور طریقے پر اولاد کی پرورش =

= آفت آ پڑے تو کھلم کھلا دشمنوں کے ساتھ ہو جائے۔
تاہم یہ قطعی ہے کہ ان سب نے اسلام بطور اپنے دین و طریقے کے قبول کر لیا تھا اور مسلمانوں ہی میں سمجھے جاتے تھے۔ یہ بات نہ تھی کہ محض ایک سازشی گروہ بھیس بدل کر مسلمانوں میں آ ملا ہو اور مسلمانوں میں سے نہ ہو۔

منافقوں کے اعمال و خصائص

٤ - اب غور کرو یہاں منافقوں کے اعمال وخصائص کیا کیا بیان کیے ہیں:

(ا) جب راہ حق میں جان و مال کی قربانی کا وقت آتا تو طرح طرح کے حیلے بہانے نکالتے اور کہتے ہمیں گھر بیٹھ رہنے کی اجازت مل جائے۔

(ب) مسلمانوں میں ہمیشہ فتنہ پھیلاتے، کمزور اور ناسمجھ آدمیوں کو گمراہ کرتے، ادھر کی بات ادھر لگاتے۔

(ج) جب کبھی جماعت کے لیے کوئی نازک وقت آجاتا تو اس طرح کی باتیں نکالتے کہ دوسروں کے دل بھی کمزور پڑجاتے اور کوئی نہ کوئی فتنہ اٹھ کھڑا ہوتا، چنانچہ احد میں انہوں نے ایسا ہی کیا اور اس موقع پر بھی کمی نہیں کی۔

(د) دین داری کے بھیس میں اپنا نفاق چھپاتے اور کہتے: اس کام میں ہمارے لیے فتنہ ہے، اس لیے =

= اسلام کے دشمنوں سے سازگاریاں رکھنے میں انھیں کچھ تأمل نہ ہوتا. وہ سمجھتے تھے دونوں طرف ملے رہنے ہی میں مصلحت ہے. اگر بازی الٹ پڑی اور دشمن فتح مند ہو گئے تو ان کے پاس بھی اپنی جگہ بنی رہے گی.

ایمان و کفر کی طرح نفاق کی تمام حالتیں بھی یکساں نہیں اور نہیں تھیں. چوں کہ اصل کے اعتبار سے یہ حالت بھی انکار ہی کی ایک اقرار نما صورت ہے، اس لیے جب بڑھتی ہے تو انکار قطعی ہی کی طرف بڑھتی ہے اور اسی کے خصائص رونما ہونے لگتے ہیں، کسی میں کم، کسی میں زیادہ. چنانچہ اس عہد کے منافقوں کی حالت نفاق یکساں نہ تھی. عبد اللہ بن ابی کا نفاق ہر منافق کا نفاق نہ تھا. خود قرآن نے اسی سورت کی آیت ۱۰۱ میں اس طرف اشارہ کیا ہے: "و ممن حولکم من الاعراب منافقون ج و من اہل المدینة مردوا علی النفاق". کسی کے نفاق کا رخ زیادہ تر اس طرف تھا کہ ہجرت سے جی چراتے تھے. کسی پر انفاق مال شاق تھا. کوئی جہاد سے بچنا چاہتا تھا. کسی پر نماز کا قیام سخت گزرتا تھا کوئی ایسا بھی تھا کہ احکام الٰہی اور آیات قرآنی کی ہنسی اڑاتا تھا اور اس تاک میں تھا کہ اگر مسلمانوں پر کوئی =

= (ك) چوں کہ راہ حق کی آزمایشیں پیش آتی رہتی ہیں اور دل میں اخلاص و یقین نہیں ہے ، اس لیے بسا اوقات صورت حال سے ایسے مضطرب ہو جاتے ہیں کہ اگر چھپ بیٹھنے کی کوئی جگہ مل جائے تو فوراً رسی تڑا کر بھاگ کھڑے ہوں ۔

(ل) غرض کے بندے ہیں ۔ ان کی خوشنودی اور ناراضگی کا سارا دار و مدار دنیا اور دنیا کا حصول ہے ۔ اگر صدقات کی تقسیم میں انھیں بھی کچھ دے دیا جائے تو خوش رہیں گے ، نہ دیا جائے تو بگڑ بیٹھیں گے ۔

(م) چوں کہ ایمان و راستی سے محروم ہیں ، اس لیے حق و نا حق کی کچھ پروا نہیں ۔ جس طرح بھی ملے مال و دولت حاصل کرنی چاہتے ۔ صدقات و خیرات کے مستحق نہیں ، لیکن اس کے حصول کے خواہش مند رہتے ہیں ۔

(ن) اگر ان کی ہواء نفس کے خلاف کوئی فیصلہ ہو تو فوراً طعنہ زنی پر اتر آئیں کہ دوسروں کی طرف داری کی جاتی ہے ۔

(س) پیغمبر اسلام مخلص مومنوں کا اخلاص پہچانتے اور انھیں قابل اعتماد سمجھتے تھے ۔ یہ بات منافقوں پر شاق گزرتی ، حتی کہ بعضوں نے کہا : وہ کان کے کچے ہیں ، لوگوں کی باتوں میں آجاتے ہیں ۔ =

= شریک نہیں ہو سکتے .

(ہ) مسلمانوں کی مصیبت ان کے لیے مصیبت نہیں ہوتی اور نہ ان کی خوشی، ان کے لیے خوشی.

(و) جب کوئی جماعتی معاملہ پیش آجاتا تو اس کا ساتھ نہ دیتے اور طرح طرح کی فتنہ اندازیاں کرتے . پھر اگر کوئی حادثہ پیش آجاتا تو کہتے: ہم نے تو پہلے ہی یہ بات معلوم کرلی تھی، اسی لیے ساتھ نہیں دیا تھا . اور پھر بجائے اس کے کہ قوم کی مصیبت کو اپنی مصیبت سمجھیں، دل میں خوش ہوتے کہ چلو اچھا ہوا کام یاب نہ ہوئے .

(ز) نماز پڑھیں گے تو اس بے دلی سے کہ معلوم ہوگا ایک بوجھ آپڑا ہے اور چاہتے ہیں کسی نہ کسی طرح پٹک کر الگ ہو جائیں .

(ح) نیکی کی راہ میں خوش دلی سے کبھی خرچ نہ کریں . کنجوسی ان کی سب سے بڑی علامت ہے .

(ط) قسمیں کھا کھا کر یقین دلائیں گے کہ ہمیں مخالف نہ سمجھو، حالانکہ دل میں نفاق بھرا ہوا ہے .

(ی) چوں کہ دلوں میں کھوٹ ہے، اس لیے ڈرے سہمے رہتے ہیں اور بہت سے کام دل کی خواہش سے نہیں بلکہ محض جماعت کے خوف سے کرتے ہیں . =

= کہتا ہے : یہی حالت نفاق کی حالت ہے .

(ف) دین کے بارے میں ان کی رائیں چھوٹ ہیں .
لیکن جب پکڑے جاتے ہیں تو کہتے ہیں ہم نے بطور تفریح اور مزاح کے ایک بات کہہ دی تھی ، سچ مچ کو ہمارا یہ مطلب نہ تھا . قرآن کہتا ہے : یہ عذر گناہ بدتر از گناہ ہے ، کیوں کہ اس سے معلوم ہوا تم اللہ کی ، اس کی آیتوں کی ، اس کے رسول کی ہنسی اڑاتے ہو .

(ص) جس طرح مومن مرد اور عورتیں راہ حق میں ایک دوسرے کے رفیق و معاون ہیں ، اسی طرح منافق راہ نفاق میں ایک دوسرے کے رفیق و معاون ہیں .

(ق) کذب گوئی ان کا شعار ہے . صریح ایک بات کہیں گے اور پھر انکار کردیں گے .

(ر) بعضوں کا یہ حال ہے کہ عہد کرتے ہیں : خدایا ! اگر تو ہم پر فضل کرے تو ہم تیری راہ میں خیرات کریں گے اور نیکی کی زندگی بسر کریں گے . لیکن جب اللہ فضل کرتا ہے تو پھر بے تأمل بخیلی پر اتر آتے ہیں اور کچھ اس کی راہ میں نہیں نکالتے ، اس کی طرف سے رخ پھیرے رہتے ہیں .

(ش) ان کا ایک وصف یہ ہے کہ خود تو کچھ کریں گے نہیں ، لیکن کرنے والوں کے خلاف زبان کھولنے میں =

=(ع) حب دیکھتے ھیں ان کی منافقانہ روش پر عام برھی پیدا ھوگئی تو قسمیں کھا کھا کر لوگوں کو یقین دلاتے اور انھیں اپنے سے راضی رکھنا چاھتے. قرآن کہتا ھے : ان کی حق فراموشی دیکھو! انھیں حدا کی تو کچھ پروا نہیں کہ بد عملیاں کیے جاتے ھیں، لیکن انسانوں کی اتنی پروا ھے کہ جونہیں ان کی نگاھیں بدلی ھوئی نظر آئیں، لگے خوشامد کرنے اور جھوٹی قسمیں کھا کھا کر یقین دلانے.

فی الحقیقت انسانی گم راھی کی بو العجبیوں میں سے ایک عجیب بو العجبی یہ ھے کہ وہ حدا پر ایمان رکھنے کا مدعی ھوتا ھے اور جانتا ھے کہ اس کے علم سے کوئی بات پوشیدہ نہیں، تاھم ھر طرح کی معصیتیں کیے جائے گا اور ایک لمحے کے لیے اسے خیال نہ ھوگا کہ میں کیا کر رھا ھوں. لیکن جونہیں انسانوں کی نظر میں اس کی معصیتیں نمایاں ھوئیں، اس کے ھوش و حواس گم ھو جائیں گے اور ھزار طرح کے جتن کرے گا کہ کہیں وہ اسے برا نہ سمجھنے لگیں. اس سے معلوم ھوا کہ فی الحقیقت اسے خدا کی ھستی کا یقین نہیں، کیوں کہ اگر یقین ھوتا، اسی درجے کا یقین جس درجے کا یقین انسانوں کی موجودگی پر رکھتا ھے تو ممکن نہ تھا کہ اس سے بے پروا ھو جاتا. قرآن =

= پیغمبر اسلام سے عرض کیا: آپ اس میں نماز پڑھا دیں تو ہمارے لیے برکت و سعادت ہو. مقصود یہ تھا کہ اپنے اجتماع کے لیے ایک نیا حلقہ پیدا کریں اور مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ ہو.

(ص) کوئی سال نہیں گزرتا کہ ان کے لیے تنبیہ و اعتبار کی کوئی نہ کوئی بات ظہور میں نہ آجاتی ہو، لیکن غفلت کا یہ حال ہے کہ نہ تو توبہ کرتے ہیں، نہ عبرت پکڑتے ہیں.

٥ - سورۂ آل عمران، نساء، انفال، احزاب، محمد، فتح، حدید، مجادلہ اور حشر میں بھی منافقوں کے اعمال و خصائص بیان کیے گئے ہیں اور ایک پوری سورت "منافقون" انہیں کے حالات میں ہے. چاہیے کہ اس موقع پر فہرست سے مدد لے کر وہ تمام مقامات بھی دیکھ لیے جائیں.

٦ - یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ سورۂ بقرہ کی آیت ٨ "ومن الناس من یقول اٰمنا باللہ و بالیوم الاٰخر و ما ھم بمؤمنین" میں اور اس کے بعد کی آیتوں میں جن لوگوں کی طرف اشارہ کیا ہے اس سے مقصود منافقوں کی یہ جماعت نہیں ہے، بلکہ یہود و نصاریٰ ہیں جو ایمان باللہ کا دعویٰ کرتے تھے مگر حقیقتاً ایمان کی روح ان میں باقی =

= همیشه بے باك رهیں گے. مثلاً اگر حوش حال آدمیوں نے بڑی بڑی رقمیں راہ حق میں نکالیں تو کہیں گے: دکھاوے کے لیے یا کسی دنیوی عرض کے لیے ایسا کرتے هیں. اگر کوئی عریب آدمی اپنی محنت مزدوری کی کمائی میں سے چار پیسے نکال کر رکھ دے گا تو اس کی هنسی اڑائیں گے که واہ اچھی حیرات کی.

(ت) راہ حق میں محنتیں مشقتیں برداشت کرنا ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ عزوۂ تبوك کا معامله سخت گرمی میں پیش آیا تھا، اس لیے لوگوں سے کہتے تھے: اس گرمی میں کہاں جاتے هو؟

(ث) ایمان کے ضعف نے انھیں مردانگی کے احساس و عیرت سے بھی محروم کر دیا. حب لوگ قوم وملت کی راہ میں جان و مال قربان کرتے هیں تو وہ عورتوں کے ساتھ گھروں میں بیٹھے رهتے هیں اور ذرا بھی نہیں شرماتے.

(خ) کچھ لوگ ایسے هیں حو نفاق کی حالت میں شب و روز رهتے رهتے بڑے مشاق هو گئے هیں، دوسرے اتنے مشاق نہیں. حو مشاق هیں تم انھیں تاڑ نہیں سکتے۔

(ذ) بعض لوگ دین داری کے بھیس میں ایسی راهیں نکالتے که مسلمانوں کی جماعت میں تفرقه هو اور ان کے مقاصد کو نقصان پہنچے. مثلاً ایك مسجد بنائی اور =

= کا گروہ کوئی ایسا گروہ تھا جو محض چھپے کافروں کا ایک سازشی گروہ ہو۔ یہ ایمان وعمل کی کمزوری کی ایک زیادہ سخت حالت ہے اور جس طرح اس زمانے میں تھی اسی طرح ہر زمانے میں ہو سکتی ہے اور ہوتی رہی ہے۔

اگر آج مسلمانوں کی اکثریت اپنے ایمان وعمل کا احتساب کرے تو اسے معلوم ہو جائے کہ نفاق کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے اور کسی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں، وہ اپنے ہی وجود میں اسے دیکھ لے سکتی ہے۔

حقائق ہستی کے احوال ثلاثہ

۸ - یہ جو قرآن نے انسان کے عقائد و اعمال کی تین حالتیں قرار دیں: ایمان، کفر، نفاق، تو فی الحقیقت عالم ہستی کے تمام گوشوں میں اصلاً تین ہی حالتیں پائی جاتی ہیں: یا تو تکوین کی حالت ہوگی، یا افساد کی حالت ہوگی، یا پھر دونوں کی درمیانی حالت۔ خود اپنے وجود ہی کو دیکھ لو: یا زندگی ہے، یا موت ہے، یا بیماری۔ بیماری کو نہ تو زندگی کی صحیح حالت کہہ سکتے ہیں، نہ موت ہی قرار دے سکتے ہیں، دونوں کے بین بین ہے، لیکن رخ اس کا موت ہی کی طرف ہے۔ قلب و روح کا بھی یہی حال ہوا۔ ایمان زندگی ہے، موت کفر ہے اور نفاق بیماری۔ =

= نہیں رہی تھی . فی الحقیقت یہ حالت بھی نفاق ہی کی حالت ہے جو ایک مدت کے جمود و اعراض کے بعد پیروان مذاہب پر طاری ہو جاتی ہے . لیکن مقصود اس سے مدینہ کے منافق نہیں ہیں .

٧ - یہاں سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ ان احادیث کا مطلب کیا ہے جن میں نفاق کی خصلتیں بیان کی گئی ہیں اور فرمایا ہے : جس میں یہ خصلت ہو تو سمجھ لو نفاق کی خصلت آ گئی . مثلاً " اربع من کن فیه کان منافقا خالصا ، و من کانت فیه خصلة منهن کانت فیه خصلة من النفاق " (بخاری) ، " و لو صلی و صام و زعم انه مسلم " (مسلم) یعنی چار خصلتیں ہیں ، جس میں یہ چاروں جمع ہو جائیں وہ پورا منافق ہے اور جس میں کوئی ایک خصلت پائی جائے تو سمجھ لو نفاق کی ایک خصلت پیدا ہو گئی . مسلم کے لفظ میں یہ بھی ہے " اگرچہ وہ نماز پڑھتا ہو ، روزہ رکھتا ہو اور اس زعم میں ہو کہ مسلمان ہے " . پھر وہ خصلتیں بیان کی ہیں جو سچے مومن میں نہیں ہونی چاہییں ، مثلاً امانت میں خیانت ، جھوٹ بولنا ، وعدہ خلافی ، غصے میں آ کر بے قابو ہو جانا . تو معلوم ہوا نفاق کوئی ایسی حالت نہ تھی جو صرف آنحضرت کے زمانے ہی میں ظہور پذیر ہوئی ہو اور نہ منافقوں =

= اس آیت میں مسجد بنانے کے چار مقصد بیان کیے ہیں :

(ا) "ضرار" یعنی ان کا مطلب یہ ہے کہ قباء کے مخلص مومنوں کو نقصان پہنچائیں۔ کیوں کہ مسجد قباء کی وجہ سے انہیں ایک خاص عزت حاصل ہوگئی ہے، یہ حسد و عناد سے چاہتے ہیں ان کی یہ خصوصیت باقی نہ رہے۔

(ب) "وکفرا" کفر کے مقاصد پورے ہوں، یعنی اپنی الگ مسجد ہو جائے گی تو مسجد قباء میں نماز کے لیے جانے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی اور اس طرح نماز ترک کرنے کا موقع مل جائے گا۔ کیوں کہ لوگ سمجھیں گے انہوں نے اپنی مسجد میں نماز پڑھ لی، یہ اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ترک نماز کی حالت ایک ایسی حالت ہے جسے قرآن "کفر" کی حالت سے تعبیر کرتا ہے۔ یہ معلوم ہوا کہ نیک کاموں کا نیک ہونا مقصد و نیت پر موقوف ہے، ورنہ مسجد بنانے جیسا نیک کام بھی کفر کے لیے ہو جاسکتا ہے۔

(ج) "و تفریقًا بین المؤمنین" مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کے لیے۔ کیوں کہ قباء کی تمام آبادی ایک ہی مسجد میں نماز پڑھتی تھی۔ اب بالکل اس کے پاس دوسری مسجد بنے گی تو جماعت بٹ جائے گی، کچھ لوگ پچھلی =

= یہ مقام مہمات معارف قرآنی میں سے ہے ، لیکن :

گر نویسم شرح آں بے حد شود

مثنوی ہفتاد من کاغذ شود

مسجد ضرار

۹ - آیت ۱۰۷ میں جس مسجد کا ذکر کیا گیا ہے اور جو تاریخ اسلام میں مسجد ضرار کے نام سے یاد کی جاتی ہے اس کا مختصراً حال یہ ہے :

پیغمبر اسلام جب مدینہ آئے تو پہلے قباء نامی مقام میں قیام فرمایا ۔ یہاں آپ کے حکم سے ایک مسجد تعمیر ہوئی تھی جو عہد اسلام کی پہلی مسجد ہے ۔ بعض منافقوں نے جن کی تعداد بعض روایات سے بارہ ثابت ہوتی ہے ، اسی مسجد کے پاس ایک نئی مسجد تعمیر کی اور جب پیغمبر اسلام تبوک کے لیے نکل رہے تھے تو آپ کی خدمت میں آکر عرض کیا : ایک دن وہاں آکر نماز پڑھا دیجیے ۔ آپ نے فرمایا : ابھی تو سفر درپیش ہے ، واپسی پر دیکھا جائے گا ۔ پھر جب آپ تبوک سے واپس ہوئے اور مدینے کے بالکل قریب پہنچ گئے تو یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ نے بانیان مسجد کے منافقانہ مقاصد سے آپ کو مطلع کر دیا ۔ آپ نے فوراً حکم دیا کہ یہ مسجد گرا دی جائے ۔ چنانچہ قبل اس کے کہ مدینہ پہنچیں مسجد منہدم کر دی گئی تھی ۔ =

= تعداد ٹھیک ٹھیک مسجد ضرار کی سی مسجدیں ثابت ہوں گی ، مگر کوئی نہیں جو اس افساد سے لوگوں کو روکے ، بلکہ خود علماء و مشائخ اپنے شخصی انتفاع و ترفع کے لیے اس مفسدانہ فعل کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں اور اپنے معتقدوں کو تعمیر مسجد کے بے محل ثواب سنا سنا کر مزید ترغیبیں دیتے ہیں ۔ چنانچہ مسلمانوں کی تفریق و انتشار کا ایک بڑا باعث مسجدوں کا وجود بھی ہو گیا ہے ۔ ایک ہی محلہ میں چار چار پانچ پانچ جگہ جماعتیں ہوتی ہیں ، ایک ہی رقبہ میں بلا ضرورت ایک سے زیادہ جگہ جمعہ پڑھا جاتا ہے ۔ پھر صرف اتنے ہی پر قدم افساد نہیں رکا بلکہ عیدین کی جماعتیں بھی مسجدوں میں ہونے لگی ہیں ، حالانکہ ایسا کرنا صریح سنت مستمرہ کے خلاف ہے اور اجتماع عیدین کا مقصد عظیم ضائع کر دینا ہے ۔

(د) ” و ارصاداً لمن حارب الله و رسوله من قبل “ الله اور اس کے رسول سے جس نے جنگ کی ، اس کے لیے ایک کمین گاہ پیدا کر دی جائے یا اس کے انتظار و توقع میں پہلے سے ایک جگہ بنا دی جائے ، یعنی دشمنان اسلام کے لیے جن سے یہ لوگ ساز باز رکھتے ہیں ٹکنے کی جگہ پیدا ہو جائے ۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں قبیلۂ خزرج =

=مسجد میں جائیں گے، کچھ نئی میں۔ اور جب ایک جماعت نہ رہی تو مسلمانوں کے باھمی اجتماع و تعارف کا وہ مقصد بھی فوت ھو گیا جو قیام جماعت کے اھم ترین مقاصد میں سے ھے۔

اس سے معلوم ھوا کہ ایک مسجد اگر موجود ھو تو بلا ضرورت دوسری مسجد اس کے قریب تعمیر کرنا جائز نہیں، کیوں کہ ایسا کرنا ”تفریقاً بین المؤمنین“ ھے۔ اور یہی وجہ ھے کہ تمام ائمۂ اسلام نے اتفاق کیا کہ ھر شہر میں جمعہ کی جماعت ایک ھی جگہ ھونی چاھیے۔ اور اگر آبادی اتنی زیادہ ھو جائے کہ ایک جگہ کافی نہ ھو تو پھر بقدر ضرورت ایک سے زیادہ مساجد میں جمعہ قائم کیا جائے۔ یہ نہیں کرنا چاھیے کہ بلا ضرورت بہت سی مسجدیں تعمیر کر دی جائیں اور ھر مسجد میں جمعہ شروع کر دیا جائے۔

افسوس ھے کہ مسلمانوں نے یہ صریح حکم قرآنی پس پشت ڈال دیا اور محض ریا کاری اور نام و نمود کے لیے یا کسی سابق مسجد اور اس کے مہتمموں کو نقصان پہنچانے کے لیے بکثرت مسجدیں ھر شہر و قریہ میں تعمیر کر دیں اور روز بروز تعمیر کرتے جاتے ھیں۔ اگر ان کی تعمیر کے حالات و مقاصد کا تفحص کیا جائے تو بڑی=

= مومن سمجھتے ھیں (آیت ٦٨) ۔

(ج) منافقوں سے بھی جہاد کرنے کا حکم دیا گیا (آیت ۷۳). اس سورت کے دوسرے احکام و مواعظ کی طرح اس حکم کا تعلق بھی آیندہ پیش آنے والے واقعات سے تھا. چنانچہ جب پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد فتنۂ نفاق نے سر اٹھایا اور متعدد قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا تو صحابۂ کرام نے اس حکم کی تعمیل کی اور ان سے قتال کرنے پر متفق ہو گئے ۔

(د) اشرار منافقین کی نسبت فرمایا: جو ان میں سے بغیر توبہ کیے مر جائیں گے وہ کبھی بخشے نہیں جائیں گے اگرچہ خود پیغمبر اسلام بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں (آیت ۸۰) ۔ سورۂ منافقون میں فرمایا تھا "سواء علیہم استغفرت لہم ام لم تستغفر لہم" (٦٣ : ٦) تم ان کے لیے مغفرت طلب کرو یا نہ کرو دونوں حالتیں ان کے لیے یکساں ھیں ، وہ بخشے جانے والے نہیں ۔ یہاں یہی بات زیادہ زور دے کر کہی گئی کہ "ان تستغفر لہم سبعین مرۃ" تم ستر مرتبہ (یعنی سیکڑوں مرتبہ) ھی کیوں نہ دعاء مغفرت کرو ، مگر یہ بخشے جانے والے نہیں ۔

احادیث سے معلوم ہوتا ھے کہ جب عبد اللہ بن ابی کا =

= کا ایک آدمی ابو عامر راهب تها جو ظهور اسلام سے پہلے عیسائی هو گیا تها . جب پیغمبر اسلام مدینه تشریف لائے تو کلمۂ اسلام کا عروج اس پر شاق گزرا اور اسلام کے خلاف سازشوں میں سرگرم هو گیا . پہلے قریش مکه کا ساتھ دیا ، پهر شهنشاه قسطنطنیه کے پاس پہنچا اور اسے مسلمانوں پر حملے کی ترغیب دی . قباء کے بعض منافقین میں اور اس میں قدیم سے رسم و راه تهی . یه انهیں اسلام کے خلاف اکساتا رهتا اور رومیوں کے حملے کا یقین دلاتا . یہاں "لمن حارب الله و رسوله" میں اسی کی طرف اشاره هے .

١٠ – اس سورت میں منافقوں کے لیے حسب ذیل احکام دیے گئے هیں :

(ا) ایسے لوگوں کا انفاق قبول نه کیا جائے (آیت ٥٣) . اس سے معلوم هوا که جو افراد جماعت کے مقاصد کو نقصان پہنچائیں امام کو چاهیے ان کی مالی اعانات قبول کرنے سے انکار کر دے ، کیوں که ایسے لوگوں کا مال قبول کرنا انهیں بدعملیوں اور شرارتوں پر جرأت دلاتا هے . وه سمجهتے هیں هم روپیه خرچ کر کے اپنے منافقانه اعمال کی پرده پوشی کرتے رهیں گے .

(ب) صاف صاف کهه دیا که یه لوگ بهی معاندوں کی طرح نجات اخروی سے محروم رهیں گے اگرچه اپنے کو =

= جانے کہ اب تمہاری زبانی معذرتیں نہیں سنی جائیں گی، عمل دیکھا جائے گا. آیندہ اگر تمہارے اعمال سے اخلاص ثابت ہوا تو سمجھا جائے گا کہ تائب ہو گئے، نہیں تو منافق متصور ہوگے (آیت ٩٤).

(ح) مسلمانوں کو حکم ہوا ان سے گردن موڑ لو، یعنی ان سے ربط ضبط نہ رکھو (آیت ٩٥).

١١ - اس باب میں بے شمار امور تفصیل طلب ہیں اور مباحث تفسیر و حدیث کے متعدد مقامات ہیں جن کی وضاحت و تحقیق ضروری ہے، لیکن مزید تفصیل کا یہ موقع نہیں، البیان کا انتظار کرنا چاہیے.

شرح مقام "و رضوا عنہ"

(م) آیت ١٠٠ میں "السّٰبقون الاولون" اور ان کے متبعین کی نسبت فرمایا: "رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ"، اللہ ان سے راضی ہوا، وہ اللہ سے. اس مقام کا ایک پہلو قابل غور ہے جس پر لوگوں کی نظر نہیں پڑی، یعنی "و رضوا عنہ پر" کیوں زور دیا گیا؟ اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ اللہ ان سے خوشنود ہوا، کیوں کہ ان کے اعمال اللہ کی خوشنودی ہی کے لیے تھے. یہ بات خصوصیت کے ساتھ کیوں کہی گئی کہ وہ بھی اللہ سے خوشنود ہوے؟

اس لیے کہ ان کے ایمان و اخلاص کا اصلی مقام بغیر اس کے نمایاں نہیں ہو سکتا تھا. =

= انتقال هوا تو اس کے لڑکے نے آپ سے درخواست کی که کفن کے لیے اپنا پیراهن عطا فرمائیں اور نماز جنازه پڑھا دیں اور آپ نے درخواست منظور کرلی . حضرت عمر پر یه بات شاق گزری تھی . مگر آپ نے فرمایا: لو اعلم انی ان زدت علی السبعین غفر له لزدت علیها (بخاری و الجماعة) . اس حدیث اور آیت مندرجۂ صدر کی تطبیق میں مفسرین کو مشکلات پیش آئی هیں ، لیکن فی الحقیقت معامله بالکل واضح هے اور تشریح اس کی سورۂ منافقون کے نوٹ میں ملے گی .

(ه) جن منافقوں نے اس موقع پر شرکت نه کی آینده اگر وه کسی ایسے کام میں شریك هونا چاهیں تو صاف انکار کر دیا جائے اور انهیں شریك نه کیا جائے (آیت ۸۳).

(و) ان میں سے جو کوئی بغیر توبه کیے مر جائے ، پیغمبر اسلام اس کے جنازے میں شریك نه هوں اور نه حسب معمول دعاء مانگیں (آیت ٨٤). حضرت حذیفه کی ایك روایت سے معلوم هوتا هے یه حکم خاص خاص منافقوں کے لیے هوا تھا اور آنحضرت نے ان کے نام بتلا دیے تھے . جبیر بن مطعم سے مروی هے که یه باره آدمی تھے (فتح الباری) .

(ز) اگر یه لوگ معذرت کریں تو صاف صاف کہہ دیا=

= بڑھتی جاتی ھیں اتنی ھی زیادہ ان کے دل کی خوش حالیاں بھی بڑھتی جاتی ھیں۔ ان کے لیے صرف اس بات کا تصور کہ یہ سب کچھ کسی کی راہ میں پیش آرھا ھے اور اس کی نگاھیں ھمارے حال سے بے خبر نہیں، عیش وسرور کا ایک ایسا بے پایاں جذبہ پیدا کر دیتا ھے کہ اس کی سرشاری میں جسم کی کوئی کلفت اور ذھن کی کوئی اذیت محسوس ھی نہیں ھوتی۔

یہ بات سننے میں تمھیں عجیب معلوم ھوتی ھوگی، لیکن فی الحقیقت حالت اتنی عجیب نہیں ھے، بلکہ انسانی زندگی کے معمولی واردات میں سے ھے اور عشق و محبت کا مقام تو بہت بلند ھے، بوالھوسی کا عالم بھی ان واردات سے خالی نہیں۔

حریف کاوش مژگان خون ریزش نۂ ناصح
بدست آور رگ جانے و نشتر را تماشا کن

"السّٰبقون الاولون" کی محبت ایمانی کا یہی حال تھا۔ ھر شخص جو ان کی زندگی کے سوانح کا مطالعہ کرے گا بے اختیار تصدیق کرے گا کہ انھوں نے راہ حق کی مصیبتیں صرف جھیلی ھی نہیں، بلکہ دل کی پوری خوش حالی اور روح کے کامل سرور کے ساتھ اپنی پوری زندگیاں ان میں بسر کر ڈالیں۔ ان میں سے جو لوگ اول =

= انسان حب کبھی کسی مقصد کی راہ میں قدم اٹھاتا ھے اور مصیبتوں سے دو چار ہوتا ھے تو دو طرح کی حالتیں پیش آتی ھیں : کچھ لوگ جواں مرد اور باھمت ھوتے ھیں ، وہ بلا تأمل ھر طرح کی مصیبتیں جھیل لیتے ھیں . لیکن ان کو جھیلنا جھیل لینا ھی ہوتا ھے . یہ بات نہیں ھوتی کہ مصیبتیں ان کے لیے مصیبتیں نہ رھی ھوں ، عیش و راحت ھو گئی ھوں . کیوں کہ مصیبت پھر مصیبت ھے . باھمت آدمی کڑوا گھونٹ بغیر کسی جھجک کے پی لے گا ، لیکن اس کی کڑواھٹ کی بدمزگی محسوس ضرور کرے گا . لیکن کچھ لوگ ایسے ھوتے ھیں جنھیں صرف باھمت ھی نہیں کہنا چاھیے بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ سمجھنا چاھیے . ان میں صرف ھمت و جواں مردی ھی نہیں ھوتی بلکہ عشق و شیفتگی کی حالت پیدا ھو جاتی ھے . وہ مصیبتوں کو مصیبتوں کی طرح نہیں جھیلتے ، بلکہ عیش و راحت کی طرح ان سے لذت و سرور حاصل کرتے ھیں . راہ محبت کی ھر مصیبت ان کے لیے عیش و راحت کی ایک نئی لذت بن جاتی ھے . اگر اس راہ میں کانٹوں پر لوٹنا پڑے تو کانٹوں کی چبھن میں انھیں ایسی راحت ملے جو کسی کو پھولوں کی سیج پر لوٹ کر نہیں مل سکتی ، حتی کہ اس راہ کی مصیبتیں جس قدر =

= شریک ہونے کا موقع ملتا، دشمنوں کی تیغ و سنان سے چور میدان جنگ میں دم توڑ رہے تھے. لیکن پھر بھی غور کرو! ان کے دل کی شادمانیوں کا کیا حال تھا؟ اس اطمینان و سکون کے ساتھ عیش و نشاط کے بستروں پر کسی نے جان نہ دی ہوگی جس طرح انہوں نے میدان جنگ کی ریتلی زمین پر لوٹ اوٹ کر دی. جنگ احد میں سعد بن ربیع کو لوگوں نے دیکھا زخمیوں میں پڑے سانس توڑ رہے ہیں. پوچھا: کوئی وصیت کرنی ہو تو کردو. کہا: اللہ کے رسول کو میرا سلام پہنچا دینا اور قوم سے کہنا: ان کی راہ میں جانیں نثار کرتے رہیں. عمارہ بن زیاد زخموں سے چور جان کنی کی حالت میں تھے کہ آنحضرت سرہانے پہنچ گئے. فرمایا: کوئی آرزو ہو تو کہہ دو. عمارہ نے اپنا زخمی جسم گھسیٹ کر اور زیادہ قریب کردیا اور اپنا سر آپ کے قدموں پر رکھ دیا کہ اگر کوئی آرزو ہو سکتی ہے تو صرف یہی ہے:

منم و ہمیں تمنا کہ بوقت جان سپردن
برخ تو دیدہ باشم تو درون دیدہ باشی

عورتوں تک کا یہ حال تھا کہ بہ یک وقت انہیں ان کے شوہر، بھائی اور باپ کے شہید ہو جانے کی خبر پہنچائی جاتی تھی اور وہ کہتی تھیں: یہ تو ہوا، مگر بتلاؤ =

= دعوت میں ایمان لائے تھے ان پر شب و روز کی
جاں کاھیوں اور قربانیوں کے پورے تیئیس برس گزر گئے،
لیکن اس تمام مدت میں کہیں سے بھی یہ بات دکھائی
نہیں دیتی کہ مصیبتوں کی کڑواھٹ ان کے چہروں پر
کبھی کھلی ھو. انھوں نے مال و علائق کی ھر قربانی
اس خوش و مسرت کے ساتھ کی گویا دنیا جہان کی
خوشیاں اور راحتیں ان کے لیے فراھم ھو گئی ھیں. اور
جان کی قربانیوں کا وقت آیا تو اس طرح خوش خوش
گردنیں کٹوادیں گویا زندگی کی سب سے بڑی خوشی
زندگی میں نہیں بلکہ موت میں تھی. ان میں ایک بڑی
تعداد ایسے لوگوں کی تھی جنھوں نے اتنی عمریں نہیں
پائیں کہ اسلام کی غربت کے ساتھ اسلام کا عروج و اقبال
بھی دیکھ لیتے اور عدی بن حاتم کی طرح کہہ سکتے:
"کنت فی من فتح کنوز کسری" (٥٧)، تاھم جب دنیا
سے گئے تو اس عالم میں گئے کہ ان سے زیادہ عیش
و خوش حالی میں شاید ھی کسی نے دنیا چھوڑی ھو.
بدر اور احد کے شہیدوں کے حالات پڑھو! ایمان لانے کے
بعد جو کچھ بھی ان کے حصے میں آیا وہ بجز رات دن کی
کاھشوں اور مصیبتوں کے اور کیا تھا؟ اور پھر قبل
اس کے کہ اسلام کے فتح و اقبال کی کامرانیوں میں =

= کیا تمہاری خوشنودی کے لیے یہ بات کافی نہیں کہ لوگ یہاں سے مال غنیمت کے حصے لے کر جائیں اور تم اللہ کے نبی کو اپنے ساتھ لے کر جاؤ؟ انصار بے اختیار پکار اٹھے "رضینا یارسول اللہ! رضینا" ہم خوشنود ہیں یارسول اللہ! ہم خوشنود ہیں (صحیحین) (۵۸).

اور پھر غور کرو! جو لوگ "و اتبعوھم باحسان" میں داخل ہوئے انہیں بھی کس درجہ اس مقام سے حصۂ وافر ملا تھا؟ دنیا میں شاید ہی کسی عورت کے دل میں اپنے عزیزوں کے لیے ایسی محبت پیدا ہوئی ہوگی جیسی جاہلیت کی مشہور شاعرہ خنساء کے دل میں تھی. اس نے جو مرثیے اپنے بھائی صخر کے غم میں کہے ہیں تمام دنیا کی شاعری میں اپنی نظیر نہیں رکھتے:

یذکرنی طلوع الشمس صخرا واذکرہ لکل غروب شمس (۵۹)

لیکن ایمان لانے کے بعد اسی خنساء کی نفسیاتی حالت ایسی منقلب ہوگئی کہ جنگ یرموك میں اپنے تمام لڑکے ایك ایك کرکے کٹوا دیے اور جب آخری لڑکا بھی شہید ہو چکا تو پکار اٹھی: "الحمد للہ الذی اکرمنی بشہادتھم".

پس "و رضوا عنہ" میں اشارہ اسی طرف ہے کہ اللہ اور اس کے کلمۂ حق کی راہ میں جو کچھ بھی پیش آیا، انھوں نے اسے جھیلا ہی نہیں، بلکہ کمال محبت ایمانی کی وجہ سے =

= اللہ کے رسول کا کیا حال ہے؟ پھر جب آپ کا جمال جہاں آرا نظر آتا تو بے اختیار خوش ہو کر پکار اٹھتیں "کل مصیبة بعدك جلل" تو اگر سلامت ہے تو پھر دنیا کی ساری مصیبتیں ہمارے لیے شہد و شکر کا گھونٹ ہو گئیں :

من و دل گر فدا شدیم چه باك
غرض اندر میان سلامت اوست

تاریخ اسلام میں جنگ حنین پہلی جنگ ہے جس میں بکثرت مال غنیمت ہاتھ آیا . چوبیس ہزار اونٹ ، چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی کا ذکر روایات میں ملتا ہے . یہ وقت تھا کہ "السّٰبقون الاولون" کو مال و دولت سے حصۂ وافر ملتا ، لیکن آنحضرت نے ان باشندگان مکہ کو ترجیح دی جو فتح مکہ کے بعد نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور انصار مدینہ کے حصے میں کچھ نہ آیا ، کیوں کہ آپ کے پیش نظر نو مسلموں کی تالیف قلب تھی . یہ حالت دیکھ کر بعض نوجوانوں کو خیال ہوا : اہل مکہ سے لڑے تو ہم ، لیکن آج مال غنیمت کا حصہ مل انہیں رہا ہے . بات آنحضرت تك پہنچی تو آپ نے انصار کو جمع کیا اور فرمایا : " أ لا ترضون ان یذھب الناس بالشاة و البعیر ، و تذھبون بالنبي الی رحالکم " ؟ =

= یا نه هو. اور امتیار و تفریق کی وہ تمام باتیں حو اس اسانی بهائی چارگی کا رشته قطع کرتی هیں خدا کی طرف سے نہیں هیں، حود اسانوں کی گھڑی هوئی معصیت اور گمراهی هے. پیغمبر اسلام کی دعاؤں میں سب سے ریادہ اعتراف اسی حقیقت کا هوتا تھا که" انی اشهد ان العباد کلهم احوة" (مسلم) خدایا! میں گواهی دیتا هوں که تیرے تمام بندے آپس میں بهائی بهائی هیں.

لیکن جب تمام ملك و قوم نے اس دعوت کو بزور شمشیر نابود کردینے کا فیصله کردیا اور پیروان دعوت پر محض احتلاف عقائد کی بنا پر ظلم و ستم کرنے لگے تو قدرتی طور پر جنگ کی حالت پیدا هو گئی. اب دو فریق ایك دوسرے کے خلاف صف آرا تھے. ایك فریق مسلمانوں کا تھا حو اپنا بچاؤ کررها تھا، دوسرا دشمنوں کا تھا جو حمله آور تھا. پس ایسی حالت میں ناگزیر هو گیا که دوستوں اور دشمنوں میں صاف صاف امتیاز هو جائے. حو دوست هیں وہ دشمنوں کے کیمپ سے کسی طرح کا تعلق نه رکھیں، حو دشمن هیں وہ دوستوں سے کسی طرح کی سازش نه کرسکیں. قرآن میں جس قدر احکام عدم موالات کے هیں وہ سب اسی صورت حال سے تعلق رکھتے هیں اور اس سورت کی =

=اس میں خوش حال و خوشنود رہے، اور یہی مقام ہے جو ان کے درجے کو تمام مدارج ایمان و عمل میں ممتاز کر دیتا ہے۔

تعجب ہے کہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مفسروں کی نظر اس صاف اور واضح بات کی طرف نہ گئی۔ البیان میں مزید تفصیل ملے گی۔

ترک موالات اور اس کی حقیقت

(ی) اس سورت میں جابجا اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ دشمنوں سے رفاقت و اعانت کے رشتے نہ رکھو اگرچہ وہ تمہارے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں، اور دوسری سورتوں میں بھی ایسے ہی احکام موجود ہیں۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ یہ اور اس طرح کے تمام احکام احکام جنگ میں سے ہیں نہ کہ معیشت و علائق کے عام احکام۔ اور یہ بات خود قرآن نے جابجا اس درجہ وضاحت اور قطعیت کے ساتھ واضح کر دی ہے کہ شک و تردد کی ذرا بھی گنجایش نہیں رہی ہے۔

جہاں تک ایک انسان کے دوسرے انسان کے ساتھ معاملہ کرنے کا تعلق ہے، قرآن کہتا ہے: اصل اس باب میں محبت و شفقت، ہمدردی و سلوک اور تعاون و سازگاری ہے۔ اس کے سوا کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ وہ کہتا ہے: ہر انسان دوسرے انسان کا بھائی ہے، خواہ اس کا ہم وطن ہو یا نہ ہو، ہم نسل ہو یا نہ ہو، ہم عقیدہ ہو=

=رفاقت و سازگاری رکھے گا تو ایسے ھی لوگ ھیں جو ظلم کرنے والے ھیں .

اس آیت سے معلوم ھو گیا کہ قرآن میں جہاں کہیں مسلمانوں کو مشرکین عرب یا یہود و نصاریٰ کی موالات سے روکا گیا ھے تو اس سے مقصود صرف وھی جماعتیں تھیں جنھوں نے مسلمانوں سے محض اختلاف دین کی بناء پر قتال کیا تھا اور جن کے ظلم و ستم نے مسلمان کو ترک وطن پر مجبور کر دیا تھا ۔ یہ بات نہ تھی کہ تمام مشرکین عرب سے یا یہود و نصاریٰ سے ترک علائق کا حکم دے دیا گیا ھو . اور ظاھر ھے کہ قرآن کا یہ حکم کیوں کر ھو سکتا ھے جب کہ اس کی دعوت سر تا سر انسانی اخوت و مساوات کی دعوت اور عموم شفقت و احسان کا عالم گیر پیام ھے .

(ك) اس سورت کے تمام مطالب اپنی اصلی حیثیت میں اس وقت تك واضح نہیں ھو سکتے جب تك یہ حقیقت پیش نظر نہ ھو کہ یہ تمام تر امت کے نام ایك وداعی پیام تھا اور احکام و مواعظ سے اصل مقصود مستقبل کے پیش آنے والے معاملات تھے نہ کہ موجودہ . مفسرین کی نظر چوں کہ اس پہلو پر نہیں گئی، اس لیے انھیں اکثر مقامات کی شرح و توجیہ میں دقتیں پیش آئیں . یہ اصل پیش=

سورۂ توبہ ایك آخری اور وداعی پیام تھا

= آیت ۲۳ بھی اسی سے متعلق ہے ۔

اصل اس باب میں سورۂ ممتحنہ کی یہ آیات ہیں جو ایک ایسے ہی معاملے کی نسبت نازل ہوئی تھیں :

” لا ینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم و تقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین ۞ انما ینھٰکم اللہ عن الذین قٰتلوکم فی الدین و اخرجوکم من دیارکم و ظٰھروا علی اخراجکم ان تولوھم ۚ ومن یتولھم فاولٰئک ھم الظٰلمون “ ۞ (۶۰ : ۸و۹)

خدا تمھیں اس بات سے نہیں روکتا کہ ان مشرکوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور انصاف کے ساتھ پیش آؤ جنھوں نے دین کے بارے میں تم سے لڑائی نہیں کی اور تمھیں تمھارے گھروں سے نہیں نکالا ۔ خدا تو تمھیں صرف ان لوگوں کی رفاقت و سازگاری سے روکتا ہے جنھوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی کی ہے (یعنی محض اس لیے کہ تم نے ان کا دین چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کر لیا ہے تم پر حملہ کر دیا ہے) اور (ظلم و ستم کر کے) تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا ہے ، نیز تمھیں جلا وطن کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے ۔ پس جو کوئی ایسے لوگوں سے =

یونس - ۱۰

مکیة، وهی مائة و تسع آیات

مکی، ۱۰۹ آیتیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓـر قف تِلۡكَ اٰیٰتُ الف لام را، یہ آیتیں ہیں
الۡکِتٰبِ الۡحَکِیۡمِ ۝۱ کتاب حکیم کی (یعنی ایسی
کتاب کی جس کی تمام باتیں حکمت کی باتیں ہیں) ۱۔

سورۂ انعام کی طرح اس سورت میں بھی خطاب مشرکین عرب سے ہے اور مواعظ کا مرکز دین حق کے مبادی و اساسات ہیں یعنی توحید، وحی و موت اور آخرت کی زندگی۔ سلسلۂ بیان منکرین وحی کے ذکر سے شروع ہوا ہے، کیوں کہ ہدایت دینی کی سب سے پہلی کڑی یہی ہے اور اسی کے اعتقاد پر اور تمام باتوں کا اعتقاد موقوف ہے۔

نظر رکھ کر سورت کے تمام مواعظ و احکام پر دوبارہ نظر ڈالو، صاف واضح ہو جائے گا کہ آیندہ مرحلوں کے لیے مخاطبین کو تیار کیا جا رہا ہے۔ مزید تفصیل کا یہ محل نہیں۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۞ ۳	(اے لوگو!) تمہارا پروردگار تو وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ ایام میں پیدا کیا (یعنی چھ معین زمانوں میں پیدا کیا)، پھر اپنے تحت حکومت پر متمکن ہو گیا. وہی تمام کاموں کا بند و بست

کر رہا ہے (یعنی کائنات ہستی پیدا بھی اسی نے کی اور فرماں روائی بھی صرف اسی کی ہوئی). اس کے حضور کوئی سفارشی نہیں ہو سکتا مگر یہ کہ خود وہ اجازت دے دے (اور اجازت کے بعد کوئی اس کی جرأت کرے). یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار، پس اسی کی بندگی کرو کیا تم غور و فکر سے کام نہیں لیتے ۳.

= وجود کے اس سے انکار نہیں کر سکتے تھے. اسے جادو گری سے تعبیر کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے.

۳ – آسمان و زمین کی چھ ایام میں خلقت سے مقصود کیا ہے؟ اس کی طرف سورۂ اعراف میں اشارہ ہو چکا ہے. مزید تشریح سورت کے آخری نوٹ میں ملے گی. =

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ	كیا لوگوں كو اس بات پر
اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ	اچنبها هوا كه انهیں میں سے ایك
اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ	آدمی پر هم نے وحی بهیجی؟
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ	اس بات كی وحی كه لوگوں
قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ط	كو (انكار و بدعملی كے نتائج سے)
قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا	خبردار كردے اور ایمان والوں
لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۲	كو خوش خبری دے دے كه

پروردگار كے حضور ان كے لیے اچها مقام هے . كافروں نے كہا : بلا شبه یه شخص جادوگر هے ، كهلا جادوگر ۲ .

۱ و ۲- منكرین حق ایك طرف تو وحی و نبوت سے انكار كرتے ، دوسری طرف یه بهی دیكهتے تهے كه یه آدمی اور آدمیوں كی طرح نہیں هے ، كوئی نه كوئی بات ضرور هے . پهر جب اس كی كوئی توجیه بن نه پڑتی تو كہتے : هو نه هو یه جادوگری هے . ان كا یه قول قرآن كی حیرت انگیز تاثیر كی سب سے بڑی شہادت هے . یعنی اس كا اثر اس درجه نمایاں اور قطعی تها كه باوجود عناد =

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ دوبارہ زندہ کرے گا) تا کہ
مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌ جو لوگ ایمان لائے اور اچھے
بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝ کام کیے انھیں انصاف کے ساتھ
بدلا دے۔ باقی رہے وہ لوگ جنھوں نے کفر کی راہ اختیار کی
تو انھیں پاداش کفر میں کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا اور
عذاب دردناک ٤ .

٤ - آیت ٤ میں سلسلۂ بیان آخرت کی زندگی کی طرف متوجہ ہو گیا ہے جس سے مشرکین عرب کو انکار تھا . یہاں تین باتوں کی طرف اشارہ کیا :

(ا) وہ ہستی پیدا کرتا ہے اور پھر دھراتا ہے . پس اگر پہلی پیدایش پر یقین رکھتے ہو تو دوسری پیدایش پر تمھیں کیوں تعجب ہوتا ہے؟ یہ پہلی نشأۃ سے دوسری نشأۃ پر استدلال ہے . زیادہ تفصیل سورۂ حج کی آیت ٥ اور قیامۃ کی آخری آیات میں ملے گی .

(ب) دوسری زندگی کیوں ضروری ہوئی؟ اس لیے کہ جزاء عمل کا قانون چاہتا تھا کہ جس طرح ایک زندگی آزمایش عمل کے لیے ہے ، اسی طرح ایک زندگی جزاء عمل کے لیے بھی ہو .

(ج) تمام نظام خلقت اس کی شہادت دے رہا ہے =

اِلَیْهِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا ؕ	تم سب کو بالآخر اسی کی طرف
وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ یَبْدَؤُا	لوٹنا ہے ۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ
الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ لِیَجْزِیَ	ہے ۔ وہی ہے جو پیدایش
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا	شروع کرتا ہے اور پھر اسے
الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ	دہراتا ہے (یعنی مرنے کے بعد

= توحید ربوبیت سے توحید الوہیت پر استدلال۔ یعنی جب تم مانتے ہو کہ کائنات ہستی کا پیدا کرنے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں تو پھر تدبیر و انتظام عالم کے بہت سے تحت اقتدار تم نے کیوں بنا رکھے ہیں اور کیوں انھیں بندگی و نیاز کا مستحق سمجھتے ہو؟ جس طرح یہ بات ہوئی کہ پیدا کرنے والی ہستی اس کے سوا کوئی نہیں، اسی طرح تدبیر و فرماں روائی کا تحت بھی صرف اسی کا تحت ہوا۔ اس میں نہ تو کسی سفارشی کی سفارش کو دخل ہے، نہ کسی مقرب کے تقرب کو۔

یہی مضمون سورۂ اعراف کی آیت ۵٤ میں گزر چکا ہے " الا له الخلق و الامر " ۔

مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۵

تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرلیا کرو اللہ نے یہ سب کچھ نہیں بنایا ہے مگر حکمت و مصلحت کے ساتھ۔ ان لوگوں کے لیے جو جاننے والے ہیں وہ (اپنی قدرت و حکمت کی) دلیلیں کھول کھول کر بیان کر دیتا ہے ۵۔

اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝۶

بلا شبہ اس بات میں کہ رات کے پیچھے دن اور دن کے پیچھے رات آتی ہے، اور بلا شبہ ان تمام چیزوں میں جو اللہ نے آسمانوں میں اور زمین میں پیدا کی ہیں، ان لوگوں کے لیے (قدرت و حکمت کی) نشانیاں ہیں جو متقی (۶۰) ہیں ۶۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ

جو لوگ (مرنے کے بعد) ہم سے ملنے کی توقع نہیں

۵ – منازل قمر کی تقدیر سے مقصود کیا ہے؟ اس کی تشریح سورت کے آخری نوٹ میں ملے گی۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ	وهی هے حس نے سورج کو
ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا	چمکتا هوا بنایا اور چاند کو
وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا	روشن اور پھر چاند کی
عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ	منزلوں کا اندازہ ٹھیرا دیا ،

= کہ یہاں کوئی بات بغیر حکمت و مصلحت کے نہیں ہے. سورج کو دیکھو حس کی درخشندگی سے تمام ستارے روشنی حاصل کرتے ہیں. چاند کو دیکھو حس کی گردش کی ۲۸ منزلیں مقرر کر دی ہیں اور اسی سے تم مہینے کا حساب کرتے اور برسوں کی گنتی معلوم کرتے ہو. اگر یہ سب کچھ بغیر مصلحت کے نہیں ہے تو کیا ممکن ہے کہ انسان کا وجود بغیر کسی غرض و مصلحت کے ہو اور صرف اس لیے ہو کہ کھائے پیئے اور مر کر همیشه کے لیے فنا ہو جائے؟ (اس استدلال کی وضاحت کے لیے دیکھو تفسیر فاتحہ).

غور کرو! اس قسم کے تمام مواعظ کا خاتمہ همیشه اسی قسم کے جملوں پر ہوتا ہے کہ "لقوم یعلمون"، "لقوم یعقلون" کیوں کہ ان باتوں کو وهی سمجھ سکتا ہے جو علم و بصیرت سے محروم نہ ہو.

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ج تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ ۹

جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے تو ان کے ایمان کی وجہ سے (کام یابی و سعادت کی) راہ ان کا پروردگار ان پر کھول دے گا. ان کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی جب کہ وہ نعمت الٰہی کے باغوں میں ہوں گے ۹.

=(د) ان کا ذهن و ادراك اس درجه معطل ہو گیا ہے که قدرت کی تمام نشانیاں جو چاروں طرف پھیلی ہوئی ہیں انہیں بیدار نہیں کر سکتیں. وہ یك قلم غافل ہو گئے ہیں.

ان میں سے ہر بات نه صرف بیان حال ہے، بلکه بجائے خود ایك دلیل بھی ہے اور یہی قرآن کی معجزانه بلاغت ہے. تشریح ''البیان'' میں ملے گی.

یاد رہے که قرآن نے ہر جگه آخرت کے معاملے کو '' لقاء الٰہی '' سے تعبیر کیا ہے اور اس تعبیر نے واضح کر دیا ہے که حیات آخرت کی اصل حقیقت قرآن کے نزدیك کیا ہے. مختصر تشریح آخری نوٹ میں ملے گی.

الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا رکھتے، صرف دنیا کی زندگی
وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا ہی میں مگن ہیں اور اس حالت
غٰفِلُوْنَ ۙ ۷ پر مطمئن ہو گئے ہیں ، اور
جو لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں ۷ ۔
اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ تو ایسے ہی لوگ ہیں جن کا
بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۸ (آخری) ٹھکانا دوزخ ہوگا
بسبب اس کمائی کے جو (خود اپنے ہی عملوں کے ذریعے)
کماتے رہتے ہیں ۸ ۔

---

۷ و ۸ – سبحان اللہ ! آیت ۷ کے چند گنے ہوئے لفظوں میں حقیقت حال کی کیسی کامل تصویر کھینچ دی ہے حس سے کوئی گوشہ بھی باہر نہیں رہا ۔ ساتھ ہی وجود آخرت کے تمام دلائل بھی نمایاں ہو گئے ۔

منکرین آخرت کی ذہنیت کی چار حالتیں ہیں :

(ا) ان کے اندر خدا سے ملنے کی توقع نہیں ۔

(ب) صرف دنیوی زندگی ہی میں خوشنود ہو رہے ہیں ۔

(ج) اس حالت کے خلاف ان کے اندر کوئی خلش پیدا نہیں ہوتی ، اس پر مطمئن ہو گئے ہیں ۔ =

نہیں رکھتے ہم انہیں ان کی سرکشیوں میں سرگرداں چھوڑ دیتے ہیں ۱۱ ۔

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا	اور جب کبھی انسان کو
لِجَنْبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا ج	کوئی رنج پہنچتا ہے (تو خواہ
فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ	کسی حال میں ہو) کروٹ پر
مَرَّ كَأَنْ لَمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ	لیٹا ہو، بیٹھا ہو، کھڑا ہو،
ضُرٍّ مَسَّهُ ط كَذَٰلِكَ زُيِّنَ	ہمیں پکارنے لگے گا. لیکن
لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا	جب ہم اس کا رنج دور
يَعْمَلُونَ ۝ ۱۲	کر دیتے ہیں تو پھر اس طرح

(منہ موڑے ہوئے) چل دیتا ہے گویا رنج و مصیبت میں کبھی اس نے ہمیں پکارا ہی نہیں تھا. تو دیکھو! جو حد سے گزر گئے ہیں ان کی نگاہوں میں اسی طرح ان کے کام خوش نما کر دیے گئے ہیں ۱۲ ۔

۱۱ - آیت ۱۱ میں قانون امہال کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی تشریح تفسیر فاتحہ میں دیکھنی چاہیے۔

۱۲ - آیت ۱۲ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ رنج و مصیبت کی حالت میں انسان کے اندر وجدانی =

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ
ا ع ٦ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۱۰

وهاں ان کی پکار یه هو گی که "خدایا: ساری پاکیاں تیرے هی لیے هیں". ان کی دعا یه هوگی که "سلامتی هو". اور دعاؤں کا خاتمه یه هو گا که "الحمد لله رب العٰلمین" ۱۰ .

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ۭ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ ۱۱

اور (دیکھو!) انسان جس طرح فائدے کے لیے جلد باز هوتا هے، اگر اسی طرح الله اسے نقصان پہنچانے میں جلد باز هوتا (یعنی اگر اس کا قانون جزاء ایسا هوتا که هر بد عملی کا برا نتیجه فوراً کام کر جائے) تو اس کا وقت کبھی کا پورا هو چکا هوتا (لیکن قانون جزاء نے یهاں ڈهیل دے رکھی هے). پس جو لوگ (مرنے کے بعد) هماری ملاقات کی توقع

---

۱۰ - آیت ۱۰ کی تشریح آخری نوٹ میں ملے گی.

لِيُؤْمِنُوا ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿۱۳﴾

میں) ھلاك كر دیا. ان کے رسول ان کے پاس روشن دلیلوں کے ساتھ آئے تھے، مگر اس پر بھی وہ آمادہ نہ ھوے کہ ایمان لائیں. (تو دیکھو!) مجرموں کو اسی طرح ھم ان کے جرموں کا بدلا دیتے ھیں ۱۳.

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿۱۴﴾

پھر ان امتوں کے بعد ھم نے تمھیں ان کا جانشین بنایا، تا کہ دیکھیں تمھارے کام کیسے ھوتے ھیں ۱٤.

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ

اور (اے پیغمبر!) جب تم ھماری واضح آیتیں انھیں پڑھ کر سناتے ھو تو جو لوگ (مرنے کے بعد) ھم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے وہ کہتے ھیں:

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ	اور تم سے پہلے کتنی ہی
مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا لا	امتیں گزر چکی ہیں کہ جب
وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ	انہوں نے ظلم کی راہ اختیار کی
بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا	تو ہم نے انہیں (پاداش عمل

= طور پر یہ ولولہ اٹھتا ہے کہ ایک بالاتر ہستی موجود ہے جو میرا درد دکھ دور کر سکتی ہے اور اسی کو پکارنا چاہیے۔ لیکن جب مصیبت دور ہو جاتی ہے تو پھر عیش و راحت کی غفلتوں میں پڑ کر اسے بھول جاتا ہے، گویا کبھی اس نے کسی کو پکارا ہی نہ تھا۔

قرآن نے جا بجا انسان کی اس فطری حالت سے استشہاد کیا ہے، کیونکہ مصیبت اور بے بسی کی حالت میں بے اختیار اس ولولہ کا اٹھنا اس امر کا ثبوت ہے کہ انسانی فطرت اپنے اندرونی ادراک میں خدا کی ہستی کا اعتقاد رکھتی ہے اور اعراض و غفلت کی حالت وجدانی نہیں ہے، خارجی اثرات کا نتیجہ ہے۔

آگے چل کر آیت ۲۲ میں بھی یہی بات ملے گی، لیکن ایک دوسرے اسلوب موعظت میں۔

قُلْ لَّوْشَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَ لَآ اَدْرٰكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۶

اور تم کہو : اگر اللہ چاہتا تو میں قرآن تمہیں سناتا ھی نہیں اور تمہیں اس سے خبردار ھی نہ کرتا (مگر اس کا چاہنا یہی ھوا کہ تم میں اس کا کلام نازل ھو اور تمہیں اقوام عالم کی ہدایت کا ذریعہ بنائے)۔ پھر دیکھو! یہ واقعہ ھے کہ میں اس معاملے سے پہلے تم لوگوں کے اندر ایک پوری عمر بسر کر چکا ھوں۔ کیا تم سمجھتے بوجھتے نہیں؟ ۱۶ .

---

۱۶ – پھر آیت ۱۶ میں صداقت نبوت کی ایک سب سے زیادہ واضح اور وجدانی دلیل بیان کی ھے جس کی حقیقت افسوس ھے کہ مفسرین نے پوری طرح واضح نہیں کی۔ فرمایا: ساری باتیں چھوڑ دو۔ صرف اسی بات پر غور کرو کہ میں تم میں کوئی نیا آدمی نہیں ھوں جس کے خصائل و حالات کی تمہیں خبر نہ ھو۔ تمہیں میں سے ھوں اور اعلان وحی سے پہلے ایک پوری عمر تم میں بسر کر چکا ھوں، یعنی چالیس برس تک کی عمر کہ عمر انسانی کی پختگی کی کامل مدت ھے۔ اس تمام مدت میں میری زندگی تمہاری آنکھوں کے سامنے رھی۔ بتلاؤ اس تمام عرصے میں کوئی ایک بات بھی تم نے سچائی اور امانت کے =

مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ ۚ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ ۱۵

اس قرآن کے سوا کوئی دوسرا قرآن لا کر سناؤ، یا اسی (کے مطالب) میں رد و بدل کر دو. تم کہو: میرا یہ مقدور نہیں کہ اپنے جی سے اس میں رد و بدل کر دوں میں تو بس اسی حکم کا تابع ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے. میں ڈرتا ہوں کہ اگر اپنے پروردگار کے حکم سے سرتابی کروں تو عذاب کا ایک بہت بڑا دن آنے والا ہے ۱۵ .

۱۵ - مشرکین عرب پیغمبر اسلام کی صداقت و فضیلت سے انکار نہیں کر سکتے تھے، اس لیے کہتے تھے: ہم تمہاری بات سننے کے لیے تیار ہیں، مگر تم ایسی باتیں کہتے ہو جنہیں ہم قبول نہیں کرسکتے. تم کوئی دوسرا قرآن لاؤ، یا اسی کے مطالب ایسے کر دو کہ ہمارے پرانے عقیدوں کے خلاف نہ ہوں. فرمایا: یہ کچھ میرے جی کی من گھڑت نہیں ہے کہ تمہاری فرمایش کے مطابق سادوں. میں تو خود اللہ کی وحی کا تابع فرمان ہوں. جو کچھ مجھ پر وحی ہوتی ہے تمہیں سنا دیتا ہوں. اگر اس کے حکم سے نافرمانی کروں تو اس کی پکڑ سے مجھے بچانے والا کون ہے.

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى	پھر بتلاؤ اس سے بڑھ کر ظالم
عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ	کون ہو سکتا ہے جو اپنے
بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ	جی سے جھوٹ بات بنا کر اللہ
الْمُجْرِمُوْنَ ۞ ١٧	پر افتراء کرے، اور اس آدمی

سے جو اللہ کی سچی آیتیں جھٹلائے؟ یقیناً جرم کرنے والے کبھی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے ١٧ .

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اور یہ (مشرک) اللہ کے سوا
مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ	ایسی چیزوں کی پرستش کرتے
وَ يَقُوْلُوْنَ هٰۤؤُلَاۤءِ شُفَعَآؤُنَا	ہیں جو نہ تو انہیں نقصان

= مکذب ہو تو تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا ہے۔ فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے اور اس کا قانون ہے کہ مجرموں کو فلاح نہیں دیتا .

چنانچہ اللہ کا فیصلہ صادر ہو گیا . جو مکذب تھے ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا . جو صادق تھا اس کا کلمۂ صدق آج تک قائم ہے اور قائم رہے گا .

سورۂ انعام کی آیات ٢١ اور ١٤٤ اور سورۂ اعراف کی آیت ٣٧ میں بھی یہی استشہاد گزر چکا ہے .

= خلاف مجھ میں دیکھی؟ پھر اگر اس تمام مدت میں مجھ
سے یہ نہ ہو سکا کہ کسی انسانی معاملے میں جھوٹ بولوں
تو کیا ایسا ہو سکتا ھے کہ اب خدا پر بہتان باندھنے
کے لیے تیار ہو جاؤں اور جھوٹ موٹ کہنے لگوں:
مجھ پر اس کا کلام نازل ہوتا ھے۔ کیا اتنی موٹی سی
بات بھی تم نہیں پا سکتے؟

تمام علماء اخلاق و نفسیات متفق ھیں کہ انسان کی
عمر میں ابتدائی چالیس برس کا زمانہ اس کے اخلاق
و خصائل کے ابھرنے اور بننے کا اصلی زمانہ ہوتا ھے۔
جو سانچا اس عرصے میں بن گیا پھر بقیہ زندگی میں بدل
نہیں سکتا۔ پس اگر ایک شخص چالیس برس کی عمر تک صادق
و امین رہا ھے تو کیونکر ممکن ھے کہ اکتالیس برس
میں قدم رکھتے ھی ایسا کذاب اور مفتری بن جائے
کہ انسانوں ھی پر نہیں، بلکہ فاطر السموٰت و الارض پر
افتراء کرنے لگے۔

چنانچہ اس کے بعد فرمایا: دو باتوں سے انکار نہیں
کر سکتے۔ جو شخص اللہ پر افترا کرے اس سے بڑھ کر
کوئی شریر نہیں، اور جو صادق کو جھٹلائے وہ بھی
سب سے زیادہ شریر انسان ھے اور شریر و مفتری کبھی
کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اب صورت حال نے یہاں دونوں
فریق پیدا کر دیے ھیں۔ اگر میں مفتری علی اللہ ہوں
تو مجھے ناکام و نامراد ہونا پڑے گا۔ اگر تم سچائی کے =

(یعنی لوگ الگ الگ راہوں میں چلیں گے اور اسی اختلاف میں ان کے لیے آزمایش عمل ہوگی) تو جن باتوں میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں ان کا فیصلہ کبھی کا ہو چکا ہوتا ١٩ .

وَيَقُولُونَ لَوْلَآ أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۚ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانتَظِرُوا ۚ إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ ۝٢٠

اور یہ لوگ کہتے ہیں: کیوں ایسا نہ ہوا کہ اس پر (یعنی پیغمبر اسلام پر) اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی اترتی؟ تو (اے پیغمبر!) تم کہہ دو: غیب کا علم تو صرف اللہ ہی کے لیے ہے. پس انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں ٢٠ .

٢ ع ٧

وَإِذَآ أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّن بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِي آيَاتِنَا ۚ

اور جب ایسا ہوتا ہے کہ ہم لوگوں کو درد دکھ کے بعد اپنی رحمت کا مزہ

---

١٩ - آیت ١٩ کے ہم معنی آیت ٢١٣ بقرہ میں بھی گزر چکی ہے اور مہمات معارف قرآنی میں سے ہے . اس کی مزید تشریح سورۂ ہود کی تشریحات ملے گی .

عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـئُوْنَ اللّٰهَ پہنچاسکتی ہیں نہ فائدہ ۔ اور
بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ کہتے ہیں:(ہم اس لیے ان کی
وَلَا فِی الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ پرستش کرتے ہیں کہ) یہ اللہ کے
وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۞ [18] حضور ہمارے سفارشی ہیں۔

(اے پیغمبر!) تم کہہ دو " کیا تم اللہ کو ایسی بات کی خبر دینی چاہتے ہو جو خود اسے معلوم نہیں، نہ تو آسمانوں میں اور نہ زمینوں میں؟ " پاک اور بلند ہے اس کی ذات اس شرک سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں [18] ۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً اور (ابتداء میں) انسانوں کی
وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا ایک ہی امت تھی پھر الگ الگ
كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ ہو گئے۔ اور اگر تمہارے
لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ فِیْمَا فِیْهِ پروردگار کی جانب سے پہلے
یَخْتَلِفُوْنَ ۞ [19] ایک بات نہ ٹھیرا دی گئی ہوتی

۱۸-آیت ۱۸ میں توحید الوھیت کا بیان ہے۔ اس کی تفسیر سورت کے آخری نوٹ میں دیکھو۔

لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۞ ۲۲

کیا اچھی ہوا چل رہی ہے) پھر اچانك ہوا ے تند کے جھونکے نمودار ہو جاتے اور ہر طرف سے موجیں ہجوم کرنے لگتی ہیں اور مسافر خیال کرتے ہیں بس اب ان میں گھر گئے (اور بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی تو اس وقت انہیں خدا کے سوا اور کوئی ہستی یاد نہیں آتی) . وہ دین کے اخلاص کے ساتھ خدا کو پکارنے لگتے ہیں : خدایا ! اگر اس حالت سے ہمیں نجات دے دے تو ہم ضرور تیرے شکر گزار ہوں گے ۲۲ .

فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ

پھر (دیکھو !) جب اللہ انہیں نجات دے دیتا ہے تو اچانك (اپنا عہد و پیمان بھول جاتے ہیں اور) ناحق ملك میں سرکشی و فساد کرنے لگتے ہیں . اے لوگو ! تمہاری سرکشی کا

قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ۝۲۱

چکھا دیتے ہیں تو فوراً ہماری (رحمت کی) نشانیوں میں باریک باریک حیلے نکالنا شروع کر دیتے ہیں۔ (اے پیغمبر!) تم کہہ دو: اللہ ان باریکیوں میں سب سے زیادہ تیز ہے۔ اس کے فرشتے تمہاری یہ ساری مکاریاں قلم بند کر رہے ہیں ۲۱۔

هُوَ الَّذِىْ يُسَيِّرُكُمْ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِى الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ

وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی خشکی اور تری میں سیر و گردش کا سامان کر دیا ہے۔ پھر جب ایسا ہوتا ہے کہ تم جہازوں میں سوار ہوتے ہو، جہاز موافق ہوا پا کر تمہیں لے اڑتے ہیں، مسافر خوش ہوتے ہیں (کہ

= لیکن پھر اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟ کیا یہ حالت قائم رہتی ہے؟ نہیں۔ جونہیں اس کی ڈوبتی کشتی اچھلی اور امید و مراد کی گم شدہ صورت واپس آ گئی، پھر وہی اس کی غفلتیں ہوتی ہیں اور وہی سرکشیاں!

اگر تم غور کروگے تو اس حالت کی مثالیں خود اپنی ہی زندگی میں تمہیں مل جائیں گی۔ کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ تم بیمار ہوئے اور طبیبوں نے جواب دے دیا؟ یا کسی دوسری مصیبت میں پڑے اور دنیا کے سارے سہارے ہاتھ سے نکل گئے؟ اگر ایسا ہوا ہے تو یاد کرو اس وقت تمہاری خدا پرستی اور خدا پرستی کے اخلاص کا کیا حال تھا؟

قرآن نے جابجا اس حالت کے بیان کے لیے بحری سفر کی مثال اختیار کی ہے، کیوں کہ انسان کی بے بسی اور مایوسی کے لیے اس سے بہتر مثال نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ یہاں آیت ۲۲ میں اسی طرف اشارہ کیا ہے اور سورۂ عنکبوت کی آیت ۶۵ اور لقمان کی آیت ۳۲ میں بھی یہی مطلب ملے گا۔

دین حق کی تعلیم و تزکیہ کا مقصد یہی ہے کہ اس حالت سے انسان کو نجات دلا دے اور اس کا وجدان اس طرح بیدار کر دے کہ خدا پرستی کا جو اخلاص خاص خاص=

فَنُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ [٢٣] — وبال تو خود تمهاری هی جانوں پر پڑنے والا هے. یه دنیا کی (چند روزه) زندگی کے فائدے هیں، سو اٹھالو. پھر تمہیں همارى هى طرف لوٹ کر آنا هے. اس وقت هم تمهیں بتائیں گے که جو کچھ دنیا میں کرتے رهے اس کی حقیقت کیا تھی [٢٣].

٢٢ و ٢٣ - جب تک دنیوی اسباب وعلائق کا کوئی ادنٰی سا سہارا بھی باقی رهتا هے انسان کا وجدان بیدار نہیں هوتا اور ایک تنکے کا بھروسا بھی اس کے لیے کافی هوتا هے که وه خدا کی طرف سے غافل هو جائے. لیکن جونہیں اسباب و علائق کے رشتے ٹوٹے اور یاس و قنوط کی کامل حالت طاری هوئی اور اس نے دیکھا که اب دنیا کا کوئی هاتھ اسے بچا نہیں سکتا تو اچانک اس کا سویا هوا وجدان بیدار هو جاتا هے اور خدا پرستی کا جوش اپنے سارے اخلاص کے ساتھ اس کے اندر ابھر آتا هے. اس وقت وه خدا کے سوا اور کسی کو نہیں دیکھتا. سارے رشتے، سارے بھروسے، ساری هستیاں یک قلم نابود هو جاتی هیں. وه بے اختیار خدا کو پکارنے لگتا هے اور اس کی یه پکار اس کے دل کے ایک ایک ریشه کی پکار هوتی هے. =

بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ ۲۴

زیور بن لیے اور (لہلہاتے ہوے کھیتوں اور گراں بار باغوں سے) خوش نما ہو گئی اور زمین کے مالک سمجھے اب فصل ہمارے قابو میں آ گئی ہے تو اچانک ہمارا حکم دن کے وقت یا رات کے وقت نمودار ہو گیا اور ہم نے زمین کی ساری فصل اس طرح بیخ و بن سے کاٹ کے رکھ دی گویا ایک دن پہلے تک اس کا نام و نشان ہی نہ تھا۔ اس طرح ہم (حقیقت کی) دلیلیں کھول کر بیان کر دیتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرنے والے ہیں ۲۴۔

۲۴ – ''بغی'' کے معنی سرکشی کے ہیں اور اس میں ہر طرح کی سرکشی داخل ہے، لیکن جب'' فی الارض'' کے ساتھ کہا جائے جیسا کہ آیت ۲۳ میں ہے تو اس سے مقصود وہ لوگ ہوتے ہیں جنھیں دنیا کی دولت و طاقت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ اس کے گھمنڈ میں آ کر ظلم و فساد کو اپنا شیوہ بنا لیتے ہیں۔ چوں کہ اس سرکشی کا اصلی سرچشمہ دنیوی زندگی کے سر و سامان کا غرور ہے، اس لیے آیت ۲۴ میں فرمایا: دنیا کی زندگی کی مثال تو بالکل ایسی ہے جیسے کاشت کاری کا معاملہ. آسمان سے پانی برستا ہے اور تمھارے کھیت لہلہانے =

إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگی کی مثال تو بس
كَمَآءٍ أَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ	ایسی ہے جیسے یہ معاملہ کہ
فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْأَرْضِ	آسمان سے ہم نے پانی برسایا
مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ	اور زمین کی نباتات جو انسانوں
حَتّٰى إِذَآ أَخَذَتِ الْأَرْضُ	اور چار پایوں کے لیے غذا کا
زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ	کام دیتی ہیں، اس سے شاداب
أَهْلُهَآ أَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ	ہو کر پھلی پھولیں اور باہم
عَلَيْهَآ أَتٰهَآ أَمْرُنَا	دگر مل گئیں۔ پھر جب وہ
لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا	وقت آیا کہ زمین نے اپنے
حَصِيْدًا كَأَنْ لَّمْ تَغْنَ	(سبزی اور لالی کے) سارے

= حالتوں میں ابھرتا ہے وہ اس کی پوری زندگی کی ایک دائم اور مستقر حالت ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان کی حالت یہ فرمائی کہ مصیبت کی گھڑی ہو یا راحت و سرور کا عالم، لیکن خدا کی یاد سے دل پر غفلت طاری نہ ہو۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۲۵

او ر الله سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ھے اور جسے چاھتا ھے (کام یابی و نجات کی) سیدھی راہ پر لگا دیتا ھے ۲۵ .

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۶

(اس کا قانون تو یہ ھے کہ) جن لوگوں نے بھلائی کی ان کے لیے بھلائی ھی ھوگی اور (جتنی اور جیسی کچھ ان کی بھلائی تھی) اس سے بھی کچھ زیادہ . ان کے چہروں پر نہ تو (محرومی کی) کالك لگے گی ، نہ ذلت کا اثر نمایاں ھوگا. ایسے ھی لوگ جنتی ھیں ، ھمیشہ جنت میں رھنے والے ۲۶ .

= یہی غفلت ھے جسے دین حق دور کرنا چاھتا ھے . وہ دنیا اور دنیا کی کام رانیوں سے نہیں روکتا ، مگر ان کے غرور باطل اور بے اعتدلانہ انہماك کی راھیں سد کردینی چاھتا ھے ، کیوں کہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے سارے فتنوں کا اصلی سرچشمہ یہی غرور باطل ھے .

= لگتے ہیں. پھر جب وہ وقت آتا ہے کہ تم سمجھتے ہو اب فصل پك گئی اور ہماری محنت کی کمائی ہمارے قبضے میں ہے تو اچانك کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے اور ساری فصل اس طرح تباہ ہو جاتی ہے گویا اس کا نام و نشان ہی نہیں تھا.

یعنی دنیوی زندگی کی ساری کامرانیاں اور دل فریبیاں بے ثبات اور ہنگامی ہیں. تم یہاں کی کسی چیز اور حالت پر بھروسا نہیں کرسکتے کہ یہ ضرور ایسی ہی رہے گی. اول تو زندگی ہی چند روزہ ہے، پھر اس کا بھی ٹھکانا نہیں. پھر زندگی کے عیش و تمتع کی جتنی دل فریبیاں ہیں سب کا حال یہ ہے کہ صبح ہیں تو شام نہیں، شام کو تھیں تو صبح کو نہیں. ایسی حالت میں اس سے بڑھ کر غفلت و گمراہی کی اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ انسان حق و راستی کی راہ چھوڑکر سرکشی پر اتر آئے اور کس چیز کے بھروسے پر؟ اس زندگی کے سر و سامان اور اقتدار کے بھروسے پر جسے چند لمحوں کے لیے بھی قطعی اور برقرار نہیں کہہ سکتے.

لیکن انسانی غفلت کے عجائب کا یہی حال ہے. کوئی نہیں جو اس حقیقت سے بے خبر ہو، مگر کوئی نہیں جو اس غرور باطل کی سرگرانیوں سے اپنی نگہداشت کرسکے. =

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا	اور (دیکھو!) جس دن ایسا
ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا	ہوگا کہ ہم ان سب کو اپنے
مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَ شُرَكَاۤؤُكُمْ ج	حضور اکٹھا کریں گے اور
فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَ قَالَ	پھر ان لوگوں سے جنھوں نے
شُرَكَاۤؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا	شرك کیا ہے کہیں گے: تم

= نضرة النعيم (٨٣: ٢٤). وجوه يومئذ ناعمة لسعيها راضية (٨٨: ٨ و٩). اور کفر کے لیے سیاہ روئی اور خواری ہے: وجوه يومئذ باسرة تظن ان يفعل بها فاقرة (٧٥: ٢٤ و ٢٥). وجوه يومئذ خاشعة عاملة ناصبة تصلى نارا حامية (٨٨: ٢-٤). اور آل عمران کی آیت ١٠٦ میں گزر چکا ہے: یوم تبيض وجوه وتسود وجوه. یہاں آیات ٢٦ اور ٢٧ میں بھی یہی بات بیان کی ہے. خوش حالی و کامرانی سے چہروں کا چمك اٹھنا اور نامرادی وخواری سے سیاہ پڑ جانا ایك طبعی حالت ہے. پس فرمایا: قیامت کے دن ایك گروہ کے چہرے چمك اٹھیں گے. دوسرے کے سیاہ پڑ جائیں گے اور سیاہ چہروں کا یہ حال ہوگا گویا پردۂ شب نے ان کے چہرے ڈھانپ لیے ہیں.

وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ	اور جن لوگوں نے برائیاں
جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا لا	کمائیں تو برائی کا نتیجه ویسا
وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ط مَا لَهُمْ	ھی نکلے گا جیسی کچھ برائی
مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ج كَاَنَّمَآ	ھوگی اور ان پر خواری
اُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطَعًا	چھا جائے گی . الله (کے قانون)
مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ط	سے انھیں بچانے والا کوئی نه
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ	ھوگا . ان کے چہروں پر اس
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۲۷	طرح کالك چھا جائے گی جیسے

اندھیری رات کا ایك ٹکڑا چہروں پر اڑھا دیا گیا ھو سو ایسے ھی لوگ دوزخی ھیں ، دوزخ میں ھمیشه رھنے والے ۲۷ .

۲٦ و ۲۷ - قرآن نے ھر جگه ایمان کو روشنی سے اور کفر کو تاریکی سے تشبیه دی ھے : " الله ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور " (۲ : ۲۵۷). اور مؤمنوں کی پہچان یه فرمائی ھے که ان کے ایسے سرخ روئی اور شادمانی ھوگی ، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی : " وجوہ یومئذ ناضرة الٰی ربھا ناظرة " (۷۵ : ۲۲ و ۲۳) تعرف فی وجوھھم=

فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنَنَا آج کے دن ہم میں اور تم میں
وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ اللہ کی گواهی بس کرتی هے
عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ۲۹ (وہ جانتا هے) که تمهاری
پرستاریوں سے هم یك قلم بے خبر تھے ۲۹ .

هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ پس اس دن هر آدمی جانچ
مَّآ اَسْلَفَتْ وَ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ لے گا که جو کچھ وہ پہلے
مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ کر چکا هے اس کی حقیقت کیا
۳ ع ۸ النصف مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۳۰ تھی . سب اللہ کے حضور که
ان کا مالك حقیقی هے لوٹائے جائیں گے اور حقیقت کے خلاف
جس قدر افترا پردازیاں کرتے رهے هیں ، سب ان سے کھوئی
جائیں گی ۳۰ .

= یه ایسی هی بات هے جیسی مائدہ کے آخر میں حضرت مسیح علیه السلام کی نسبت فرمائی هے که قیامت کے دن عرض کریں گے : میں عیسائیوں کے شرك سے بری هوں " ما قلت لهم الا ما امرتنی به " (۵ : ۱۱۷) . مزید تشریح کے لیے آخری نوٹ میں واردات آخرت کا مبحث دیکھو .

تَعْبُدُونَ ۝ ۲۸ اور وہ سب جنھیں تم نے

شریک ٹھرایا تھا، اپنی جگہ سے نہ هلو (یعنی اپنے مقام میں رکے رھو، آگے نہ بڑھو). اور پھر ایسا ھو گا کہ ایک دوسرے سے انھیں الگ الگ کر دیں گے (یعنی شرک کرنے والوں میں اور ان میں جنھیں شریک بنایا گیا امتیاز پیدا ھو جائے گا). تب وہ ھستیاں جنھیں خدا کے ساتھ شریک بنایا گیا ھے، کہیں گی: یہ بات تو نہ تھی کہ تم ھماری ھی پرستش کرتے تھے ۲۸.

۲۸ - آیت ۲۸ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ھے کہ تم جن پیشواؤں کو اپنی حاجت روائیوں کے لیے پکارتے ھو ان تک نہ تو تمھاری پکار پہنچتی ھے، نہ تمھاری پرستاریوں کی انھیں کچھ خبر ھے. وہ تمھاری حاجت روائی کیا کریں گے؟ قیامت کے دن خدا مشرکوں کو اور ان کے بنائے ھوے شریکوں کو ایک صف میں کھڑا کرے گا، کیوں کہ معبودوں کو اپنے پرستاروں کے حلقے میں ھی ھونا چاھیے. لیکن وہ مشرکوں کا ساتھی ھونا پسند نہیں کریں گے. وہ کہیں گے ھمیں ان سے کوئی واسطہ نہیں. یہ گو ھمارا نام لیتے ھوں، لیکن فی الحقیقت ھمیں نہیں پوجتے تھے، اپنی ھوائے نفس کے پجاری تھے. ھمیں تو ان کی پرستش کی خبر بھی نہیں.

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝ ٣٢

پروردگار ھے. پھر بتلاؤ سچائی کے جان لینے کے بعد اسے نہ ماننا گمراھی نہیں ھے تو اور کیا ھے؟ تم (حقیقت سے) منہ پھیرے کدھر کو جا رھے ھو؟ ٣٢.

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ٣٣

(اے پیغمبر!) اسی طرح تیرے پروردگار کا فرمودہ ان لوگوں پر صادق آگیا جو (دائرۂ ھدایت سے) باھر ھوگئے ھیں کہ وہ ایمان لانے والے نہیں ٣٣.

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ ٣٤

(اے پیغمبر!) ان سے پوچھو: کیا تمھارے ٹھیرائے ھوے شریکوں میں کوئی ایسا ھے جو خلقت کی پیدایش شروع کرے اور پھر اسے دھرائے؟ تم کہو: یہ تو اللہ ھی ھے جو ابتدا میں پیدا کرتا ھے پھر اسے

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۚ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ ۚ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ ۳۱

(اے پیغمبر!) ان لوگوں سے پوچھو: وہ کون ہے جو تمہیں آسمان و زمین کی بخشایشوں کے ذریعے روزی دیتا ہے؟ وہ کون ہے جس کے قبضہ میں تمہارا سننا اور دیکھنا ہے؟ وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے؟ اور پھر وہ کون ہے جو تمام کارخانۂ ہستی کا انتظام کررہا ہے؟ یہ (فوراً) بول اٹھیں گے کہ "اللہ"۔ پس تم کہو: اگر ایسا ھی ہے تو پھر تم (انکار حق کے نتیجے سے) ڈرتے نہیں ۳۱۔

فَذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ یہی اللہ فی الحقیقت تمہارا

---

۳۱ - آیت ۳۱ میں برہان ربوبیت کا استدلال ہے اور توحید ربوبیت سے توحید الوھیت پر استشہاد کیا گیا ہے۔ برہان ربوبیت کی تفصیل تفسیر فاتحہ میں گزر چکی ہے۔

وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۚ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ ۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝ ٣٦

اور ان لوگوں میں زیادہ تر اسے ہی لوگ ہیں حو صرف وہم و گمان کی باتوں پر چلتے ہیں اور سچائی کی معرفت میں گمان کچھ کام نہیں دے سکتا. یہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے ۳۶.

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ق ٣٧

اور اس قرآن کا معاملہ ایسا نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اپنے جی سے گھڑ لائے. وہ تو ان تمام وحیوں کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں اور کتاب اللہ کی تفصیل ہے (یعنی اللہ کی کتابوں میں جو کچھ تعلیم دی گئی ہے) وہ سب اس میں کھول کھول کر بیان

---

۳۶ - آیت ۳۶ قرآن کے مہمات معارف میں سے ہے. اس کی تشریح آخری نوٹ میں ملے گی.

دھوائے گا. پس غور کرو تمہاری الٹی چال تمہیں کدھر کو لے جا رہی ہے ۳٤ .

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ۭ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝ ۳۵

ان سے پوچھو: کیا تمہارے بنائے ہوئے شریکوں میں کوئی ہے جو حق کی راہ دکھاتا ہے؟ پھر جو حق کی راہ دکھائے وہ اس کا حق دار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود ہی راہ نہیں پاتا جب تک اسے راہ نہ دکھائی جائے؟ (افسوس تم پر!) تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ تم کیسے فیصلے کر رہے ہو؟ ۳۵ .

۳۵ - آیت ۳۵ قرآن کے مہمات حجج میں سے ہے، مگر افسوس ہے کہ مفسرین نے اس کی حقیقت بھی اسی طرح ضائع کردی جس طرح اکثر دلائل قرآنیہ ضائع کردی ہیں . اس کی تشریح آخری نوٹ میں ملے گی .

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا	نہیں یہ بات نہیں ہے . اصل
بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ	حقیقت یہ ہے کہ جس بات پر
تَاْوِيْلُهٗ ط كَذٰلِكَ كَذَّبَ	یہ اپنے علم سے احاطہ نہ کر سکے
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ	اور جس بات کا نتیجہ ابھی
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۞ ۳۹	پیش نہیں آیا، اس کے جھٹلانے

پر آمادہ ہو گئے . ٹھیك اسی طرح ان لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں تو دیکھو ظلم کرنے والوں کا کیسا کچھ انجام ہو چکا ہے ۳۹ .

وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ	اور (اے پیغمبر!) ان میں
وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ط	(یعنی تیری قوم میں) کچھ تو
٤ ع ٩ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۞ ع ۴۰	ایسے ہیں جو قرآن پر (آیندہ)

ایمان لائیں گے، کچھ ایسے ہیں جو ایمان لانے والے نہیں اور تیرا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون لوگ مفسد ہیں ۴۰ .

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ	اور اگر یہ (اس قدر سمجھانے پر
عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ج	بھی) تجھے جھٹلائیں تو کہہ دے

کر دی گئی ھے) ، اس میں کوئی شبہ نہیں ، تمام جہانوں کے
پروردگار کی طرف سے ھے۳۷ .

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞ ۳۸

کیا یہ لوگ کہتے ھیں کہ اس شخص نے (یعنی پیغمبر اسلام نے) اللہ کے نام پر یہ افترا کیا ھے؟ تم کہو: اگر تم اپنے اس قول میں سچے ھو (اور ایک آدمی اپنے جی سے گھڑ کر ایسا کلام بنالے سکتا ھے) تو قرآن کی مانند ایک سورت بنا کر پیش کردو اور خدا کے سوا جن جن ھستیوں کو اپنی مدد کے لیے بلا سکتے ھو (تمھیں پوری طرح اجازت ھے) بلالو۳۸ .

---

۳۷ - آیت ۳۷ میں فرمایا: قرآن جس قسم کی چیز ھے ایسی چیز کبھی انسانی بناوٹ سے نہیں بن سکتی . پھر فرمایا: وہ تمام پچھلی صداقتوں کی تصدیق کرنے والا اور تمام پچھلی کتابوں کی تعلیمات پر حاوی ھے . قرآن کا یہ وصف کیوں اس بات کی دلیل ھوا کہ وہ انسانی بناوٹ کا کام نہیں ؟ اس کے جواب کے لیے تفسیر سورۂ فاتحہ دیکھو . یہ مہمات براھین قرآنیہ میں سے ھے .

۳۸ - آیات ۳۸ اور ، ۳۹ اور ۴۱ کی ضروری تشریحات کے لیے آخری نوٹ دیکھنا چاھیے .

دیکھتے ھیں، حالانکہ وہ دیکھتے نہیں)۔ پھر کیا تو اندھے کو راہ دکھاوے گا اگر چہ اسے کچھ سوجھ نہ پڑتا ہو؟ ۴۳ .

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ يقيناً الله انسانوں پر ذرہ برابر

شَيْـئًا وَّلٰـكِنَّ النَّاسَ بھی ظلم نہیں کرتا (کہ انھیں

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۴۴ جبراً اندھا بہرا بنادے) مگر

خود انسان ھی ھے جو اپنے اوپر ظلم کرتا ھے (کہ اس کی بخشی ھوئی قوتوں سے کام نہیں لیتا اور ھٹ اور ضد میں آکر سچائی سے انکار کردیتا ھے) ۴۴ .

---

۴۲ تا ۴۴ – آیت ۴۲ اور اس کے بعد کی آیات میں اسی حالت کی طرف اشارہ ھے جو جابجا قرآن میں بیان کی گئی ھے . یعنی جہل و فساد اور تعصب و تقلید کے جمود سے ایسی حالت کا پیدا ھو جانا جو انسان کی عقل و بصیرت کو یک قلم معطل کردیتی ھے اور وہ اس قابل نہیں رھتا کہ سچائی اور حقیقت کا ادراک کرسکے۔ آیت ۴۴ میں فرمایا: یہ حالت اس لیے پیش نہیں آتی کہ خدا نے کسی کو اس پر مجبور کردیا ھے، کیوں کہ اگر ایسا ھو تو یہ ظلم ھے اور خدا کا یہ قانون نہیں کہ کسی جان پر ظلم ھو . یہ تو خود انسان ھی ھے جو خدا کی دی ھوئی روشنی ضائع کرکے اندھا بہرا بن جاتا ھے .

اَنْتُمْ بَرِیْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۴۱

میرے لیے میرا عمل ہے، تمہارے لیے تمہارا۔ میں جو کچھ کرتا ہوں اس کی ذمہ داری تم پر نہیں۔ تم جو کچھ کرتے ہو اس کے لیے میں دمہ دار نہیں۔ (ہر شخص کے لیے اس کا عمل ہے اور مل کے مطابق نتیجہ۔ پس تم اپنی راہ چلو، مجھے اپنی راہ چلنے دو اور دیکھو اللہ کا فیصلہ کیا ہوتا ہے) ۴۱۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۴۲

اور (اے پیغمبر!) ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں حو تیری باتوں کی طرف کان لگاتے ہیں (اور تو خیال کرتا ہے یہ کلام حق سن کر اس کی سچائی پالیں گے، حالانکہ فی الحقیقت وہ سنتے نہیں)۔ پھر کیا تو بہروں کو بات سنائے گا اگرچہ وہ بات نہ پاسکتے ہوں؟ ۴۲۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِی الْعُمْیَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ۝۴۳

اور ان میں کچھ ایسے ہیں جو تیری طرف تکتے ہیں (اور تو خیال کرتا ہے یہ تجھے سمجھ کر

وَ اِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ	اور (اے پیغمبر!) ہم نے ان
الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ	لوگوں سے (یعنی منکرین عرب
فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ	سے) جن جن باتوں کا وعدہ
شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ۝ ۴۶	کیا ہے (یعنی دعوت حق کے

= یہ حقیقت قرآن نے مختلف تعبیرات میں بیان کی ہے اور سب کا ماحصل یہ ہے کہ وہ عظیم مدت جو انسان پر گزرے گی اس دن بہت ہی قلیل محسوس ہوگی. سورۂ مؤمنون آیت ۱۱۳، روم ۵۵ و ۵۶، احقاف ۳۵ اور نازعات کی آخری آیت دیکھنی چاہیے.

سورۂ روم کی آیت ۵۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کا احساس اگرچہ سب کو ہوگا، لیکن اہل علم و ایمان جن کے دلوں میں یوم آخرت کا یقین تھا، اس احساس سے مغلوب نہیں ہو جائیں گے. وہ پائیں گے کہ یہ تمام مدت جو گزر چکی ہے دنیوی زندگی اور اخروی زندگی کی درمیانی مدت تھی اور اب قیامت کا دن ہمارے سامنے ہے.

ان آیات کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ دنیوی زندگی اس دن اتنی حقیر و قلیل محسوس ہوگی گویا گھڑی بھر کی زندگی، لیکن پہلا مطلب زیادہ واضح اور موزون ہے.

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ	اور جس دن ایسا ہوگا کہ اللہ
لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً	ان سب کو اپنے حضور جمع
مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ	کرے گا، اس دن انہیں ایسا
بَيْنَهُمْ ۭ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ	معلوم ہوگا گویا (دنیا میں)
كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ وَمَا	اس سے زیادہ نہیں ٹھیرے جیسے
كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝ ٤٥	گھڑی بھر کو لوگ ٹھیر جائیں

اور آپس میں صاحب سلامت کرلیں۔ (تو) بلا شبہ وہ لوگ بڑے ہی گھاٹے میں رہے جنھوں نے اللہ کی ملاقات کا اعتقاد جھٹلایا اور وہ کبھی (کام یابی کی) راہ پانے والے نہ تھے ٤٥ .

٤٥ – آیت ٤٥ میں اس طرف اشارہ ہے کہ آخرت کی زندگی جب انسان پر طاری ہوگی تو وہ تمام مدت جو مرنے کے بعد سے لے کر نشأۃ ثانیہ تک گزرتی ہے اسے ایسی محسوس ہوگی جیسے ایک بہت ہی قلیل مدت کا درمیانی وقفہ گزرا ہو۔ اس حالت کی مثال یوں سمجھو جیسے کبھی رات بھر سوکر تم اٹھتے ہو اور اٹھنے کے بعد خیال کرتے ہو کہ بہت تھوڑی دیر نیند میں رہے، حالانکہ رات بھر نیند میں بسر کر چکے ہوتے ہو۔=

قانون یہ ھے کہ) ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ھے اور ایسا نہیں ھو تا کہ نا انصافی ھو ۴۷ .

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝٤٨ اور یہ لوگ کہتے ھیں: اگر تم سچے ھو تو بتلاؤ یہ بات (یعنی انکار حق کی پاداش) کب ظہور میں آئے گی؟ ۴۸

قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ (اے پیغمبر!) تم کہدو: (یہ معاملہ کچھ میرے اختیار میں نہیں کہ میں بتلادوں کب واقع ھو گا). میں تو خود اپنی جان

---

۴۷ - آیت ۴۷ میں اللہ کے اس قانون کی طرف اشارہ ھے کہ جب کسی قوم کی ھدایت کے لیے اس کا رسول ظاھر ھوا اور لوگوں نے چاھا ظلم و تشدد کے ذریعے اس کی دعوت روك دیں تو اللہ نے ان دونوں فریقوں کے درمیان فیصلہ کر دیا، یعنی حق فتح مند ھوا، باطل نامراد . اور چوں کہ یہ فیصلہ حق و عدالت کا فیصلہ ھے، اس لیے جابجا اسے "قضی بالحق" اور "قضی بالقسط" سے تعبیر کیا ھے . تفصیل تفسیر سورۂ فاتحہ میں گزر چکی ھے .

پیش آنے والے نتائج کی خبر دی ھے) ان میں سے بعض باتیں تجھے (تیری زندگی میں) دکھادیں یا (ان کے ظہور سے پہلے) تیرا وقت پورا کردیں ، لیکن بہر حال انہیں ہماری ھی طرف لوٹنا ھے اور یہ جو کچھ کر رھے ھیں اللہ اس پر شاھد ھے ٤٦ .

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ۖ	اور (یاد رکھو !) ھر امت
فَإِذَا جَآءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ	کے لیے ایک رسول ھے (جو
بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ	ان میں پیدا ھوتا اور انہیں
لَا يُظْلَمُونَ ۝٤٧	دین حق کی طرف بلاتا ھے).

پھر جب کسی امت میں اس کا رسول ظاھر ھوگیا تو (ھمارا

٤٦ - آیت ٤٦ کا مطلب یہ ھے کہ دعوت حق کی فتح مندیوں اور منکروں کی نامرادیوں کی جو خبر دی گئی ھے، کچھ ضروری نہیں کہ وہ سب کچھ تیری زندگی ھی میں پیش آجائے . بعض باتیں تیری موجودگی میں ھو کر رھیں گی ، بعض بعد کو واقع ھوں گی . پس منکروں کو یہ نہیں سمجھنا چاھیے کہ اس معاملے کا سارا دار و مدار اس شخص کی زندگی پر ھے ، یہ نہ رھے گا تو کچھ نہ ھوگا . تو زندہ رھے یا نہ رھے ، لیکن احکام حق کو پورا ھو کر رھنا ھے . چنانچہ ایسا ھی ھوا .

کچھ سود مند نہ ہوگا. اس وقت تو کہا جائے گا:) ہاں! اب تم نے یقین کیا اور تمھیں تھے کہ اس کی طلب میں جلدی مچایا کرتے تھے ۵۱.

ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ۝ ۵۲

پھر ظلم کرنے والوں سے کہا جائے گا: اب ہمیشگی کا عذاب چکھو. تمھیں جو کچھ بدلا مل رہا ہے یہ اس کے سوا کیا ہے کہ خود تمھارے ہی کرتوتوں کا نتیجہ ہے جو دنیا میں کماتے رہے تھے ۵۲.

وَيَسْتَنۢبِـُٔونَكَ أَحَقٌّ هُوَ ۖ قُلْ إِي وَرَبِّيٓ إِنَّهُۥ لَحَقٌّ ۖ وَمَآ أَنتُم بِمُعْجِزِينَ ۝ع ۵۳

اور تجھ سے پوچھتے ہیں: کیا یہ بات واقعی سچ ہے؟ تم (بلا تامل) کہو: ہاں، میرا پروردگار اس پر شاہد ہے کہ یہ سچائی کے سوا کچھ نہیں اور تم کبھی ایسا نہیں کرسکتے کہ اسے (اس کے کاموں میں) عاجز کردو ۵۳.

ع ۵ ۱۰

---

۵۳ - آیت ۵۳ میں ان لوگوں کا قول نقل کیا ہے =

سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ۝۴۹ کا بھی نفع نقصان اپنے قبضے میں نہیں رکھتا . وہی ہوتا ہے جو اللہ نے چاہا ہے . ہر امت کے لیے (پاداش عمل کا) ایك مقررہ وقت ہے ، اور جب وہ وقت آپہنچتا ہے تو پھر نہ تو ایك گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں، نہ ایك گھڑی آگے ۴۹ .

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَیَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا یَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۵۰ (اے پیغمبر!) تم ان لوگوں سے کہو : کیا تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر اس کا عذاب راتوں رات نازل ہوگیا یا دن دھاڑے آگیا تو تم کیا کروگے ؟ پھر کیا بات ہے جس کے لیے مجرم جلدی مچا رہے ہیں ؟ ۵۰

اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝۵۱ کیا جب وہ واقع ہوجائے گا اس وقت تم یقین کروگے ؟ (لیکن اس وقت یقین کرنا تو

۵۰ ـ استعجال بالعذاب (آیت ۵۰) کی تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ دیکھنی چاہیے .

اسے اپنے فدیہ میں دے دے. اور (دیکھو!) جب انھوں نے عذاب اپنے سامنے دیکھا تو (اپنی سرکشی و انکار یاد کر کے) دل ہی دل میں پچتانے لگے پھر ان کے درمیان (یعنی مؤمنوں اور سرکشوں کے درمیان) انصاف کے ساتھ فیصلہ کردیا گیا اور ایسا کبھی نہ ہوگا کہ ان پر کسی طرح کی زیادتی واقع ہو ۵۴.

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰـكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ۵۵

یاد رکھو! آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کے لیے ہے (اس کے سوا کوئی نہیں جسے حکم و تصرف میں کچھ دخل ہو). اور یہ بات بھی نہ بھولو کہ اللہ کا وعدہ حق ہے (وہ کبھی ٹل نہیں سکتا) مگر ان میں زیادہ تر ایسے ہیں جو یہ بات نہیں جانتے ۵۵.

هُوَ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ۵۶

وہی جلاتا ہے، وہی مارتا ہے اور وہی ہے جس کی طرف تم سب کو (بالآخر) لوٹنا ہے ۵۶.

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ

اے لوگو! تمھارے پاس

وَ لَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ	اور (آنے والا عذاب اس درجه
مَا فِی الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ	هولناك هے اور اس کا وقوع
وَ اَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا	اس درجه قطعی هے که) اگر
رَاَوُا الْعَذَابَ ج وَ قُضِیَ	هر ظالم انسان کے قبضے میں وه
بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَ هُمْ	سب کچھ آجائے جو روے
لَا یُظْلَمُوْنَ ۵۴	زمین میں هے تو وه ضرور

=جو منکر و جاهل نه تھے، مگر تصدیق میں متأمل تھے۔
وه جب پیغمبر اسلام کی صداقت و دیانت پر غور کرتے
جو تمام قوم میں اول دن سے مسلم تھی تو ان کا دل کہتا:
سچے آدمی کی زبان سے جھوٹی بات نہیں نکل سکتی۔
لیکن پھر جب دیکھتے که ان کی دعوت ایسی باتوں کا
یقین دلاتی هے جن سے وه اور ان کے آباء و اجداد یکسر
نا آشنا رهے هیں تو طبیعت کھلتی نہیں، شك و حیرت
کی حالت میں مبتلا هو جاتے اور پوچھنے لگتے: کیا
جو کچھ تم کہه رهے هو فی الحقیقت ایسا هی هے؟
فرمایا: تم کہو: جب تمهیں آج تك میری سچائی میں شبه
نہیں هوا تو آج کیوں هو رها هے؟ میں جو کچھ کہتا
هوں یه حق هے اور اس پر میرا پروردگار شاهد هے۔

= الفاظ جب کبھی ایسے موقع پر بولے جائیں جیسا کہ یہ موقع ھے تو ان سے مقصود انسان کی معنوی حالت ہوتی ھے، یعنی ذھن و فکر کی قوت، عقلی ادراك، جذبات و عواطف، اخلاق و عادات، اندرونی حسیات. وہ عضو مقصود نہیں ہوتا جو فن تشریح کا دل اور سینہ ھے. پس دل کی شفا کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کی فکری اور اخلاقی حالت کے جس قدر مرض ہو سکتے ھیں ان سب کے لیے یہ نسخۂ شفا ھے.

(ج) یقین کرنے والوں کے لیے ھدایت ھے.

(د) یقین کرنے والوں کے لیے پیام رحمت ھے، یعنی ظلم و قساوت اور بغض و تنفر سے دنیا کو نجات دلاتا اور رحم و محبت اور امن و سلامتی کی روح سے معمور کرتا ھے.

یہ قرآن کے اوصاف کا محض مدعیانہ اعلان ھی نہ تھا، بلکہ اس کی صداقت کی سب سے زیادہ مؤثر دلیل بھی تھی. اگر ایك شخص دعوٰے کرے کہ وہ طبیب ھے تو سب سے زیادہ سہل اور قطعی طریقہ اس کے دعوے کی جانچ کا یہ ہوگا کہ دیکھا جائے اس کے علاج سے بیماروں کو شفا ملتی ھے یا نہیں. اگر تم دیکھو کہ موت کی آغوش میں پہنچے ہوے بیمار اس کے شفا خانہ میں =

مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝٥٧

تمھارے پروردگار کی جانب سے ایك ایسی چیز آگئی جو موعظت ھے، دل کی تمام بیماریوں کے لیے شفا ھے اور ھدایت اور رحمت ھے ان لوگوں کے لیے جو (اس پر) یقین رکھتے ھیں ٥٧ .

٥٧ - آیت ٥٧ میں قرآن کے چار وصف بیان کیے:

(ا) موعظت ھے، یعنی دل میں اتر جانے والی دلیلوں اور روح کو متأثر کرنے والے طریقوں سے ان تمام باتوں کی ترغیب دیتا ھے جو خیر و حق کی باتیں ھیں اور ان تمام باتوں سے روکتا ھے جو شر اور بطلان کی باتیں ھیں، کیوں کہ عربی میں وعظ کا مفہوم صرف نصیحت ھی نہیں ھے، بلکہ ایسی نصیحت جو مؤثر دلائل اور دل نشین اسلوبوں کے ساتھ کی جائے .

(ب) "شفآء لما فی الصدور" دل کی تمام بیماریوں کے لیے نسخۂ شفا ھے . جو فرد اور گروہ بھی اس نسخے پر عمل کرے گا اس کے قلوب ھر طرح کے مفاسد و رذائل سے پاك ھو جائیں گے .

یاد رھے کہ عربی میں قلب، فؤاد اور صدر کے =

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۞ ۵۹

(اے پیغمبر!) تم ان سے کہو: کیا تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ جو روزی اللہ نے تمھارے لیے پیدا کی ہے تم نے (محض اپنے اوہام وظنون کی بنا پر) اس میں سے بعض کو حرام ٹھیرا دیا، بعض کو حلال سمجھ لیا ہے. تم پوچھو: (یہ جو تم نے حلال حرام کا حکم لگایا تو) کیا اللہ نے اس کی اجازت دی ہے یا تم اللہ پر بہتان باندھتے ہو؟ ۵۹

۵۹ - مشرکین عرب نے اپنے اوہام و خرافات کی بنا پر بہت سی چیزوں کا استعمال حرام ٹھیرا لیا تھا. چنانچہ سورۂ انعام میں آیت ۱۳۸ سے ۱۵۰ تک اس کا مفصل بیان گزر چکا ہے اور یہاں آیت ۵۹ میں بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے. اس آیت سے اور اس کی ہم معنی آیات سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو گئی کہ:

(۱) قرآن کے نزدیک ان تمام چیزوں میں جو کھانے پینے کی پیدا ہوتی ہیں، اصل اباحت ہے نہ کہ حرمت، =

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝۵۸

(اے پیغمبر!) تم کہو: یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ کی رحمت ہے، پس چاہیے کہ اس پر خوشی منائیں اور یہ ان ساری چیزوں سے بہتر ہے جسے وہ (دنیا کی زندگی میں) جمع کرتے رہتے ہیں ۵۸ .

= داخل ہوئے اور تندرست ہو نکلے تو تم یقیناً تسلیم کر لو گے کہ اپنے دعوے میں سچا ہے . قرآن نے بھی جا بجا یہی جانچ منکروں کے سامنے پیش کی ہے . اس نے کہا : میں نسخۂ شفا ہوں اور ثبوت میں مومنوں اور متقیوں کی جماعت پیش کر دی جو اس کے دار الشفاء میں تیار ہوئی تھی کہ دیکھ لو یہ تندرست ہو گئے ہیں یا نہیں ؟

آج بھی اس کی یہ دلیل اسی طرح قاطع ہے جس طرح عہد نزول میں تھی . اگر اس نے عرب جاہلیت کے مریضان روح و دل میں سے ابو بکر رضی اللہ عنہ ، عمر رضی اللہ عنہ ، علی رضی اللہ عنہ ، خالد رضی اللہ عنہ ، سلمان رضی اللہ عنہ ، ابو ذر رضی اللہ عنہ و غیر ہم جیسی تندرست روحیں پیدا کر دی تھیں تو کیا اس کے نسخۂ شفا ہونے میں شک کیا جا سکتا ہے .

وَمَا ظَنُّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ	اور حن لوگوں کی جرأتوں کا
عَلَى اللهِ الْكَذِبَ يَوْمَ	یه حال هے که الله کے نام پر
الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللهَ لَذُو فَضْلٍ	جهوٹ بول کر افترا پردازی
عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ	کر رهے هیں، انهوں نے روز
اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ع ۶۰	قیامت کو کیا سمجه رکها هے ؟

۶ ع ۱۱

= گم راهی یه تهی که کهانے پینے کے بارے میں طرح طرح کے وهمی قاعدے بنا لیے تهے. حلت و حرمت کی بنیاد علم و حقیقت کی کسی روشنی پر نه تهی، محض اوهام و خرافات پر تهی. قرآن نے نوع انسانی کو اس حالت سے نجات دلائی. اس نے اعلان کیا که زمین میں جتنی اچهی چیزیں خدا نے پیدا کی هیں سب اسی لیے هیں که انسان انهیں برتے اور خدا کے سوا کسی کو یه اختیار نہیں که اس کی پیدا کی هوئی کسی چیز کو حرام ٹهیرا دے.

یه آیت ان تمام فقہاء متشددین کے خلاف حجت قاطع هے جنهوں نے محض رائے و قیاس سے بعض مباحات حرام ٹهیرا دی هیں اور ان تمام لوگوں کے خلاف بهی جو سمجهتے هیں مباحات کا دائرہ اپنے اوپر تنگ کر لینا تقویٰ اور تقرب الٰہی کی بات هے

= یعنی جتنی چیزیں کھانے کے قابل هیں سب حلال هیں ، الّا یه که وحی الٰهی نے کسی چیز کو حرام ٹهیرا دیا هو. چنانچه قرآن نے جا بجا یه حقیقت واضح کر دی هے که اس نے صرف انهیں چیزوں سے روکا هے جو خبائث هیں ، یعنی مضر اور گندی هیں . باقی جتنی چیزیں هیں طیبات هیں .

(ب) کسی چیز کو حرام ٹهیرا دینے کا حق صرف خدا کی شریعت کو هے . پس کسی انسان کو یه حق حاصل نهیں که محض اپنے قیاس و رائے سے کوئی چیز حرام ٹهیرا دے .

(ج) قرآن نے جن باتوں کو " افتراء علی الله " سے تعبیر کیا هے یعنی خدا پر بهتان باندهنا ، ان میں سے ایک بات یه بهی هے که بغیر نص قطعی کے محض اپنی رائے اور قیاس سے کوئی چیز حرام ٹهیرا لی جائے .

(د) انسان کے عقائد و اعمال کی بنیاد علم و یقین پر هونی چاهیے نه که وهم و گمان پر . وه مشرکوں کی بنیادی گمراهی یهی قرار دیتا هے که علم و یقین کی کوئی روشنی اپنے سامنے نهیں رکهتے ، محض اوهام وظنون کے پرستار هیں .

نزول قرآن سے پهلے اقوام عالم کی ایک عالم گیر =

ذرہ بھر کوئی چیز ہو یا اس سے چھوٹی یا بڑی، سب کچھ ایک
کتاب واضح میں مندرج ہے ۶۱ ۔

۶۱ - قرآن کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ کسی بات کے ٹھیرا دینے اور قطعی طور پر نافذ کر دینے کے لیے " کتابت " کی تعبیر اختیار کرتا ہے، یعنی کہتا ہے: یہ بات لکھ دی گئی ہے، مثلاً " کتب علیکم الصیام " (۲ : ۱۸۳) " ان عدۃ الشہور عند اللہ اثنا عشر شہراً فی کتب اللہ " (۹ : ۳۶) " کتب علیہ انہ من تولاہ فانہ یضلہ " (۲۲ : ٤). اسی طرح اس مطلب کے لیے کہ حکمت الٰہی نے کارخانۂ ہستی کی ہر چیز کے لیے ایک قانون بنادیا ہے اور یہاں جو کچھ ظہور میں آتا ہے وہ سب کچھ ضبط میں آچکا ہے، " کتابت " اور " کتاب " کی تعبیر جابجا ملتی ہے۔ چنانچہ یہاں بھی آیت ۶۱ میں فرمایا: آسمان و زمین میں ایک ذرہ بھی ایسا نہیں جو کتاب مبین کے انضباط سے باہر ہو، یعنی علم الٰہی سے باہر ہو یا اللہ نے جو قوانین خلقت ٹھیرا دیے ہیں، ان کے احاطے سے باہر ہو۔

احکام و قوانین کا شاہی فرمانوں میں لکھ دینا اور شاہی دفاتر میں درج کردینا دنیا کی نہایت پرانی رسم ہے۔ اسی لیے تقریباً تمام زبانوں میں کسی بات کے =

(کیا وہ سمجھتے ہیں اللہ کی جانب سے کوئی پرسش ہونے والی نہیں ؟)۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ انسانوں کے لیے بڑا ہی فضل رکھتا ہے (کہ اس نے جزاے عمل کو آخرت پر اٹھا رکھا ہے اور دنیا میں سب کو مہلت عمل دے دی ہے) لیکن ان میں زیادہ تر ایسے ہیں جو اس کا شکر بجا نہیں لاتے ۶۰ .

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَّمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ ۚ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ أَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ ۝ ۶۱

اور (اے پیغمبر!) تم کسی حال میں ہو اور قرآن کی کوئی سی بھی آیت پڑھ کر سناتے ہو، اور (اے لوگو!) تم کوئی سا کام بھی کرتے ہو، مگر وہ بات کرتے ہوئے ہماری نگاہوں سے غائب نہیں ہوتے۔ اور نہ تو زمین میں، نہ آسمان میں کوئی چیز تمہارے پروردگار کے علم سے غائب ہے۔

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ٦٤

ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی (کام رانی و سعادت کی) بشارت ھے اور آخرت کی زندگی میں بھی . اللہ کے فرمان اٹل ھیں ، کبھی بدلنے والے نہیں . اور یہی سب سے بڑی فیروز مندی ھے جو انسان کے حصے میں آسکتی ھے ٦٤ .

وقف لازم

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۭ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ ٦٥

اور (اے پیغمبر!) منکروں کی (معاندانہ) باتوں سے تم آزردہ نہ ھو، ساری عزتیں اللہ ھی کے لیے ھیں (وہ جسے چاھے عزت دے، جسے چاھے ذلت دے)، وہ سننے والا، جاننے والا ھے ٦٥ .

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ ۭ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَاۗءَ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ

یاد رکھو! وہ تمام ھستیاں جو آسمانوں میں ھیں اور وہ جو زمین میں ھیں، اللہ ھی کے تابع فرمان ھیں . اور جو لوگ اللہ

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ یاد رکھو! جو اللہ کے دوست
عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۶۲ ھیں ان کے لیے نہ تو کسی
طرح کا خوف ھوگا، نہ کسی طرح کی غمگینی ۶۲ .
اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یہ وہ لوگ ھیں کہ ایمان لائے
یَتَّقُوْنَ ۶۳ اور زندگی ایسی بسر کی کہ
برائیوں سے بچتے رھے ۶۳ .

= لکھ دینے کا مطلب یہ ھو گیا ھے کہ بات پکی ھو گئی اور اب اس میں رد و بدل کی گنجایش نہیں. باھمی عہد و پیمان بھی لکھے جاتے تھے اور جب لکھ دیے گئے تو سمجھا جاتا تھا اب ان کی خلاف ورزی نہیں کی جاسکتی. عربی میں بھی یہ تعبیر قدیم سے موجود ھے اور معلوم ھوتا ھے قرآن نے بھی اسی معنی میں یہ تعبیر اختیار کی ھے .

البتہ یہ ظاھر ھے کہ ھم جزم و یقین کے ساتھ اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے، کیوں کہ یہ معاملہ عالم غیب سے تعلق رکھتا ھے اور عالم غیب کے حقائق ھماری عقل کی دسترس سے باھر ھیں .

۶۲ - آیت ۶۲ کی تشریح آخری نوٹ میں ملے گی .

الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۢ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ۶۸

طرح کی تمام احتیاجوں سے) بے نیاز ہے۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کے لیے ہے۔ تمہارے پاس ایسی بات کہنے کے لیے کوسی دلیل آگئی؟ کیا تم اللہ کے بارے میں ایسی بات کہنے کی جرأت کرتے ہو جس کے لیے تمہارے پاس کوئی علم نہیں؟ ۶۸

قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ ۶۹

(اے پیغمبر!) تم کہو: جو لوگ اللہ پر بہتان باندھتے ہیں وہ کبھی فلاح پانے والے نہیں ۶۹۔

۶۹ - قرآن کا عام اسلوب خطاب یہ ہے کہ پہلے وجدانی دلائل بیان کرتا ہے، پھر واقعات و ایام کے شواہد سے استدلال کرتا ہے۔ آیت ۶۹ میں تمام پچھلے مواعظ کا خلاصہ بیان کر دیا کہ "مفتری علی اللہ" فلاح نہیں پاسکتا۔ پھر آیت ۷۱ میں فرمایا: انہیں حضرت نوح کی سرگذشت سناؤ، یعنی حضرت نوح اور ان کی قوم =

إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۝٦٦

کے سوا اپنے ٹھیرائے ہوئے شریکوں کو پکارتے ہیں، تم جانتے ہو وہ کس بات کی پیروی کرتے ہیں؟ (کیا یقین و بصیرت کی؟ نہیں) محض وہم و گمان کی۔ وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ (ہر بات میں) اپنی اٹکلیں دوڑاتے ہیں ٦٦۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُونَ ۝٦٧

وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات کا وقت بنادیا کہ اس میں آرام پاؤ، اور دن کا وقت کہ اس کی روشنی میں دیکھو بھالو۔ بلا شبہ اس بات میں ان لوگوں کے لیے (ربوبیت الٰہی کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں جو (کلام حق) سنتے (اور سمجھتے) ہیں ٦٧۔

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

یہ کہتے ہیں "اللہ نے اپنا ایک بیٹا بنا رکھا ہے"۔ اس کے لیے تقدیس ہو، وہ تو (اس

تَوَکَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَکُمْ وَشُرَکَآءَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُنْ اَمْرُکُمْ عَلَیْکُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَیَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝۷۱

تم پر یہ بات شاق گزرتی ہے کہ میں تم میں (دعوت و ہدایت کے لیے) کھڑا ہوں اور اللہ کی نشانیوں کے ساتھ پند و نصیحت کرتا ہوں تو میرا بھروسا صرف اللہ پر ہے۔ تم میرے خلاف جو کچھ کرنا چاہتے ہو اسے ٹھان لو اور اپنے شریکوں کو بھی ساتھ لے لو۔ پھر جو کچھ تمہارا منصوبہ ہو اسے اچھی طرح سمجھ بوجھ لو کہ کوئی پہلو نظر سے رہ نہ جائے، پھر جو کچھ میرے خلاف کرنا ہے کر گزرو اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو (اور دیکھو آخر کار کیا نتیجہ نکلتا ہے؟)۷۱۔

۷۱ - آیت ۷۱ جو اوپر گزر چکی ہے انبیاء کرام کی صداقت کی ایک بہت بڑی دلیل واضح کرتی ہے، یعنی وہ کامل یقین جو اپنے "مرسل من اللہ" اور صادق ہونے کا ان کے اندر موجود ہوتا ہے۔ حضرت نوح نے کہا: اگر تم پر میری دعوت و تذکیر گراں گزرتی ہے اور مجھے اپنے بیان میں جھوٹا سمجھتے ہو تو جو کچھ بھی تم میرے خلاف کر سکتے ہو، زیادہ سے زیادہ کوشش اور زیادہ سے زیادہ اہتمام کے ساتھ کر گزرو۔ تم سب جمع ہو، =

مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا	ان کے لیے صرف دنیا ہی کی
مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيقُهُمُ	متاع ہے، پھر (آخر کار)
الْعَذَابَ الشَّدِيدَ بِمَا	ہماری طرف لوٹنا ہے، تب
كَانُوا يَكْفُرُونَ ع۷۰	ہم انہیں عذاب سخت کا مزہ

الثلاثة ۷ ع ۱۲

چکھائیں گے کہ جیسی کچھ کفر کی باتیں کرتے رہے ہیں اس کا نتیجہ پالیں ۷۰ .

وقف لازم

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ م	اور (اے پیغمبر!) انہیں
إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يَقَوْمِ إِنْ كَانَ	نوح کا حال سناؤ. جب ایسا
كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي	ہوا تھا کہ اس نے اپنی قوم سے
وَتَذْكِيرِي بِآيَاتِ اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ	کہا تھا: اے میری قوم! اگر

= کا معاملہ اس حقیقت کے لیے ایک شاہد وحجت ہے.
ان کا اعلان بھی یہی تھا کہ تم میری مخالفت میں جو کچھ کرسکتے ہو کر گزرو. اگر میں صادق ہوں تو تمہاری کوئی کوشش میرے خلاف کام یاب نہیں ہوسکے گی. نتیجے نے فیصلہ کر دیا کہ کون صادق تھا اور کون خدا کی سچائی جھٹلانے والا تھا.

مجھے (اسی کی طرف سے) حکم دیا گیا ہے کہ اس کے فرماں بردار بندوں کے گروہ میں شامل رہوں ۷۲ .

فَكَذَّبُوهُ فَنَجَّيْنَـٰهُ وَمَن مَّعَهُۥ فِى ٱلْفُلْكِ وَجَعَلْنَـٰهُمْ خَلَـٰٓئِفَ وَأَغْرَقْنَا ٱلَّذِينَ كَذَّبُوا۟ بِـَٔايَـٰتِنَا ۖ فَٱنظُرْ كَيْفَ كَانَ عَـٰقِبَةُ ٱلْمُنذَرِينَ ۝ ۷۳

اس پر بھی لوگوں نے اسے جھٹلایا۔ پس ہم نے اسے اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ کشتی میں سوار تھے (طوفان سے) بچالیا اور (غرق شدہ قوم کا) جانشین بنایا، اور جن لوگوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائی تھیں ان سب کو غرق کر دیا۔ تو دیکھو! ان لوگوں کا حشر کیسا ہوا جو (انکار و سرکشی کے نتائج سے) خبر دار کر دیے گئے تھے ۷۳ .

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنۢ بَعْدِهِۦ رُسُلًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ فَجَآءُوهُم بِٱلْبَيِّنَـٰتِ فَمَا كَانُوا۟ لِيُؤْمِنُوا۟ بِمَا كَذَّبُوا۟ بِهِۦ مِن قَبْلُ ۚ كَذَٰلِكَ نَطْبَعُ

پھر نوح کے بعد ہم نے (کتنے ہی) رسولوں کو ان کی قوموں میں پیدا کیا۔ وہ ان کے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے تھے، اس پر بھی ان کی

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۷۲

پھر اگر (اس پر بھی تم باز نہ آئے اور) مجھ سے روگردانی کی تو (یاد رکھو! ایسا ھی نقصان کروگے) میں جو کچھ کر رھا ھوں اس کے لیے تم سے کسی مزدوری کا طلب گار نہیں ھوا تھا. میری مزدوری تو اللہ کے سوا اور کسی کے پاس نہیں.

= باھم دگر مشورے کرو، بہتر سے بہتر تدبیریں جو میرے مٹانے کے لیے سونچی جاسکتی ھیں سونچ لو. معاملے کا کوئی پہلو ایسا نہ رہ جائے جس کا پہلے سے بندوبست نہ کرلیا ھو، پھر پورے عزم کے ساتھ اٹھ کھڑے ھو اور ایسے جانتے بھر ذرا بھی مہلت نہ دو. پھر یہ سب کچھ کر کے دیکھ لو تم مجھے اور میری دعوت کو مٹاسکتے ھو یا نہیں؟

کیا ممکن ھے کہ محض ساوٹ اور افترا پردازی کی زندگی سے ایسا یقین ابل سکے؟ کیا ممکن ھے کہ ایک فرد واحد پوری قوم کو اس طرح مقابلے کی دعوت دے اور اس کے دل میں ذرا بھی کھٹک موجود ھو کہ اپنے بیان میں سچا نہیں؟

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ
مُوسَىٰ وَهَٰرُونَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ
وَمَلَإِيْهِ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوا
وَكَانُوا قَوْمًا مُجْرِمِينَ ۝ ۷۵

پھر هم ان رسولوں کے بعد موسیٰ اور هارون کو بھیجا فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف، وہ هماری نشانیاں اپنے ساتھ رکھتے تھے. مگر فرعون اور اس کے درباریوں نے گھمنڈ کیا، ان کا گروہ مجرموں کا گروہ تھا ۷۵.

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ
عِنْدِنَا قَالُوٓا إِنَّ هَٰذَا
لَسِحْرٌ مُّبِينٌ ۝ ۷۶

پھر جب هماری جانب سے سچائی ان پر نمودار هوگئی تو کہنے لگے: یہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ جادو ہے، صریح جادو ۷۶.

قَالَ مُوسَىٰٓ أَتَقُولُونَ
لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ۖ
أَسِحْرٌ هَٰذَا ۖ وَلَا يُفْلِحُ
السَّٰحِرُونَ ۝ ۷۷

موسیٰ نے کہا: تم سچائی کے حق میں جب وہ نمودار هوگئی ایسی بات کہتے هو؟ کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر

عَلٰی قُلُوْبِ الْمُعْتَدِیْنَ ۝ ۷۴ قومیں تیار نہ تھیں کہ جو بات
پہلے جھٹلا چکی ھیں اسے (دلیلیں دیکھ کر) مان لیں۔ سو دیکھو!
جو لوگ (سرکشی اور فساد میں) حد سے گزر جاتے ھیں،
ھم اسی طرح ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ھیں ۷۴ .

---

۷۴ و ۷۵ - حضرت نوح کے ذکر کے بعد فرمایا:
ان کے بعد بہت سے رسول مختلف قوموں میں مبعوث ھوے اور ایسا ھی معاملہ پیش آیا۔ پھر حضرت موسیٰ کے تذکرہ میں تفصیل کی، کیوں کہ اھل عرب ان کے نام سے نا آشنا نہ تھے۔

حضرت نوح کے ذکر میں بھی اور حضرت موسیٰ کے حالات میں بھی صرف انہیں پہلوؤں پر زور دیا ھے جو سورت کی موعظت سے تعلق رکھتے ھیں، یعنی:

(ا) مفتری علی اللہ فلاح نہیں پاسکتا.

(ب) نہ وہ جو صادق کا مقابلہ کرے، یعنی اللہ کے رسول کا مقابلہ کرے.

(ج) ھدایت ایسی چیز نہیں ھے کہ زبردستی کسی کو پلادو۔ جو ماننے والے نہیں وہ کبھی نہیں مانیں گے، خواہ کتنی ھی نشانیاں دکھلاؤ۔ ایسا ھی ھمیشہ ھوا ھے اور اب بھی ھوگا.

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ جب جادوگر آ موجود ہوے
لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ (اور مقابلے کا میدان گرم ہوا)
اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ۝۸۰ تو موسیٰ نے کہا: تمھیں جو
کچھ میدان میں ڈالنا ہے ڈال دو ۸۰.

فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى جب انھوں نے (اپنی جادو کی
مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ رسیاں اور لاٹھیاں) ڈال دیں
اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تو موسیٰ نے کہا: تم جو
لَا يُصْلِحُ عَمَلَ کچھ بنا کر لائے ہو یہ جادو ہے
الْمُفْسِدِيْنَ ۝۸۱ اور یقیناً اللہ اسے ملیا میٹ
کر دے گا. اللہ کا یہ قانون ہے کہ وہ مفسدوں کا کام
نہیں سنوارتا ۸۱.

وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وہ حق کو اپنے احکام
وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸۲ ع کے مطابق ضرور ثابت ۸ ع ۱۳
کر دکھائے گا اگرچہ ان لوگوں کو جو مجرم ہیں، ایسا

تو کبھی کام یابی نہیں پاسکتے ۷۷ ۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۷۸

انھوں نے (جواب میں) کہا: کیا تم اس لیے ہمارے پاس آئے ہو کہ جس راہ پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو چلتے دیکھا ہے، اس سے ہمیں ہٹا دو اور ملک میں تم دونوں بھائیوں کے لیے سرداری ہو جائے؟ ہم تو تمھیں ماننے والے نہیں ۷۸ ۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ۝۷۹

اور فرعون نے کہا: (مملکت میں) جتنے ماہر جادوگر ہیں، سب کو میرے حضور حاضر کرو ۷۹ ۔

---

۷۷ ـ حضرت موسیٰ نے کہا: تم حق کی نشانیوں کو جادو کہتے ہو، حالانکہ جو جادوگر ہو وہ کبھی کام یاب نہیں ہوسکتا ۔ کیوں کہ جادو انسان کی بناوٹ اور شعبدہ طرازی ہے اور ایک انسان اپنی بناوٹوں اور کرتبوں میں کتنا ہی ھشیار ہو، لیکن حق کے مقابلے میں کبھی نہیں ٹک سکتا ۔

خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَ اِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ ۸۳

مگر صرف ایك گروہ جو اس کی قوم کے نوجوانوں کا گروہ تھا ، وہ بھی فرعون اور اس کے سرداروں سے ڈرتا ہوا کہ کہیں کسی مصیبت میں نہ ڈال دیں . اور اس میں شك نہیں کہ فرعون ملك (مصر) میں بڑا ھی سرکش (بادشاہ) تھا اور اس میں بھی شك نہیں کہ (ظلم و استبداد میں) بالکل چھوٹ تھا۸۳ .

---

۸۳ - آیت ۸۳ میں ان لوگوں کو جو ایمان لائے " ذریة من قومه " سے تعبیر فرمایا ھے . " ذریة " کے اصلی معنی کم سن اولاد کے ھیں ، لیکن نسل و اولاد کے معنوں میں مطلقاً بھی بولا جاتا ھے . یہاں چوں کہ قوم کے ساتھ ذریة کا لفظ آیا ھے ، اس لیے ضروری ھے کہ لغوی معنوں میں ھی آیا ھو ، یعنی قوم بنی اسرائیل کے کم سن افراد .

اس سے معلوم ھوا کہ جب کبھی مقاصد وعزائم کی راہ میں شدائد و محن کا سامنا کرنا پڑتا ھے تو قوم کے بڑے بوڑھوں سے بہت کم امید کی جاسکتی ھے ، زیادہ تر =

ہونا پسند نہ آئے'' ۸۲ .

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى تو دیکھو! اس پر بھی ایسا ہوا

اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى کہ موسیٰ پر کوئی ایمان نہیں لایا

۸۲ - الحق ''حقق'' سے ہے اور عربی میں ''حقق'' کا لغوی خاصہ ثبوت اور قیام ہے، یعنی جو بات ثابت ہو، اٹل ہو، امٹ ہو اسے ''حق'' کہتے ہیں. اور ''باطل'' ٹھیک ٹھیک اس کا نقیض ہے، یعنی ایسی بات جو مٹ جانے والی اور باقی نہ رہنے والی ہو. پس قرآن نے سچائی کو حق سے اور انکار کو باطل سے تعبیر کرکے یہ بات واضح کردی ہے کہ سچائی کا خاصہ ثبوت و قیام ہے اور انکار و سرکشی کے لیے نہ ٹک سکنا اور مٹ جانا ہے. یہی وجہ ہے کہ جابجا اس طرح کی تعبیرات ہمیں ملتی ہیں کہ خدا حق کو حق کر دے گا اور باطل کو باطل، یعنی حق ثابت و قائم رہ کر اپنی حقانیت آشکارا کر دے گا اور باطل نابود ہوکر اپنے بطلان کا ثبوت دے گا، مثلاً سورۂ انفال کی آیت ۸ میں گزر چکا ہے ''لیحق الحق ویبطل الباطل'' اور یہاں بھی آیت ۸۲ میں ایسی ہی تعبیر اختیار کی ہے. یہ تعبیر قرآن کے دقائق براہین میں سے ہے جس کی تشریح تفسیر سورۂ فاتحہ میں دیکھنی چاہیے.

فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۙ ۸۵

انهوں نے کها: هم نے الله پر بھروسا کیا (هم دعا کرتے هیں که) پروردگار! همیں اس ظالم گروه کے لیے آزمایشوں کا موجب نه بنائیو (که اس کے ظلم و ستم کے مقابلے میں کم زوری دکھائیں) ۸۵ .

وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۸۶

اور اپنی رحمت سے ایسا کیجیو که اس کافر گروه کے پنجے سے نجات پا جائیں ۸۶ .

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۸۷

اور هم نے موسیٰ اور اس کے بھائی (هارون) پر وحی کی که اپنی قوم کے لیے مصر میں مکان بناؤ اور اپنے مکانوں کو قبله رخ تعمیر کرو. نیز (ان میں) نماز قائم کرو اور جو ایمان لائے هیں انهیں (کام یابی) کی بشارت دو ۸۷ .

وَقَالَ مُوسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ۝ ۸٤

اور موسٰی نے اپنی قوم سے کہا: لوگو! اگر تم فی الحقیقت اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس کی فرماں برداری کرنی چاہتے ہو تو چاہیے کہ صرف اسی پر بھروسا کرو (اور فرعون کی طاقت سے نہ ڈرو) ۸٤ .

= نئی نسل کے نوجوان ھی آگے بڑھتے ھیں . کیوں کہ بڑے بوڑھوں کی ساری زندگیاں ظلم و فساد کی آب و ھوا میں بسر ھوچکتی ھیں اور محکومی کی حالت میں رھتے رھتے عافیت کوشی کے عادی ھو جاتے ھیں . البتہ نوجوانوں میں نیا دماغ ھوتا ھے. نیا خون ھوتا ھے، نئی امنگیں ھوتی ھیں. انھیں شدائد و محن کا خوف مرعوب نہیں کردیتا . وھی پہلے قدم اٹھاتے ھیں ، پھر تمام قوم ان کے پیچھے چلنے لگتی ھے .

مصر میں حضرت موسٰی کو ایسی ھی صورت پیش آئی . فرعون کے قہر و استبداد نے بنی اسرائیل کے بڑے بوڑھوں کی ھمتیں سلب کردی تھیں . وہ شکر گزار ھونے کی جگہ الٹی شکایتیں کرتے . لیکن نوجوانوں کا یہ حال نہ تھا . ان میں ایك گروہ نکل آیا جس نے حضرت موسٰی کے احکام کی تعمیل کی .

طریق کار) نہیں جانتے (اور اس لیے صبر نہیں کرسکتے) ۸۹ ۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَھُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَاۗءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۹۰

اور پھر ایسا ہوا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار اتار دیا ۔ یہ دیکھ کر فرعون اور اس کے لشکر نے پیچھا کیا ۔ مقصود یہ تھا کہ ظلم وشرارت کریں ۔ لیکن جب حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ فرعون سمندر میں غرق ہونے لگا تو اس وقت پکار اٹھا : میں یقین کرتا ہوں کہ اس ہستی کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان رکھتے ہیں اور میں بھی اسی کے فرماں برداروں میں ہوں ۹۰ ۔

آٰلْــٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۹۱

(ہم نے کہا :) ہاں ! اب تو ایمان لایا ، حالانکہ پہلے برابر نافرمانی کرتا رہا اور تو دنیا کے مفسد انسانوں میں سے ایک

وَ قَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّ اَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَ اشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝٨٨

اور موسٰی نے دعا مانگی: خدایا! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو اس دنیا کی زندگی میں زیب و زینت کی چیزیں اور مال و دولت کی شوکتیں بخشی ہیں تو خدایا! کیا یہ اس لیے ہے کہ تیری راہ سے یہ لوگوں کو بھٹکائیں؟ خدایا! ان کی دولت زائل کر دے اور ان کے دلوں پر مہر لگا دے کہ اس وقت تک یقین نہ کریں جب تک عذاب درد ناك اپنے سامنے نہ دیکھ لیں ۸۸۔

قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٨٩

اللہ نے فرمایا: میں نے تم دونوں کی دعا قبول کی تو اب تم (اپنی راہ میں) جم کر کھڑے ہو جاؤ اور ان لوگوں کی پیروی نہ کرو جو (میرا

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّ رَزَقْنٰهُمْ اور ہم نے بنی اسرائیل کو (اپنے وعدہ کے مطابق فلسطین

= اس وقت تک بے شمار نعشیں مصر میں نکل چکی ہیں اور دنیا کا کوئی عجائب خانہ نہیں جس کے حصے میں دو چار نعشیں نہ آئی ہوں. اس طرح کی نعشوں کے لیے ”ممی“ (Mummy) کا لفظ یونانیوں نے استعمال کیا تھا جو غالباً خود مصریوں ہی کی اصطلاح تھی .

آیت کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرمایا: تو اب موت سے تو نہیں بچ سکتا، لیکن تیرا جسم سمندر کی موجوں سے بچالیا جائے گا، تاکہ وہ حسب معمول ممی کر کے رکھا جائے اور آنے والی نسلوں کے لیے عبرت و تذکیر کا موجب ہو .

اگر مصریات (احجپٹیالوجیا Egypto logy) کے بعض علماء کی یہ تحقیق درست ہے کہ یہ فرعون ریمسیس ثانی (Rameses II) تھا تو اس کا بدن آج تک زائل نہیں ہوا ہے، کیونکہ اس کی ممی نکل آئی ہے اور قاہرہ کے دار الآثار میں صحیح و سالم موجود ہے .

اس سلسلہ میں متعدد امور بحث طلب ہیں جن کے لیے البیان کا انتظار کرنا چاہیے .

(بڑا ھی) مفسد تھا ۹۱ .

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ پس آج ھم ایسا کریں گے که
لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ط تیرے جسم کو (سمندر کی
وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ موجوں سے) بچالیں گے ، تاکه
۹ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ع ۹۲ ان لوگوں کے لیے جو تیرے
۱٤
بعد آنے والے ھیں ، (قدرت حق کی) ایك نشانی ھو . اور اکثر انسان ایسے ھیں جو ھماری نشانیوں کی طرف سے یك قلم غافل رھتے ھیں ۹۲ .

---

۹۲ – آیت ۹۲ کا مضمون بظاھر عجیب معلوم ھوتا ھے ، یعنی مشیت الٰہی کا یه فیصله که فرعون کے جسم کو غرق ھونے سے نجات دی جائے گی تاکه آنے والی قوموں کے لیے قدرت حق کی نشانی ھو ، اور اسی لیے قدیم مفسرین کو حل مطلب میں مشکلات پیش آئیں ، لیکن اگر دقت نظر سے کام لیا جائے تو مطلب بالکل واضح ھے .

قدیم مصریوں میں حنوط کا طریقه رائج تھا ، یعنی بادشاھوں اور امیروں کی نعشیں ایك خاص طرح کا مصالحه لگا کر ایك عرصے تك کے لیے محفوظ کردیتے تھے . چنانچه اٹھارویں صدی کے اوائل سے لے کر =

الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۙ ۹٤ | تمھارے زمانے سے پہلے کی کتابیں پڑھتے رھتے ھیں (یعنی اھل کتاب) کہ یقیناً یہ سچائی ھے جو تمھارے پروردگار کی طرف سے تم پر اتری ھے ۹٤ .

وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَتَكُونَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ ۹۵ | تو ھرگز ایسا نہ کرنا کہ شك کرنے والوں میں سے ھو جاؤ اور نہ ان لوگوں میں سے جنھوں نے اللہ کی نشانیاں جھٹلائیں اور نتیجہ یہ نکلا کہ نامراد ھوے ۹۵ .

إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ۙ ۹٦ | (اے پیغمبر!) جن لوگوں پر اللہ کا فرمان صادق آگیا ھے

۹٤ - قرآن کا اسلوب بیان یہ ھے کہ مومنوں سے خطاب مقصود ھوتا ھے ، لیکن مخاطب پیغمبر اسلام کو کرتا ھے ، مثلاً " یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء " (٦٥ : ١) . پس یہاں بھی آیت ۹٤ میں اگرچہ خطاب پیغمبر اسلام سے ھے ، مگر مقصود مومنوں کی وہ ابتدائی جماعت ھے جو آغاز دعوت کی بےچارگی و مظلومی میں ایمان لائی تھی .

مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ ۹۳

میں) بسنے کا بہت اچھا ٹھکانا دیا تھا اور پاکیزہ چیزوں سے ان کی روزی کا سامان کردیا تھا ۔ پھر جب کبھی انھوں نے (دین حق کے بارے میں) اختلاف کیا تو علم کی روشنی ضرور ان پر نمودار ہوگئی (یعنی ان میں یکے بعد دیگر نبی مبعوث ہوتے رہے ، لیکن پھر بھی وہ حقیقت پر متفق نہ ہوے) ۔ قیامت کے دن تمھارا پروردگار ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کردے گا جن میں باہم اختلاف کرتے رہے ہیں (یعنی انہیں معلوم ہوجائے گا کہ حقیقت حال کیا تھی) ۹۳ .

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ

اور اگر تمھیں اس بات میں کسی طرح کا شک ہو جو ہم نے تمھاری طرف بھیجی ہے تو ان لوگوں سے پوچھ لو جو

دے دی ۹۸ .

۹۸ – آیت ۹۸ میں حضرت یونس کے واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے . ان کا عبرانی نام ''یوناہ'' تھا جو عربی میں ''یونس'' ہوگیا . یہ بنی اسرائیل کے نبیوں میں سے ہیں اور عہد عتیق کے نوشتوں میں ایك نوشته ان کے نام سے بھی ہے . اس نوشته سے معلوم ہوتا ہے انھوں نے باشندگان نینوا کو خبر دی تھی که چالیس دن کے بعد شہر تباہ ہوجائے گا ، کیوں که تمہارا ظلم و فساد حد سے گزر گیا ہے . یه سن کر انھوں نے سرکشی نہیں کی ، بلکه بادشاہ سے لے کر گڈریے تك سب توبه و استغفار میں لگ گئے . نتیجه یه نکلا که چالیس دن کی مدت گزر گئی مگر موعودہ تباہی ظہور میں نه آئی .

فرمایا : موعودہ عذاب ان پر سے اس لیے ٹل گیا که بات مان لی اور سرکشی نہیں کی . اس کے بعد فرمایا : ایك خاص مدت تك انہیں مہلت دے دی گئی . چنانچه حضرت یوناہ کے بعد تقریباً سنه ۶۹۰ قبل مسیح میں ان کا ظلم و فساد پھر حد سے گزر گیا اور ایك اور اسرائیلی نبی ناحوم نامی نے انہیں پیش آنے والی تباہی کی خبر دی . اس انذار کے ستر برس بعد اہل بابل نے ان پر حمله کیا . ساتھ ہی دریائے دجله میں اس زور کا سیلاب آیا که نینوا =

(یعنی اس کا یہ قانون کہ جو آنکھیں بند کر لے گا اسے کچھ نظر نہیں آئے گا) وہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے ۹۶ .

وَلَوۡ جَآءَتۡهُمۡ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِيۡمَ ۝۹۷

اگر (دنیا جہاں کی) ساری نشانیاں بھی ان کے سامنے آجائیں جب بھی نہ مانیں ، یہاں تک کہ عذاب درد ناک اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں ۹۷ .

فَلَوۡلَا كَانَتۡ قَرۡيَةٌ اٰمَنَتۡ فَنَفَعَهَاۤ اِيۡمَانُهَاۤ اِلَّا قَوۡمَ يُوۡنُسَ ؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوۡا كَشَفۡنَا عَنۡهُمۡ عَذَابَ الۡخِزۡىِ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَمَتَّعۡنٰهُمۡ اِلٰى حِيۡنٍ ۝۹۸

پھر کیوں ایسا ہوا کہ قوم یونس کی بستی کے سوا اور کوئی بستی نہ نکلی کہ (نزول عذاب سے پہلے) یقین کر لیتی اور ایمان کی برکتوں سے فائدہ اٹھاتی؟ یونس کی قوم جب ایمان لے آئی تو ہم نے رسوائی کا وہ عذاب اس پر سے ٹال دیا جو دنیا کی زندگی میں پیش آنے والا تھا اور ایک خاص مدت تک سرو سامان زندگی سے بہرہ مند ہونے کی =

که اللہ نے ایسا نہیں چاہا. اس کی مشیت یہی ہوئی کہ طرح
طرح کی طبیعتیں اور طرح طرح کی استعدادیں ظہور میں
آئیں . پھر اگر لوگ نہیں مانتے تو) کیا تو ان پر جبر کرے گا
کہ جب تک ایمان نہ لاؤ (میں چھوڑنے والا نہیں) ؟ ۹۹

۹۹ - قرآن نے جا بجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ انسانی طبیعت و استعداد کا اختلاف فطری ہے اور خدا کی مشیت یہی ہوئی کہ یہ اختلاف ظہور میں آئے. اگر وہ چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی طرح کی طبیعت، ایک ہی طرح کی استعداد، ایک ہی طرح کی فکری و عملی حالت پر مجبور کر دیتا، مگر اس نے ایسا نہیں چاہا. اس کی حکمت کا یہی فیصلہ ہوا کہ انسان میں ہر طرح کی حالت پیدا کرنے کی استعداد ہو اور ہر طرح کی راہ اس کے آگے کھول دی جائے. وہ اگر اونچا ہونا چاہے تو زیادہ سے زیادہ اونچا ہو سکے. پست ہونا چاہے تو زیادہ سے زیادہ پستی میں گر سکے. اسی تنوع استعداد کا نتیجہ ہے کہ فکر و عمل کے ہر گوشے میں مختلف حالتیں پیدا ہو گئیں. ایک فرد و جماعت کا ذوق ایک طرح کا ہوا، دوسرے کا دوسری طرح کا. ایک کی سمجھ ایک طرف گئی، دوسرے کی دوسری طرف. ایک نے ایک راہ پسند کی کہ حق ہے، دوسرے نے اس سے انکار=

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا ط اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۝ ٩٩

اور (اے پیغمبر!) اگر تیرا پروردگار چاھتا تو حتنے آدمی روے زمین پر ھیں سب کے سب ایمان لے آتے (اور دنیا میں اعتقاد و عمل کا اختلاف باقی ھی نہ رھتا، لیکن تو دیکھ رھا ھے

= کی مشہور عالم چار دیواری جابجا سے گر گئی اور حملہ آوروں کے لیے کوئی روك باقی نہ رھی. چنانچہ آشوری تمدن کا یہ مرکز اس طرح نابود ھوا کہ سنہ ٢٠٠ قبل مسیح میں اس کا جاے وقوع بھی لوگوں کو معلوم نہ تھا جیسا کہ اس عہد کے ایك یونانی مؤرخ نے تصریح کی ھے.

آیت کا مطلب یہ ھے کہ اگر اھل مکہ انکار و سرکشی کر رھے ھیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ھے. تمہیں غور کرنا چاھیے کہ کتنے ھی رسول عرب کے قرب و جوار میں آئے، لیکن قوم یونس کے سوا کوئی قوم نہ نکلی جس نے داعی حق کی بات فوراً مان لی ھو اور عذاب اس پر سے ٹل گیا ھو. پھر اگر اکثر حالتوں میں ایسا ھی ھوا ھے تو موجودہ حالت پر تعجب و مایوسی کیوں ھو؟

وَ مَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ یَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

اور (یاد رکھو!) کسی جان کے اختیار میں نہیں ہے کہ (کسی بات پر) یقین لے آئے مگر یہ کہ اللہ کے حکم سے (یعنی اللہ نے اس بارے میں جو قانون طبیعت بنادیا ہے اس کے اندر رہ کر کہ اس سے باہر کوئی نہیں جاسکتا) اور (اس کا قانون ہے کہ) وہ ان لوگوں کو (محرومی و شقاوت کی) گندگی میں چھوڑ دیتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے ۱۰۰ .

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ مَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَ النُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

(اے پیغمبر!) تم ان لوگوں سے کہو: جو کچھ آسمان میں (تمہارے اوپر) ہے اور جو کچھ زمین میں (تمہارے چاروں طرف) ہے، ان سب پر نظر ڈالو (اور دیکھو وہ زبان حال

= نا کردنی بات کی طرح کیا گیا ہے. سورۂ بقرہ کی آیت ۲۵۶ اس بارے میں قرآن کا مقررہ قانون ہے کہ " لا اکراہ فی الدین ".

= کیا کہ حق نہیں ۔ اور پھر اسی اختلاف فکر و عمل نے
ھدایت و سعادت اور ضلالت و شقاوت کی وہ کش مکش
پیدا کر دی جسے قرآن '' آزمایش حیات '' سے تعبیر کرتا
ھے کہ '' لیبلوکم ایکم احسن عملا '' (۶۷ : ۲) وہ تمہیں
کش مکش حیات کی آزمایش میں ڈالتا ھے تاکہ کھل
جائے تم میں کون ھے جس کے اعمال سب سے زیادہ بہتر
ہوتے ھیں ، کیوں کہ اس کش مکش میں کام یاب وھی
ہوگا جو اپنے عمل میں احسن و انفع ہوگا ۔

یہاں آیت ۹۹ میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ
کیا ھے اور غور کرو کتنے مختصر لفظوں میں کتنی
عظیم الشان بات کہہ دی ھے : فرمایا ! فکر و استعداد کا
اختلاف یہاں ناگزیر ھے اور ایمان کوئی ایسی چیز نہیں
کہ زور و زبردستی سے کسی کے اندر ٹھونس دی جائے ۔
یہ تو اسی کے اندر پیدا ہوگا جس میں فہم و قبول کی
استعداد ھے ۔ پھر اگر تم پر یہ بات شاق گزر رھی ھے
کہ کیوں لوگ مان نہیں لیتے تو کیا تم لوگوں پر جبر
کروگے کہ نہیں ، تمہیں ضرور مان ھی لینا چاھیے ۔

اس آیت سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ قرآن
کے نزدیک دین و ایمان کا معاملہ ایک ایسا معاملہ ھے جس
میں جبر و اکراہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ، کیوں کہ
جبر و اکراہ کی صورت کا ذکر ایک ان ہونی اور =

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۚ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۙ ۱۰۴

(اے پیغمبر!) تم کہہ دو: اے لوگو! اگر تم میرے دین کے بارے میں کسی طرح کے شبہ میں ہو تو میں بتلا دیتا ہوں کہ میرا طریقہ کیا ہے. تم اللہ کے سوا جن ہستیوں کی بندگی کرتے ہو میں ان کی بندگی نہیں کرتا. میں تو اللہ کی بندگی کرتا ہوں جس کے قبضے میں تمہاری زندگی ہے اور جس کے حکم سے تم پر موت طاری ہوتی ہے اور مجھے اسی کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ مؤمنوں کے زمرے میں رہوں ۱۰۴.

۱۰۴ - آیت ۱۰۴ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے میری دعوتِ دین کی حقیقت ٹھیک ٹھیک نہیں سمجھی ہے اور اس وہم میں مبتلا ہو کہ شاید تمہارے مطلب کی باتیں بھی تھوڑی بہت مان لوں تو یہ وہم اپنے دماغ سے نکال دو. میرا اعلان صاف صاف یہ ہے کہ میں تمہارے گھڑے ہوئے معبودوں کو نہیں مانتا. صرف پروردگار عالم کی عبادت کرتا اور اسی کی طرف سے دعوت دیسے پر=

سے کس حقیقت کی شہادت دے رہے ہیں؟) . لیکن جو لوگ
یقین نہیں رکھتے ان کے لیے نہ تو (قدرت کی) نشانیاں ہی
کچھ سود مند ہیں، نہ (ہوشیار کرنے والوں کی) تنبیہیں ۱۰۱ .

فَهَلْ يَنْتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ پھر اگر یہ لوگ منتظر ہیں
أَيَّامِ الَّذِينَ خَلَوْا مِن تو ان کا انتظار اس بات کے
قَبْلِهِمْ ۚ قُلْ فَانْتَظِرُوا سوا اور کس بات کے لیے
إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنْتَظِرِينَ ۱۰۲ ہوسکتا ہے کہ جیسے کچھ
(عذاب کے) دن ان سے پہلے لوگوں پر گزر چکے ہیں ویسے ہی
ان پر بھی آموجود ہوں . تو تم کہہ دو: اچھا! انتظار کرو، میں
بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں ۱۰۲ .

ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ پھر (جب عذاب کی گھڑی
آمَنُوا كَذَٰلِكَ ۚ حَقًّا آجاتی ہے تو ہمارا قانون ہے کہ)
عَلَيْنَا نُنجِ الْمُؤْمِنِينَ ۱۰۳ اپنے رسولوں کو اور مؤمنوں ۱۰ ع ۱۵
کو اس سے بچالیتے ہیں . اسی طرح ہم نے اپنے اوپر ضروری
ٹھیرا لیا ہے کہ مؤمنوں کو بچالیا کریں ۱۰۳ .

فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ
وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ
لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ
يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ
الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝١٠٧

کوئی دکھ پہنچے تو جان لے کہ اسے دور کرنے والا کوئی نہیں مگر اسی کی دات . اگر وہ تجھے کسی طرح کی خوبی بخشنی چاہے تو جان لے کہ کوئی نہیں جو اس کا فضل روک سکے . وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنا فضل کردے . وہ بخشنے والا ، رحمت والا ہے ۱۰۷ .

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ
جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ
فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا
يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ
ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ
وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝١٠٨

(اے پیغمبر !) ان لوگوں سے کہدو کہ : اے لوگو ! تمہارے پروردگار کی طرف سے سچائی تمہارے پاس آگئی ہے . پس جو ہدایت کی راہ اختیار کرے گا تو اپنے ہی بھلے کے لیے کرے گا . اور جو بھٹکے گا تو اس کی گمراہی اسی کے

وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ	اور نیز مجھے کہا گیا ہے کہ
حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ	ہر طرف سے ہٹ کر اپنا رخ
مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۰۵	اللہ کے دین کی طرف کر لے

اور ایسا ہرگز نہ کیجیو کہ شرک کرنے والوں میں سے ہو جائے۱۰۵ .

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اور (مجھے حکم دیا گیا ہے کہ) اللہ
مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ	کے سوا کسی کو نہ پکار .
فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا	اس کے سوا جو کوئی ہے وہ
مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰۶	نہ تو فائدہ پہنچا سکتا ہے ، نہ

نقصان. اگر تو نے ایسا کیا تو پھر یقیناً تو بھی ظلم کرنے والوں میں گنا جائے گا۱۰۶ .

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ	اور اگر اللہ کے حکم سے تجھے

= مامور ہوں . اب اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد جو کچھ تمھارے حق میں آئے کرو . میری راہ میرے لیے ہے ، تمھاری تمھارے لیے اور فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے .

= کرو گے . ہر شخص اپنے نفس کا مختار ہے . چاہے بھلائی کی راہ چلے اور بھلائی کمائے . چاہے برائی کی چال چلےاور برائی کمائے. اگر کوئی بھلائی کی راہ چلے گا تو کسی دوسرے کو کچھ نہیں دے دے گا کہ وہ اس کے پیچھے پڑجائے. اگر برائی کی چال چلے گا تو کسی دوسرے کا نقصان نہیں کردے گا کہ وہ اس سے بگڑنے لگے . اپنی اپنی راہ ہے اور اپنی اپنی کمائی : ''و من عمل صالحا فلنفسه و من اساء فعلیها و ما ربك بظلام للعبید'' (۴۱ : ۴۶) .

توتیر , توکیل

ساتھ ھی واضح کر دیا کہ داعی حق کی حیثیت کیا ھے : ''و ما انا علیکم بوکیل'' میں داعی اور مذکر ھوں ، کچھ تم پر وکیل نہیں بنادیا گیا ھوں . یعنی میرا کام یہ ھے کہ نصیحت کی باتیں سمجھا دوں . یہ نہیں کہ نگہبان بن کر تم پر مسلط ھوجاؤں اور سمجھوں مجھے تمہاری ھدایت کی ٹھیکے داری مل گئی ھے. دوسری جگہ پیغمبر اسلام کو مخاطب کرتے ھوے یہی مطلب یوں ادا کیا ھے کہ ''و ما انت علیهم بجبار'' (۵۰ : ۴۵) تو ان لوگوں پر ایك حاکم جابر کی طرح مسلط نہیں ھے کہ جبراً و قہراً بات منوا دے. نیز فرمایا : ''لست علیهم بمصیطر'' (۸۸ : ۲۲) تجھے ان لوگوں پر داروغه بنا کر نہیں بٹھا دیا =

آ کے آئے گی. میں تم پر نگھبان نہیں ہوں (کہ زبردستی کسی راہ میں کھینچ لے جاؤں اور پھر اس سے نکلنے نہ دوں) ۱۰۸ .

وَ اتَّبِعْ مَا يُوْحٰى اِلَيْكَ (اے پیغمبر!) جو کچھ تم پر وحی

وَ اصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ کی جاتی ہے اس پر چلتے رہو

۱۱ ع ۱۶ وَ هُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۱۰۹ع اور اپنی راہ میں جمے رہو

یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے اور وہ فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے ۱۰۹ .

۱۰۸- قرآن حکیم میں تم جا بجا اس طرح کا اعلان پاؤ گے جیسا کہ آیت ۱۰۸ میں ہے . اس نے پچھلے نبیوں کے جو مواعظ نقل کیے ہیں ان میں ہر جگہ ایسی ہی بات پائی جاتی ہے . یعنی مذہبی صداقت کی دعوت کا معاملہ سر تا سر سمجھنے بوجھنے اور سمجھ بوجھ کر اختیار کر لینے کا معاملہ ہے. اس میں نہ تو کسی طرح کی زبردستی ہے نہ کسی طرح کا لڑائی جھگڑا. تمھاری بھلائی کے لیے ایک بات کہی گئی ہے . اگر سمجھ میں آجائے تو مان لو، نہ آئے تو نہ مانو . تمھاری راہ تمھارے لیے، ہماری راہ ہمارے لیے. اگر مان لوگے تو اپنا ہی بھلا کرو گے ، نہ مانو گے تو اپنا ہی نقصان =

= چلو، ہمیں اپنی راہ چلنے دو اور دیکھو نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ لیکن ان کے منکر کہتے تھے کہ نہیں، نہ تو ہم تمہاری بات مانیں گے، نہ تمہیں تمہاری راہ چلنے دیں گے۔ سورۂ اعراف کی آیت ۸۸ میں حضرت شعیب کی سرگذشت گزر چکی ہے۔ جب ان کی قوم کے سرکشوں نے کہا "اگر تم اور تمہارے ساتھی ہماری ملت میں پھر لوٹ نہ آئے تو ہم ضرور تمہیں اپنی بستی سے جلا وطن کر دیں گے" تو انہوں نے جواب میں کہا: "اولو کنا کٰرھین" اگر تمہارے مذہب پر ہمارا دل مطمئن نہ ہو تو کیا جبراً اسے مان لیں؟

اسلام اور اس کے منکروں میں جو نزاع شروع ہوئی وہ بھی تمام تر یہی تھی۔ قرآن کہتا تھا: میری راہ تبلیغ و تذکیر کی ہے۔ مخالف کہتے تھے: ہماری راہ جبر و تشدد کی ہے۔ قرآن کہتا تھا: اگر میری بات سمجھ میں آئے تو مان لو، نہ سمجھ میں آئے تو ماننے والوں کو ان کی راہ چلنے دو۔ وہ کہتے تھے: ہماری بات تمہاری سمجھ میں آئے یا نہ آئے تمہیں ماننی ہی چاہیے۔ نہیں مانو گے تو جبراً منوائیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے اس آیت میں اور اس کی ہم معنی آیات میں جو بات کہہ دی ہے اگر دنیا اسے سمجھ لیتی =

= ہے کہ مانیں یا نہ مانیں لیکن تو انہیں راہ حق پر چلا لینے کا ذمہ دار ہو .

نیز جا بجا مختلف پیرایوں میں یہ حقیقت واضح کردی ہے کہ پیغمبر کا مقام اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ سچائی کی پکار بلند کرنے والا ہے، پیام حق پہنچادینے والا ہے، نصیحت کی بات سمجھا دینے والا ہے، ایمان و عمل کے نتائج کی خوش خبری دیتا اور انکار و بد عملی کے نتائج سے خبر دار کردیتا ہے . اس سے زیادہ اس کے سر کوئی دمہ داری نہیں .

غور کرو! اس سے زیادہ صاف، بے لاگ اور امن و سلامتی کی کوئی راہ ہو سکتی ہے؟ اگر دنیا نے دعوت حق کی یہ روح سمجھ لی ہوتی تو کیا ممکن تھا کہ کوئی انسان دوسرے انسان سے محض اختلاف اعتقاد و عمل کی بنا پر لڑتا؟ لیکن مصیبت یہ ہے کہ انسان کے ظلم و سرکشی نے کبھی اس حقیقت کا اعتراف نہیں کیا اور یہی بات ساری نزاعوں کی بنیاد بن گئی . قرآن نے پچھلی دعوتوں کی جس قدر سرگذشتیں بیان کی ہیں انہیں جابجا پڑھو . ہر جگہ دیکھو گے کہ سارا نزاع یہی تھی . خدا کے رسولوں کا ہمیشہ اعلان یہی ہوا کہ ہم نصیحت کرنے والے ہیں، ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے . اگر نہیں مانتے تو تم اپنی راہ=

= حدود هی کا ہے اور ہر جگہ انسان نے اسی میں ٹھوکر کھائی ہے، یعنی ہر بات کی جو حد ہے اس کے اندر نہیں رہنا چاہتا۔ دو حق ہیں اور دونوں کو اپنی اپنی حدوں کے اندر رہنا چاہیے۔ ایک حق تذکیر و تبلیغ کا ہے، ایک پسند و قبولیت کا۔ ہر انسان کو اس کا حق ہے کہ جس بات کو درست سمجھتا ہے اسے دوسروں کو بھی سمجھائے، لیکن اس کا حق نہیں ہے کہ دوسروں کے حق سے انکار کر دے، یعنی یہ بات بھلا دے کہ جس طرح اسے ایک بات کے ماننے نہ ماننے کا حق ہے ویسا ہی دوسرے کو بھی ماننے نہ ماننے کا حق ہے اور ایک فرد دوسرے کے لیے ذمہ دار نہیں۔

ہم نے یہاں جس بات کو "حق" سے تعبیر کیا ہے قرآن اسے ہر انسان کا "فرض" قرار دیتا ہے۔ یعنی وہ کہتا ہے: جس بات کو تم سچ سمجھتے ہو تمہارا فرض ہے کہ اسے دوسروں تک بھی پہنچاؤ۔ اگر اس میں کوتاہی کروگے تو خدا کے آگے جواب دہ ہوگے۔ لیکن ساتھ ہی یاد رکھو کہ فرض تذکیر و تبلیغ کا ہے، توکیل و اجبار کا نہیں ہے اور جواب دہی اس میں ہے کہ تم نے تبلیغ کی یا نہیں کی، اس میں نہیں ہے کہ دوسروں نے مانا یا نہیں مانا۔ سورۂ اعراف کی آیت ۱۶۴ میں پڑھ چکے ہو کہ =

= تو نوع انسانی کی وہ تمام خون ریزیاں جو فکر و عمل کے اختلاف سے پیدا ہوئیں یک قلم ختم ہو جاتیں اور آج کل بھی حس قدر جھگڑے ہو رہے ہیں وہ سب حتم ہو جائیں ۔ عور کرو! سارے جھگڑوں کی اصلی بناء کیا ہے؟ یہی ہے کہ لوگ "تذکیر" اور "توکیل" میں فرق نہیں کرتے اور قرآن کہتا ہے: دونوں میں فرق کرو ۔ تذکیر کی راہ یہ ہوئی کہ جو بات ٹھیک سمجھتے ہو اس کی دوسروں کو بھی ترغیب دو، مگر صرف ترعیب دو، اس سے آگے نہ بڑھو ۔ یعنی یہ بات نہ بھول حاؤ کہ پسند کرنے نہ کرنے کا حق دوسروں کو ہے، تم اس کے لیے دمہ دار نہیں ہو ۔ "توکیل" یہ ہوئی کہ ڈنڈا لے کر کھڑے ہو حاؤ اور جو کوئی تم سے متفق نہ ہو اس کے پیچھے پڑ جاؤ ۔ گویا خدا نے تمھیں لوگوں کی هدایت و گم راهی کا ٹھیکے دار سادیا ہے ۔ حب قرآن صاف صاف کہتا ہے کہ خدا کے رسولوں کا منصب بھی تذکیر و تبلیغ کے اندر محدود تھا، حالانکہ وہ الله کی طرف سے مامور تھے تو پھر طاهر ہے کسی دوسرے انسان کے لیے وہ کب گوارا کر سکتا ہے کہ وکیل، مصیطر اور حبار بن جائے ۔

دراصل اعمال انسانی کے تمام گوشوں میں اصلی سوال=

= میں بھی دنیا نے بہت دیر لگائی اور تاریخ کو بارہ صدیوں تک اس بات کا انتظار کرنا پڑا کہ ایک انسان دوسرے انسان کو محض اختلاف عقائد کی بناء پر ذبح نہ کرے اور اتنی بات سمجھ لے کہ "تذکیر" اور "توکیل" میں فرق ہے. اب ڈیڑھ سو برس سے یہ بات دنیا کے عقلی مسلمات میں سے سمجھی جاتی ہے. لیکن اسے معلوم نہیں کہ اس کے اعلان کی تاریخ امریکہ اور فرانس کے اعلان حقوق انسانی سے شروع نہیں ہوئی ہے، اس سے بارہ سو برس پہلے شروع ہو چکی تھی.

افسوس ہے کہ خود مسلمانوں نے بھی قرآن کی یہ تعلیم پس پشت ڈال دی. اگر انہوں نے یہ بات نہ بھلائی ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ مختلف مذہبی فرقہ بندیاں پیدا ہوتیں اور ہر فرقہ دوسرے فرقے سے محض اختلاف عقائد کی بنا پر دست و گریباں ہو جاتا.

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اس سورت کے بعض مقامات کی ضروری تشریحات رہ گئی ہیں، وہ یہاں درج کر دی جاتی ہیں:

کائنات کا چھ ایام میں پیدا ہونا

(۱) آیت ۳ میں فرمایا: تمہارا پروردگار وہی ہے جس نے آسمان و زمین چھ "ایام" میں بنائے. یہی بات سورۂ اعراف کی آیت ۵۴ میں گزر چکی ہے اور اس کے =

= جو لوگ اصحاب سبت کو نصیحت کرتے تھے انہوں نے کہا تھا: "معذرة الی ربکم ولعلهم یتقون" ہم جانتے ہیں کہ ان لوگوں کی سرکشی حد سے گزر چکی ہے، لیکن یہ جاننے پر بھی نصیحت کیے جاتے ہیں تاکہ خدا کے سامنے کہہ سکیں "ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا تھا" اور اس خیال سے بھی کہ کون جانتا ہے، شاید باز آجائیں۔

غور کرو! قرآن نے کس درجہ صحت و عدالت کے ساتھ معاملے کے دونوں پہلوؤں کی حفاظت کی ہے اور پھر ان کی حد بندیوں کا خط کھینچ دیا ہے! اس نے ایک طرف تذکیر و دعوت پر زور دیا تاکہ حق کی طلب و قیام کی روح افسردہ نہ ہو، دوسری طرف انسان کی شخصی آزادی بھی محفوظ کر دی کہ جبر و تشدد بے جا مداخلت نہ کر سکے۔ حد بندی کا یہی خط ہے جو یہاں صحت و اعتدال کی حالت قائم رکھتا ہے۔ اسے اپنی جگہ سے ادھر ادھر کر دو، دونوں میں سے کوئی بات ضرور غلط ہو جائے گی۔ اگر دعوت و تذکیر کا قدم آگے بڑھے گا اعتقاد و فکر کی شخصی آزادی باقی نہیں رہے گی۔ اگر شخصی آزادی کے مطالبے میں بڑھ جاؤ گے حق و عدالت کے طلب و قیام کا نظم مختل ہو جائے گا۔

قرآن کی بہت سی باتوں کی طرح اس بات کے سمجھنے =

= ائنکم لتکفرون بالـذی خلق الارض فی یومین و تجعلون له اندادا ؕ ذلك رب العٰلمین " (۴۱ : ۹) ۔

۶ ـ زمین کی سطح کی درستگی اور پہاڑوں کی نمود اور قوت نشو و نما کی تکمیل بھی دو دوروں میں ہوئی اور اس طرح یہ چار دور ہوئے: " وجعل فیها رواسی من فوقها و برٰك فیهـا و قدر فیها اقواتها فی اربعة ایام ؕ سواء للسائلین " (۴۱ : ۱۰) ۔

۷ ـ تمام اجسام حیه (یعنی نباتات و حیـوانـات) کی پیدایش پانی سے ہوئی: " و جعلنا من الماء کل شیء حیّ " (۲۱ : ۳۰) ۔

۸ ـ انسان کے وجود پر بھی یکے بعد دیگرے مختلف حالتیں گزری هیں: " و قد خلقکم اطوارا " (۷۱ : ۱۴) ۔

ان تمام اشارات کا ما حصل بظاهر یه معلوم هوتا هے که ابتداء مـیں مادۂ دخانی تها ، پهر اس میں انقسام هوا ، یعنی بہت سے ٹکڑے هو گئے ۔ پهر هر ٹکڑے نے ایك کرہ کی شکل اختیار کرلی اور اسی کے ایك ٹکڑے سے زمین بنی ۔ پهر زمین میں کوئی ایسی تبدیلی واقع هوئی که دخانیت نے مائیت کی شکل اختیار کرلی ، یعنی پانی پیدا هو گیا ۔ پهر خشکی کے قطعات درست هوے ، پهر پہاڑوں کے سلسلے نمایاں هوے ، پهر زندگی کا نمو شروع هوا =

= نوٹ میں چھ ''ایام'' کا مطلب واضح کردیا گیا ھے .
یہاں ھم چاھتے ھیں وہ تمام اشارات جمع کردیں جو آسمان و زمین کی ابتدائی پیدایش کے بارے میں جا بجا کیے گئے ھیں .

۱ - آسمان و زمین کی پیدایش ایك ایسے مادہ سے ھوئی جسے قرآن ''دخان'' کے لفظ سے تعبیر کرتا ھے : '' ثم استوی الی السماء و ھی دخان '' (۴۱ : ۱۱). ''دخان'' کے معنیٰ دھویں کے ھیں یا ایسی بھاپ کے جو اوپر چڑھی ھوئی ھو .

۲ - یہ مادۂ دخانیہ ابتداء میں ملا ھوا تھا ، الگ الگ نہ تھا ، پھر اس کے مختلف حصے ایك دوسرے سے جدا کر دیے گئے اور ان سے اجرام سماویہ کی پیدایش ظہور میں آئی : '' ان السمٰوٰت و الارض کانتا رتقا ففتقنٰھما '' (۲۱ : ۳۰) .

۳ - یہ تمام کائنات بیك دفعہ ظہور میں نہیں آ گئی ، بلکہ تخلیق کے مختلف دور یکے بعد دیگرے طاری ھوئے . یہ دور چھ تھے جیسا کہ آیت زیر بحث میں ھے .

۴ - سات ستاروں کی تکمیل دو دوروں میں ھوئی : فقضٰھن سبع سمٰوٰت فی یومین'' (۴۱ : ۱۲) .

۵ - زمین کی پیدایش دو دوروں میں ھوئی : ''قل =

= یاد رہے کہ پیدایش عالم کے بارے میں مفسرین نے بہت سی روایات نقل کردی ہیں جن کی صحت ثابت نہیں اور جو تمام تر یہودیوں کے قصص و روایات سے ماخوذ ہیں۔ صحیح مسلم کی حدیث ''خلق اللہ التربة یوم السبت'' الخ (۳۸) کی نسبت بھی محققین نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ اس کا رفع مشکوک ہے اور غالباً کعب احبار سے مروی ہے۔ حافظ ابن کثیر نے تفسیر میں اقوال جمع کردیے ہیں۔

منازل قمر

(ب) آیت ۵ میں فرمایا: ''وقدرہ منازل''، یعنی چاند کے لیے یکے بعد دیگرے وارد ہونے کی منزلیں اندازہ کرکے ٹھیرادیں۔ سورۂ یٰس کی آیت ۳۹ میں بھی ان منزلوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ''والقمر قدرنٰہ منازل حتی عاد کالعرجون القدیم''۔ پس مختصراً ان منازل کا مطلب سمجھ لینا چاہیے:

چاند زمین کے گرد گردش میں رہتا ہے اور اپنی گردش کے فلک کو ۲۷ دن، ۷ گھنٹوں اور ۴۳ منٹوں میں قطع کرلیتا ہے۔ اس دور کو علماء ہیئت چاند کے نجومی دور سے یا نجومی مہینے سے تعبیر کرتے ہیں، کیونکہ اس دور کے ختم ہونے پر چاند پھر اسی ستارہ کے قریب دکھائی دیتا ہے جس کے پاس سے اس کی گردش شروع ہوئی تھی۔ نیز اپنی گردش کی ہر رات میں وہ کسی=

= اور نباتات ظہور میں آ گئیں .

موجودہ زمانے میں احرام سماویہ کی ابتدائی تخلیق اور کرۂ ارضی کی ابتدائی نشو و نما کے جو نظریے تسلیم کرلیے گئے ہیں یہ اشارات بظاہر ان کی تائید کرتے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو ان بنیادوں پر شرح و تفصیل کی بڑی بڑی عمارتیں اٹھا سکتے ہیں . لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا کرنا صحیح نہ ہوگا . یہ نظریے کتنے ہی مستند تسلیم کرلیے گئے ہوں ، لیکن پھر نظریے ہیں اور نظریات جزم و یقین کے ساتھ حقیقت کا فیصلہ نہیں کرسکتے . پھر اس سے کیا فائدہ کہ ان کی روشنی میں قرآن کے مجمل اور محتمل اشارات کی تفسیر کی جائے . فرض کرو آج ہم نے دخان اور دخان کے انقسام کا مطلب اسی روشنی میں آراستہ کردیا جو وقت کے نظریوں میں تسلیم کیا جاتا ہے ، لیکن کل کو کیا کریں گے اگر ان نظریوں کی جگہ دوسرے نظریے پیدا ہو گئے ؟ صاف بات یہی ہے کہ یہ معاملہ عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے جس کی حقیقت ہم اپنے علم و ادراک کے ذریعہ معلوم نہیں کرسکتے اور قرآن کا مقصود ان اشارات سے تخلیق عالم کی شرح و تحقیق نہیں ہے ، خدا کی قدرت وحکمت کی طرف انسان کو توجہ دلانا ہے . =

= اسے ایك دن ٹھیرا لینا چاهیے. پھر اس نے چاند کو دیکھا اور فوراً معلوم کرلیا که اس کے طلوع وغروب کا بھی ایك خاص اندازہ مقرر ھے. وہ ایك خاص زمانے تك دکھائی دیتا ھے، پھر غائب ھو جاتا ھے اور پھر نمایاں ھو کر بڑھنے گھٹنے لگتا ھے. پس اوقات شماری کا دوسرا اندازہ بھی اسے معلوم ھوگیا اور اس نے چاند کے چھپنے اور نکلنے کی مدت کو مہینا ٹھیرا دیا. یہی مطالعه جب آگے بڑھا تو معلوم ھوا ھر رات چاند آسمان کے کسی نہ کسی ستارے کے پاس دکھائی دیتا ھے اور یه نظارہ ایسا ھے جس میں کبھی فرق نہیں پڑتا. پس ان ستاروں سے اس کی روزانه منزلیں بن گئیں اور ھر منزل کے لیے کسی خاص مناسبت سے ایك نام تجویز کردیا گیا.

معلوم ھوتا ھے مطالعه اور ضرورت کی یکساں حالت نے مختلف قوموں کو اس نتیجے تك پہنچا دیا تھا. چنانچه هندوستان میں ان منازل کے لیے نچھتر کا لفظ اختیار کیا گیا اور ستائیس نچھتر قرار دیے گئے جو ”اسونی“ سے شروع ھوتے اور ”ریوتی“ پر ختم ھوتے ھیں. چینیوں نے بھی اٹھائیس منزلیں بنائی تھیں اور اسے ”سیو“ (٣٩) کہتے تھے. بابل واشور کے باشندوں نے شاید سب سے پہلے اس کا سراغ لگایا اور مجوسیوں =

= نه کسی ستارے یا ستاروں کے مجموعے کے پاس ضرور پہنچ جاتا ھے اور وہ گویا اس کی گردش کے لیے ہر روز کی ایك منزل بن گیا ھے. وہ ہمیشه ایك خاص منزل سے سفر شروع کرتا ھے، ہر روز کی مقررہ منزل میں نمایاں ہوتا ھے اور پھر وھیں پہنچ جاتا ھے جہاں سے زمین کا طواف شروع کیا تھا.

اس طرح ۲۷ دن اور ۷ گھنٹے کی مدت نے ۲۸ منزلیں بنا دیں. جب ھم ۳۶۰ درجوں کو (جو کامل دور کی مقررہ مقدار ھے) ۲۸ راتوں پر تقسیم کرتے ھیں تو معلوم ھوتا ھے کہ چاند ھر روز تقریباً ۱۳ درجے مسافت اپنے فلك کی طے کرلیا کرتا ھے. "تقریباً" اس لیے کہا گیا کہ حساب میں کچھ دقیقے زیادہ ھوتے ھیں.

انساں کی نگاہ کے لیے آسمان کی کوئی چیز بھی اس درجہ نمایاں اور پرکشش نہیں جس قدر سورج اور چاند کا طلوع و غروب ھے، کیوں کہ انہیں دو ستاروں نے بغیر کسی کاوش اور پیچیدگی کے اسے اوقات شماری کا راز بتلا دیا. اس نے دیکھا کہ سورج نکلتا ھے اور پھر گھٹتے گھٹتے چھپ جاتا ھے. پس اسے یه اندازہ مقرر کر لینے میں ذرا بھی دیر نہیں لگی کہ یه ایك معین وقت ھے جس میں کبھی خلل واقع نہیں ھوسکتا اور=

= اس کے بعد بھی ایک زندگی ہے اور اس زندگی میں جیسے
کچھ اعمال ہوں گے ویسے ہی نتائج دوسری زندگی میں
پیش آئیں گے۔ قرآن میں ایمان باللہ کا ایک بنیادی عقیدہ
یہی مسئلہ ہے، البتہ اس نے جو تعبیر اختیار کی ہے وہ
پیروان مذاہب کے عام تصور سے مختلف ہے۔ وہ اس
گوشے کو کائنات ہستی کے عالم گیر قوانین خلقت سے
الگ نہیں قرار دیتا، بلکہ اسی کے ماتحت لاتا ہے۔ وہ
کہتا ہے: جس طرح دنیا میں ہر چیز کے خواص اور ہر
حادثے کے نتائج ہیں ٹھیک اسی طرح انسانی اعمال کے بھی
خواص و نتائج ہیں اور یہاں مادیت کی طرح معنویات
کے قوانین بھی کام کر رہے ہیں۔ پس اچھے عمل کا نتیجہ
اچھائی ہوگا، برے عمل کا نتیجہ برائی۔ (اس مقام کی تفصیل
تفسیر سورۂ فاتحہ کے مبحث "الدین" میں گزر چکی ہے)۔
یہ اچھے برے نتائج کس شکل میں پیش آئیں گے؟
قرآن کہتا ہے: نیک عمل انسان اصحاب جنت ہیں۔ ان
کے لیے بہشتی زندگی کی خوش حالیاں ہوں گی اور لقاء الٰہی
کی دائمی نعمت۔ بد عمل انسان اصحاب دوزخ ہیں۔ ان
کے لیے دوزخی زندگی کی بد حالیاں ہوں گی اور نعمت
اخروی سے محرومی۔ پھر دونوں طرح کی زندگیوں
کے احوال و واردات ہیں جنہیں جا بجا مختلف اسلوبوں =

= کی ایک مذھبی کتاب سے معلوم ھوتا ھے کہ ایرانی بھی اس سے بے خبر نہ تھے (۴۰) .

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عرب جاھلیت نے مجاور قوموں سے یہ حساب معلوم کیا یا بطور خود اس نتیجے تک پہنچے تھے ، لیکن یہ قاعدہ ان میں رائج ضرور تھا اور اسے چاند کی منزلوں سے تعبیر کرتے تھے . حکماء اسلام نے ان منزلوں کو بطلیموس (Ptolemy) کے نقشۂ مندرجۂ مجسطی (Almagest) سے تطبیق دی تھی (۴۱) اور علماء یورپ نے زمانۂ حال کے اسماء و علائم سے تطبیق دی ھے . ان منزلوں کے عربی نام حسب ذیل ھیں : الشرطان ، البطین، الثریا ، الدبران ، الھقعة ، الھنعة ، الذراع ، النثرة ، الطرف ، الجبھة ، الزبرة ، الصرفة ، العواء ، السماك الأعزل ، الغفر ، الزبانی ، الإکلیل ، القلب ، الشولة ، النعائم ، البلدة ، سعد الذابح ، سعد بلع ، سعد السعود ، سعد الاخبیة ، الفرغ الأول ، الفرغ الثانی ، بطن الحوت .

"الفرغ الأول" اور "الثانی" کےلیے "فرغ الدلو المقدم" اور "فرغ الدلو المؤخر" کے نام بھی ملتے ھیں اور "بطن الحوت" کو "الرشاء" بھی کہتے ھیں .

(ج) ادیان عالم کے بنیادی عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ ھے کہ انسان کی زندگی اسی دنیا میں ختم نہیں ھو جاتی.

= تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ نقطہ بناوٹی نہیں ہے، حقیقی ہے.

البتہ ایک بات بالکل واضح ہے. جب ہم عالم آخرت کے احوال و واردات سنتے ہیں تو قدرتی طور پر ان کی وہی شکل سامنے آجاتی ہے جو اس زندگی کی محسوسات کے لحاظ سے ہوسکتی ہے، لیکن خود قرآن و سنت کی تصریحات نے ہمیں بتلادیا ہے کہ عالم آخرت کی باتوں کو اس دنیا کی باتوں کی طرح نہیں سمجھنا چاہیے. مثلاً جب ہم سنتے ہیں کہ جہنم میں آگ ہوگی اور بہشت سے مقصود باغ ہے تو ہمارے سامنے آگ کی وہی شکل آجاتی ہے جو ہمارے چولھوں میں جلا کرتی ہے اور باغ کا وہی نقشہ کھنچ جاتا ہے جو ایسے مکان کے صحنوں میں اگایا کرتے ہیں. حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ عالم آخرت کی آگ اس دنیا کی آگ کی طرح نہیں ہوسکتی اور نہ وہاں کے باغ و چمن ہمارے لگائے ہوئے باغوں کی طرح ہوں گے. سورۂ سجدہ کی آیت ۱۷ میں ہے: " فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعين جزاء بما كانوا يعملون "، کوئی جان نہیں جانتی کہ اس کی نیک عملیوں کی جزاء میں نگاہ کا کیسا سرور پردۂ غیب میں پوشیدہ ہے! اس سے معلوم ہوا کہ جنت کی راحت و سرور کی حقیقت کا ہم اس دنیا میں تصور بھی نہیں =

= میں بیان کیا گیا ہے .

یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی حقیقت کیا ہے ؟

اس بارے میں ہم اپنی عقل سے کوئی فیصلہ نہیں کرسکتے ، کیونکہ یہ عالم ہمارے ادراك کی سرحد سے باہر ہے . جس مقام کا ہم ادراك نہیں کرسکتے وہاں کے حالات کی نسبت حکم کیسے لگائیں؟ اگر لگائیں گے تو یہ ظن وگمان ہوگا اور ظن سے یقین پیدا نہیں ہوسکتا .

لیکن پھر اس پر ہم یقین کیوں کریں ؟

اس لیے کہ ہم وجدانی طور پر محسوس کرتے ہیں کہ سرحد محسوسات سے ماوراء بھی ایك حقیقت موجود ہے اور اگر اس حقیقت سے انکار کردیں تو کائنات ہستی کے مسئلہ کا کوئی حل باقی نہیں رہتا اور خود ہماری عقل کہتی ہے کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے .

ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کی ہستی اور آخرت کی زندگی کا مبدأ تسلیم نہیں کیا جاتا تو مسئلۂ ہستی کے سارے سوالات لا ینحل ہو جاتے ہیں . لیکن جونہیں یہ نقطہ تسلیم کرلیا جاتا ہے معاً سارے سوالات حل ہوجاتے ہیں اور مجہولیت کی تاریکی کی جگہ عرفان و بصیرت کی روشنی ہر طرف نمایاں ہوجاتی ہے . پس ہمیں =

= قرآن نے اسی لیے مطالب وحی کی دو قسمیں ٹھیرا دی ہیں : محکمات اور متشابہات . متشابہات کی نسبت فرما دیا ہے کہ اس کی حقیقت انسان نہیں پاسکتا : "وما لا یعلم تاویلہ الا اللہ (۳ : ۷). یہ اور اس طرح کے تمام معاملات جو عالم غیب سے تعلق رکھتے ہیں ، یعنی ماوراء محسوسات ہیں ، متشابہات کی قسم میں داخل ہیں اور قرآن کہتا ہے : جو علم میں کامل ہیں وہ ان کی کاوش میں نہیں پڑتے ، بلکہ کہتے ہیں کہ " اٰمنا بہ لا کل من عند ربنا ج وما یذکر الا اولوا الالباب (۳ : ۷) .

اس سلسلہ میں چند اور امور ہیں جو سمجھ لینے چاہییں :

۱ - قرآن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے آخرت کے معاملے کو ہر جگہ " لقاء الٰہی " سے تعبیر کیا ہے ، یعنی اللہ کے دیدار سے . چنانچہ تم جا بجا اس طرح کی تعبیرات پاؤ گے : "جو لوگ لقاء الٰہی کی توقع رکھتے ہیں" یعنی آخرت کی توقع رکھتے ہیں ، یا " جن لوگوں نے لقاء الٰہی سے انکار کیا " یعنی آخرت سے انکار کیا. وہ کہتا ہے : مؤمن وہ ہے جو لقاء الٰہی کی طلب رکھتا ہے . کافر وہ ہے جو دنیوی زندگی ہی پر قانع ہوگیا اور لقاء الٰہی کی اس میں کوئی طلب نہیں . =

= کر سکتے . ایک حدیث میں پیغمبر اسلام نے جنت کی حقیقت یہ بتلائی ہے : "لا عین رأت و لا أذن سمعت و لا خطر علیٰ قلب بشر (مسلم، ۴۲) نہ تو کسی آنکھ نے دیکھی، نہ کسی کان نے سنی، نہ کسی مرد بشر کے خیال میں گزری! حضرت عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ جنت کی نعمتیں دنیا سے کوئی مشابہت نہیں رکھتیں بجز اس کے کہ نام میں مشارکت ہے (ابن کثیر). باقی رہی یہ بات کہ اگر عالم آخرت کے یہ معاملات دنیا کے معاملات کے مثل نہیں ہوں گے تو پھر ان کی حقیقت کیسی ہوگی؟ تو اس بارے میں ہماری عقلی کاوش کچھ معلوم نہیں کرسکتی.

اصل یہ ہے کہ مادی زندگی کے احساسات ومفہومات کی زنجیروں میں ہم کچھ اس طرح جکڑے ہوئے ہیں کہ ان سے آزاد ہوکر جمال حقیقت کا تصور ہی نہیں کرسکتے. پس اس کے سوا چارہ نہیں کہ جو کچھ بتلادیا گیا ہے اس پر یقین کریں اور جو کچھ نہیں پاسکتے اس کی کاوش میں سرگرداں نہ ہوں. اگر سرگرداں ہوں گے تو حقیقت کا سراغ تو نہیں ملے گا، البتہ نئے نئے وہموں اور گمانوں میں مبتلا ہوجائیں گے:

اے برون از وہم و قیل و قال من
خاک بر فرق من و تمثیل من =

= سے بھی بڑی نعمت ہوگی : ” وعد اللہ المؤمنین والمؤمنٰت جنّٰت تجری من تحتها الانٰهر خٰلدین فیها و مسٰکن طیبة فی جنّٰت عدنٍ ؕ و رضوان من اللہ اکبر ؕ ذلك هو الفوز العظیم “ (۹ : ۷۲) ۔ ” رضوان “ سے مقصود اللہ کی خوشنودی کا اعلٰی مرتبہ ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے وہ کوئی ایسی نعمت ہے جس کے لیے بجز اس کے اور کوئی تعبیر نہیں ہوسکتی تھی کہ اللہ کی کامل ترین رضا مندی کی بخشش و نوال کہی جائے ۔

تناسخ ۔ ۳ - ہندوستان میں آخرت کی زندگی اور جزاء کے لیے آواگون (تناسخ) کا عقیدہ پیدا ہوا ۔ قدیم ہندو مذہب اور پیروان بدھ اور جینی تیوں اس میں متفق ہیں ۔ قدیم مصریوں کے عقائد میں بھی اس کا سراغ ملتا ہے اور بعض حکماء یونان بھی اسی طرف گئے ہیں ۔ چوں کہ قرآن نے آخرت کے معاملے کے لیے ”رجوع“ کی تعبیر اختیار کی ہے ، یعنی وہ ہر جگہ کہتا ہے : ”والیه ترجعون“ تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ، اس لیے حال میں ایك تھیاسوفسٹ (Theosophist) مصنف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن کا عقیدۂ آخرت بھی تناسخ کے مبدے پر مبنی ہے ۔ وہ کہتے ہیں : ”قرآن نے لوٹنے کی تعبیر اختیار کرکے اس طرف اشارہ =

= چنانچہ اس سورت کی آیت ۷ میں فرمایا: جو لوگ ہماری ملاقات کے متوقع نہیں اور صرف دنیوی زندگی ہی پر راضی ہو گئے ہیں اور اس کے خلاف ان کے دل میں کوئی خلش نہیں اٹھتی، اور وہ کہ ہماری نشانیوں سے یک قلم غافل ہو گئے ہیں۔

پھر جا بجا مؤمنوں کی نسبت فرمایا ہے کہ ان کی نگاہیں جمال الٰہی کا نظارہ کریں گی: ''وجوہ یومئذ ناضرة الی ربها ناظرة'' (۷۵: ۲۲و۲۳) اور کافروں کی نسبت فرماتا ہے کہ وہ اس نعمت سے محروم رہیں گے: ''کلا انهم عن ربهم یومئذ لمحجوبون'' (۸۳: ۱۵). پس ان تمام تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن نے آخرت کی زندگی اور اس کے نعائم کی جو حقیقت قرار دی ہے وہ کوئی ایسی بات ہے جس کا ماحصل لقاء الٰہی ہے اور عذاب آخرت کا معاملہ کوئی ایسا معاملہ ہے جسے وہ محجوب رہنے سے تعبیر کرتا ہے۔

۲ - بعض تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کی نعمتوں میں ایک نعمت وہ ہے جسے وہ جنت کی زندگی سے تعبیر کرتا ہے اور ایک اس کے علاوہ بھی ہے۔ اس دوسری نعمت کو اس نے جا بجا ''رضوان'' سے تعبیر کیا ہے اور کہا ہے: یہ جنتی زندگی کی نعمت =

= وہ اس کی حق دار ہے کہ اس کے پیچھے چلیں یا اس کے پیچھے چلنا چاہیے جو خود اس کی محتاج ہے کہ کوئی راہ سمجھائے؟

یہ مقام قرآن کے مہمات دلائل میں سے ہے اور ضروری ہے کہ اسے اچھی طرح سمجھ لیا جائے. چوں کہ اس آیت میں "ہدایت" اور "حق" کے الفاظ آئے ہیں اس لیے مفسرین نے خیال کیا ہدایت سے مقصود ہدایت وحی ہے اور حق سے مقصود دین حق اور فارسی و اردو کے تمام مترجموں نے بھی انہیں کی پیروی کی. نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کے استدلال کی ساری حقیقت مفقود ہو گئی اور آیت کا مطلب بھی کچھ سے کچھ ہوگیا. اس طرح کے تمام مقامات دیکھ کر سخت حیرانی ہوتی ہے کہ متأخرین کا معیار نظر و مطالعہ کیوں اس درجہ پست ہو گیا تھا کہ قرآن کے صاف و صریح مطالب سے بھی آشنا نہ ہو سکے! علاوہ بریں یہ ظاہر ہے کہ یہاں خطاب مشرکوں سے ہے جو سرے سے وحی و دین کے منکر تھے اور مقام استدلال کا ہے. پھر اگر ہدایت سے مقصود ہدایت وحی ودین ہو تو اس میں ان کے لیے دلیل کی بات کیا ہوتی؟ جب وہ وحی و دین کی ہدایت مانتے ہی نہ تھے تو پھر اسی ہدایت سے ان پر دلیل کیوں کر لائی جاسکتی ہے؟ =

=کر دیا ھے کہ زندگی بار بار ظہور میں آتی اور بار بار اصل مرکز کی طرف لوٹتی ھے". لیکن حقیقت یہ ھے کہ اس طرح کا استنباط کسی طرح صحیح نہیں ھو سکتا. بلا شبہ قرآن نے آخرت کی زندگی کو لوٹنے سے تعبیر کیا ھے اور وہ اس معاملے کو یوں قرار دیتا ھے گویا ھستیٔ انسانی کہیں سے آئی ھے اور پھر اسی کی طرف لوٹے گی. لیکن صرف اتنی ھی بات سے تناسخ ثابت نہیں ھو جاتا. فلسفیانہ تناسخ کی بنیاد روح کے رجوع پر نہیں بلکہ زندگی کے بار بار اعادہ و گردش پر ھے اور مذھبی تناسخ کی بنیاد یہ ھے کہ جزاء عمل کا معاملہ اسی اعادہ و گردش سے مرتب ھوتا ھے. اور یہ ظاھر ھے کہ قرآن میں ان دونوں عقیدوں کے لیے کوئی تصریح نہیں ملتی.

(د) آیت ٣٥ میں فرمایا: "قل ھل من شرکائکم من یھدی الی الحق ط قل اللہ یھدی للحق ط افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع امن لا یھدی الا ان یھدیٰ ج فما لکم کیف تحکمون" یعنی جن لوگوں کو تم نے خدا کا شریک ٹھیرا لیا ھے ان میں کوئی ھے جو "حق" کی طرف "ھدایت" کرتا ھو؟ یہ تو اللہ ھی کی ذات ھے جو حق کی راہ چلاتی ھے. اچھا تو پھر بتلاؤ جو ھستی حق کی طرف رہ نمائی کرتی ھے=

ھدایت حواس و عقل اور اس سے استدلال

= کن کن معنوں میں استعمال ہوا ہے اور اس کے مختلف مراتب و اشکال کیا کیا ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ جہاں کہیں ہدایت کا لفظ دیکھتے ہیں اسے ہدایت دین ہی پر محمول کرلیتے ہیں اگر چہ مطلب ٹھیک نہ بیٹھتا ہو۔

بہر حال یہاں ہدایت سے مقصود ہدایت وحی نہیں ہے، بلکہ وجدان و حواس اور عقل کی ہدایت ہے اور "حق" سے مقصود دین حق نہیں ہے بلکہ لغوی حق ہے، یعنی سچا راستہ، درست راستہ۔ قرآن نے جا بجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ جس طرح اللہ کی ربوبیت نے مخلوقات کو ان کے مناسب حال وجود عطا فرمایا ہے، اسی طرح زندگی و معیشت کی راہ میں ان کی ہدایت کا قدرتی سامان بھی کر دیا ہے۔ یہ ہدایت کیوں کر ظہور میں آئی؟ اس طرح کہ ان میں وجدان و حواس کی قوتیں رکھ دی گئیں اور انسان کو وجدان و حواس کے ساتھ جوہر عقل سے بھی ممتاز کیا۔ چنانچہ اس مقام کی پوری تشریح تفسیر سورۂ فاتحہ کے مبحث ہدایت میں گزر چکی ہے اور "ربنا الذی اعطیٰ کل شیء خلقه ثم هدی" (۲۰ : ۵۰) اور "الذی خلقنی فهو یهدین" (۲۶ : ۷۸) اور "الذی خلق فسوی و الذی قدر فهدی" (۸۷ : ۲ و ۳) و غیرها آیات میں ہدایت سے مقصود یہی ہدایت ہے۔ =

= کم از کم اتنی ھی بات پر ان بزرگوں نے غور کر لیا ھوتا.

آیت کا اسلوب کہہ رھا ھے کہ یہاں پہلے ایك بات بطور ایك مسلمہ عقیدے کے بیان کی گئی ھے جس سے مخاطب انکار نہیں کرتا یا نہیں کرسکتا . پھر جب اس کا مسلم ھونا واضح ھوگیا تو اسی کو بناء استدلال ٹھیرایا گیا . یعنی پہلے کہا گیا : " ھل من شرکائکم من یھدی الی الحق " تمہارے مانے ھوے شریکوں میں کوئی ھے جو حق کی رہ نمائی کرتا ھو ؟ پھر کہا گیا : " قل اللہ یھدی للحق " ، یعنی تم اس سے انکار نہیں کرسکتے کہ وہ ھستی جو رہ نمائے حق ھے وہ اللہ ھی کی ھستی ھے . پھر جب یہ مسلمہ واضح ھوگیا تو اس سے استدلال کیا گیا کہ " افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع " الخ . پس ضروری ھے کہ یہاں ھدایت سے مقصود کوئی ایسی بات ھو جس سے مخاطبوں کو انکار کی مجال نہ تھی . اب اگر ھدایت کا مطلب ھدایت وحی و دین قرار دیا جاتا ھے تو سارا مطلب خبط ھو جاتا ھے ، کیوں کہ معلوم ھے کہ مخاطبوں کے لیے یہ مسلم بات نہیں ھو سکتی . وہ سرے سے وحی ھی کے منکر تھے .

اصل یہ ھے کہ ان بزرگوں نے یہ معلوم کرنے کی زحمت ھی گوارا نہ کی کہ قرآن میں ھدایت کا لفظ =

= کی ہے : اس کی بھی کہ بغیر علم و بصیرت کے کوئی بات مان لی جائے اور اس کی بھی کہ محض عدم ادراک کی بناء پر کوئی بات جھٹلادی جائے. چنانچہ اسی سورت کی آیت ۳۶ میں گزر چکا ہے کہ ''منکرین حق علم و یقین کی روشنی سے محروم ہیں. ان کا سرمایۂ اعتقاد محض ظن و گمان ہے'' اور پھر اس آیت میں فرمایا کہ: ''جس بات کا وہ اپنے علم سے احاطہ نہ کرسکے اس کے جھٹلانے پر آمادہ ہوگئے''. اگرچہ بظاہر یہ دو باتیں الگ الگ معلوم ہوتی ہیں لیکن فی الحقیقت ایک ہی بات ہے اور دونوں کی بنیاد اسی ایک اصل عظیم پر ہے کہ نہ تو ظن و گمان کی بناء پر تصدیق کرنی چاہیے، نہ ظن و گمان کی بناء پر تکذیب کرنی چاہیے. جو کچھ کرنا چاہیے علم و بصیرت کی بناء پر کرنا چاہیے.

منکرین قرآن نے کونسی بات جھٹلائی تھی؟ یہ کہ انہیں میں سے ایک آدمی پر اللہ کی وحی نازل ہوتی ہو. یہ بات انہیں عجب معلوم ہوئی، اس لیے فوراً تکذیب پر آمادہ ہو گئے. قرآن کہتا ہے: تمہارے ماننے اور تمہارے جھٹلانے دونوں کا مدار ظن و گمان پر ہے. تم جو باتیں مان رہے ہو ان کے لیے بھی تمہارے پاس کوئی علم نہیں اور جس بات کے جھٹلانے میں اس قدر =

=پس یہاں فرمایا: "تم نے جن ہستیوں کو اللہ کا شریک ٹھیرالیا ہے ان میں کوئی ہے جو زندگی و معیشت کے ٹھیك راستے پر انسان کو چلاتا ہو"، یعنی جو دیکھنے، سننے، سمجھنے، بوجھنے کی قوتیں بخشتا ہو؟ پھر فرمایا: "تم جانتے ہو کہ یہ کوئی نہیں کرسکتا. یہ صرف اللہ ہی کی کار فرمائی ہے"، کیونکہ مشرکون کو اللہ ہی کی ہستی اور اس کے خالق کل ہونے سے انکار نہیں تھا، البتہ وہ سمجھتے تھے کہ ہمیں ان ہستیون کی بھی پرستش کرنی چاہیے جو اللہ کے حضور مقرب ہیں اور جنہیں دنیا میں حکم و تصرف کی قوتیں حاصل ہوگئی ہیں. پھر جب یہ بات واضح ہوگئی تو فرمایا: جب تمہیں اس بات سے انکار نہیں تو غور کرو انسان کو پیروی اس کی کرنی چاہیے جو ہدایت کرنے والا ہے یا اس کی جو خود کسی دوسرے کی ہدایت کا محتاج ہے؟ تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ تم کیسے فیصلے کر رہے ہو؟

(ہ) آیت ۳۹ میں منکرین قرآن کی نسبت فرمایا: "بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمه و لما یأتهم تأویله". آیت کا مطلب ترجمہ میں واضح ہو چکا ہے. یہاں دو باتون کی مزید تشریح کردی جاتی ہے: عدم احاطۂ علم اور تکذیب حقائق

۱ - قرآن نے بیك وقت دونوں باتون کی مذمت=

= اسی بات پر ہے کہ ایک خاص فرد کی سمجھ ادراک کرسکتی ہے یا نہیں ۔ دونوں حالتیں علم و بصیرت کے خلاف ہیں اور دونوں کا نتیجہ عقل و بینش سے محرومی اور عقلی ترقی کا فقدان ہے۔ حس عقل و بصیرت کا تقاضا یہ ہوا کہ حقیقت اور وہم میں امتیاز کریں ، وہی متقاضی ہوئی کہ کوئی بات محض اس لیے نہ جھٹلاویں کہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ عقل کا پہلا تقاضا ہمیں وہم پرستی وجہل سے روکتا ہے ، دوسرا شک و الحاد سے ۔ قرآن کہتا ہے : دونوں حالتیں یکساں طور پر جہل و کوری کی حالتیں ہیں اور اہل علم و عرفان وہ ہیں جو نہ تو جہل و وہم کی راہ چلتے ہیں ، نہ شک و الحاد کی ۔

یہاں سے ایک یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ دو صورتیں ہیں اور دونوں کا حکم ایک نہیں : ایک یہ کہ کوئی بات عقل کے خلاف ہو ، ایک یہ کہ تمھاری عقل سے بالاتر ہو ۔ بہت سی باتیں ایسی ہوسکتی ہیں جن کا تمھاری سمجھ احاطہ نہیں کرسکتی ، لیکن ہم یہ فیصلہ نہیں کردے سکتے کہ وہ سرے سے خلاف عقل ہیں ۔ اول تو تمام افراد کی عقلی قوت یکساں نہیں ۔ ایک آدمی موٹی سی بات بھی نہیں سمجھ سکتا ، دوسرا باریک سے باریک نکتے حل کر لیتا ہے ۔ ثانیاً عقل انسانی برابر نشوونما کی حالت میں ہے ۔ ایک عہد =

= جلدی کی اس کے لیے بھی تمھارے پاس کوئی یقین نہیں ، حالانکہ سچائی کی راہ یہ ھے کہ جو کچھ کرو علم و بصیرت کے ساتھ کرو ، محض اٹکل پر نہ چلو . اگر ایك شخص علم و یقین کے ساتھ ایك بات پیش کر رھا ھے اور جتنی باتیں کسی بات کی درستگی اور معقولیت کی ھوسکتی ھیں سب اس کے ساتھ ھیں اور تمھارے پاس اس کے خلاف ظن و گمان کے سوا کچھ نہیں تو تمھارے لیے کیوں کر جائز ھو سکتا ھے کہ جھٹ جھٹلانے پر آمادہ ھو جاؤ ! اس سے پہلے آیت ۳۶ میں یہی بات کہی جا چکی ھے کہ " ان الظن لا یغنی من الحق شیئا " ، ظن کی بناء پر یقین کی دعوت جھٹلاتے ھو ، حالانکہ ظن کا بھروسا انسان کو یقین سے مستغنی نہیں کر دے سکتا .

اگر تم غور کروگے تو معلوم ھو جائے گا کہ انسان کی ساری فکری گمراھیوں کا اصلی سرچشمہ یہی بات ھے . یا تو وہ عقل و بینش سے اس قدر کورا ھو جاتا ھے کہ ھر بات بے سمجھے بوجھے مان لیتا ھے اور ھر راہ میں آنکھیں بند کیے چلتا رھتا ھے ، یا پھر سمجھ بوجھ کا اس طرح غلط استعمال کرتا ھے کہ جہاں کوئی حقیقت اس کی شخصی سمجھ سے بالاتر ھوئی اس نے فوراً جھٹلا دی . گویا حقیقت کے اثبات و وجود کا سارا دارو مدار صرف =

= اور کہاں تك جاری رہے گا .

ایك اوّر بات بھی یہاں سمجھ لینی چاھیے . جہاں تك عقل اورْ ماوراء عقل کی نزاع کا تعلق ھے قرآن کے بعد تین دور بحث و نظر کے گزر چکے ھیں . ایك دور حکماء و متکلمین اسلام کا جنھوں نے عقلی طریقے پر مذھبی عقائد کا اثبات کرنا چاھا . دوسرا یورپ کی نشأۃ ثانیہ (Renaissance) کا جب اسی طرح مسیحی علم کلام مرتب کیا گیا . تیسرا علوم عصریہ کا جس نے بحث و نظر کے تمام گوشوں میں ایك نئی روح پیدا کردی. تاھم یہ واقعہ ھے کہ قرآن نے یہاں سیدھے سادے لفظوں میں جو بات کہہ دی ھے اس پر کوئی اضافہ نہ ھو سکا. بلا شبہ بحث و نظر کی کاوشیں دور دور تك گئیں ، لیکن ھمیشہ ناکام یاب ھوئیں اور ھمیشہ اصحاب عرفان و تحقیق کو اقرار کرنا پڑا کہ اس سے بہتر اور فیصلہ کن بات اور کوئی نہیں کہی جاسکتی .

یہ مقام مہمات معارف میں سے ھے اور تفصیل اس کی مقدمہ میں ملے گی .

۲ -عربی میں ” تأویل “ کے معنیٰ کسی بات کے نتیجہ اور مآل کے ھیں اور چوں کہ الفاظ کے معانی بھی ان کی دلالت کا مآل و مصداق ھوتے ھیں اس لیے مطالب =

حقیقت ” تأویل “ مستعملۂ قرآن

= کی عقل جن باتوں کا ادراك نہیں کرسکتی، دوسرے عہد کے لیے وہ عقلی مسلمات بن جاتی ہیں. ثالثاً انسانی عقل کا ادراك ایك خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتا اور عقل ہی کا فیصلہ ہے کہ حقیقت اسی حد پر ختم نہیں ہو جاتی.

اچھا! اب مذہب کے میدان سے باہر قدم نکالو اور غور کرو! قرآن نے ان چند لفظوں کے اندر جو بات کہہ دی ہے وہ انسانی علم و عقل کی تمام ترقیوں کے لیے کس طرح اصل و اساس ثابت ہو رہی ہے! کونسی بات ہے جس نے علمی ترقی کے غیر محدود اور لا نہایت امکانات کا دروازہ نوع انسانی کے سامنے کھول دیا اور علم و ادراك کی سیکڑوں ناممکن باتوں کو نہ صرف ممکن بلکہ واقعہ بنا دیا؟ کیا یہی بات نہیں ہے کہ کسی بات کے احاطہ نہ کرسکنے سے اس کا انکار لازم نہیں آجاتا؟ اگر اصحاب علم و انکشاف نے اس بات سے انکار کر دیا ہوتا تو کیا ممکن تھا کہ عقلی ترقیات کے قدم یہاں تك پہنچ سکتے اور آیندہ کے لیے اس قدر ممکنات سامنے آجاتے؟ بلا شبہ علم و انکشاف کے ہر عہد میں ایسی جلد باز طبیعتیں بھی ہوئیں جنھوں نے محض عدم ادراك کی بناء پر انکار کر دیا، لیکن علم نے کچھ پروا نہ کی اور اسی کا نتیجہ ہے کہ اس کا سفر برابر جاری رہا اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کب تك =

= کہ تفسیر قرآن کی راہ میں کیسے کیسے الجھاؤ ڈال دیے گئے ہیں۔ اور اصل حقیقت کس طرح مستور ہو گئی ہے۔

تفسیر "لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون"

(و) قرآن نے ایمان اور اہل ایمان کی نسبت جو کچھ کہا ہے اس میں کوئی بات بھی اس قدر نمایاں نہیں ہے جس قدر یہ کہ "لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون"، خوف اور غم دونوں سے وہ محفوظ ہو جائیں گے، چنانچہ اس سورت کی آیت ۶۲ میں بھی یہی بات فرمائی ہے۔ غور کرنا چاہیے کہ قرآن نے اس وصف پر کیوں اس قدر زور دیا!

حقیقت یہی ہے کہ انسانی زندگی کی سعادت کے لیے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس کی شقاوت کی ساری سرگذشت انہیں دو لفظوں میں سمٹی ہوئی ہے: خوف اور دکھ۔ جونہیں ان دو باتوں سے اسے رہائی مل گئی اس کی ساری سعادتیں اس کے قبضے میں آ گئیں۔ زندگی کے جتنے بھی کانٹے ہو سکتے ہیں سب کو ایک ایک کرکے چنو اور دیکھو! خواہ جسم میں چبھتے ہوں، خواہ دماغ میں، خواہ موجودہ زندگی کی عافیت میں خلل ڈالتے ہوں، خواہ آخرت کی، تم دیکھو گے کہ ان دو باتوں سے باہر نہیں ہیں: یا خوف کا کانٹا ہے یا غم کا۔=

= ومعانی پر بھی اس کا اطلاق ہونے لگا۔ لیکن قرآن نے یہ لفظ ہر جگہ لغوی معنیٰ میں استعمال کیا ہے، چنانچہ سورۂ آل عمران کی آیت ۷ اور اعراف کی ۵۳ میں بھی یہ لفظ گزر چکا ہے اور اس آیت میں بھی استعمال ہوا ہے۔

لیکن بعد کو جب تفسیر و کلام کے مختلف مذاہب پیدا ہوئے تو "تأویل" کا لفظ ایک خاص مصطلحہ معنیٰ میں بولا جانے لگا، یعنی کسی لفظ کا ایسا مطلب ٹھیرانا جو اس کے ظاہری مدلول سے ہٹا ہوا ہو۔ مثلاً قرآن میں "ید الله" کا لفظ آیا ہے، یعنی خدا کا ہاتھ، اور یہ تنزیہ کے خلاف ہے کہ خدا کا ہاتھ ہو، اس لیے ہاتھ کی جگہ اس کا کوئی دوسرا مطلب لینا۔ پھر اس کے مختلف مراتب و اقسام ٹھیرائے گئے اور مذہب تأویل و تفویض کی نزاعیں برپا ہوئیں۔ چونکہ متأخرین کے دماغوں میں یہ مصطلحات بسی ہوئی ہیں، اس لیے قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے بھی وہ ان کے اثر سے باہر نہیں جاسکتے، چنانچہ قرآن کے لغوی "تأویل" کو بھی انہوں نے مصطلحات کلامیہ کا مصطلحہ "تأویل" سمجھ لیا اور اس پر بحث و استدلال کی عمارتیں اٹھانے لگے۔ تفسیر کبیر میں اس آیت کی تفسیر پڑھو اور پھر غور کرو =

سورة هود

مكية و هی مائة و ثلث و عشرون أية

مکی ۱۲۳۰ آیات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ سورت بھی مکی ہے اور گو حطاب عامۂ منکرین سے ہے ، لیکن خصوصیت کے ساتھ مشرکین عرب مخاطب ہیں ۔

قرآن نے گرشتہ دعوتوں ، گرشتہ قوموں ، اور گزشتہ ایام و وقائع کا حا بجا ذکر کیا ہے اور ہر حگہ حسب مقام ایک حاص موعظت اور ایک حاص استدلال ہے ۔ ازانجملہ یہ سورت ہے جس میں حصرت نوح سے لے کر حضرت موسیٰ (علیہما السلام) تک تمام پچھلی دعوتوں کی سرگذشتیں بیان کی گئی ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب بیان تاریخی ہے ، یعنی حس دعوت کا ذکر حس دعوت کے بعد کیا گیا ہے وہی اس کی تاریخی حگہ ہے ۔

اس موعظت میں سورۂ اعراف کے بعد سب سے بڑی سورت یہی ہے ۔

= قرآن کہتا ہے: ایمان کی راہ سعادت کی راہ ہے۔ جس کے قدم اس راہ میں جم گئے اس کے لیے دونوں کانٹے بے اثر ہو جاتے ہیں۔ اس کے لیے نہ تو کسی طرح کا اندیشہ ہو گا، نہ کسی طرح کی غم گینی۔

قرآن نے یہی حقیقت دوسرے پیرایوں میں بھی بیان کی ہے، مثلاً آخری پارہ میں سورۂ عصر اسی حقیقت کا اعلان ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

فَاِنِّیٓ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ　سے بہت اچھی طرح بہرہ مند
عَذَابَ یَوۡمٍ کَبِیۡرٍ ۝ ۳　کرے گا. اور (اپنے قانون
کے مطابق) ہر زیادہ (عمل) کرنے والے کو اس کی سعی
مزید کا اجر بھی دے گا. لیکن اگر تم نے رو گردانی کی تو
میں ڈرتا ہوں کہ تم پر عذاب کا ایک بڑا دن نمودار نہ ہو جائے۳.
اِلَی اللّٰہِ مَرۡجِعُکُمۡ ۚ وَ ہُوَ　تم سب کو اللہ ہی کی طرف
عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۝ ۴　لوٹ کر جانا ہے اور اس کی

۲ و ۳ - سب سے پہلے اس بات کا اعلان کیا ہے جو اول دن سے تمام دعوتوں کا عالمگیر اعلان رہا ہے، یعنی:

(ا) اللہ کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کرو.

(ب) میں اس کی طرف سے مامور ہوں اور اس لیے مامور ہوں کہ تبشیر اور تنذیر کا فرض رسالت ادا کردوں، یعنی انکار و سرکشی کے نتائج سے خبردار کردوں، ایمان و نیک عملی کی کامرانیوں کی خوش خبری سنادوں.

(ج) پس سرکشی سے باز آجاؤ اور توبہ و استغفار کرو. اگر تم نے ایسا نہ کیا تو مجھے اندیشہ ہے تم عذاب الٰہی میں گرفتار ہو جاؤ گے.

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ ۱

الف لام را . یہ کتاب ہے جس کی آیتیں (اپنے مطالب و دلائل میں) مضبوط کی گئیں، پھر کھول کھول کر واضح کر دی گئیں. یہ اس کی طرف سے ہے جو حکمت والا (اور ساتھ ہی) ساری باتوں کی خبر رکھنے والا ہے ۱ .

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ ۙ ۲

(اس کا اعلان کیا ہے؟) یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو. یقین کرو! میں اسی کی طرف سے تمہیں خبردار کرنے والا اور خوش خبری دینے والا ہوں ۲ .

وَّ اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ يُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَ اِنْ تَوَلَّوْا

اور یہ کہ اپنے پروردگار سے معافی کے طلب گار ہو اور اس کی طرف لوٹ جاؤ . (ایسا کرو گے تو) وہ تمہیں ایک وقت مقرر تک زندگی کے فوائد

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ	اور زمین میں چلنے والا کوئی
اِلَّا عَلَى اللهِ رِزْقُهَا وَ يَعْلَمُ	جانور نہیں ھے جس کی روزی
مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا ؕ	کا انتظام اللہ پر نہ ہو اور وہ
كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۞ ٦	نہ جانتا ہو کہ اس کا ٹھکانا

= جزاء عمل کا معاملہ ھے ، کیوں کہ تمام دعوتوں نے اس کا اعلان کیا اور تمام جماعتوں پر یہ طاری ہوا۔ پس پہلی آیت میں قرآن کا صرف یہی وصف بیان کیا کہ " احکمت اٰیٰتہ " اس کے مطالب مضبوط و ثابت ھیں ، یعنی اس کی کوئی بات ایسی نہیں جو کمزور اور کچی نکلے۔ پھر فرمایا: " من لدن حکیم خبیر " اس کی طرف سے جو حکیم اور خبیر ھے۔ یعنی چوں کہ وہ حکیم ھے اس لیے ضروری تھا کہ جزاء عمل کا قانون ظہور میں آئے۔ ساتھ ھی وہ خبیر بھی ھے ، اس لیے ممکن نہیں کہ کوئی عمل اس سے پوشیدہ رہ جائے اور جزاء عمل کا نفاذ ٹھیک ٹھیک نہ ہو۔

چنانچہ آیت ۵ میں فرمایا: یہ اپنے سینوں کے بھید چھپاتے ھیں اور نہیں جانتے کہ اس کے علم سے کوئی بات پوشیدہ نہیں۔

قدرت سے کوئی بات باہر نہیں ٤

اَلَآ اِنَّهُمۡ يَثۡنُوۡنَ صُدُوۡرَهُمۡ لِيَسۡتَخۡفُوۡا مِنۡهُ ؕ اَلَا حِيۡنَ يَسۡتَغۡشُوۡنَ ثِيَابَهُمۡ ۙ يَعۡلَمُ مَا يُسِرُّوۡنَ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيۡمٌ ۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ۝

(اے پیغمبر!) تو سن رکھ کہ یہ لوگ اپنے سینوں کو لپیٹے ہیں کہ اللہ سے چھپیں (یعنی اپنے دل کی باتیں چھپا کر رکھتے ہیں) مگر یاد رکھو! (انسان کی کوئی بات بھی اللہ سے پوشیدہ نہیں) یہ جب اپنے سارے کپڑے اپنے اوپر ڈال لیتے ہیں تو اس وقت بھی چھپ نہیں سکتے. جو کچھ یہ چھپا کر کریں اور جو کچھ کھلم کھلا کریں سب اللہ کو معلوم ہے. وہ تو سینوں کے اندر کا بھید جاننے والا ہے ۝.

---

۵ - اس کے بعد فرمایا: تمہارے اعمال کا ذرہ ذرہ اللہ کے سامنے ہے. اس کے علم سے جب ایک چیونٹی کا سوراخ بھی پوشیدہ نہیں تو انسان کے افکار و اعمال کیوں کر پوشیدہ رہ سکتے ہیں!

غور کرو! قرآن کے ایک ایک لفظ میں کیسی دقیق مناسبتیں پوشیدہ ہوتی ہیں! سورت کی تمام موعظت کا مرکزی نقطہ=

وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰىٓ اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۸

اور اگر ان پر عذاب کا نازل کرنا ایک مقررہ مدت تک ہم تاخیر میں ڈال دیں تو یہ ضرور کہنے لگیں " کونسی بات ہے جو اسے روك رہی ہے؟ " سو سن رکھو! جس دن عذاب

ا
ع
ا

ان پر آئے گا تو پھر کسی کے ٹالے ٹلنے والا نہیں اور جس بات کی یہ ھنسی اڑایا کرتے تھے (تم دیکھو گے کہ) وھی انہیں آلگی! ۸.

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا

اور اگر ھم انسان کو اپنی طرف سے رحمت کا مزہ

= پانی سے پیدا کیے (۲۱ : ۳۰) . اس سے معلوم ھوا کہ زمین پر ایك ابتدائی دور گزر چکا ھے جب کہ پانی تھا، یا ایسی چیز تھی جسے پانی سے تعبیر کیا گیا ھے اور قوانین الٰہی اس میں کام کر رھے تھے

کہاں ہے اور وہ جگہ کہاں ہے جہاں بالآخر اس کا وجود سونپ دیا جائے گا۔ یہ سب کچھ (علم الٰہی کی) کتاب میں مندرج ہے ۶۔

وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ	اور وہی ہے جس نے آسمانوں
وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ	کو اور زمین کو چھ ایام میں
وَّ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ	پیدا کیا اور اس کے تخت
لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ	(حکومت) کی فرماں روائی
عَمَلًا ؕ وَ لَىِٕنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ	پانی پر تھی اور اس لیے پیدا
مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ	کیا کہ تمھیں آزمایش میں
لَیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا	ڈالے اور یہ بات ظاہر ہو جائے
اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ ۷	کہ کون عمل میں بہتر ہے۔ اور

(اے پیغمبر!) اگر تو ان لوگوں سے کہے "تم مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے" تو جو لوگ منکر ہیں وہ ضرور بول اٹھیں "یہ تو صریح جادو کی سی باتیں ہیں" ۷۔

---

۷ - آیت ۷ میں فرمایا: اللہ کی حکومت پانی پر نافذ تھی۔ دوسری جگہ فرمایا کہ: ہم نے تمام زندہ اجسام =

اِلَّا الَّـذِيۡنَ صَبَرُوۡا وَ عَـمِلُوا	مگر هاں ! جو صبر کرتے هیں
الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ	اور نیك عملی کی راه چلتے هیں
مَّغۡفِرَةٌ وَّ اَجۡرٌ كَبِيۡرٌ ۱۱	تو ان کا حال ایسا نهیں هوتا .

ایسے هی لوگ هیں جن کے لیے بخشش هے اور بهت بڑا اجر ۱۱ .

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعۡضَ	پهر (اے پیغمبر !) کیا تو ایسا
مَا يُوۡحٰۤى اِلَيۡكَ وَضَآئِقٌۢ	کرے گا که جو کچھ تجھ پر
بِهٖ صَدۡرُكَ اَنۡ يَّقُوۡلُوۡا	وحی کیا جاتا هے اس میں سے

= مایوس هونے والے هیں اور نه عیش و راحت میں غافل و ناشکر گزار .

یهاں یه بات اس لیے بیان کی گئی که منکرین حق عذاب کی خبر سن کر هنسی اڑاتے تھے اور مومنوں پر مصیبت کی گھڑیاں شاق گزرتی تھیں . پس فرمایا : منکروں کی یه حالت کوئی غیر معمولی حالت نهیں هے . انسان خوش حالیوں میں پڑ کر اسی طرح غافل هو جاتا هے اور ڈینگیں مارنے لگتا هے ، لیکن مومنوں کو چاهیے وقت کی مصیبتوں سے تنگ هو کر مایوس نه هو جائیں .

مِنۡهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَـُٔوۡسٌ كَفُوۡرٌ ۝۹ چکھائیں (یعنی اسے ایك نعمت بخشیں) اور پھر اس سے وہ ھٹالیں تو (وہ ذرا بھی صبر نہیں کرسکتا) یك قلم مایوس اور ناشکرا ھوجاتا ھے ۹.

وَ لَئِنۡ اَذَقۡنٰهُ نَعۡمَآءَ بَعۡدَ ضَرَّآءَ مَسَّتۡهُ لَيَقُوۡلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّىۡ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوۡرٌ ۝ۙ۱۰ اور اگر اسے دکھ پہنچا ھو اور اس کے بعد راحت کا مزہ چکھا دیں تو پھر (یك قلم غافل ھوجاتا ھے اور) کہتا ھے: اب تو برائیاں مجھ سے دور ھوگئیں (اب کیا غم ھے). حقیقت یہ ھے کہ انسان (ذرا سی بات میں) خوش ھوجانے والا اور ڈینگیں مارنے والا ھے ۱۰.

---

۹ تا ۱۱ - آیت ۹ اور ۱۰ میں فطرت انسانی کی اس حالت کی طرف اشارہ کیا ھے کہ اگر مصیبت پیش آتی ھے تو فوراً مایوس ھوجاتا ھے، راحت پیش آتی ھے تو بے پروا ھوکر ڈینگیں مارنے لگتا ھے. پھر آیت ۱۱ میں فرمایا: اس عام حالت سے وہ مستثنیٰ ھیں جن کے اندر صبر و ثبات کی روح پیدا ھوگئی ھے اور جنھوں نے نیك عملی کی راہ اختیار کی ھے. وہ نہ تو مصیبت میں =

= صبر و تحمل کی ضرورت ہے کہ وہ سب کچھ جھیل لیا جائے جو یہ اعلان سن کر لوگوں کی زبان سے نکلے گا!

لیکن خدا کے رسولوں کو یہ بوجھ اٹھانا پڑا، کیوں کہ وہ اس کے لیے مامور من اللہ تھے۔

یہی مرحلہ پیغمبر اسلام کو بھی در پیش تھا۔ اس لیے وحی الٰہی جا بجا اس بات پر زور دیتی ہے کہ لوگوں کی باتوں سے دل تنگ نہ ہو اور اعلان امر میں ذرا بھی تأمل نہ کرو۔ چنانچہ آیت ۱۲ میں بھی یہی بات کہی گئی ہے۔ منکرین حق کہتے تھے: اگر خدا کے یہاں ایسی ہی تمھاری رسائی ہے تو کیوں نہیں کہتے ایک خزانہ تم پر اتار دے یا فرشتے بھیج دے کہ تمھاری باتوں کی سب کے سامنے تصدیق کر دیں؟ فرمایا: ان کے اس انکار و استہزاء سے دل تنگ نہ ہو، کیوں کہ تم تو صرف نذیر ہو، کچھ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجے گئے ہو کہ ان کے مان لینے کے بھی ذمہ دار ہو۔

"نذیر" کی حیثیت پر زور دے کر یہ بات واضح کر دی کہ پیغمبر اس لیے نہیں آتے کہ خزانے بانٹتے پھریں یا طرح طرح کے اچنبھے دکھائیں۔ ان کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ انکار و بد عملی کے نتائج سے خبردار کر دیں اور سچائی کی راہ دکھا دیں۔

لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ؕ ۱۲

کچھ باتیں چھوڑ دے گا اور اس کی وجہ سے دل تنگ رہے گا؟ اور یہ اس لیے کہ لوگ کہہ انہیں کے " اس آدمی پر کوئی خزانہ (آسمان سے) کیوں نہیں اتر آیا یا ایسا کیوں نہ ہوا کہ اس کے ساتھ ایک فرشتہ آ کر کھڑا ہو جاتا؟ " (نہیں! تجھے تو دل تنگ نہیں ہونا چاہیے) تیرا مقام اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ (انکار و بد عملی کے نتائج سے) خبردار کر دینے والا ہے (تجھ پر اس کی ذمہ داری نہیں کہ لوگ تیری باتیں مان بھی لیں) اور ہر چیز پر اللہ ہی نگہبان ہے ۱۲ .

---

۱۲ - دنیا میں ایک انسان کی زبان سے جتنی باتیں نکل سکتی ہیں ان میں کوئی بات بھی اس سے بڑھ کر بوجھل اور تھکا دینے والی نہیں کہ ایک آدمی ایک مطمئن اور خوش و خرم قوم کے سامنے آ کھڑا ہو اور اچانک اعلان کر دے کہ " تمہاری ہلاکت کی گھڑی سر پر آ گئی . اگر سرکشی سے باز نہ آؤ گے تو نیست و نابود کر دیے جاؤ گے ". کتنا بڑا اور عجیب اعلان ہے! کتنی عظیم اس کی ذمہ داری ہے اور کس درجہ ما فوق انسانیت =

اِلَّا ھُوَ ج فَھَلْ اَنْتُمْ کام یاب نہ ھو) تو سمجھ لو کہ
مُّسْلِمُوْنَ ۱۴ قرآن اللہ ھی کے علم سے اترا ھے

اور یہ بات بھی سچ ھے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اب
بتلاؤ کیا تم یہ بات تسلیم کرتے ھو" ؟ ۱۴ .

مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْحَیٰوۃَ جو کوئی (صرف) دنیا کی زندگی
الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَھَا نُوَفِّ اور اس کی دل فریبیاں ھی
اِلَیْھِمْ اَعْمَالَھُمْ فِیْھَا چاھتا ھے تو (ھمارا ٹھیرایا ھوا
وَ ھُمْ فِیْھَا لَا یُبْخَسُوْنَ ۱۵ قانون یہ ھے کہ) اس کی کوشش

وعمل کے نتائج یہاں پورے پورے دے دیتے ھیں۔ ایسا نہیں
ھوتا کہ دنیا میں اس کے ساتھ کمی کی جائے ۱۵ .

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَھُمْ لیکن (یاد رکھو!) یہ وہ لوگ ھیں
فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا النَّارُ صلے وَ حَبِطَ جن کے لیے آخرت (کی زندگی)
مَا صَنَعُوْا فِیْھَا وَ بٰطِلٌ میں (دوزخ کی) آگ کے سوا
مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۱۶ کچھ نہ ھوگا۔ جو کچھ انھوں نے

یہاں بنایا ھے سب اکارت جائے گا اور جو کچھ کرتے رھے ھیں

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ	پھر کیا یہ لوگ ایسا کہتے ہیں
فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ	کہ اس آدمی نے قرآن اپنے
مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ	جی سے گھڑ لیا ہے ؟ (اے پیغمبر !
اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ	تو کہہ دے "اگر تم اپنی اس بات
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞ ١٣	میں سچے ہو تو اس طرح کی

دس سورتیں گھڑی ہوئی بنا کر پیش کر دو اور اللہ کے سوا جس کسی کو (اپنی مدد کے لیے) پکار سکتے ہو پکار لو ١٣" (٤٢) .

فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ	"پھر اگر (تمہارے ٹھیرائے ہوئے
فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ	معبود) تمہاری پکار کا جواب
بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ	نہ دیں (اور تم اپنی کوشش میں

١٣ - کفار مکہ پیغمبر اسلام کے اعلانات حق کی ہنسی اڑاتے تھے اور جب قرآن سنایا جاتا تھا تو کہتے تھے : یہ تو تم نے اپنے جی سے گھڑ لیا ہے . آیت ١٣ میں فرمایا : اگر یہ گھڑی ہوئی بات ہے تو تم بھی ایسی ہی بات گھڑ کر بنا لاؤ اور اپنے بنائے ہوئے معبودوں سے دعائیں کرو کہ اس کام میں تمہاری مدد کریں .

وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰى	روشن دلیل رکھتے ھوں (یعنی
اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ	وجدان و عقل کا فیصلہ) اور
يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَ مَنْ	اس کے ساتھ ھی ایك گواہ بھی
يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ	اس کی طرف سے آگیا ھو
فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ	(یعنی اللہ کی وحی) اور اس سے
فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۚ اِنَّهُ الْحَقُّ	پہلے موسیٰ کی کتاب بھی
مِنْ رَّبِّكَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ	پیشوائی کرتی ھوئی اور سر تا پا
النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۱۷ ۞	رحمت آچکی ھو (اور تصدیق

کر رھی ھو تو کیا ایسے لوگ انکار کر سکتے ھیں ؟ نہیں) یہ لوگ اس پر ایمان رکھتے ھیں۔ اور (ملك کے مختلف) گروھوں میں سے جو کوئی اس سے منکر ھوا تو یقین کرو (دوزخ کی) آگ ھی وہ ٹھکانا ھے جس کا اس سے وعدہ کیا گیا ھے۔ پس (اے پیغمبر !) تو اس کی نسبت کسی طرح کے شك میں نہ پڑیو (یعنی دعوت قرآن کی کام یابی کے بارے میں کسی طرح کا شك نہ کیجیو) وہ تیرے پروردگار کی جانب سے امر حق ھے ، لیکن

سب نابود ہونے والا ہے ۱٦ ۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَ يَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ | پھر دیکھو! جو لوگ اپنے پروردگار کی جانب سے ایک

۱۵ و ۱٦ ـ اس کے بعد یہ حقیقت واضح کی ہے کہ اگر انکار و سرکشی پر بھی انہیں دنیوی فوائد مل رہے ہیں تو صرف اتنی ہی بات دیکھ کر یہ مغرور نہ ہوجائیں اور نہ مؤمنوں کو چاہیے کہ اس پر متعجب ہوں ۔ اللہ نے دنیا کے لیے ایسا ہی قانون ٹھیرا دیا ہے کہ انسان کا ہر عمل ایک نتیجہ رکھتا ہے اور جیسا کچھ عمل ہوتا ہے اسی کے مطابق نتیجہ بھی نکلتا ہے اگر ایک انسان آخرت کی طرف سے غافل ہے اور صرف دنیوی زندگی ہی کا خواهش مند ہے ، جب بھی ایسا نہ ہوگا کہ اس کی سعی و طلب بے اثر ہوجائے ۔ جیسی کچھ کوشش کرے گا اس کے مطابق نتیجہ حاصل کر لے گا ۔ اگر اچھی طرح هل جوتے گا اور تخم ریزی کرے گا تو اچھی فصل پیدا ہوجائے گی ۔ ادھورا کام کرے گا تو ادھورا نتیجہ نکلے گا ۔ البتہ ایسے آدمی کے لیے آخرت میں کچھ نہ ہوگا ۔ هاں ! اسے نظر آجائے گا کہ اس کے سارے کام اکارت گئے ۔ آخرت کے لیے کچھ سود مند نہ ہوے ۔

اَلَّذِیۡنَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ جو الله کی راہ سے اس کے
وَیَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمۡ بندوں کو روکتے ھیں اور
بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ کٰفِرُوۡنَ ۝۱۹ چاھتے ھیں اس میں کجی پیدا
کر دیں اور جو آخرت سے بھی منکر ھوے ۱۹ .

اُولٰٓـئِكَ لَمۡ یَكُوۡنُوۡا یہ لوگ نہ تو زمین میں (الله کو)
مُعۡجِزِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ وَمَا عاجز کر دینے والے تھے ، نہ
كَانَ لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ الله کے سوا ان کا کوئی
اَوۡلِیَآءَ ۘ یُضٰعَفُ لَهُمُ کارساز تھا . انھیں دوگنا عذاب

وقف لازم

= تو الله کی دلیل و حجت پر چلے اور منکر الله پر افتراء کر رھے ھیں . پس دونوں کی راہ ایك دوسرے سے متضاد ھوئی اور نتائج بھی متضاد ھوں گے . پہلے نے خدا کی بخشی ھوئی عقل سے کام لیا اور اس کی وحی پر ایمان لایا . دوسرے نے عقل و بصیرت سے انکار کیا اور خدا کی وحی جھٹلائی .

اس کے بعد آیت ۲۳ تك اسی حقیقت کی وضاحت کی ھے .

(ایسا هی هوتا هے که) اکثر آدمی (سچائی پر) ایمان نہیں لاتے۱۷.

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۙ۱۸

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون هوسکتا هے جو جھوٹ بول کر الله پر بہتان باندھ رهے هیں وہ اپنے پروردگار کے حضور پیش کیے جائیں گے اور اس وقت گواہ گواهی دیں گے که یه هیں جنهوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹ بولا. تو سن رکھو! ان ظالموں پر الله کی پھٹکار۱۸.

---

۱۷ - پھر آیت ۱۷ میں فرمایا: جو لوگ الله کی طرف سے دلیل و حجت پر هیں اور انہوں نے راہ حقیقت پالی هے وہ ان مغرورین دنیا کی طرح نہیں هوسکتے. ان کی راہ هدایت الٰہی کی راہ هے اور هدایت الٰہی کی کام یابی شک و شبہه سے بالا تر هے.

۱۸ - پھر آیت ۱۸ میں فرمایا: اس سے بڑھ کر ظالم کون هوسکتا هے جو الله پر افتراء کرے؟ یعنی مؤمن =

إِنَّ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝٢٣

لیکن حو لوگ ایمان لائے، نیك کام کیے اور اپنے پروردگار کی طرف قرار پکڑلیا تو وہ حست والے هیں، جنت (کی کام رانیوں) میں همیشه رهنے والے ٢٣ .

مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ط هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ط اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ع ۝٢٤

ان دو فریقوں کی مثال ایسی ھے جیسے ایك اندھا بھرا اور ایك دیکھنے سننے والا . پھر بتلاؤ! کیا دونوں برابر ھوسکتے ھیں؟ کیا تم غور و فکر نہیں کرتے! ٢٤ .

٢ ع ٢

---

٢٤ - آیت ٢٤ کو تمام پچھلی موعظت کا خلاصه سمجھو . فرمایا: دونوں فریقوں کی مثال ایسی ھے جیسے ایك اندھا بھرا ھو، دوسرا دیکھنے سننے والا . پھر کیا دونوں برابر ھوسکتے ھیں؟ کیا روشنی اور اندھیاری میں کوئی فرق نہیں؟ کیا بصارت اور کوری کا ایك حکم ھے؟ . =

الْعَذَابُ ۚ مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ هوگا (کیوں که ان کی سرکشی
السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ۝۲۰ اور هٹ دھرمی ایسی تھی که)
نه تو حق بات سن سکتے تھے، نه (حقیقت کی روشنی پر)
نظر تھی ۲۰ .

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا یه لوگ هیں جنھوں نے اپنی
أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُم جانیں تباهی میں ڈالیں اور زندگی
مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝۲۱ میں جو کچھ (حق کے خلاف)
افترا پردازیاں کرتے رهے، وه سب (آخرت میں) ان سے
کھوئی گئیں ۲۱ .

لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ اس میں کوئی شک نہیں که یہی
هُمُ الْأَخْسَرُونَ ۝۲۲ لوگ هیں که آخرت میں سب
سے زیادہ تباه حال هوں گے ۲۲ .

---

۲۰ - آیت ۲۰ میں اس طرف اشاره هے که وه دنیا میں کلمۂ حق کی راه نه روك سکیں گے، کیوں که انسان کتنا هی زور و اقتدار میں بڑھ جائے لیکن قوانین حق پر غالب نہیں آسکتا، اسے مغلوب هی هونا پڑتا هے .

الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ ۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ۝ ٢٧

که هماری هی طرح کے ایك آدمی هو اور جو لوگ تمهارے پیچھے چلے هیں ان میں بھی ان لوگوں کے سوا کوئی دکھائی نہیں دیتا جو هم میں کمینے هیں اور بے سوچے سمجھے تمهارے پیچھے هو لیے هیں ۰ هم تو تم لوگوں میں اپنے سے کوئی برتری نہیں پاتے ، بلکه سمجھتے هیں تم جھوٹے هو ٢٧ .

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ۭ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ۝ ٢٨

نوح نے کہا : اے میری قوم کے لوگو ! تم نے اس بات پر بھی غور کیا که اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایك دلیل روشن پر هوں اور اس نے اپنے حضور سے ایك رحمت بھی مجھے بخش دی هو (یعنی راه حق دکھا دی هو) مگر وه تمهیں دکھائی نه دے تو (میں اس کے سوا کیا کر سکتا هوں جو کر رها هوں ؟) کیا هم جبراً تمهیں راه دکھا دیں ، حالانکه تم اس سے بیزار هو ؟ ٢٨ .

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ ۡ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۙ ٢٥

اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تھا۔ (اس نے کہا: لوگو!) میں تمہیں (انکار و بد عملی کے نتائج سے) آشکارا خبردار کرنے والا ہوں ۲۵۔

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ۙ ٢٦

اللہ کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کرو۔ میں ڈرتا ہوں کہ تم پر عذاب کا ایک دردناک دن نہ آجائے ۲۶۔

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ

اس پر قوم کے ان سرداروں نے جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی کہا: ہم تو تم میں اس کے سوا کوئی بات نہیں دیکھتے

= اگر نہیں ہے تو ضروری ہے کہ دونوں کے احوال و نتائج ایک دوسرے سے متضاد ہوں اور دنیا میں ہمیشہ ایسا ہی ہوا ہو جیسا کہ اب ہو رہا ہے۔

الله کے مقابلے میں کون ھے جو میری مدد کرے گا ؟ (افسوس تم پر!) کیا تم غور نہیں کرتے؟ ۳۰ .

وَ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ	اور دیکھو! میں تم سے یہ نہیں
خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَ لَآ اَعْلَمُ	کہتا کہ میرے پاس اللہ کے
الْغَيْبَ وَ لَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ	خزانے ھیں، نہ یہ کہتا ھوں کہ
وَّ لَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ	میں غیب کی باتیں جانتا ھوں،
اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ	نہ میرا یہ دعوی ھے کہ میں
اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا	فرشتہ ھوں، میں یہ بھی نہیں
فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّيْٓ اِذًا لَّمِنَ	کہتا کہ جن لوگوں کو تم
الظّٰلِمِيْنَ ۝ ۳۱	حقارت کی نظر سے دیکھتے ھو

الله انہیں کوئی بھلائی نہیں دے گا (جیسا کہ تمہارا اعتقاد ھے). الله ھی بہتر جانتا ھے جو کچھ ان لوگوں کے دلوں میں ھے، اگر میں (تمہاری خواھش کے مطابق) ایسا کہوں تو جونہیں ایسی بات کہی میں ظالموں میں سے ھو گیا ۳۱ .

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا (اس پر) ان لوگوں نے کہا :

وَ يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ وَ مَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ لٰكِنِّیْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝ ۲۹

لوگو! یہ جو کچھ میں کر رہا ہوں تو اس پر مال و دولت کا تم سے طالب نہیں۔ میری خدمت کی مزدوری جو کچھ ہے صرف اللہ پر ہے ۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں (وہ تمہاری نگاہوں میں کتنے ہی ذلیل ہوں مگر) میں ایسا کرنے والا نہیں کہ اپنے پاس سے انہیں ھنکا دوں ۔ انہیں بھی اپنے پروردگار سے (ایک دن) ملنا ہے (۴۳) لیکن (میں تمہیں سمجھاؤں تو کس طرح سمجھاؤں؟) میں دیکھتا ہوں کہ تم ایک جماعت ہو (حقیقت سے) جاہل ۲۹ ۔

وَ يٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ ۳۰

اے میری قوم کے لوگو! مجھے بتلاؤ اگر میں ان لوگوں کو اپنے پاس سے نکال باہر کروں (اور اللہ کی طرف سے مؤاخذہ ہو جس کے نزدیک معیار قبولیت ایمان و عمل ہے، نہ کہ تمہاری گھڑی ہوئی شرافت و رذالت) تو

پروردگار ھے، اسی کی طرف تمھیں لوٹنا ھے ۳٤ .

اَمْ يَقُولُونَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ (حکم الٰہی ھوا: اے نوح!)

اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ کیا یہ لوگ کہتے ھیں " اس

ع ۳ ۳ وَ اَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ۳۵ آدمی نے (یعنی نوح نے) اپنے

جی سے یہ بات گھڑ لی ھے؟ " تو کہہ دے: اگر میں نے یہ بات

گھڑ لی ھے تو میرا جرم مجھ پر اور تم جو جرم کر رھے ھو

(اس کی پاداش تمھارے لیے) میں اس سے بری الذمہ ھوں ۳۵ .

وَ اُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ اور نوح پر وحی کی گئی کہ

يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ تیری قوم میں سے جو لوگ

قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ ایمان لا چکے ھیں ان کے سوا

بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۳٦ اب کوئی ایمان لانے والا نہیں.

پس جو کچھ یہ کر رھے ھیں اس پر (بے کار کو) غم

نہ کھا ۳٦ .

وَ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا اور (کہا گیا کہ) ھماری

وَ وَحْيِنَا وَ لَا تُخَاطِبْنِيْ فِيْ نگرانی میں اور ھمارے حکم

فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ ۳۲

اے نوح! تو نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت جھگڑ چکا، (اب ان باتوں سے کچھ بننے والا نہیں) اگر تو سچا ہے تو جس بات کا وعدہ کیا ہے وہ ہمیں لا دکھا ۳۲.

قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ ۳۳

نوح نے کہا: اگر اللہ کو منظور ہوگا تو بلا شبہ تم پر وہ بات لے آئے گا اور تمہیں یہ قدرت نہیں کہ (اسے کسی بات سے) عاجز کردو ۳۳.

وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ۭ هُوَ رَبُّكُمْ قف وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ۳۴

اور اگر اللہ کی مشیت یہی ہے کہ تمہیں ہلاک کرے تو میں کتنا ہی نصیحت کرنا چاہوں میری نصیحت کچھ سود مند نہ ہوگی۔ وہی تمہارا

اسے رسوا کرے اور پھر دائمی عذاب بھی اس پر نازل ہو! ۳۹.

۲۵ تا ۳۹ - چنانچہ اس کے بعد ھی گزشتہ ایام و وقائع کا بیان شروع ھو گیا ھے جو فی الحقیقت دلائل و حجج کا ایك پورا سلسلہ ھے. اس سلسلہ کی پہلی کڑی حضرت نوح (علیہ السلام) کی دعوت ھے.

حضرت نوح نے کہا:

(ا) اللہ کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کرو.

(ب) اگر تم سرکشی سے باز نہ آئے تو عذاب کا ایك بڑا ھی دردناك دن آنے والا ھے.

(ج) لیکن قوم کے سرداروں اور اونچے درجے کی جماعتوں نے انکار و سرکشی کی، صرف وہ ایمان لائے جو قوم میں دلیل سمجھے جاتے تھے.

(د) منکروں نے کہا: تم بھی ھماری ھی طرح ایك آدمی ھو. پھر تمھاری بات کیوں مانیں. یعنی اگر تم میں کوئی ایسا اچنبھا پایا جاتا جو اور آدمیوں میں نہیں پایا جاتا، یا دیوتاؤں کی طرح اتر آئے ھوتے تو تمھاری تصدیق کرتے.

(ہ) منکرین نے کہا: جو ھم میں کمینے ھیں وھی بے سمجھے بوجھے تمھیں مان رھے ھیں. پھر کیا ان بے وقوفوں کی طرح ھم بھی مان لیں؟ علاوہ بریں ھم =

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝۳۷ کے مطابق ایک کشتی بنانا شروع کردے اور ان ظالموں

کے بارے میں اب ہم سے کچھ عرض معروض نہ کر . یقیناً یہ لوگ غرق ہوجانے والے ہیں ۳۷ .

وَ يَصْنَعُ الْفُلْكَ ۖ وَ كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ۚ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ۝۳۸ چنانچہ نوح کشتی بنانے لگا . اور جب کبھی ایسا ہوتا کہ اس کی قوم کا کوئی گروہ اس پر سے گزرتا تو (اسے کشتی بنانے میں مشغول دیکھ کر)

تمسخر کرنے لگتا . نوح انھیں جواب دیتا کہ اگر تم ہماری ہنسی اڑاتے ہو تو (اڑالو) اسی طرح ہم بھی (تمہاری بے وقوفیوں پر ایک دن) ہنسیں گے ۳۸ .

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَ يَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝۳۹ وہ وقت دور نہیں جب تمہیں معلوم ہوجائے گا کون ہے جس پر ایسا عذاب آتا ہے کہ

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ	(یہ سب کچھ ہوتا رہا) یہاں
التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ	تك کہ جب وہ وقت آ گیا کہ
فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ	ہماری (ٹھہرائی ہوئی) بات
اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ	ظہور میں آئے اور (فطرت
سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ	کے) تنور نے جوش مارا تو
اٰمَنَ ؕ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ	ہم نے (نوح کو) حکم دیا
اِلَّا قَلِيْلٌ ۞ ٤٠	" ہر قسم (کے جانوروں) کے

= ظہور کا مطالبہ کرنے لگے .

(ی) اس پر ارشاد الٰہی ہوا کہ کہہ دے . تم کہتے ہو کہ میں مفتری ہوں . اچھا ! اگر میں مفتری ہوں تو میرا گناہ مجھ پر . اور اگر تم سچائی کو جھٹلا رہے ہو تو اس کی پاداش تمہیں جھیلنی ہے . میں اس سے بری ہوں . اب فیصلے کا انتظار کرو .

(ك) حضرت نوح کا وحی الٰہی سے مطلع ہونا کہ جو ایمان لاچکے ہیں ان کے سوا کوئی ایمان لانے والا نہیں اور یہ کہ ملك غرق ہونے والا ہے ، پس ایك کشتی بنالو .

(ل) منکروں کا اس پر تمسخر کرنا .

= ایسی جماعت میں کیوں کر شریک ہو سکتے ہیں جہاں رذیل و شریف میں کوئی امتیاز نہیں ؟

(و) حضرت نوح نے کہا : انسان کی ہدایت تو انسان ہی کے ذریعے ہو سکتی ہے اور وہ اتنا ہی کر سکتا ہے جو اس کے اختیار میں ہے ۔ تم کہتے ہو "میں جھوٹا ہوں" لیکن بتلاؤ ! اگر تم مجھے سچا سمجھتے تو کیا اس بات کی توقع کرتے کہ جبراً تمہیں سچائی کی راہ دکھا دوں ؟ خدا کی طرف سے کتنی ہی واضح دلیل حق مجھے مل گئی ہو ، لیکن تم سمجھنے سے انکار کردو تو میں کیا کر سکتا ہوں ؟

(ز) انہوں نے کہا : تم جن لوگوں کو ذلیل سمجھتے ہو ، میں کبھی نہیں کہوں گا کہ وہ ذلیل ہیں اور انہیں خوبی و سعادت نہیں مل سکتی ۔ اگر میں ایسا کروں تو خدا کے مؤاخذہ میں گرفتار ہو جاؤں ۔

(ح) انہوں نے کہا : میرا دعویٰ صرف یہ ہے کہ سچائی کا پیغامبر ہوں ۔ مجھے طاقت و تصرف کا دعویٰ نہیں ، نہ میں انسانیت سے کوئی بالا تر ہستی ہوں ۔

(ط) منکروں نے ان دلائل و مواعظ پر غور کرنے سے انکار کر دیا ۔ وہ ان باتوں کو "جدال" سے تعبیر کرنے لگے اور یہاں تک سرکشی کی کہ خود عذاب کے =

اے میرے بیٹے! ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا، کافروں کے ساتھ نہ رہ ۴۲ .

قَالَ سَاٰوِیۡۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعۡصِمُنِیۡ مِنَ الۡمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الۡیَوۡمَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ ۚ وَ حَالَ بَیۡنَہُمَا الۡمَوۡجُ فَکَانَ مِنَ الۡمُغۡرَقِیۡنَ ۝۴۳

اس نے کہا: میں کسی پہاڑ پر پناہ لے لوں گا، وہ مجھے پانی کی زد سے بچالے گا. نوح نے کہا: (تو کس خیال خام میں پڑا ہے؟) آج اللہ کی (ٹھہرائی ہوئی) بات سے بچانے والا کوئی نہیں، مگر ہاں! وہی جس پر رحم کرے. اور (دیکھو!) دونوں کے درمیان ایک موج حائل ہوگئی، پس وہ انہیں میں ہوا جو ڈوبنے والے تھے ۴۳ .

---

۴۰ تا ۴۳ (م) طوفان کا ظہور اور حضرت نوح کا کشتی میں سوار ہونا اور ان سب کو ساتھ لے لینا جن کے ساتھ لینے کا حکم ہوا.

(ن) سیلاب نے اتنا گہرا پانی جمع کردیا تھا اور طوفانی ہواؤں کا یہ عالم تھا کہ اونچی اونچی موجیں اٹھنے لگی تھیں.

(س) حضرت نوح کے لڑکے نے ان کا ساتھ نہ دیا اور غرق ہوگیا.

دو دو جوڑے کشتی میں لے لو اور اپنے اهل و عیال کو بھی ساتھ لو، مگر اهل و عیال میں وہ لوگ داخل نہیں جن کے لیے پہلے بات کہی جاچکی ھے (یعنی کہا جاچکا ھے کہ انہیں غرق ہونا ھے). نیز ان لوگوں کو بھی لے لو جو ایمان لا چکے ھیں". اور نوح کے ساتھ ایمان نہیں لائے تھے مگر بہت تھوڑے آدمی ۴۰.

وَ قَالَ ارْکَبُوْا فِیْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ ۴۱

اور (نوح نے ساتھیوں سے) کہا "کشتی میں سوار ہوجاؤ. اللہ کے نام سے اسے چلنا ھے اور اللہ ھی کے نام سے ٹھیرنا. بلا شبہ میرا پروردگار بخشنے والا رحمت والا ھے." ۴۱.

وَ هِیَ تَجْرِیْ بِهِمْ فِیْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۫ وَ نَادٰى نُوْحُ ا۟بْنَهٗ وَ كَانَ فِیْ مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَ لَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِیْنَ ۝ ۴۲

اور (دیکھو!) ایسی موجوں میں کہ پہاڑ کی طرح اٹھتی ھیں کشتی انہیں لے جارہی ھے. اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا، وہ کنارہ پر (کھڑا) تھا:

قرء حفص بفتح المیم و امالۃ الراء

وَ نَادٰی نُوحٌ رَّبَّہٗ فَقَالَ رَبِّ	اور نوح نے اپنے پروردگار سے
اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَھْلِیْ وَ اِنَّ	دعا کی، اس نے کہا: خدایا!
وَعْدَکَ الْحَقُّ وَ اَنْتَ اَحْکَمُ	میرا بیٹا تو میرے گھر کے
الْحٰکِمِیْنَ ۝ ۴۵	لوگوں میں سے ہے اور یقیناً

= دور الگ الگ بہ کر عراق زیریں میں باہم مل گئی ہیں اور پھر خلیج فارس میں سمندر سے ہم کنار ہوئی ہیں۔ آرمینیا کے یہ پہاڑ "ارارات" کے علاقے میں واقع ہیں، اسی لیے انہیں تورات میں "ارارات کا پہاڑ" کہا ہے، لیکن قرآن نے خاص اس پہاڑ کا ذکر کیا جس پر کشتی ٹھہری تھی، وہ "جودی" تھا۔

زمانۂ حال کے بعض شارحین تورات کے خیال میں "جودی" اس سلسلۂ کوہ کا نام ہے جس نے ارارات اور جارجیا کے سلسلہائے کوہ کو ملا دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: سکندر کے زمانے کی یونانی تحریرات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ کم از کم یہ واقعہ تاریخی ہے کہ آٹھویں صدی مسیحی تک وہاں ایک معبد موجود تھا اور لوگوں نے اس کا نام "کشتی کا معبد" رکھ دیا تھا۔

وَقِيلَ يَـٰٓأَرْضُ ٱبْلَعِى مَآءَكِ	اور (پھر اللہ کا) حکم ہوا
وَيَـٰسَمَآءُ أَقْلِعِى وَغِيضَ	"اے زمین! اپنا پانی پی لے
ٱلْمَآءُ وَقُضِىَ ٱلْأَمْرُ وَٱسْتَوَتْ	اور اے آسمان! تھم جا"۔ اور
عَلَى ٱلْجُودِىِّ ۖ وَقِيلَ بُعْدًا	پانی کا چڑھاؤ اتر گیا اور
لِّلْقَوْمِ ٱلظَّـٰلِمِينَ ۞ ٤٤	حادثہ انجام پا گیا اور کشتی

"جودی" پر ٹھہر گئی اور کہا گیا "نامرادی اس گروہ کے لیے ہے کہ ظلم کرنے والا گروہ تھا!" ٤٤۔

٤٤ - (ع) طوفان اور سیلاب کا تھما، حادثہ کا ختم ہونا اور کشتی کا جودی پہاڑ پر قرار پانا۔

سورۂ قمر کی آیت ١١ سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان سے لگا تار بارش ہوئی تھی اور زمین کی تمام نہروں میں سیلاب آ گیا تھا۔ تورات میں بھی ایسا ہی ہے۔ لیکن اس میں یہ اشارہ بھی پایا جاتا ہے کہ بڑے سمندر کی تمام سوتیں پھوٹ نکلی تھیں (پیدایش ٧ : ١٢)۔

حضرت نوح کا ظہور اس سر زمین میں ہوا تھا جو دجلہ اور فرات کی وادیوں میں واقع ہے۔ دجلہ اور فرات آرمینیا کے پہاڑوں سے نکلی ہیں اور بہت=

قَالَ رَبِّ اِنِّیٓ اَعُوۡذُ بِكَ اَنۡ اَسۡـَٔلَكَ مَا لَيۡسَ لِیۡ بِهٖ عِلۡمٌ‌ؕ وَاِلَّا تَغۡفِرۡ لِیۡ وَتَرۡحَمۡنِیۡۤ اَكُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِيۡنَ۝٤٧

(نوح نے) عرض کیا: خدایا! میں اس بات سے تیرے حضور پناہ مانگتا ہوں کہ ایسی بات کا سوال کروں جس کی حقیقت کا مجھے علم نہیں۔ اگر تو نے مجھے نہ بخشا اور رحم نہ فرمایا تو میں ان لوگوں میں سے ہو جاؤں گا جو تباہ حال ہوے ٤٧۔

قِيۡلَ يٰـنُوۡحُ اهۡبِطۡ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيۡكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنۡ مَّعَكَ‌ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمۡ ثُمَّ يَمَسُّهُمۡ

حکم ہوا: اے نوح! اب کشتی سے اتر ہماری جانب سے تجھ پر سلامتی اور برکتیں ہوں۔ نیز ان جماعتوں پر جو

= اس کی خبر نہیں۔ وہ تو ان میں سے ہے جن کے لیے کہا جا چکا ہے کہ ” ولا تخاطبنی فی الذین ظلموا “ اور ” الا من سبق علیه القول “ جیسا کہ آیت ٣٧ اور ٤٠ میں گزر چکا۔

تیرا وعدہ سچا ہے ۔ تجھ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ۴۵ ۔

قَالَ يٰنُوحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ　　(خدا نے) فرمایا: اے نوح!
اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ　　وہ تیرے گھر کے لوگوں میں
صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا　　سے نہیں ہے ۔ وہ تو (سر تاپا)
لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنِّیْٓ　　عمل بد ہے (۴۴) ۔ پس حس حقیقت
اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ　　کا تجھے علم نہیں اس بارے
الْجٰهِلِيْنَ ۝ ۴۶　　میں سوال نہ کر میں تجھے

نصیحت کرتا ہوں کہ نا واقفوں میں سے نہ ہوجانا ۴۶ ۔

---

۴۵ و ۴۶ (ف) حضرت نوح نے کہا ۔ خدایا! وہ میرے اہل و عیال میں سے ہے ۔ فرمایا: نہیں! وہ بد عمل ہے اور بد عمل تیرے اہل میں داخل نہیں ۔

یہ آیت اس باب میں قطعی ہے کہ جسمانی رشتہ نجات کے لیے کچھ سود مند نہیں ۔ جو کچھ ہے ایمان و عمل ہے ۔

حضرت نوح کو اپنے لڑکے کے کفر کی خبر نہ تھی ، اس لیے عرض کیا کہ وہ میری اہل میں سے ہے اور میرے اہل و عیال کی حفاظت کا تو نے وعدہ کیا ہے ۔ ارشاد ہوا کہ حقیقت حال دوسری ہے اور تمھیں =

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۴۹

(اے پیغمبر!) یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جسے وحی کے ذریعے تجھے بتلا رہے ہیں. اس سے پہلے نہ تو یہ باتیں تو جانتا تھا نہ تیری قوم.

معانقه ۴
ع ۴

پس صبر کر (اور منکروں کے جہل و شرارت سے دل گیر نہ ہو) انجام کار متقیوں ہی کے لیے ہے ۴۹ .

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۵۰

اور ہم نے (قوم) عاد کی طرف اس کے بھائی ہود کو بھیجا. ہود نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو. اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں. یقین کرو تم اس کے سوا کچھ نہیں ہو کہ (حقیقت کے خلاف) افترا پردازیاں کر رہے ہو ۵۰ .

مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيمٌ ۝ ۴۸ تیرے ساتھ ھیں۔ اور دوسری کتنی ھی جماعتیں ھیں (بعد کو آنے والی) جنھیں ھم (زندگی کے فائدوں سے) بہرہ مند کریں گے، لیکن پھر انھیں (پاداش عمل میں) ھماری طرف سے عذاب درد ناك پہنچے گا ۴۸ .

---

۴۸ - (ص) ایك ایسے طوفان و سیلاب کے بعد ملك کی جو حالت ھو گئی ھو گی اس کی ھولناکی محتاج بیان نہیں . قدرتی طور پر حضرت نوح اور ان کے ساتھیوں کو خیال گزرا ھو گا کہ یہ سر زمین زندگی اور زندگی کے تمام سامانوں سے خالی ھو گئی ھے ، اب اس وحشت کدہ میں ھم کیوں کر زندگی بسر کریں گے ؟ پس اللہ نے حکم دیا : وحی کی سلامتی اور برکتوں کے ساتھ زمین پر قدم رکھو . یعنی تمھارے لیے اب خوف کی کوئی بات نہ ھو گی . اور سامان زندگی کی تمام برکتیں پھر ظہور میں آجائیں گی . چنانچہ آیت ۴۸ میں کہ خاتمۂ سرگذشت ھے اسی طرف اشارہ کیا ھے۔ ''وامم سنمتعھم'' کا مطلب یہ ھے کہ تمھارے بعد جو امتیں آئیں گی انھیں اگرچہ زندگی کی ساری کامرانیاں ملیں گی، لیکن پھر پاداش عمل سے تباھی میں پڑیں گی .

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۵۳

(ان لوگوں نے) کہا: اے هود! تو همارے پاس کوئی دلیل لے کر تو آیا نہیں (جسے هم دلیل سمجھیں) اور هم ایسا کرنے والے نہیں کہ تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں، هم تجھ پر ایمان لانے والے نہیں ۵۳ .

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۵۴

هم جو کچھ کہہ سکتے هیں وہ تو یہ هے کہ همارے معبودوں میں سے کسی معبود کی تجھ پر مار پڑ گئی هے (اسی لیے اس طرح کی باتیں کرنے لگا هے). هود نے کہا: میں الله کو گواہ ٹھیراتا هوں اور تم بھی گواہ رهو کہ جن هستیوں کو تم نے اس کا شریك بنا رکھا هے مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں ۵۴ .

يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ	اے میری قوم کے لوگو! میں
اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى	اس بات کے لیے تم سے کوئی
الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۵۱	بدلا نہیں مانگتا ۔ میرا بدلا تو

اسی پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔ پھر کیا تم (اتنی صاف بات بھی) نہیں سمجھتے؟ ۵۱ ۔

وَ يٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ	اور اے میری قوم کے
ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ	لوگو! اپنے پروردگار سے
السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا	(اپنے قصوروں کی) مغفرت
وَّ يَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ	مانگو اور (آیندہ کے لیے)
وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ۝۵۲	اس کی جناب میں توبہ کرو۔

وہ تم پر برستے ہوئے بادل بھیجتا ہے (جس سے تمھارے کھیت اور باغ شاداب ہو جاتے ہیں) اور تمھاری قوتوں پر نئی نئی قوتیں بڑھاتا ہے (کہ روز بروز گھٹنے کی جگہ اور زیادہ بڑھتے جاتے ہو)۔ اور (دیکھو!) جرم کرتے ہوئے اس سے منہ نہ موڑو ۵۲ ۔

اِنِّیْ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ رَبِّیْ | میرا بھروسا اللہ پر ھے جو
وَ رَبِّکُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّۃٍ اِلَّا | میرا بھی پروردگار ھے اور
ھُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِھَا ؕ | تمھارا بھی . کوئی حرکت
اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ | کرنے والی ھستی نہیں کہ اس
مُّسْتَقِیْمٍ ۝۵۶ | کے قبضے سے باھر ھو (٤٥) .

میرا پروردگار (حق و عدل کی) سیدھی راہ پر ھے (یعنی اس

= معبودوں کی مجھ پر مار ھے''. میں اعلان کرتا ھوں کہ مجھے تمھارے تمام معبودوں سے کوئی سروکار نہیں. اب تم اور تمھارے معبود جو کچھ میرے خلاف کرسکتے ھیں کر دیکھیں. تمھارا بھروسا ان معبودوں پر ھے، میرا اللہ پر ھے جو میرا اور تمھارا سب کا پروردگار ھے .

میرا کام تبلیغ حق تھا، میں نے کردیا . اب اگر سچائی کی طرف سے تم نے رخ پھیر لیا ھے تو جان لو کہ قانون الٰہی کے مطابق تمھاری جگہ کسی دوسری قوم کو مل جائے گی اور تم ھلاکت سے دوچار ھوگے .

(د) چنانچہ ایسا ھی ھوا . مؤمنوں نے نجات پائی، سرکش ھلاک ھوے .

مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِیْ جَمِيْعًا تم سب مل کر میرے خلاف

ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝ ٥٥ جو کچھ تدبیر کر سکتے ہو

ضرور کرو اور مجھے (ذرا بھی) مہلت نہ دو (پھر دیکھ لو

نتیجہ کیا نکلتا ھے) ٥٥ .

---

٥٠ تا ٥٥ - قوم عاد میں حضرت ھود علیہ السلام کا ظہور ھوا .

(ا) انھوں نے کہا: اللہ کی بندگی کرو. اس کے سوا کوئی معبود نہیں . تمھارے عقائد و اعمال حقیقت کے خلاف محض افتراء ھیں .

میں کسی معاوضے کا طالب نہیں . یہ محض اداء فرض کا تقاضا ھے جو مجھے دعوت الی الحق پر مجبور کر رھا ھے.

(ب) لیکن ان کی قوم نے ان مواعظ پر کان دھرنے سے انکار کردیا. انھوں نے کہا: تمھارے پاس کوئی ایسی بات نہیں جو ھمارے نزدیك دلیل ھو، ھم تو اپنے معبودوں کی پرستش چھوڑنے والے نہیں .

ھمارے خیال میں جو بات آتی ھے وہ تو یہ ھے کہ ھمارے معبودوں میں سے کسی کی مار تمھیں لگ گئی ھے، اسی لیے ایسے خیالات آنے لگے ھیں .

(ج) حضرت ھود نے کہا: تم کہتے ھو" تمھارے=

شَيْـئًا ۭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ زیادہ میرے اختیار میں کچھ
شَيْءٍ حَفِيْظٌ ۝۵۷ نہیں ہے)۔ اور (مجھے تو نظر
آرہا ہے کہ) میرا پروردگار کسی دوسرے گروہ کو تمہاری
جگہ دے دے گا اور تم اس کا کچھ بگاڑ نہ سکو گے۔ یقیناً
میرا پروردگار ہر چیز کا نگران حال ہے ۵۷۔
وَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا اور (دیکھو!) جب ہماری
هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ (ٹھیرائی ہوئی) بات کا وقت
بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ آپہنچا تو ہم نے اپنی رحمت
مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝۵۸ سے ہود کو بچا لیا اور ان
لوگوں کو بھی بچا لیا جو اس کے ساتھ (سچائی پر) ایمان
لائے تھے اور ایسے عذاب سے بچایا کہ بڑا ہی سخت عذاب تھا ۵۸۔
وَتِلْكَ عَادٌ ړ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ اور یہ ہے سرگذشت عاد کی۔
رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا انہوں نے اپنے پروردگار کی
اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝۵۹ نشانیاں (ہٹ دھرمی اور
سرکشی کرتے ہوئے) جھٹلائیں اور اس کے رسولوں کی

کی راہ ظلم کی راہ نہیں ہو سکتی) ٥٦ .

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖۤ اِلَيْكُمْ ؕ وَ يَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَ لَا تَضُرُّوْنَهٗ

پھر اگر (اس پر بھی) تم نے روگردانی کی تو جس بات کے لیے میں بھیجا گیا تھا وہ میں نے پہنچا دی (اس سے

---

٥٦ - آیت ٥٦ میں " ربّی و ربّکم " کا دور جس بات پر ھے اسے سمجھ لینا چاھیے . ان تمام مشرك قوموں کو اس بات سے انکار نہ تھا کہ ایك خالق و پروردگار ھستی موجود ھے اور اصلی طاقت اسی کی طاقت ھے ، یعنی وہ توحید ربوبیت سے بے خبر نہ تھے . لیکن ساری گمراھی تھی کہ توحید الوھیت میں کھوئے گئے تھے ، یعنی سمجھتے تھے اس پروردگار ھستی کے ماتحت دوسری ھستیاں بھی ھیں جنھیں تصرف کا اختیار مل گیا ھے اور اس لیے ھمیں ان کی پوجا کرنی چاھیے. پس " ربّی و ربّکم " کا مطلب یہ ھوا کہ میرا بھروسا تو اس پر ھے جسے میں بھی رب یقین کرتا ھوں اور تم بھی رب مانتے ھو .

اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ
اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ۟ ع ٦٠
وَ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ
قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ
مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ
هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ
وَ اسْتَعْمَرَكُمْ فِیْهَا
فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْۤا
اِلَیْهِ ؕ اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ
مُّجِیْبٌ ۟ ٦١

رحمت الٰہی کی برکتوں سے محرومی ہوئی) اور قیامت کے دن بھی. تو سن رکھو کہ قوم عاد نے اپنے پروردگار کی ناشکری کی. اور سن رکھو کہ عاد کے لیے محرومی کا اعلان ہوا جو ہود کی قوم تھی ٦٠.

ع ٥

اور ہم نے قوم ثمود کی طرف اس کے بھائی بندوں میں سے صالح کو بھیجا. اس نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو. اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں. وہی ہے جس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور پھر اسی میں تمہیں بسا دیا. پس چاہیے کہ اس سے بخشش مانگو اور اس کی طرف

وقف لازم

نا فرمانی کی اور هر متکبر و سرکش کے حکم کی پیروی کی ⁵⁹ .

وَأُتْبِعُوا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا اور ایسا هوا که دنیا میں بھی

لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط ان کے پیچھے لعنت پڑی (یعنی

---

۵۹ - آیت ۵۹ سے معلوم هوتا که هے قوم عاد بر ظالم و سرکش بادشاہ حکم راں تھے اور فراعنۂ مصر کی طرح اپنے آپ کو پجواتے تھے . فرمایا: انھوں نے خدا کے رسولوں سے نا فرمانی کی اور سرکش و ظالم حکم رانوں کا کہا مانا . یعنی جو حق و عدالت کی طرف بلاتے تھے ان سے تو منکر هوے اور جو ظلم و سرکشی کرتے تھے ان کے پیچھے چلے . ایسے گروہ کے لیے بجز هلاکت کے اور کیا هوسکتا هے ؟

" رسله " اس لیے کہا که گو انھوں نے انکار ایك رسول کا کیا تھا لیکن اس کی تعلیم تمام رسولوں هی کی تعلیم تھی . پس ایك کو جھٹلانا سب کو جھٹلانا هوا . نیز ان کے انکار کو " جحود " سے تعبیر کیا " جحدوا بآیت ربهم "، تا که واضح هوجائے ان کے انکار کی نوعیت کیا تھی . جحود کے معنی یه هیں که جان بوجھ کر محض هٹ اور شرارت سے انکار کرنا ، چنانچه تفصیل تفسیر فاتحه میں گزر چکی هے .

يَنۡصُرُنِيۡ مِنَ اللّٰهِ اِنۡ عَصَيۡتُهٗ ۖ فَمَا تَزِيۡدُوۡنَنِيۡ غَيۡرَ تَخۡسِيۡرٍ ۞ ۶۳

میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل روشن پر ہوں اور اس نے اپنی رحمت مجھے عطا فرمائی ہو تو پھر کون ہے جو اللہ کے مقابلے میں میری مدد کرے گا اگر میں اس کے حکم سے سرتابی کروں؟ (تم اپنی توقع کے مطابق دعوت کار دے کر) مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتے، تباہی کی طرف لے جانا چاہتے ہو ۶۳ .

وَيٰقَوۡمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَـكُمۡ اٰيَةً فَذَرُوۡهَا تَاۡكُلۡ فِىۡۤ اَرۡضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوۡهَا بِسُوۡٓءٍ فَيَاۡخُذَكُمۡ عَذَابٌ قَرِيۡبٌ ۞ ۶٤

اور اے میری قوم کے لوگو! دیکھو! یہ اللہ کی اونٹنی (یعنی اس کے نام پر چھوڑی ہوئی اونٹنی) تمہارے لیے ایک (فیصلہ کن) نشانی ہے. پس اسے چھوڑ دو اللہ کی زمین میں چرتی رہے، اسے کسی طرح کی اذیت نہ پہنچانا، ورنہ فوراً عذاب تمہیں آ پکڑے گا ٦٤ .

فَعَقَرُوۡهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوۡا فِىۡ دَارِكُمۡ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ‌ؕ

لیکن لوگوں نے (اور زیادہ ضد میں آ کر) اسے ھلاک

رجوع ہو کر رہو. یقین کرو میرا پروردگار (ہر ایک کے) پاس ہے اور (ہر ایک کی) دعاؤں کا جواب دینے والا ہے ٦١ .

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَ اِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ٦٢

لوگوں نے کہا: اے صالح! پہلے تو تو ایک ایسا آدمی تھا کہ ہم سب کی امیدیں تجھ سے وابستہ تھیں. پھر کیا تو ہمیں روکتا ہے کہ ان معبودوں کی پوجا نہ کریں جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں؟ (یہ کیسی بات ہے؟) ہمیں تو اس بات میں بڑا ہی شك ہے جس کی طرف تم دعوت دیتے ہو کہ ہمارے دل میں اترتی نہیں ٦٢ .

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ اٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ

صالح نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! کیا تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ (وہ اس طرح اچانك مر گئے)

اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا كَفَرُوْا گویا ان گھروں میں کبھی

٦ ع ٦ رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ۶۸ؑ بسے ھی نہ تھے. تو سن رکھو

کہ ثمود نے اپنے پروردگار کی نا شکری کی اور ھاں سن رکھو

کہ ثمود کے لیے محرومی ھوئی ٦٨ .

---

٦١ تا ٦٨ - قوم ثمود میں حضرت صالح علیہ السلام کا ظہور ھوا .

(ا) انھوں نے کہا: اللہ کی بندگی کرو. اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں .

دیکھو! کون ھے حس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا . (یعنی ایسی چیز سے پیدا کیا جو زمین کی مٹی کا خمیر تھی ، جیسا کہ دوسری جگہ صراحت کی ھے) اور پھر تم سے اس کی آبادی و رونق کردی؟ کیا پروردگار عالم کے سوا کوئی ھوسکتا ھے؟ پھر کیا وھی اس کا مستحق نہیں کہ اس کی بندگی کی جائے؟

سرکشی سے باز آجاؤ اور اس کی طرف رجوع ھو .

(ب) قوم نے کہا: ھمیں تو تمہاری ذات سے بڑی بڑی امیدیں تھیں کہ ھماری سرداری اور پیشوائی کرو گے.=

ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ۝ ٦٥ کر ڈالا ۔ تب صالح نے کہا :
(اب تمہیں صرف) تین دن (کی مہلت ہے) اپنے گھروں میں
کھا پی لو ۔ یہ وعدہ ہے جھوٹا نہ نکلے گا ٦٥ .

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝ ٦٦

پھر جب ہماری (ٹھیرائی ہوئی) بات کا وقت آ پہنچا تو ہم نے صالح کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے، اپنی رحمت سے بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے نجات دے دی. (اے پیغمبر!) بلا شبہ تیرا پروردگار ہی ہے جو قوت والا اور سب پر غالب ہے ٦٦ .

وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ ٦٧

اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا، ان کا یہ حال ہوا کہ ایک زور کی کڑک نے آ لیا. جب صبح ہوئی تو سب اپنے گھروں میں اوندھے پڑے تھے ٦٧ .

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ	اور یہ واقعہ ہے کہ ہمارے
اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا	بھیجے ہوئے (فرشتے) ابراہیم
سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا	کے پاس خوش خبری لے کر
لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ	آئے تھے۔ انہوں نے کہا:

= لوگوں نے سمجھ رکھی ہے تو پھر کیا محض لوگوں کے پاس خاطر سے اس کا اظہار نہ کرے؟ اچھا بتلاؤ! اگر وہ حکم حق سے سرتابی کرے تو کوئی ہے جو خدا کے مؤاخذہ سے اسے بچالے گا؟ اگر میں محض اس خیال سے کہ تمہاری امیدوں کو ٹھیس نہ لگے، سچائی کا اعلان نہ کروں تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ اپنے آپ کو تباہی میں ڈال دوں۔

(د) بہر حال انہوں نے سرکشی کی، نتیجہ یہ نکلا کہ مؤمنوں نے نجات پائی، سرکش ہلاک ہوے۔

اونٹنی کے معاملے کی تشریح اعراف ۷۳ کے نوٹ میں گزر چکی ہے۔

حضرت ہود اور حضرت صالح کی سرگذشتوں میں اختصار ملحوظ رہا، کیوں کہ ان دونوں کا ظہور عرب ہی میں ہوا تھا اور مخاطبین ان سے نا آشنا نہ تھے۔

= یہ تمہیں کیا ہو گیا کہ ہمارے بزرگوں کے طریقے کو برا کہتے ہو اور اس سے ہمیں ہٹانا چاہتے ہو؟

ہمیشہ یہ بات دیکھی گئی ہے اور اب بھی دیکھی جاسکتی ہے کہ جب کبھی ایک غیر معمولی قابلیت کا آدمی قوم میں پیدا ہوتا ہے تو لوگ اس کی قابلیت سراہتے ہیں اور اس سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ کرتے ہیں کہ یہ ہمارا پیشوا ہوگا، باپ دادے کا نام روشن کرے گا۔ لیکن جب وہ کوئی ایسی بات کہہ دیتا ہے جو ان کے طور طریقے کے خلاف ہوتی ہے تو گردن موڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ تو نکما نکلا، ہماری ساری امیدیں خاک میں ملادیں۔ گویا بزرگی و پیشوائی کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ جو بات حق معلوم ہو اس کی لوگوں کو دعوت دی جائے، بلکہ یہ ہے کہ لوگ جسے حق سمجھتے ہیں اس کی پیروی کی جائے اور اسی کی طرف لوگوں کو بھی دعوت دی جائے۔

قرآن نے یہاں قوم ثمود کا جو جواب نقل کیا ہے اس کا مطلب یہی ہے۔

(ج) حضرت صالح نے کہا: تم غور نہیں کرتے کہ اگر ایک شخص پر اللہ نے علم و بصیرت کی راہ کھول دی ہو اور وہ دیکھ رہا ہو کہ سچائی وہ نہیں ہے جو=

فرستادوں کے ذریعے) اسحاق (کے پیدا ہونے) کی خوش خبری دی اور اس کی کہ اسحاق کے بعد یعقوب کا ظہور ہوگا ۷۱ .

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَّ هٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝ ۷۲

وہ بولی: افسوس مجھ پر! کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ میرے اولاد ہو، حالانکہ میں بڑھیا ہو گئی ہوں اور یہ میرا شوہر بھی بوڑھا ہو چکا ہے؟ یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہے! ۷۲ .

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝ ۷۳

انھوں نے کہا: کیا تو اللہ کے کاموں پر تعجب کرتی ہے؟ اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں تجھ پر ہوں، اے اہل خانۂ ابراہیم! (اس کے فضل و کرم سے یہ بات کچھ بعید نہیں ہے). بلا شبہ اسی کی ذات ہے جس کی ستایشیں کی جاتی ہیں اور وہی ہے جس کے لیے ہر طرح کی بڑائیاں ہیں ۷۳ .

---

۶۹ تا ۷۳ ۔ حضرت لوط علیہ السلام کی دعوت اور باشندگان سدوم (Sodom) کی ہلاکت: =

حَنِيْذٍ ۝ ٦٩ تم پر سلامتی هو. ابراهیم
نے کہا: تم پر بھی سلامتی. پھر ابراھیم فوراً ایك بھنا ہوا
بچھڑا لے آیا (اور ان کے سامنے رکھ دیا کہ یہ میرے مہمان
ھیں) ٦٩.

فَلَمَّا رَآٰ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَ اَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ۝ ؕ ٧٠

پھر جب اس نے دیکھا ان کے ھاتھ کھانے کی طرف بڑھتے نہیں تو ان سے بد گمان هوا اور جی میں ڈرا (کہ یہ کیا بات ھے؟). انہوں نے
کہا: خوف نہ کر. ہم تو (اللہ کی طرف سے) قوم لوط کی
طرف بھیجے گئے ھیں ٧٠.

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَ مِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝ ٧١

اور اس کی بیوی (سارہ بھی خیمہ میں) کھڑی (سن رھی) تھی. وہ ھنس پڑی (یعنی اندیشے
کے دور ھوجانے سے خوش ھو گئی). پس ہم نے اسے (اپنے

= دن اسی سر زمین پر ان کی نسل حکم رانی کرے گی . اس نسل کا ظہور کس سے ہوا؟ اسرائیل سے یعنی حضرت یعقوب سے . وہ کس کے لڑکے تھے؟ حضرت اسحاق کے . پس فرشتوں نے بیك وقت دو باتوں کی خبر دی : ایك میں ایمان و نیك عملی کی کامرانیوں کا اعلان تھا . دوسری میں انکار و بد عملی کی ہلاکتوں کا . یعنی جس دن اس بات کی خبر دی گئی کہ سدوم اور عمورہ کا علاقہ بد عملیوں کی پاداش میں ہلاك ہونے والا ہے ، اسی دن اس کی بھی بشارت دے دی گئی کہ نیك عملی کے نتائج ایك نئی نسل تیار کر رہے ہیں اور وہ عن قریب اس تمام ملك پر حکم رانی کرنے والی ہے .

(ج) پھر معاملے کا ایك دوسرا پہلو بھی ہے : سدوم اور عمورہ کا علاقہ فلسطین کا سب سے زیادہ شاداب علاقہ تھا اور معلوم ہے کہ سارہ تمام عمر اولاد کی تمنائیں کرتے کرتے بالآخر مایوس ہو چکی تھیں . پس قدرت الٰہی نے بیك وقت دونوں کرشمے دکھلا دیے . جو زمین سب سے زیادہ شاداب ہے وہ بد عملیوں کی پاداش میں ایسی اجڑے گی کہ پھر کبھی سرسبز و شاداب نہ ہو سکے گی . جو شجر امید بالکل سوکھ چکا ہے وہ اچانك اس طرح سرسبز ہو جائے گا کہ صدیوں تك اس =

= تورات میں ھے کہ حضرت لوط حضرت ابراھیم کے بھتیجے اور حاران کے بیٹے تھے۔ یہ حضرت ابراھیم کے ساتھ شہر "اُور" (Ūr) سے آئے اور سدوم میں مقیم ھو گئے جو دریاے اردن کی ترائی میں واقع تھا. چوں کہ سدوم کی ھلاکت کی خبر پہلے حضرت ابراھیم کو دی گئی تھی، اس لیے سرگذشت کی ابتداء انھیں کے ذکر سے ھوئی۔

(ا) فرشتوں نے دو باتوں کی خبر دی: ایك یہ کہ قوم لوط کی ھلاکت کا وقت آ گیا۔ دوسری یہ کہ سارہ کے بطن سے حضرت اسحاق کی پیدایش ھوگی اور ان سے حضرت یعقوب پیدا ھوں گے۔

ان دونوں باتوں میں بظاھر کوئی علاقہ نظر نہیں آتا اس لیے خیال ھوتا ھے کہ کیوں دونوں کی خبر بیك وقت دی گئی؟ کیوں دونوں کا ذکر ایك ساتھ کیا گیا؟ لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں ھے، دونوں باتیں ایك دوسرے کے ساتھ مربوط ھیں۔

(ب) حضرت ابراھیم اور حضرت لوط (علیھما السلام) جب کسدیوں (Chaldees) کے ملك سے آ کر فلسطین میں مقیم ھوے تو یہ ملك ان کے لیے اجنبیوں کا ملك تھا، لیکن مشیت الٰہی کا فیصلہ ھو چکا تھا کہ ایك =

بلا ٹل جائے) ۷۴ . حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم بڑا ہی برد بار، بڑا ہی نرم دل اور (ہر حال میں) اللہ کی طرف رجوع ہو کر رہنے والا تھا ۷۵ .

يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ	(ہمارے فرستادوں نے کہا:)
هٰذَا ج اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ	اے ابراہیم! اب اس بات کا
رَبِّكَ ج وَ اِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ	خیال چھوڑ دے، تیرے
عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ۷۶	پروردگار کی (ٹھیرائی ہوئی)

بات جو تھی وہ آپہنچی اور ان لوگوں پر عذاب آ رہا ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتا ۷۶ .

---

۷۴ تا ۷۶ - (و) تورات (پیدایش ۱۸ : ۲۳) میں ہے کہ حضرت ابراہیم نے بار بار التجائیں کیں کہ عذاب ٹل جائے، کیوں کہ ہو سکتا ہے سدوم میں چند آدمی ہی نیک کردار باقی رہ گئے ہوں . لیکن اللہ نے فرمایا: وہاں دس آدمی بھی ایسے نہ رہے جو نیک کردار ہوں . ہو سکتا ہے کہ آیت ۷۴ میں ”یجادلنا“ سے مقصود یہی بات ہو یا اسی طرح کی کوئی بات . بہر حال اللہ نے ان کی اس سعی کی مدح کی کہ یہ ان کے حلم اور رحم =

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَ جَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ۝٧٤ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ۝٧٥

پھر جب ابراھیم کے دل سے اندیشہ دور ھو گیا اور اسے خوش خبری ملی تو قوم لوط کے بارے میں ہم سے جھگڑنے لگا (یعنی ھمارے فرستادوں سے بار بار سوال و جواب کرنے لگا کہ آنے والی

= کی شاخیں بار آور رھیں گی .

(د) چنانچه سدوم اور عموره کا علاقه آتش فشاں ماده کے انفجار سے ایسا سجر هوا که آج تك بنجر هے اور بشارت پر پورا سال بھی نہیں گزرا تھا که حضرت اسحاق کی پیدایش ظہور میں آ گئی اور پھر ان کی نسل روز بروز بڑھتی اور پھیلتی گئی .

(ه) حضرت ابراھیم کی ایك بیوی ساره تھی ، ایك هاجره . هاجره سے حضرت اسماعیل پیدا هوے ، لیکن ساره سے کوئی اولاد نہیں هوئی ، یہاں تك که وه مایوس هوگئی . پھر مایوسی کے بعد یه بشارت ملی اور حضرت اسحاق پیدا هوے .

يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ۝ ۷۸

وہ پہلے سے برے کاموں کی کے عادی ہو رہے تھے . لوط نے ان سے کہا: لوگو! یہ میری بیٹیاں ہیں (یعنی بستی کی عورتیں جنہیں وہ اپنی بیٹیوں کی جگہ سمجھتا تھا اور جنہیں لوگوں نے چھوڑ رکھا تھا) یہ تمہارے لیے جائز اور پاک ہیں . پس (ان کی طرف ملتفت ہو، دوسری بات کا قصد نہ کرو اور) اللہ سے ڈرو. میرے مہمانوں کے معاملے میں مجھے رسوا نہ کرو . کیا تم میں کوئی بھی بھلا آدمی نہیں ؟ ۷۸ .

قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ۝ ۷۹

ان لوگوں نے کہا : تجھے معلوم ہوچکا ہے کہ تیری ان بیٹیوں سے ہمیں کوئی سروکار نہیں اور تو اچھی طرح جانتا ہے ہم کیا کرنا چاہتے ہیں ۷۹ .

قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً

لوط نے کہا : کاش تمہارے

وَ لَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا اور بھر جب ایسا هوا که

سِیْٓءَ بِهِمْ وَ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا همارے فرستادے لوط کے

وَّ قَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ۝۷۷ پاس پہنچے تو وہ ان کے

آنے سے خوش نہیں ہوا، ان کی موجودگی نے اسے پریشان

کر دیا. وہ بولا: آج کا دن تو بڑی مصیبت کا دن ھے ۷۷ .

وَ جَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اور اس کی قوم کے لوگ

اِلَيْهِ ؕ وَ مِنْ قَبْلُ كَانُوْا (اجنبیوں کے آنے کی خبر

يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ سن کر) دوڑتے ہوئے آئے.

= و شفقت کا نتیجه تھی. پھر واضح کر دیا که بات ٹلنے والی نہیں تھی، وقت آ پہنچا تھا.

۷۷ – (ز) حضرت لوط کو مہمانوں کے آنے سے اس لیے پریشانی ہوئی که وہ جانتے تھے شہر کے باشندے ضرور حمله آور ہوں گے، کیوں که ان کا قاعدہ تھا جب کبھی کوئی اجنبی مسافر آ پھنستا تو اس پر حمله کر دیتے اور سمجھتے همارے خبیثانه افعال کے لیے ایک شکار هاتھ آ گیا. چنانچه ایسا هی ہوا.

کے آنے میں کچھ دیر نہیں . ٨١

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا　　پھر جب ہماری (ٹھیرائی ہوئی)

عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا　　بات کا وقت آپہنچا تو (اے

عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ　　پیغمبر!) ہم نے اس (بستی)

سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۙ ٨٢　　کی تمام بلندیاں پستی میں بدل

دیں (یعنی تمام بلند عمارتیں گرا کر زمین کے برابر کردیں) اور اس پر آگ میں پکے ہوئے پتھر لگا تار برسائے . ٨٢

مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَ مَا هِيَ　　کہ تیرے پروردگار کے حضور

٧ ع ٧ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۧ ٨٣　　(اس عرض سے) نشانی کیے

ہوئے تھے (٤٦). یہ (بستی) ان ظالموں سے (یعنی اشرار مکہ سے) کچھ دور نہیں ھے (یہ اپنی سیر و سیاحت میں وہاں سے گزرتے رہتے ہیں اور اگر چاہیں تو اس سے عبرت پکڑ سکتے ہیں) ٨٣ .

---

٨١ تا ٨٣ - (ح) اعراف میں حضرت لوط کے وعظ و نصیحت اور قوم کی سرکشی کا حال گزر چکا ھے (آیت ٨٠). یہاں اس میں تفصیل کی کہ عذاب کا ظہور کن حالات میں ہوا تھا . بہر حال نتیجہ یہی نکلا کہ قوم ہلاک ہوئی اور حضرت لوط اور ان کے ساتھیوں پر کوئی آنچ نہ آئی .

اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ ۞ ۸۰ مقابلے کی مجھے طاقت ہوتی،
یا کوئی سہارا ہوتا جس کا آسرا پکڑ سکتا! ۸۰ ۔

قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ (تب) مہمانوں نے کہا: اے
لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْكَ فَاَسْرِ لوط! ہم تیرے پروردگار کے
بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ بھیجے ہوئے آئے ہیں
وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ (گھبرانے کی کوئی بات نہیں).
اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِیْبُهَا یہ لوگ کبھی تجھ پر قابو نہ
مَآ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ پاسکیں گے. تو یوں کر کہ جب
الصُّبْحُ ؕ اَلَیْسَ الصُّبْحُ رات کا ایك حصہ گزر جائے
بِقَرِیْبٍ ۞ ۸۱ تو اپنے گھر کے آدمیوں

کو ساتھ لے کر نکل چل. اور تم میں سے کوئی ادھر ادھر نہ دیکھے (یعنی اور کسی بات کی فکر نہ کرے)، مگر ہاں! تیری بیوی (ساتھ دینے والی نہیں، وہ پیچھے رہ جائے گی اور) جو کچھ ان لوگوں پر گزرتا ہے وہ اس پر بھی گزرے گا. ان لوگوں کے لیے عذاب کا مقررہ وقت صبح کا ہے اور صبح

مُفْسِدِيْنَ ۝ ۸۵ حق سے) کم نه دو. او ر ملک میں
شر و فساد پهیلاتے نه پهرو ۸۵ .
بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ اگر تم میرا کہا مانو تو جو
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ کچھ اللہ کا دیا (کاروبار میں)
اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝ ۸۶ بچ رهے ، اسی میں تمهارے لیے
بهتری هے . اور (دیکھو! میرا کام تو صرف نصیحت کر دینا هے)
میں کچھ تم پر نگهبان نہیں (که جبراً اپنی راه پر چلا دوں) ۸۶ .
قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ لوگوں نے کہا : اے شعیب!
تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا کیا تیری یه نمازیں (جو تو
يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ اپنے خدا کے لیے پڑھتا هے)
نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا تجهے یه حکم دیتی هیں که همیں
نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ آکر کہے " ان معبودوں کو
الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ۝ ۸۷ چھوڑ دو جنهیں تمهارے باپ
دادا پوجتے رهے هیں ، یا یه که تمهیں اختیار نہیں که اپنے مال میں
جس طرح کا تصرف کرنا چاهو کرو ". بس تمهیں ایک نرم دل

وَ اِلٰی مَدۡیَنَ اَخَاهُمۡ شُعَیۡبًا ؕ	اور هم نے (قبیلۂ) مدین کی
قَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ	طرف اس کے بھائی شعیب کو
مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَیۡرُهٗ ؕ	بھیجا. اس نے کہا : اے
وَ لَا تَنۡقُصُوا الۡمِکۡیَالَ	میری قوم کے لوگو! الله کی
وَ الۡمِیۡزَانَ اِنِّیۡۤ اَرٰىکُمۡ	بندگی کرو، اس کے سوا
بِخَیۡرٍ وَّ اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ	تمهارا کوئی معبود نهیں. اور
عَذَابَ یَوۡمٍ مُّحِیۡطٍ ۝ ٨٤	ماپ اور تول میں کمی نه کیا

کرو. میں دیکھ رها هوں که تم خوش حال هو (یعنی خدا نے تمهیں بهت کچھ دے رکھا هے، پس کفران نعمت سے بچو). میں ڈرتا هوں که تم پر عذاب کا ایسا دن نه آجائے جو سب پر چھا جائے گا ٨٤.

وَ یٰقَوۡمِ اَوۡفُوا الۡمِکۡیَالَ	اور اے میری قوم کے لوگو!
وَ الۡمِیۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ	ماپ اور تول انصاف کے ساتھ
وَ لَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡیَآءَهُمۡ	پوری پوری کیا کرو. لوگوں
وَ لَا تَعۡثَوۡا فِی الۡاَرۡضِ	کو ان کی چیزیں (ان کے

اصلاح حال کی کوشش کروں ۔ میرا کام بننا ہے تو اللہ ہی کی مدد سے بننا ہے ، میں نے اسی پر بھروسا کیا اور اسی کی طرف رجوع ہوں ۸۸ ۔

وَ يٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۝ ۸۹

اور اے میری قوم کے لوگو! میری ضد میں آ کر کہیں ایسی بات نہ کر بیٹھنا کہ تمہیں بھی ویسا ہی معاملہ پیش آ جائے جیسا قوم نوح کو یا قوم ہود کو یا قوم صالح کو پیش آ چکا ہے اور قوم لوط (کا معاملہ) تم سے کچھ دور نہیں (٤٧) ۸۹ ۔

---

٨٤ تا ٨٩ - قبیلۂ مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت کا ظہور ہوا ۔

تورات میں ہے کہ قطورہ (Keturah) کے بطن سے حضرت ابراہیم کے چھ لڑکے ہوئے جن میں سے ایک کا نام "مدیان" تھا (پیدایش ۲۵ : ۱) ۔ یہی "مدیان" عربی میں مدین ہو گیا ۔ اس کی اولاد بحر قلزم کے کنارے =

اور راست باز آدمی رہ گئے ہو! ۸۷

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ رَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَ مَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَ مَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ اُنِيْبُ ۞ ۸۸	شعیب نے کہا : اے میری قوم کے لوگو ! کیا تم نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل روشن رکھتا ہوں اور (اس کے فضل و کرم کا یہ حال ہو کہ) اچھی (سے اچھی) روزی عطا فرما رہا ہو (تو پھر بھی میں چپ رہوں اور تمہیں راہ حق کی طرف

نہ بلاؤں؟) . اور میں یہ نہیں چاهتا کہ جس بات سے تمہیں روکتا ہوں اس سے تمہیں تو روکوں اور خود اس کے خلاف چلوں (میں تمہیں جو کچھ کہتا ہوں اسی پر عمل بھی کرتا ہوں) . میں اس کے سوا کچھ نہیں چاهتا کہ جہاں تک میرے بس میں ہے

=دیکھ رھا ھوں کہ تم ھلاکت کی طرف جا رہے ھو تو بتلاؤ کیا میرا فرض نہیں ہے کہ تمھیں سلامتی کی راہ دکھاؤں؟ اس نے اپنے فضل و کرم سے مجھے رزق و دولت کی فراوانی عطا فرمائی ہے ۔ پھر کیا یہ کفران نعمت نہ ھوگا کہ اداء فرض میں کوتاھی کروں؟

اور پھر تم میری ضد میں آ کر کیوں حق سے منہ موڑو؟ میں ایسا تو نہیں کرتا کہ تمھیں ایك بات سے روکوں اور پھر خود ھی کرنے لگوں ۔ میں وھی بات کہتا ھوں جس پر خود عامل ھوں ۔

اور تم میری تبلیغ سے بگڑتے کیوں ھو؟ میں کچھ تم پر نگھبان بن کر تو نہیں کھڑا ھو گیا ھوں کہ مجبور کروں ۔ میں تو صرف اصلاح چاھتا ھوں جہاں تك میرے بس میں ہے ۔ اور میرے کاموں کو بننا ہے تو اللہ ھی کی مدد سے بننا ہے ۔ میرا بھروسا صرف اسی پر ہے ۔

(د) بحر قلزم کی جو شاخ عرب اور جزیرہ نمائے سینا کے درمیان گزری ہے اسی کے کنارے مدین کا قبیلہ آباد تھا ۔ چوں کہ یہ جگہ شام ، افریقہ اور عرب کے تجارتی قافلوں کا نقطۂ اتصال تھی ، اس لیے اشیاء تجارت کے مبادلے کی بڑی منڈی بن گئی تھی اور لوگ خوش حال ھو گئے تھے ۔ =

= آباد ہو گئی تھی جن میں حضرت شعیب کا ظہور ہوا۔ بنی اسرائیل انہیں بنی قطورہ کہتے تھے۔

(ا) حضرت شعیب نے کہا: اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔

ماپ تول میں خیانت نہ کرو۔ نہ تو حق سے زیادہ لو، نہ حق سے کم دو۔

ملک میں شر و فساد پھیلاتے نہ پھرو، یعنی لوٹ مار نہ کرو۔

میں دیکھتا ہوں کہ تم خوش حال ہو لیکن میں ڈرتا ہوں کہ عذاب میں گرفتار نہ ہو جاؤ۔

(ب) لوگوں نے کہا: تم اپنے خدا کی جتنی عبادت کرنی چاہو شوق سے کرو، لیکن کیا تمہاری نمازیں یہ بھی کہتی ہیں کہ دوسروں کو ان کی راہ سے ہٹاؤ اور اس راہ سے ہٹاؤ جس پر ان کے باپ دادا چلتے آئے ہیں؟ ہم اپنے مال کے مالک و مختار ہیں، جس طرح چاہیں خریدیں، تم اپنے ماپ تول کی باتیں رہنے دو! معلوم ہوتا ہے ساری دنیا میں صرف تمہیں ایک نیک اور خوش معاملہ آدمی رہ گئے ہو!

(ج) حضرت شعیب نے کہا: اگر اللہ نے مجھ پر علم و بصیرت کی راہ کھول دی ہو اور میں =

وَ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ	اور دیکھو! اللہ سے (اپنے
تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ	گناہوں کی) معافی مانگو
رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ۝ ۹۰	اور اس کی طرف لوٹ جاؤ .

میرا پروردگار بڑا ہی رحمت والا ، بڑا ہی محبت والا ہے . ۹۰

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ	لوگوں نے کہا : اے شعیب !
كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا	تم جو کچھ کہتے ہو اس میں
لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ	سے اکثر باتیں تو ہماری سمجھ
وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۡ	ہی میں نہیں آتیں اور ہم دیکھ
وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ۝ ۹۱	رہے ہیں کہ تم ہم لوگوں میں

ایک کم زور آدمی ہو ، اگر (تمہارے ساتھ) تمہاری برادری کے آدمی نہ ہوتے تو ہم ضرور تمہیں سنگ سار کر دیتے ، تمہاری ہمارے سامنے کوئی ہستی نہیں . ۹۱

= ٹپکتی ہے کہ قبیلے کے سرداروں کو حضرت شعیب سے ذاتی خصومت ہو گئی تھی . یہی وجہ ہے کہ انہوں نے کہا : ایسا نہ کرو کہ میری ضد میں آ کر پیام حق کے مخالف ہو جاؤ اور خدا کے مؤاخذہ میں گرفتار ہو .

= اسی لیے حضرت شعیب نے کہا۔ "انی ارٰىکم بخیر" میں تمہیں خوش حال پاتا ہوں۔

لیکن جب لوگوں کے اخلاق فاسد ہوگئے تو کاروبار میں خیانت کرنے لگے اور ماپ تول کے انصاف سے نا آشنا ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شعیب نے خصوصیت کے ساتھ اس معصیت سے روکا۔

(ہ) جو مکالمہ گزر چکا ہے اس پر اچھی طرح غور کرو۔ لوگوں نے کہا: تم نماز پڑھتے ہو، لیکن تمہارے نماز پڑھنے کا نتیجہ یہ کیوں نکلے کہ ہم لوگوں کو بھی اپنی راہ چلنے کی دعوت دو؟ یعنی بناء نزاع خود تمہارا عمل نہیں ہے، یہ ہے کہ دوسروں کو کیوں دعوت دیتے ہو؟ حضرت شعیب نے کہا: یہی تو میرا اصلی کام ہے، اسے کیسے چھوڑ دوں؟ سچائی کی روشنی میرے سامنے آ گئی ہے اور جب آ گئی ہے تو اس کے اعلان سے باز نہیں رہ سکتا۔ البتہ ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے، مجھے حق نہیں کہ کسی پر جبر کروں۔

اس سے معلوم ہوا اتباع حق کے لیے صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ آدمی خود متبع ہو جائے، بلکہ ضروری ہے کہ دوسروں کو بھی اس کی دعوت دے۔

(و) اتباع حق کی راہ میں ذاتی خصومت اور شخصی حسد سے بڑھ کر کوئی روک نہیں۔ مکالمے سے یہ بات =

مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ۝ ٩٣

اپنی جگہ کام کیے جاؤ، میں بھی (اپنی جگہ) سرگرم عمل ہوں۔ بہت جلد معلوم کر لوگے کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کرے گا اور کون فی الحقیقت جھوٹا ہے۔ انتظار کرو، میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرتا ہوں ۔ ٩٣

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ج وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۙ ۝ ٩٤

اور پھر جب ہماری (ٹھیرائی ہوئی) بات کا وقت آ پہنچا تو ایسا ہوا کہ ہم نے شعیب کو اور ان کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے، اپنی رحمت سے بچالیا اور جو لوگ ظالم تھے، انھیں ایک سخت آواز نے آپکڑا۔ پس جب صبح ہوئی تو اپنے اپنے

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِىٓ اَعَزُّ	شعیب نے کہا: اے میری قوم
عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ	کے لوگو! کیا اللہ سے بڑھ کر
وَ اتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ	تم پر میری برادری کا دباؤ
ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ	ہوا اور اللہ تمھارے لیے
مُحِيْطٌ ۝ ۹۲	کچھ نہ ہوا کہ اسے پیچھے ڈال

دیا؟ (اچھا!) جو کچھ تم کرتے ہو، میرے پروردگار کے احاطۂ (علم) سے باہر نہیں. ۹۲

وَ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى	اے میری قوم کے لوگو! تم

۹۱ و ۹۲ - (ز) انسان انسانوں کا پاس کرتا ہے، لیکن سچائی کا پاس نہیں کرتا. وہ انسانوں کے خیال سے ایک بات چھوڑ دے گا، لیکن خدا کے خیال سے نہیں چھوڑے گا. چنانچہ منکروں نے کہا: ہم تجھے سنگ سار کر دیتے، لیکن تیرے کنبے کے خیال سے ایسا نہیں کرتے. حضرت شعیب نے کہا: افسوس تم پر! تمھیں میرے کنبے کا تو پاس ہوا لیکن خدا کا نہ ہوا. خدا کی بات تو تمھارے خیال میں کوئی بات ہی نہیں ہے!

فرعون کی بات پر چلے اور فرعون کی بات راست بازی کی بات نہ تھی۔ ۹۷

يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۗ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ۞ ۹۸

قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا (جس طرح دنیا میں گمراہی کے لیے ہوا) اور انہیں دوزخ میں پہنچائے گا۔ تو دیکھو! کیا ہی پہنچنے کی بری جگہ ہے جہاں وہ پہنچ کر رہے! ۹۸

وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ۞ ۹۹

اور اس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگی (کہ ان کا ذکر کبھی پسندیدگی کے ساتھ نہیں کیا جاتا) اور قیامت میں بھی (کہ عذاب آخرت کے مستحق ہوئے)۔ تو دیکھو! کیا ہی برا صلہ ہے جو ان کے حصے میں آیا! ۹۹

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ

(اے پیغمبر!) یہ (پچھلی) آبادیوں کی خبروں میں سے چند کا

۹۶ تا ۹۹ - حضرت موسیٰ کی دعوت اور اس کے نتائج کی طرف اشارہ اور استدلال کی موعظت کا اختتام۔

گهروں میں اوندھے پڑے تھے ۔ ۹٤

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ (وہ اس طرح اچانك هلاك

اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا هوگئے) گویا ان گهروں

۸ ع ۸ بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ۹۵ میں کبھی بسے هی نہیں تھے!

تو سن رکھو که قبیلۂ مدین کے لیے بھی محرومی هوئی جس

طرح قوم ثمود کے لیے محرومی هوئی تهی ۔ ۹۵

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى اور (یہ بھی هوچکا هے که)

بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۹٦ هم نے موسٰی کو اپنی نشانیوں

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَائِه فَاتَّبَعُوْٓا اور واضح سند کے ساتھ بھیجا

اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ تھا ۔ ۹٦ فرعون اور اس کے

اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ۹۷ سرداروں کی طرف، مگر وہ

۹٤ و ۹۵ - (ح) حضرت شعیب نے کہا: اچھا! تم اپنی

راہ چلو، میں اپنی راہ چل رہا ہوں، اور نتیجے کا انتظار

کرو ۔ چنانچہ نتیجه ظاهر هوگیا ۔ اهل ایمان محفوظ رهے،

سرکش هلاك هوگئے

ہوئے پکڑتا ہے ۔ یقینا اس کی پکڑ بڑی ہی دردناک، بڑی ہی سخت ہے ۔ ۱۰۲

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ۝ ۱۰۳

(اور) اس بات میں اس کے لیے بڑی ہی عبرت ہے جو آخرت کے عذاب کا خوف رکھتا ہو ۔ یہ (آخرت کا دن) وہ دن ہے جب تمام انسان اکٹھے کیے جائیں گے اور یہ وہ دن ہے جس کا نظارہ کیا جائے گا ۔ ۱۰۳

وَ مَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ۝ ۱۰۴

اور ہم نے اس دن کو پیچھے نہیں ڈالا ہے مگر صرف اس لیے کہ ایک مقررہ وقت پر اس کا ظہور ہو ۔ ۱۰۴

یَوْمَ یَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِیٌّ وَّ سَعِیْدٌ ۝ ۱۰۵

جب وہ دن آپہنچے گا تو کسی جان کی مجال نہ ہوگی کہ بغیر اللہ کی اجازت کے زبان کھولے ۔ پھر (اس دن انسانوں کی دو قسمیں ہوں گی)، کچھ ایسے ہوں گے جن کے لیے محرومی ہے اور کچھ ایسے جن کے

وَّ حَصِيدٌ ۞ ۱۰۰　　　بیان ہے جو ہم تجھے سنا رہے

ہیں ۔ ان میں سے کچھ تو اس وقت تک قائم ہیں ، کچھ بالکل اجڑ گئیں ۔ ۱۰۰

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ　　　اور ہم نے ان پر ظلم نہیں

ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ　　　کیا ، بلکہ خود انہوں نے ہی

اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ　　　اپنے اوپر ظلم کیا ۔ تو دیکھ!

الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ　　　جب تیرے پروردگار کی

مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ　　　(ٹھہرائی ہوئی) بات آپہنچی

رَبِّكَ ۭ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ　　　تو ان کے وہ معبود کچھ بھی

تَتْبِيْبٍ ۞ ۱۰۱　　　کام نہ آئے جنہیں اللہ کے

سوا پکارا کرتے تھے ۔ انہوں نے کچھ فائدہ نہ پہنچایا بجز اس کے کہ ہلاکی کا باعث ہوے ۔ ۱۰۱

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ　　　اور تیرے پروردگار کی پکڑ

اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ　　　ایسی ہی ہوتی ہے جب وہ

اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۞ ۱۰۲　　　انسانی آبادیوں کو ظلم کرتے

غَیْرَ مَجْذُوْذٍ ۱۰۸ قائم ھیں (اس کے خلاف کچھ ہونے والا نہیں) مگر ہاں! اس صورت میں کہ تیرا پروردگار چاہے . یہ (سعیدوں کے لیے) بخشش ھے ، ھمیشہ جاری رھنے والی . ۱۰۸

---

۱۰۰ تا ۱۰۸ - سورت کی ابتدا میں قوم کو اتباع حق کی دعوت دی تھی اور سرکشی و فساد کے نتیجے سے خبر دار کیا تھا . نیز واضح کیا تھا کہ اس باب میں بنیادی امور کیا کیا ھیں . پھر آیت ۲٤ میں ان سب کا خلاصه بیان کیا تھا کہ یہاں راھیں دو ھیں : ایك علم و بصیرت کی ، ایك اندھے پن کی . اور ضروری ھے کہ دونوں کے چلنے والے اپنی حالت اور اپنے نتیجے میں ایك ھی طرح کے نه ھوں ، پھر اس حقیقت پر دلیل پیش کی تھی . یه گزشته ایام ووقائع کا بیان تھا جو حضرت نوح کے تذکرے سے شروع ھو اور حضرت موسیٰ کے تذکرے پر ختم ھو گیا . اب آیت ۱۰۰ سے لے کر آخر سورت تك ان نتیجوں اور عبرتوں کی طرف توجه دلائی ھے جو اس سلسلۂ استدلال سے واضح ھوی ھیں :

(۱) ان قوموں کو جو کچھ پیش آیا تو اس لیے نہیں پیش آیا که اللہ نے ان پر زیادتی کی ھو . اس کا قانون جزاء=

لیے سعادت. ١٠٥

فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ شَهِيْقٌ ۙ ١٠٦ — تو جو لوگ محروم ہوے وہ دوزخ میں ہوں گے، ان کے لیے وہاں چیخنا چلانا ہوگا. ١٠٦

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ١٠٧ — وہ اسی میں رہیں گے جب تک آسمان و زمین قائم ہیں (اور اس کے خلاف کچھ نہ ہوگا)، مگر ہاں! اس صورت میں کہ تیرا پروردگار چاہے. (اور) بلا شبہ تیرا پروردگار ایسے کاموں میں مختار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے. ١٠٧

وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً — اور جن لوگوں نے سعادت پائی تو وہ لوگ بہشت میں ہوں گے اور اسی میں رہیں گے جب تک آسمان و زمین

فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ۭ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ۝١٠٩

پس (اے پیغمبر!) یہ لوگ جو (خدا کے سوا دوسری ہستیوں کی) پرستش کرتے ہیں تو اس بارے میں تجھے کوئی شبہ نہ ہو (یعنی اس بارے میں کہ ان کا کیا حشر ہونے والا ہے). یہ اسی طرح پرستش کر رہے ہیں جس طرح ان سے پہلے ان کے باپ دادا کرتے رہے ہیں. ایسا ضرور ہونے والا ہے کہ ہم ان (کے اعمال کے نتائج) کا حصہ انہیں پورا پورا دے دیں بغیر کسی کمی کے. ١٠٩

٩ ع ٩

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝١١٠

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی، پھر اس میں اختلاف کیا گیا اور اگر تیرے پروردگار نے پہلے سے ایک بات نہ ٹھہرا دی ہوتی (یعنی یہ کہ دنیا میں ہر انسان کو اس کی

= تو سر تا سر عدل و رحمت هے . بلکه اس لیے هوا که انهوں نے حود اپنے اوپر ظلم کرنا چاها اور نجات کی راه سے منہ موڑ کر هلاکت کی طرف چلنے لگے .

(ب) اس باب میں الله کا قانون ایسا هی هے . اس کی رحمت نے مہلتوں پر مہلتیں دی هیں اور روشنی کو تاریکی سے بالکل الگ کر دیا هے ، لیکن اگر ایك قوم روشنی سے یك قلم منہ موڑ لے ، پھر نتائج و عواقب کا ظہور کبھی نہیں رك سکتا . ان کے ظہور کی دردناکی و شدت کبھی دور نہیں هوسکتی .

(ج) هر اس انسان کے لیے حو آحرت کے خیال سے بے حوف نه هو اس بات میں حقیقت کی بڑی هی نشانی هے ، کیوں که اس سے ثابت هوتا هے که جزاء عمل کا قانون یہاں نافذ هے اور خدا کے رسولوں کا پیام جھوٹا نہیں .

(د) الله کے یہاں هر بات کے لیے ایك حساب هے اور هر معاملے کے لیے ایك مقرره میعاد . جب تك وه وقت نه آئے اس بات کا ظہور نہیں هوسکتا . آحرت کا دن بھی اسی لیے پیچھے ڈال دیا گیا که اپنے مقرره وقت پر ظاهر هو .

(ه) اس دن حو شقی نکلیں گے ان کے لیے شقاوت هوگی ، جو سعید نکلیں گے ان کے لیے سعادت .

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ ۱۱۲

پس چاهیے که جس طرح تمھیں حکم دیا گیا ھے تم اور وہ سب جو توبه کرکے تمھارے ساتھ هو لیے هیں (اپنی راہ میں) استوار هو جاؤ اور حد سے نه بڑھو. یقین کرو! تم جو کچھ کرتے هو الله اسے دیکھ رها ھے. ۱۱۲

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ ۱۱۳

اور ایسا بھی نه کرنا که ظالموں کی طرف جھك پڑو اور (قریب هونے کی وجه سے) آگ تمھیں بھی چھو جائے. الله کے سوا تمھارا کوئی رفیق نهیں، پھر (اگر اس سے بچھڑے تو) کهیں مدد نه پاؤ گے. ۱۱۳

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ

اور نماز قائم کرو اس وقت جب دن شروع هونے کو هو اور

= حکمت الٰهی کا فیصله یهی ھے که یهاں اختلاف عمل دور نهیں هو سکتا.

مرضی کے مطابق مہلت عمل ملی ہے) تو البتہ ان کے درمیان فیصلہ کردیا جاتا اور ان لوگوں کو اس کی نسبت شبہ ہے کہ حیرانی میں پڑے ہیں . ۱۱۰

وَ اِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۱۱۱

اور (یقین کر!) سب کے لیے یہی ہونا ہے کہ جب وقت آئے گا تو تیرا پروردگار ان کے عمل انہیں پورے پورے دے گا (یعنی جیسے ان کے عمل ہوں گے ویسے ہی ان کے نتائج بھی پورے پورے مل جائیں گے). جو کچھ لوگ کر رہے ہیں وہ اس کی پوری خبر رکھنے والا ہے ۱۱۱

---

۱۰۹ تا ۱۱۱ - (و) آیت ۱۰۹ میں پیغمبر اسلام سے خطاب ہے : تمہیں یہ خیال نہ ہو کہ مشرکین عرب کیوں شرک سے باز نہیں آتے اور کیوں انہیں مہلت مل رہی ہے؟ وہ تو اسی راہ پر چل رہے ہیں جس پر ان کے باپ دادا چلے اور انہیں ان کی سرکشیوں کا نتیجہ پورا پورا ملنے والا ہے .

پھر فرمایا : تم سے پہلے حضرت موسیٰ کو بھی کتاب دی گئی تھی، لیکن لوگ اختلاف میں پڑ گئے اور =

عہدوں میں جنھیں ہم نے نجات دی۔ ظلم کرنے والے تو اسی راہ پر چلے جس میں انھوں نے (اپنی نفس پرستیوں کی) آسودگی پائی تھی اور وہ سب مجرم تھے۔ ۱۱۶

وَ مَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ۞ ۱۱۷

اور (یاد رکھو!) ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ تمہارا پروردگار آبادیوں کو ناحق ہلاک کردے اور اس کے باشندے سنوارنے والے ہوں۔ ۱۱۷

وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۞ ۱۱۸

اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک امت بنادیتا (یعنی سب ایک ہی راہ چلتے، لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ اس نے ایسا نہیں چاہا اور یہاں الگ الگ گروہ اور الگ الگ راہیں ہوئیں) اور لوگ ایسے ہی رہیں گے کہ مختلف ہوں۔ ۱۱۸

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَ لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ

مگر ہاں! جس پر تیرے پروردگار نے رحم فرمایا (تو

الحسنت يذهبن السيات ۚ ذٰلك ذكرى للذاكرين ۚ ١١٤ — اس وقت جب ختم ہوئے کو ہو، نیز اس وقت جب رات کا ابتدائی حصہ گزر رہا ہو۔ یاد رکھو! نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ یہ نصیحت ہے ان لوگوں کے لیے جو نصیحت پذیر ہیں۔ ١١٤

و اصبر فان الله لا يضيع اجر المحسنين ۚ ١١٥ — اور صبر کرو (یعنی راہ حق کی تمام مشکلیں جھیلتے رہو) کیوں کہ اللہ نیک عملوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ ١١٥

فلو لا كان من القرون من قبلكم اولوا بقية ينهون عن الفساد في الارض الا قليلا ممن انجينا منهم ۚ و اتبع الذين ظلموا ما اترفوا فيه و كانوا مجرمين ۚ ١١٦ — پھر (دیکھو!) ایسا کیوں نہیں ہوا کہ قوموں کے جو دور تم سے پہلے گزر چکے ہیں ان میں اہل خیر باقی رہے ہوتے اور لوگوں کو ملک میں شر و فساد کرنے سے روکتے! (ایسا نہیں ہوا) مگر بہت تھوڑے

=چھینٹ تم پر بھی پڑجائے. نہ تو اپنی حد سے تجاوز کرنا چاھیے، نہ ان کی طرف جھکنا چاھیے.

(د) نماز کو اس کی ساری حقیقتوں کے ساتھ اس کے تمام وقتوں میں ادا کرو. تمھاری طاقت کا اصلی سر چشمہ یہی ھے. یہ بڑی نیك عملی ھے اور نیك عملی برائیاں دور کر دیتی ھے.

(ہ) صبر کرو. اللہ کا قانون یہ ھے کہ وہ نیك کرداروں کا اجر ضائع نہیں کرتا. یعنی ضروری ھے کہ آخر کار کامیابی انھیں کے حصے میں آئے.

(و) یہ پچھلی قومیں جو یك سر ھلاك ھوگئیں تو اس لیے ھوئیں کہ ان میں اھل خیر وصلاح معدوم ھو گئے تھے. کوئی نہیں رھا تھا جو شر و فساد سے روکے. اگر ان میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے موجود ھوتے تو کبھی اس نتیجے سے دوچار نہ ھوتے، کیوں کہ ایسا نہیں ھوسکتا کہ ایك بستی پر عذاب آئے اور اس کے باشندے مصلح ھوں.

اس بات میں اس طرف اشارہ ھے کہ اگر تم اپنی راہ میں مستقیم رھے اور ایك گروہ داعیان حق کا پیدا ھو گیا تو یہ سر زمین عذاب استئصال سے محفوظ رھے گی، یعنی ایسے عذاب سے جو یك قلم نابود کردینے والا ھو جیسا کہ پچھلی قوموں پر آچکا ھے. =

لَاَمْلَـئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۞ ۱۱۹

وہ حقیقت پالے گا اور اس بارے میں اختلاف نہیں کرے گا) اور اسی لیے انہیں پیدا کیا ہے، اور (پھر دیکھو! اسہ اختلاف فکر و عمل کا نتیجہ ہے کہ) تمہارے پروردگار کی (ٹھیرائی ہوئی) بات پوری ہو کر رہی کہ البتہ ایسا ہوگا کہ میں جہنم کو کیا جن اور کیا انسان سب سے بھر پور کردوں. ۱۱۹

---

۱۱۲ تا ۱۱۹ - پھر آیت ۱۱۲ میں پیغمبر اسلام کو اور ان کے ساتھیوں کو جو ابتداء عہد کی بے سرو سامانیوں اور مظلومیوں میں ایمان لائے تھے مخاطب کیا ہے اور حسب ذیل امور کی تلقین کی ہے. یہ ان کے لیے اس سورت کی موعظت کا خلاصہ ہے:

(ا) جو راہ بتلادی گئی ہے اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہو اور اپنا کام کیے جاؤ.

(ب) اپنی حد سے تجاوز نہ کرو، یعنی استقامت کار کا نتیجہ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ مخالفوں پر کسی طرح کی زیادتی کرنے کا خیال کرنے لگو یا لڑنے جھگڑنے لگو. اپنے دائرہ کے اندر رہو مگر اپنے طریقے پر قائم رہو.

(ج) لیکن یہ بھی نہیں ہونا چاہیے کہ مخالفوں کی طرف جھک پڑو اور نتیجہ یہ نکلے کہ ان کی گم راہی کی=

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ — اور (اے پیغمبر!) جو لوگ
اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ — ایمان نہیں لاتے (اور دعوت حق
اِنَّا عٰمِلُوْنَ ۙ ۝ ١٢١ — کا مقابلہ کر رہے ہیں) ان سے
کہہ دے: تم اپنی جگہ کام کیے جاؤ، ہم بھی (اپنی جگہ)
سر گرم عمل ہیں ۱۲۱ .

وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا — اور (نتیجے کے) منتظر رہو،
مُنْتَظِرُوْنَ ۝ ١٢٢ — ہم بھی منتظر ہیں ۱۲۲ .

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ — اور (یاد رکھو!) اللہ ہی کے لیے
وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ — آسمان و زمین کی چھپی باتوں
الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ — کا علم ہے اور سارے کام
وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ — اسی کے آگے رجوع ہوتے ہیں،
١٠ ع ١٠ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ ١٢٣ — پس اس کی بندگی میں لگا رہ
اور اس پر بھروسا کر. تیرا پروردگار اس سے غافل نہیں ہے
جو کچھ لوگ کر رہے ہیں ۱۲۳ .

---

۱۲۰ تا ۱۲۳ – یہاں آیت ۱۲۰ میں واضح کر دیا کہ =

وَ كُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَ جَآءَكَ فِیْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَ مَوْعِظَةٌ وَّ ذِكْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ ١٢٠

اور (اے پیغمبر!) رسولوں کی سرگذشتوں میں سے جو جو قصے ہم تجھے سناتے ہیں (یعنی جن جن اسلوبوں سے ہم سناتے ہیں) تو ان سب میں یہی بات ہے کہ تیرے دل کو تسکین دے دیں اور پھر ان کے اندر تجھے امر حق مل گیا (یعنی سچائی کی دلیلیں مل گئیں) اور موعظت (کہ نصیحت پکڑنے والے نصیحت پکڑیں گے) اور یاد دہانی ہوئی مؤمنوں کے لیے ١٢٠ .

= (ز) یاد رکھو! دنیا میں اختلاف فکر وعمل نا گزیر ہے . ایسا نہیں ہو سکتا کہ سب ایک ہی راہ چلنے والے ہو جائیں اور حق و باطل کی کش مکش باقی نہ رہے . پس اس بات سے مایوس نہ ہو کہ تمام آدمی کیوں دعوت حق قبول نہیں کر لیتے . نہ تو پہلے ایسا ہوا ، نہ اب اس کی توقع رکھنی چاہیے . بہت سے مانیں گے ، بہت سے نہیں مانیں گے ، تم اپنے کام میں سرگرم رہو .

= اوائل حال کی ایك غفلت یہ بھی تھی کہ کمزور و بے سرو سامان تھے اور تمام ملك دشمنی پر تل گیا تھا، اس لیے کبھی کبھی مایوسی کے خیال آنے لگتے تھے۔

اب یہ چار باتیں سامنے رکھ کر قرآن کے قصص و وقائع کا مطالعہ کرو۔ وہ تمام قفل کھل جائیں گے جنھیں ہمارے منطقی مفسروں کی دس دس جلدیں بھی نہ کھول سکیں۔

سورت کی ابتداء حس اعلان حق سے ہوئی تھی اور پھر واضح کیا تھا کہ تمام پچھلی دعوتوں کا بھی یہی اعلان رہ چکا ہے، اسی پر اب سورت ختم ہوتی ہے۔ چنانچہ آخر کی تین آیتیں خاتمۂ موعظت ہیں:

(ا) منکروں سے وہی بات کہہ دو جو ہمیشہ کہی گئی ہے۔ یعنی تم اپنی جگہ کام کیے جاؤ، ہم اپنی جگہ کر رہے ہیں۔ تم بھی نتیجے کا انتظار کرو، ہم بھی منتظر ہیں۔ نتیجہ فیصلہ کر دے گا جس طرح ہمیشہ کر چکا ہے

(ب) اللہ ہی جانتا ہے کہ پردۂ غیب میں کیا چھپا ہے اور سارے کام اسی کے ہاتھ میں ہیں۔

(ج) اور تمھیں اور تمھارے ساتھیوں کو کیا کرنا چاہیے؟ "فاعبده و توکل علیه" اس کی عبادت =

= گزشتہ رسولوں کی سرگذشتیں جو مختلف مقامات میں اور مختلف اسلوبوں میں بیان کی گئی ہیں ان سے قرآن کا مقصد کیا ہے :

(ا) تاکہ تیرے دل کو تسکین ہو۔ یعنی قوم کو اعراض و سرکشی کی حالت میں دیکھ کر تیرا دل بے قرار ہے دعوت کا ولولہ اور اصلاح کا عشق تجھے مضطرب رکھتا ہے : ”لعلك باخع نفسك الا يكونوا مؤمنين“ (۲٦ : ۳) . تو ان سرگذشتوں کا تفکر موجب تسکین ہوگا کہ تجھ سے پہلے بھی ہمیشہ ایسا ہی ہوا ہے ، بلکہ اعراض و سرکشی کے اس سے بھی زیادہ سخت مظاہرے ہو چکے ہیں .

(ب) یہ سرگذشتیں حق کو واضح کر دیتی ہیں . یعنی ان میں حقیقت کی دلیلیں اور روشنیاں ہیں . یہ بتلاتی ہیں کہ اس بارے میں اللہ کا ایک مقررہ قانون ہے اور اس میں کبھی تبدیلی ہونے والی نہیں .

(ج) ان میں موعظت ہے . یعنی ایسی باتیں ہیں جو سننے والوں کو عبرت دلاتی ہیں ، نصیحت و پند کرتی ہیں ، غرور و نادانی سے بیدار کر دیتی ہیں .

(د) مؤمنوں کے لیے تذکیر ہے . یعنی سچائی کی یاد دلاتی ہیں ، غفلت سے روکتی ہیں . =

= ہوئیں ۔ بات بالکل صاف تھی ، کیوں کہ خود قرآن نے کھول کھول کر ہر جگہ بتلا دی ہے ، لیکن منطقی استدلال کے انہماك نے مفسروں کو سمجھنے کی مہلت نہ دی ۔

وحدت قوانین فطرت

(ب) اس سلسلے میں سب سے پہلے دو باتیں ذهن نشین کر لینی چاہییں :

اولاً ، قرآن کہتا ہے کہ کائنات ہستی کے جس گوشے پر بھی نظر ڈالو کے تمہیں ایك حقیقت ابھری ہوئی دکھائی دے گی بشرطیکہ دیکھنے سے انکار نہ کرو ۔ وہ کیا ہے ؟ قوانین فطرت کی وحدت ، یعنی یہاں ہر جگہ ایك ہی قانون ایك ہی طرح پر کام کر رہا ہے ، کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو اپنے قانون خلقت و فعل میں دوسروں سے ذرا بھی الگ ہو ۔ بلا شبہ بھیس بہت سے ہو گئے ہیں اور نام بھی یك ساں نہیں ، مگر حقیقت ایك ہی ہے اور جونہیں سامنے کے پردے ہٹاتے ہو ، اصلیت کی بے لاگ وحدت آ کھڑی ہوتی ہے ۔ مثلاً تم کہتے ہو کہ حیوان کے لیے موت و حیات ہے ، پھولوں کے لیے کھلنا اور مرجھانا ہے ، پتھروں کے لیے بننا اور پامال ہونا ہے ، اجزاء کے لیے ملنا اور بکھر جانا ہے ۔ بھیس بہت سے ہو گئے مگر کیا صورتیں بھی بہت ہوئیں ؟ نام کئی =

= میں لگے رہو اور اس پر بھروسا رکھو .

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

یہ سورت بھی من جملہ ان سورتوں کے ہے جن میں گزشتہ دعوتوں کے وقائع سے استشہاد کیا گیا ہے اور گو سورۂ اعراف کے ایك نوٹ میں اس طرف اشارات کیے جا چکے ہیں ، لیکن ضروری ہے کہ یہاں مزید وضاحت کر دی جائے ، تاکہ آیندہ جہاں کہیں یہ بات آئے ذہن فہم و تدبر کے لیے مستعد رہے :

قرآن کے قصص اور ان کا حجت و برہان ہونا

(۱) قرآن نے تذکیر و موعظت کے لیے جو باتیں بطور دلائل کے اختیار کی ہیں اور جنہیں وہ جا بجا حجج ، براہین ، بینات اور بصائر سے تعبیر کرتا ہے ، ان میں ایك نمایاں استدلال ایام و وقائع کا استدلال ہے . اس نے جہاں کہیں گزشتہ قوموں کے حالات بیان کیے ہیں وہاں یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ اس بیان سے اس کا مقصود کیا ہے . جیسا کہ اسی سورت کی آیت ۱۲ میں گزر چکا ہے . اور جب ہم اس پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ مقصود یہ نہیں ہے کہ تورات کی طرح دنیا کی تاریخ بیان کی جائے ، بلکہ کچھ باتیں ہیں جن کا وہ دلوں میں اذعان پیدا کرنا چاہتا ہے اور سرگذشتیں اس کے لیے دلیلیں ہیں ، حجتیں ہیں ، براہین ہیں پس سمجھ لینا چاہیے کہ کیوں کر یہ سرگذشتیں دلیلیں =

= اور اس کے شعلوں سے ٹھنڈك نکلے تو تمھیں اس سے انکار نہیں کرنا چاھیے که یہاں بھی کوئی بات آگ کی طرح ہو سکتی ھے اور جب وہ ظہور میں آجائے تو اس سے گرمی ھی نکلے گی، ٹھنڈك نہیں نکل سکتی. یعنی مادیات کے خواص کی طرح معنویات کے بھی خواص ھیں اور خواص و نتائج کا ایك ھی عالم گیر قانون یك‌ساں طور پر دونوں جگه کام کر رھا ھے. مزید تشریح کے لیے تفسیر سورۂ فاتحه اور مقدمه دیکھنا چاھیے.

ثانیاً، وہ کہتا ھے: جس طرح یہاں ھر بات کے لیے فطرت کے مقررہ قوانین ھوے اسی طرح قوموں اور جماعتوں کی سعادت و شقاوت اور حیات و ممات کا بھی ایك قانون ھوا اور جس طرح فطرت کے تمام قوانین یك ساں ھیں، عالم گیر ھیں، غیر مبدل ھیں، اسی طرح یه قانون بھی ھمیشه ایك ھی طرح رھا ھے اور ھمیشه ایك ھی طرح کے احکام و نتائج ظاھر ھوے ھیں، زمانوں اور قوموں کے اختلاف سے اس کی تاثیر مختلف نہیں ھو سکتی. جس طرح سنکھیا کا خاصه ھلاکت ھی ھے، خواہ کسی ملك اور کسی عہد میں کھائی جائے، اسی طرح اس قانون کے احکام و نتائج بھی یك ساں ھی ھوں گے، خواہ کسی ملك اور کسی عہد میں پیش آئیں. یه نہیں ھو سکتا =

= ہو گئے، مگر کیا حقیقت بھی متعدد ہوئی؟ وہی قانون جو حیوانات میں موت و حیات تھا، نباتات میں کھلنا اور مرجھانا ہوا، جمادات میں بننا اور پامال ہونا، اجزاء میں ملنا اور بکھرنا۔ الفاظ بدلتے جاؤ معنیٰ نہیں بدل سکتے:

عباراتنا شتّٰی و حسنك واحد
و کل إلیٰ ذاك الجمال یشیر

وہ کہتا ہے: جب کائنات ہستی کے ہر گوشے میں وحدت قانون کی بنیادی اصل کام کر رہی ہے تو کیوں کر ہو سکتا ہے کہ اعمال انسانی کا گوشہ اس سے باہر ہو اور وہاں بھی کوئی قانون کام نہ کر رہا ہو اور وہ وہی اور ویسا ہی نہ ہو جیسا تمام گوشوں میں ہے؟ وہ کہتا ہے کہ یہ گوشہ بھی دوسرے گوشوں کے ساتھ جڑا ہوا ہے، ٹھیک اسی طرح جس طرح یہاں کا ہر گوشہ دوسرے گوشے سے مربوط ہے۔ یہاں بھی وہی قانون کام کر رہا ہے جو عالم مادی کے تمام گوشوں میں کار فرما ہے اور یہاں کے بھی وہی کام و نتائج ہیں جو دوسرے گوشوں میں نظر آرہے ہیں۔ مثلاً اگر عالم مادی میں تم دیکھتے ہو کہ آگ کا خاصہ جلانا ہے اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ آگ روشن ہو =

= احکام پھیر دیے جائیں .

"سنة من قد ارسلنا قبلك من رسلنا و لا تجد لسنتنا تحویلا" (۱۷ : ۷۷)

(اے پیغمبر!) تجھ سے پہلے جن رسولوں کو ہم نے بھیجا ہے ان کے لیے ہماری سنت یہی رہی ہے اور ہماری سنت کبھی ٹلنے والی نہیں .

استقراء کا یقین فطری ہے

قرآن کا یہ استدلال فی الحقیقت طبیعت انسانی کا وجدانی ادعان ہے . انسان کی ذہنی فطرت کا مطالعہ کرو، تم دیکھو گے کہ وہ حوادث سے بالطبع متأثر ہوتی ہے اور اس کے اندر کوئی چیز ہے جو اسے بتلا دیتی ہے کہ یہاں ایک مرتبہ کا حادثہ ایک ہی مرتبہ کا حادثہ نہیں ہے خواص و نتائج دائمی ہیں . یعنی جو بات یہاں ایک مرتبہ ظہور میں آتی ہے وہ ہمیشہ ظہور میں آئے گی یا ہمیشہ ظہور میں آسکتی ہے اور جس چیز کا جو خاصہ ایک مرتبہ ظاہر ہوا وہی خاصہ ہمیشہ ظہور میں آئے گا . چنانچہ بچوں کو دیکھو کس طرح یہ وجدانی علم ان کے اندر بول رہا ہے؟ ایک بچہ پہلی مرتبہ آگ میں انگلی ڈالتا ہے اور انگلی جلنے لگتی ہے . پھر جب کبھی آگ اس کے سامنے آتی ہے خود بخود ہاتھ کھینچ لیتا ہے . کیوں؟ اسی لیے کہ اس کے اندر کوئی چیز ہے =

= کہ اب سے ہزار برس پہلے تو سنکھیا کا خاصہ ہلاکت رہا ہو اور اب زندگی ہو جائے۔ پس جو کچھ ماضی میں پیش آچکا ہے ضروری ہے کہ مستقبل میں بھی پیش آئے۔ اس میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی، کیوں کہ فطرت کے قوانین میں تبدیلی نہیں۔

سنۃ اللہ

اس نے جا بجا اس قانون کو "سنۃ اللہ" سے تعبیر کیا ہے:

"سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل ج ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا" (۳۳ : ٦٢)

جو لوگ تم سے پہلے گزر چکے ہیں ان کے لیے اللہ کی سنت یہی رہی ہے (یعنی اللہ کے قانون کا دستور یہی رہا ہے) اور اللہ کی سنت میں تم کبھی رد و بدل نہیں پاؤ گے۔

"فھل ینظرون الا سنت الاولین ج فلن تجد لسنت اللہ تبدیلا ج و لن تجد لسنت اللہ تحویلا" (۳۵ : ٤۳)

پھر یہ لوگ کس بات کی راہ تک رہے ہیں؟ کیا اس بات کی کہ جو کچھ اگلے لوگوں کے لیے سنت رہ چکی ہے ان کے لیے بھی ظہور میں آجائے؟ تو یاد رکھو! تم اللہ کی سنت کو کبھی بدلتا ہوا نہیں پاؤ گے اور نہ کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ اس کی سنت کے =

= تم سے پہلے بھی بے شمار قومیں اسی زمین میں گزر چکی ھیں ، ان کی بھی آبادیاں تھیں ، قوتیں اور شوکتیں تھیں ، سر بفلک عمارتیں تھیں ، فکر و عمل کی سرگرمیاں تھیں ۔ پس دنیا کی سیر کرو ، گزری ہوئی سرگذشتیں سنو ، مٹی ہوئی نشانیوں کا کھوج لگاؤ اور پھر دیکھو! سعادت و شقاوت کے قانون کا کیسا عمل در آمد رہ چکا ھے ؟ اور اگر ھمیشہ ھی ایسا ہو چکا ھے تو کیا تم سمجھتے ہو خدا تمھارے لیے اپنا قانون ھستی معطل کر دے گا یا اس طرح بدل دے گا کہ جو چیز کل تک سنکھیا رہ چکی ھے تمھارے لیے شہد ہو جائے ؟

"قد خلت من قبلکم سنن فسیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین" (۳ : ۱۳۷) :

تم سے پہلے بھی (دنیا میں خدا کے) احکام و قوانین کے نتائج گزر چکے ھیں ۔ پس ملکوں کی سیر کرو پھر دیکھو! ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جنھوں نے خدا کی نشانیاں جھٹلائی تھیں ؟

"او لم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم و کانوا اشد منھم قوۃ" (۳۵ : ٤٤) :

کیا یہ لوگ ملکوں میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے ان لوگوں کا کیسا انجام ہوچکا ھے جو ان سے پہلے گزر چکے ھیں اور جو ان لوگوں سے قوت میں کہیں =

= جو اسے بتلا دیتی ہے کہ جس چیز نے ایک مرتبہ جلایا وہ ہمیشہ جلائے گی۔ یہ اعتقاد کہ آگ ہمیشہ جلاتی ہے اسے صرف اتنی بات سے حاصل ہو گیا کہ آگ نے ایک مرتبہ جلایا تھا۔

طبیعت انسانی کا یہی وجدانی تأثر ہے جس نے ہمارے ذہن میں استقراء کا اعتقاد پیدا کیا، یعنی جزئیات کا تجربہ کرنا اور اس کے ذریعے سے کلیات تک پہنچنا۔ اب ہمارے تمام علوم و معارف کا سنگ بنیاد یہی ہے۔

بہر حال قرآن کہتا ہے: اگر تم وجدانی طور پر یہ بات محسوس کرتے ہو کہ حواص و نتائج کا تسلسل و اجراء ایک حقیقت ہے، یعنی اگر ایک چیز سے بار بار ایک ہی طرح کا نتیجہ نکلا ہے تو یہ اس کا خاصہ ہے اور اس میں تبدیلی ممکن نہیں تو پھر تم کیسے انکار کر دیتے ہو کہ اعمال انسانی کے لیے یہ حقیقت معطل ہو گئی اور یہاں ایسا ہونا ضروری نہیں؟ اگر تم کہتے ہو کہ فلاں بات سے ایسا نتیجہ ضرور نکلے گا، کیوں کہ بار بار ایسا ہی ہو چکا ہے تو پھر اس بات سے کیوں انکار کر دیتے ہو کہ فلاں قسم کے اعمال کا نتیجہ یقیناً ہلاکت ہے؟ کیوں کہ بار بار ایسا ہی ہو چکا ہے۔ چنانچہ یہی بات ہے کہ وہ جا بجا کہتا ہے: تمہیں دنیا میں پہلی قوم نہیں ہو۔ =

= اگر بڑھتا تو ہم تاریخ کی ہر داستان میں مستقل کی ایک نئی داستان پڑھ لیا کرتے۔

(ج) اب یہ دو اصل سامنے رکھ کر قرآن کے ان تمام مقامات کا مطالعہ کرو جہاں گزشتہ ایام و وقائع کا ذکر کیا گیا ہے۔ تم دیکھو گے کہ ہر جگہ یہی استدلال کام کر رہا ہے اور جونہیں یہ بات سامنے رکھ لی جائے تمام وجوہ و روابط واضح ہو جاتے ہیں۔ البتہ ہر مقام پر ایک ہی طرح کا بیان نہیں ہے اور نہ ہی ایک پہلو پر زور دیا گیا ہے۔ کسی مقام پر شخصیتوں کا ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ وہاں اسی کی ضرورت تھی، کہیں قوموں کا ذکر کیا ہے، کیونکہ وہاں کا مقتضا یہی تھا، کہیں وقائع کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ وہاں کے لیے اسی قدر کافی تھا اور پھر کہیں ایسا ہے کہ تمام سرگذشتیں ایک ہی مقام پر جمع کر دی ہیں اور ان سب سے بحیثیت مجموعی استدلال کیا ہے، تاکہ استدلال کے تمام پہلو آشکارا ہو جائیں۔

(د) چنانچہ یہ سورت بھی من جملہ ان سورتوں کے ہے جن میں آخری صورت اختیار کی گئی ہے اور اس استدلال کے جامع و مفصل مقامات میں سے ہے۔ وہ کہتا ہے: گزرے ہوئے عہدوں کی طرف مڑ کے دیکھو! تم دیکھو گے کہ دنیا کی کوئی آبادی ایسی نہیں ہے جہاں ایک خاص =

سورۂ ہود اور استقراء تاریخی

= زیادہ تھے ؟

قرآن کی موعظت کا ایك خاص دائرہ ھے اور وہ
جو کچھ کہتا ھے اسی کے اندر رہ کر کہتا ھے ۔ پس
ضروری ھے کہ اس استدلال کو بھی اسی کے اندر رہ کر
دیکھیں ، اس سے باھر جانے کی کوشش نہ کریں ۔
تاھم ایك بات ایسی ھے جو بغیر کسی تکلف کے خود
بخود سامنے آجاتی ھے اور ھم اپنے ذھن کو اس طرف
جانے سے روك نہیں سکتے ۔ یعنی قرآن کے اس طرز
استدلال نے ایك زیادہ عام حقیقت کی طرف بھی اشارہ
ضرور کردیا ھے اور وہ یہ ھے کہ تاریخ کا صحیح استعمال
کیا ھونا چاھیے؟ قرآن کی ان تصریحات سے معلوم
ھوگیا کہ گزشتہ کا مطالعہ اس لیے کرنا چاھیے کہ آیندہ
کے لیے عبرت حاصل کی جائے، یعنی جو کچھ گزر چکا
ھے وہ آیندہ کے لیے ذخیرۂ بصیرت ھے اور ماضی کے
آئینے میں مستقبل کی صورت دیکھی جاسکتی ھے ۔ یہ
کہنا ضروری نہیں کہ اس باب میں علم و نظر کی کاوشیں
جس قدر بھی سراغ لگا سکی ھیں وہ زیادہ سے زیادہ
یہی ھے ۔ تاریخ میں ابن خلدون پہلا شخص تھا جس نے
تاریخ کو اسی روشنی میں دیکھنا چاھا اور اب فلسفۂ
تاریخ کی ساری بنیادیں اسی اصل پر چنی گئی ھیں ۔ البتہ
اس وقت تك معاملہ ابتدائی حالت سے آگے نہیں بڑھ سکا ۔ =

=گزر چکی هیں اور آیندہ سورتوں میں بھی آئیں گی۔ یہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت سے شروع ہوتی ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر پر ختم کر دی جاتی ہیں۔ غور کرو کس طرح ان تمام دعوتوں کے ظہور میں، اعلانات میں، تذکیر و موعظت میں، احوال و ظروف میں، رد و قبول میں، نوعیت و حیثیت میں اور پھر آخری نتیجے میں کامل یکسانیت پائی جاتی ہے اور کس طرح ان کی ہم آہنگی کے تمام نقطے صاف صاف ابھرے ہوے ہیں؟ ساتھ ہی کس طرح قدم قدم پر بتلایا جارہا ہے کہ ہدایت وحی کے ظہور کے عام قوانین کیا کیا ہیں اور کس طرح دعوت وحی کا ہر چہرہ اپنے خال و خط میں قطعی اور آشکارا نظر آرہا ہے کہ شک و اشتباہ کی پرچھائیں بھی اسے چھونے کی جرأت نہیں کرسکتی؟

(و) سورۂ اعراف کے ایک نوٹ میں اشارات گزر چکے ہیں اور اس سورت میں ہر دعوت کے وقائع کا خلاصہ بالمقابل نوٹوں میں پڑھ چکے ہو۔ ان سب پر مکرر نظر ڈالو اور غور کرو جتنے رسول پیدا ہوے وہ کیسے وقتوں میں پیدا ہوے اور کن لوگوں میں پیدا ہوے؟ ان کی پکار کیا تھی اور پکار کی نوعیت کیا تھی؟ ان کی دلیلیں کیا تھیں جن پر انہوں نے زور دیا؟

=طرح کا معاملہ پیش نہ آیا ہو اور خاص طرح کے نتائج پیدا نہ ہوے ہوں. ہمیشہ ایسا ہوا ہے کہ قوموں میں ایک خاص طرح کی شخصیتیں پیدا ہوئیں، ہمیشہ ایسا ہوا ہے کہ انہوں نے خاص طرح کی صدائیں بلند کیں، ہمیشہ ایسا ہوا ہے کہ ان کے اور ان کی قوم کے درمیان خاص طرح کے معاملات پیش آئے اور پھر ہمیشہ ایسا ہوا ہے کہ ان کا خاتمہ ایک خاص طرح کے نتیجے پر ضرور ہوا اور اس نتیجے نے تمام قضیے کا فیصلہ کر دیا. تم یہ بھی دیکھو گے کہ یہ سارا معاملہ اپنی ساری باتوں میں کچھ اس طرح کا یک ساں اور ہم رنگ واقع ہوا ہے کہ معلوم ہوتا ہے ایک ہی حقیقت ہے جو بار بار ابھرتی اور اپنے آپ کو دھراتی رہی ہے. یا ایک ہی زنجیر ہے جس کی مختلف کڑیاں یکے بعد دیگرے نمایاں ہوئی ہیں اور اس کی کوئی کڑی دوسری کڑی سے الگ نہیں. پھر کیا یہ بات کہ ہمیشہ اور ہر جگہ ایک ہی طرح کی بات پیش آئی اور ایک ہی طرح کا نتیجہ نکلا، اس یقین کے لیے کافی نہیں کہ یہ ملکوں اور قوموں کی سعادت و شقاوت کا ایک الٰہی قانون ہے اور چوں کہ ہمیشہ کام کرتا رہا ہے اس لیے اب بھی کام کرے گا.

(ہ) اب ان تمام سرگذشتوں پر نظر ڈالو جو اس سورت میں بیان کی گئی ہیں اور اعراف میں =

= سب نے کہا: ہمارے پاس علم و یقین ہے، ہم تمہیں ظن و جہل سے نجات دلانا چاہتے ہیں. سب نے کہا: ہمارا دعوی اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ ایمان و نیك عملی کے نتائج کی بشارت دینے والے ہیں، انکار و بد عملی کے نتائج سے متنبہ کر دینے والے، ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے. سب نے کہا: تمہارا بھروسا اپنی طاقتوں پر ہے، ہمارا پروردگار عالم پر. تم جو کچھ کر سکتے ہو کر دیکھو، ہم ایسے کام سے باز آنے والے نہیں. سب نے کہا: اگر مانتے نہیں تو کم از کم حق کے مقابلے میں سرکشی کرنا چھوڑ دو، کیوں کہ سرکشی کا نتیجہ عذاب ہے. اور پھر سب نے کہا کہ تمہاری راہ تمہارے لیے ہے، ہماری راہ ہمارے لیے. فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے، ہم بھی انتظار کرتے ہیں، تم بھی انتظار کرو.

پھر ان قوموں کی طرف نظر اٹھاؤ جن میں ان تمام دعوتوں کا ظہور ہوا تھا. کس طرح یہاں بھی ہر قوم اپنے طرز عمل میں ٹھیك ٹھیك دوسری قوم کی شبیہ ہے اور کس طرح گم راہی کا چہرہ ہمیشہ ایك ہی طرح کا رہا، جس طرح ہدایت کا چہرہ ایك ہی طرح کا رہا ہے؟ غور کرو! کوئی بات بھی ایسی دکھائی دیتی ہے جس میں ظلم و فساد کی ایك نمود ظلم و فساد کی =

= ان کا طریق کار کیا تھا جس پر وہ برابر کار بند رہے ؟ انھوں نے اپنے قدم جہاں ٹکائے تھے وہ جگہ کونسی تھی اور سہارے کے لیے جس کی طرف ھاتھ بڑھایا تھا وہ کون تھا؟ پھر ان میں اور ان کی قوموں میں جو معاملات پیش آئے وہ کس قسم کے تھے اور ان معاملات میں ان کا جو قول و فعل رھا وہ کس قسم کا تھا؟ تم دیکھو گے کہ ان ساری باتوں میں ھر رسول دوسرے رسول کی تصویر تھا اور ھر دعوت دوسری دعوت کا عکس تھی۔ کسی بات میں بھی تم ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کر سکتے۔ سب اسی حال میں پیدا ھوے کہ دنیوی طاقتوں اور حکم رانیوں میں سے کچھ نہیں رکھتے تھے۔ سب کا ظہور ایسے ھی وقتوں میں ھوا جب خدا پرستی اور نیک عملی کی روشنی بجھ چکی تھی۔ سب انھیں قوموں میں پیدا ھوے جن قوموں کو انھوں نے مخاطب کیا تھا۔ سب کی زبانوں سے ایک ھی پکار نکلی۔ سب نے ایک ھی طرح پر لوگوں کو بلایا۔ سب نے کہا: اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ سب نے کہا: ظلم و بد عملی سے باز آجاؤ، اس کا نتیجہ ھلاکت ھے۔ سب نے کہا: ھماری جد و جہد اداء فرض ھے، مزدوری کی طلب نہیں۔ =

= ہوا ہو۔ ہمیشہ خدا کے فیصلے کا انتظار کیا گیا اور ہمیشہ فیصلہ یہی ہوا کہ مؤمنوں نے نجات پائی، سرکشوں کے لیے ہلاکت ہوئی۔ یہ گویا اس معاملے کا ایک قدرتی خاصہ تھا اور خاصہ کبھی بدل نہیں سکتا۔ یہ آگ کے لیے گرمی تھی، برف کے لیے ٹھنڈک تھی، سنکھیا کے لیے ہلاکت تھی۔ اور آگ جب کبھی سلگے گی گرمی ہی نکالے گی، برف جب کبھی جمے گی ٹھنڈک ہی ہوگی، سنکھیا جب کبھی کھائی جائے گی ہلاکت ہی لائے گی: "سنة الله فی الذین خلوا من قبل ج ولن تجد لسنة الله تبدیلا" (۳۳ - ۶۲)

(ز) قرآن کے اس استدلال کی ہم نے جو کچھ تشریح کی ہے یہ کوئی دور کا مفسرانہ استنباط نہیں ہے، بلکہ خود قرآن نے صاف صاف لفظوں میں یہ ساری باتیں واضح کردی ہیں۔ ضرورت صرف تدبر و بصیرت کی ہے۔ قرآن کے ان بے شمار مقامات کا مطالعہ کرو جہاں گزشتہ رسولوں یا گزشتہ قوموں کی الگ الگ سرگذشتیں نہیں بیان کی ہیں، بلکہ محض اجمالی اشارہ کردیا ہے اور پھر یکے بعد دیگرے ان عبرتوں پر توجہ دلائی ہے جو ان سب کی سرگذشتوں سے مجموعی طور پر نکلتی ہیں۔ مثلاً سورۂ ابراهیم کی آیت ۹ میں فرمایا: کیا ان قوموں کی خبریں تم تک نہیں پہنچیں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں"۔ پھر ان قوموں کی طرف =

= دوسری نمود سے ہم رنگ نہ رہی ہو؟ سب نے اپنی اپنی باری وہی سب کچھ کیا جو ان میں سے کسی ایک نے کیا۔ سب نے دعوت سے انکار کیا، سب نے دعوت کی ہنسی اڑائی؛ سب نے دلیلوں سے منہ موڑا، سب نے روشنیوں سے آنکھیں بند کر لیں، سب سرکشی اور گھمنڈ کی چال چلے، سب نے جبر و تشدد سے راہ روکنی چاہی، سب نے موعظت و دلائل کا جواب ظلم و تعدی سے دیا، سب کی زبانوں سے ایک ہی طرح کی صدائیں نکلیں۔ سب کے اعراض و انکار کا مزاج ایک ہی طرح کا مزاج رہا اور پھر سب کو غرور و طغیان نے آخر وقت تک اس کی مہلت نہ دی کہ روشنی و تاریکی میں امتیاز کرتے۔

پھر اگر انہیں مانا تو کن لوگوں نے مانا اور کتنوں نے مانا؟ تو یہاں بھی ہر دعوت کا معاملہ دوسری دعوت کے معاملے سے بالکل ہم آہنگ رہا ہے۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوا ہے کہ بے نواؤں نے قبول کیا اور سرداروں اور رئیسوں نے مقاومت کی۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوا کہ جنہوں نے مانا وہ تھوڑے تھے، جنہوں نے انکار کیا وہ بہت تھے۔

پھر دیکھو! نتیجہ بھی کس طرح ہمیشہ ایک ہی رہا اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اس ایک کے خلاف =

(ط) اس سورت میں بیان قصص کے بعد فرمایا ھے :

"و جاءك فی ھذہ الحق و موعظة و ذکری للمؤمنین *" ۱۲۰

ان سرگذشتوں نے تم پر حقیقت کھول دی اور وہ سرتاپا موعظت و تذکیر ھیں۔ نیز بے شمار مقامات میں تصریح کی کہ ان سرگذشتوں میں حقیقت کی بڑی بڑی نشانیاں ھیں ، بڑی بڑی دلیلیں ھیں۔ تو اب غور کرو "ایام اللہ" کے اس استدلال سے کس طرح حقائق وحی کی تمام مہمات واضح ھوجاتی ھیں اور کس طرح ھر حقیقت کے لیے موعظت و تذکیر مل جاتی ھے . تشریح کا یہ محل نہیں ، مقصود اشارات ھیں ، تاکہ تمہارے سامنے تدبر کی راھیں خود بخود کھل جائیں۔ مثلاً بناء استدلال معاملات کی وحدت اور ان کا عالم گیر تسلسل ھے تو اب غور کرو یہ وحدت کس طرح ھر گوشے میں علم و یقین کا اجالا پیدا کر رھی ھے :

اولاً . وحدت انبعاث - یعنی معلوم ھوگیا ایك خاص معاملے کے لحاظ سے تمام ملکوں اور قوموں کی حالت یك ساں رھی ھے . کوئی ملك وقوم ھو لیکن سراغ ملتا ھے کہ وھاں کچھ لوگ ایسے ضرور پیدا ھوے جنھوں نے ابناء جنس کو ایك خاص طرح کی تعلیم دی .

ثانیاً ، وحدت دعوت - یعنی یہ تعلیم اگرچہ مختلف وقتوں ، مختلف ملکوں ، مختلف پیرایوں ، مختلف زبانوں میں دی گئی ، =

اشارہ کیا ھے : " قوم نوح ، قوم عاد ، قوم ثمود اور
وہ قومیں جو ان کے بعد ظہور میں آئیں اور جن کا
حال اللہ ھی کو معلوم ھے ". پھر اس کے بعد ان سب کے
ایام و وقائع کی متفقه اور مشترکه عبرتیں بیان کی ھیں
اور صاف طور پر واضح کر دیا ھے که تمام رسولوں کی
صدائیں ایك ھی طرح کی رھیں اور تمام قوموں کے انکار
و سرکشی کا عنوان بھی ایك ھی رھا . پھر جو نتیجه
پیش آیا وہ بھی سب کے لیے یك ساں تھا اور ایك ھی
تھا : "فاوحی الیهم ربهم لنهلکن الظلمین ۙ ولنسکننکم الارض
من بعدهم ؕ ذلك لمن خاف مقامی وخاف وعید" (١٤ : ١٣ و ١٤)

(ح) عربی میں ایسے واقعات کو جو بڑے اھم اور ایام اللہ
فیصله کن ھوتے ھیں اور قومی روایات کی حیثیت حاصل
کر لیتے ھیں یوں تعبیر کیا جاتا ھے که فلاں واقعه کا
دن . مثلاً یوم بدر ، یوم اُحد ، یوم قادسیه ، اور اسی سے قومی
معرکوں کے لیے " ایام " کی تعبیر پیدا ھو گئی ھے . چوں که
فیصلهٔ نتائج کے یه دن جو تمام قوموں کو پیش آئے ، اللہ
کے قانون حق کے نفاذ کے دن تھے اور حق و باطل کی
معرکه آرائی تھی ، اس لیے قرآن نے انھیں " ایام اللہ "
سے تعبیر کیا ھے : " و لقد ارسلنا موسی بایتنا ان اخرج
قومك من الظلمت الی النور ۙ و ذکرهم بایىم اللہ ؕ ان فی
ذلك لایت لکل صبار شکور " (١٤ : ٥)

ایك هی طرح کی کہی گئیں .

سابعاً ، وحدت ظہور نتائج - یعنی پھر نتیجہ بھی ہمیشہ ایك هی نکلا، ایك سے دو نہ ہوا .

قرآن کہتا ہے : جب صورت حال یہ ہے تو کیا ایسی باتیں اصلیت سے خالی ہو سکتی ہیں ؟ کیا ان کی قدامت ، ان کی عالم گیری ، ان کا دائمی تسلسل ، ان کا غیر منقطع اعادہ ، ان کی بے داغ وحدت ان کی فطری صداقت کا اعلان نہیں کر رہی : "ما لکم کیف تحکمون" ؟

پس معلوم ہوا یہاں کی تمام فطری اور عالم گیر حقیقتوں کی طرح ہدایت وحی کی بھی ایك حقیقت ہے جو ہمیشہ ظہور میں آئی ، ایمان اور عمل صالح کے قانون کی بھی ایك حقیقت ہے جس کی ہمیشہ تعلیم دی گئی ، ہدایت اور ضلالت کی کش مکش کی بھی ایك حقیقت ہے جو ہمیشہ نمودار ہوئی ، تصدیق رسل کے نتائج کی بھی ایك حقیقت ہے جو ہمیشہ ظہور میں آئے اور انکار و سرکشی کے نتائج بھی دنیا کی ایك ثابت شدہ حقیقت ہیں ، کیوں کہ ان میں کبھی تغیر نہیں ہوا (۴۸) .

قرآن نے صرف چند دعوتوں کا کیوں ذکر کیا

(ی) اس سلسلے میں یہ بات پیش نظر رہے کہ قرآن نے اگر چہ یہاں اور دیگر مقامات میں چند خاص خاص دعوتوں اور قوموں ہی کا ذکر کیا ہے ، لیکن اس کا دعویٰ عام ہے اور اسی پر یہ استدلال مبنی ہے . اس نے

= لیکن ان اختلافات سے تعلیم مختلف نہیں ہوگئی، وہ ہمیشہ ایک ہی رہی. گویا ایک ہی پیغام تھا جو کسی نے بہت سے پیام بروں کو دے کر بھیج دیا ہو اور راویں بہت سی ہوگئی ہوں مگر بات ایک ہی رہی ہو.

ثالثًا، وحدت تذکیر و موعظت - یعنی تمام دعوتوں کی صرف تعلیم ہی یک ساں نہ رہی، بلکہ تذکیر و موعظت کے اصول بھی ایک ہی رہے.

رابعًا، وحدت شئون و وقائع - یعنی اگرچہ زمانے مختلف ہوے، ملک مختلف ہوے، قومیں مختلف ہوئیں، احوال و ظروف مختلف ہوے، مگر جو معاملات پیش آئے وہ اپنی نوعیت میں ہمیشہ ایک ہی طرح کے ہوے.

خامسًا، وحدت تصدیق و انکار - یعنی دعوت کے ماننے نہ ماننے کے لحاظ سے بھی حالت ہمیشہ یک ساں رہی.

سادسًا، وحدت ہدایت و ضلالت و فکر - یعنی ہمیشہ ماننے والوں کی فکری حالت بھی ایک ہی طرح کی رہی اور نہ ماننے والوں کی فکری حالت بھی ایک ہی طرح کی رہی. جنھوں نے مانا ہمیشہ ایک ہی طرح پر مانا. جنھوں نے نہ مانا ایک ہی طرح پر نہ مانا، حتی کہ تصدیق و یقین کی جتنی صدائیں اٹھیں ہمیشہ ایک ہی طرح کی اٹھیں اور انکار و شک کی جتنی باتیں کہی گئیں ہمیشہ =

یہ ظاھر ھے کہ قومیں بے شمار گزر چکی ھیں اور یہ بھی ظاھر ھے کہ حسب تصریح قرآن ھر قوم میں دعوت حق کا ظہور ھوا ھے، پس تسلیم کرنا پڑے گا کہ بے شمار قومیں اور بے شمار دعوتیں ھوئیں، جن میں سے صرف چند ھی کا قرآن نے ذکر کیا، باقی کا نہیں کیا۔

قرآن نے ایسا کیوں کیا؟ تو اس کا سبب بالکل واضح ھے۔ قرآن کا مقصود ان سرگذشتوں کے بیان سے یہ نہیں تھا کہ تاریخ کی طرح تمام واقعات کا استقصاء کیا جائے، بلکہ صرف تذکیر و موعظت تھا۔ اور تذکیر و موعظت کے لیے اس قدر کافی تھا کہ چند دعوتوں اور قوموں کی سرگذشتیں بیان کر دی جائیں اور باقی کے لیے کہہ دیا جائے کہ ان کا حال بھی انھیں پر قیاس کر لو۔ چنانچہ ھم دیکھتے ھیں کہ اس بارے میں اس کا اسلوب بیان ھر جگہ عام ھے۔ جابجا اس طرح کی تعبیرات پائی جاتی ھیں کہ پچھلے قرنوں میں ایسا ھوا، پچھلی قوموں میں ایسا ھوا، پچھلی آبادیوں میں ایسا ھوا، پچھلے رسولوں کے ساتھ اس طرح کے معاملات پیش آئے۔ البتہ جہاں کہیں تخصیص کے ساتھ ذکر کیا ھے وھاں صرف چند قوموں ھی کی سرگذشتیں بیان کی ھیں، جس کا صاف مطلب یہ ھوا کہ یہ چند سرگذشتیں پچھلی قوموں کے ایام و وقائع کا نمونہ سمجھی جائیں اور ان سے اندازہ

جا بجا یہ بات واضح کردی ہے کہ ہدایت وحی کا ظہور جمعیت بشری کا عالم گیر واقعہ ہے اور کوئی قوم نہیں جس میں اللہ کے کسی رسول کا ظہور نہ ہوا ہو۔ نیز یہ کہ بے شمار قومیں دنیا میں گزر چکی ہیں جن کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے، چنانچہ سورۂ یونس کی آیت ٤٧ میں گزر چکا ہے: ''ولکل امة رسول ج فاذا جاء رسولهم قضی بینهم بالقسط وهم لا یظلمون٥''. اور دوسرے مقامات میں فرمایا: ''انما انت منذر و لکل قوم هاد٥'' (۱۳ : ۷). ''ولقد بعثنا فی کل امة رسولا ان اعبدوا الله واجتنبوا الطاغوت ج '' (۱٦ : ۳٦). ''انا ارسلنك بالحق بشیرا و نذیرا ط وان من امة الا خلا فیها نذیر٥'' (۳٥ : ۲٤). ''الم یاتکم نبؤا الذین من قبلکم قوم نوح و عاد و ثمود ط و الذین من بعدهم ط لا یعلمهم الا الله ط'' (۱٤ : ۹)

لیکن ساتھ ہی اس نے یہ تصریح بھی کردی ہے کہ قرآن میں تمام رسولوں کا ذکر نہیں کیا گیا، صرف چند کا ذکر کیا گیا ہے: ''ولقد ارسلنا رسلا من قبلك منهم من قصصنا علیك ومنهم من لم نقصص علیك ط'' (٤۰ : ۷۸) اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے کتنے ہی رسول مبعوث کیے۔ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن کے حالات تمہیں سنائے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن کے حالات نہیں سنائے۔

شاہ راہوں سے باہم دگر پیوستہ تھے ، آمد و رفت کے علائق کا قدیمی سلسلہ رکھتے تھے اور نسلی و لسانی تعلقات کے لحاظ سے بھی ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے تھے ، جیسا کہ آگے چل کر تمہیں معلوم ہوگا. پس قرآن نے انہیں خطوں کا ذکر کیا جو فی الحقیقت تاریخ اقوام کا ایک ہی وسیع خطہ رہ چکا ہے ، دوسرے خطوں سے تعرض نہیں کیا ، کیوں کہ مخاطبین کے لیے ان خطوں کا ذکر ان کی شب و روز کی باتوں کا ذکر تھا اور وہ جھٹلانے کی جرأت نہیں کرسکتے تھے . عرب خود ان کا ملک تھا ، عراق سے ان کے تعلقات تھے ، فلسطین کے کھنڈروں پر ہر سال گزرتے رہتے . مصر ان کے تجارتی قافلوں کی منڈی تھی . ان ملکوں کا نام سننا گویا اپنے چاروں طرف نظر اٹھا کر دیکھ لینا تھا .

پھر جن قوموں کا ذکر کیا گیا ان کے ناموں سے بھی وہ نا آشنا نہ تھے. قوم تُبَّع اور اصحاب اخدود یمن سے تعلق رکھتے تھے اور یمن عرب میں ہے. عاد اور ثمود کی بستیاں بھی عرب ہی کے حدود میں تھیں . قبیلۂ مدین بالکل عرب کے پڑوس میں تھا . قوم لوط کے کھنڈرات ان میں سے سینکڑوں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے. سر زمین دجلہ و فرات کی قوموں اور ان کی روایتوں سے بھی نا آشنا نہیں ہوسکتے تھے . مصر میں گو مصر

کر لیا جائے کہ اس بارے میں تمام اقوام عالم کی رودادیں کیسی رہ چکی ہیں ۔

البتہ کہا جا سکتا ہے کہ کیوں خصوصیت کے ساتھ ان چند قوموں ہی کا ذکر کیا گیا جو ایک خاص خطۂ ارضی میں گزر چکی تھیں، دوسرے خطوں کی اقوام میں سے کسی کا ذکر نہیں کیا؟ تو اس کے وجوہ بھی بالکل واضح ہیں اگر تھوڑی سی دقت نظر کام میں لائی جائے ۔ یہ ظاہر ہے کہ ایام و وقائع کے ذکر سے مقصود بعض مقاصد کے لیے استشہاد تھا اور یہ استشہاد جبھی مؤثر ہو سکتا تھا کہ جن ایام و وقائع کا ذکر کیا جائے ان کے وقوع سے مخاطب بے خبر نہ ہوں ۔ کم از کم ان کی بھنک کانوں میں پڑ چکی ہو، یا نہ پڑی ہو تو اپنے پاس کے آدمیوں سے حال پوچھ لے سکتے ہوں ۔ ورنہ ظاہر ہے کہ لوگ کہہ دیتے: پہلے ان وقائع کا وقوع ثابت کر دو، پھر ان سے ہمیں عبرت دلانا ۔ اور اس طرح عبرت و تذکیر کا سارا مقصد ہی فوت ہو جاتا ۔ اب دیکھو! قرآن نے جن ایام و وقائع کا ذکر کیا ہے وہ تمام تر کن خطوں میں واقع ہوئے تھے؟ یعنی ان کی جغرافیائی حدود کیا ہیں؟ یہ تمام وقائع یا تو خود عرب میں ہوئے ہیں، یا سرزمین دجلہ و فرات میں، یا پھر فلسطین اور مصر میں ۔ اور یہ تمام خطے ایک دوسرے سے متصل تھے، تجارتی قافلوں کی

اور انہیں کے سایوں میں دوپہر کاٹتے تھے۔ اور پھر جا بجا اس طرح کی بھی تصریحات ہیں کہ یہ مقامات تم سے کچھ دور نہیں کہ بُعد کی وجہ سے بالکل بے خبر رہے ہو۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ کیا علماء بنی اسرائیل سے یہ سرگذشتیں تم نے نہیں سنیں؟ اور اگر بے خبر ہو تو علم والوں سے، یعنی علماء اہل کتاب سے دریافت کر لو جو تمہیں میں بسے ہوئے ہیں۔

اور پھر بعض مقامات میں عرب کے حوالی و اطراف کی تصریح بھی کردی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیان وقائع میں قصداً یہ بات ملحوظ رکھی گئی ہے کہ سرزمین عرب اور اس کے اطراف و جوانب ہی کے وقائع ہوں۔ مثلاً سورۂ احقاف کی آیت ۲۷ میں قوم عاد کے ذکر کے بعد فرمایا: "ولقد اهلکنا ما حولکم من القریٰ و صرفنا الآیٰت لعلهم یرجعون" ☆

البتہ یہ ظاہر و معلوم ہے کہ ان واقعات کی تفصیلات سے لوگ نا آشنا تھے۔ اور بعض وقائع ایسے تھے جن کی صرف کانوں میں بھنک پڑچکی تھی، لیکن کوئی نہیں جانتا تھا کہ معاملہ کس طرح پیش آیا اور صحیح سرگذشت کیا ہے، نہ صرف عرب میں بلکہ ان خطوں میں بھی جہاں وہ پیش آئے تھے۔ جن وقائع کا ذکر تورات میں موجود تھا ان کی بھی بعض حقیقتیں محرف ہوگئی تھیں

کے فرعون اب نہیں رہے تھے لیکن مصر میں برابر آتے جاتے رہتے تھے، فراعنہ کے نام ان کے لیے اجنبی نام نہیں ہو سکتے تھے۔

علاوہ بریں یہودی اور عیسائی خود ان کے اندر بسے ہوے تھے۔ انبیاء بنی اسرائیل کے نام ان لوگوں کی زبانوں پر تھے، تفصیلات ربیوں اور راہبوں کو معلوم تھیں، یہ ان سے پوچھ سکتے تھے اور پوچھا کرتے تھے۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ایام و وقائع کے بیان و استدلال میں جا بجا اس طرح کا اسلوب اختیار کیا ہے جیسے ایک جانی بوجھی ہوئی بات کی طرف اشارہ کیا جائے۔ مثلاً جا بجا فرمایا: "الم یاتکم نبؤا الذین من قبلکم" (۱۴: ۹) جو قومیں تم سے پہلے گزر چکی ہیں کیا تم تک ان کی خبریں نہیں پہنچ چکی ہیں؟ یا مثلاً جا بجا اس طرح کی تعبیرات پاؤ گے: "اولم یسیروا فی الأرض فینظروا کیف کان عاقبة الذین من قبلهم" (۳۵: ۴۴) کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے پچھلی قوموں کا کیسا انجام ہو چکا ہے؟ کیوں کہ واقعہ یہ تھا کہ وہ برابر چلتے پھرتے رہتے تھے، یعنی ہر موسم میں تجارت کے لیے نکلتے تھے اور اثناء سفر میں کتنی ہی اجڑی ہوئی بستیاں، مٹتے ہوے نشان اور سنسان کھنڈر ان کی نظروں سے گزرتے تھے، بلکہ بسا اوقات انہیں میں منزل کرتے

= بالکل ایك نئی شکل دے دی ھے اور روز بروز نئی نئی حقیقتیں ابھرتی جاتی ھیں . سب سے زیادہ عجیب بات یہ معلوم ھوتی ھے کہ عربی نسل اور عربی زبان کے صرف اتنے ھی معنیٰ نہیں ھیں جتنے آج تك سمجھے گئے ھیں ، بلکہ یہ قوموں اور نسلوں کی ایك نہایت قدیم اور وسیع داستان ھے اور دنیا کے ابتدائی تمدنوں میں عظیم الشان حصہ لے چکی ھے .

ان تحقیقات سے معلوم ھوتا ھے کہ اگر عربی زبان اور اس کی ابتدائی شکلوں کے بولنے والوں کو ایك خاص نسل تسلیم کر لیا جائے تو یہ در اصل بہت سے گروھوں اور قبیلوں کا ایك مجموعہ تھا اور عرب ، فلسطین ، شام ، مصر اور عراق کے خطوں میں پھیلا ھوا تھا . اس نے دنیا کے ابتدائی تمدن کی تعمیر میں بڑے بڑے حصے لیے . ان ملکوں کی وہ تمام قدیم قومیں جو آج تك ایك دوسرے سے بالکل الگ سمجھی جاتی تھیں ، مثلاً اشوری ، سریانی ، فینیقی ، مصری ، آرامی و غیرھم ، فی الحقیقت الگ نہ تھیں اور عربی زبان کا ابتدائی مواد اور عربی رسم الخط کے ابتدائی نقوش ان سب میں مشترك تھے ، حتٰی کہ انھیں گروھوں نے مصر کے تحت عظمت و جبروت پر عرصے تك شہنشاھی کی اور اپنی زبان وقت کی تمام متمدن =

یا بھلادی گئی تھیں اور خود اہل کتاب کو بھی خبر نہ تھی کہ اصلیت کیا رہ چکی ہے ۔ پس قرآن نے ان کی حقیقت ٹھیک ٹھیک واضح کردی ۔ ہر معاملہ اپنی اصلی صورت میں نمایاں ہوگیا۔ بعض وقائع کی نسبت تصریح کردی کہ اس سے باشندگان عرب بالکل نا آشنا تھے ، یعنی نام تو سن لیا تھا لیکن اس کی یہ تفصیلات اور جزئیات کسی کو معلوم نہ تھیں ۔ مثلاً اسی سورت میں حضرت نوح علیہ السلام کی سرگذشت بیان کرکے آیت ۴۹ میں تصریح کردی کہ یہ باتیں نہ تو تجھے معلوم تھیں نہ تیری قوم کو ۔

پھر فہم و تدبر کا ایک اور نقطہ بھی ہے اور اس طرف بھی اشارہ کردینا ضروری ہے ۔ قرآن نے جن خطوں کی اقوام کا ذکر کیا ہے دنیا کو ان کی قدیم تاریخ بہت کم معلوم تھی اور خود عرب اور عربی نسل کی ابتدائی سرگذشتیں بھی پردۂ خفا میں مستور تھیں ۔ لیکن اٹھارھویں صدی سے آثار قدیمہ کی تحقیقات کا نیا سلسلہ شروع ہوا اور پھر انیسویں صدی میں نئے پردے اٹھے اور اب بیسویں صدی کے اثری انکشافات روز بروز ایک خاص رخ پر جارہے ہیں ۔ ان سب سے عرب ، عراق ، فلسطین ، شام اور مصر کی قدیم قوموں اور تمدنوں کے جو حالات منکشف ہوئے ہیں ، انھوں نے ان خطوں کی قدیم تاریخ کو

جدید اثری تحقیقات اور اقوام مذکورۂ قرآن

= کیوں کہ معلوم ہوتا ہے یہ تمام قومیں اصلاً ایک ہی نسلی حلقے کی ہیں، حتیٰ کہ اگر مصریوں کا ذکر کیا گیا ہے تو مصری بھی اس میں داخل ہیں۔

ثانیاً، ان انکشافات کی روشنی میں ایک اور مسئلہ بھی بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ قرآن نے جہاں کہیں ترتیب ظہور کے ساتھ دعوتوں کا ذکر کیا ہے وہاں قوم نوح کے بعد قوم عاد اور عاد کے بعد قوم ثمود نمایاں ہوئی ہے اور ان تینوں قوموں کو ایک دوسرے کا جانشین کہا ہے چنانچہ سورۂ اعراف کی آیت ۶۹ میں ہے کہ حضرت ہود نے اپنی قوم سے کہا: خدا کی یہ نعمت یاد کرو کہ اس نے تمہیں قوم نوح کے بعد اس کا جانشین بنایا۔ اور آیت ۷۴ میں ہے کہ اسی طرح حضرت صالح نے فرمایا: تم قوم عاد کے بعد اس کے جانشین بنائے گئے۔ چوں کہ ان تینوں قوموں کا جغرافیائی محل ایک دوسرے سے الگ تھا اس لیے یہ بات واضح نہیں ہوئی تھی کہ اس خطاب کا صحیح مطلب کیا ہے؟ لیکن اب بالکل واضح ہو گئی اور ان توجیہوں کی ضرورت نہ رہی جو مفسرین نے اختیار کی ہیں۔

ثالثاً، اس سوال پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ قرآن نے ہر جگہ یہ تذکرہ حضرت نوح علیہ السلام ہی سے کیوں =

= قوموں کو مستعار دے دی۔ چنانچہ دارا کے کتبوں اور مصر کے هیلوغلیفی (Heliography) نقوش میں عربی الفاظ آج تک پڑھے جا سکتے هیں اور یه بات تو ایك تاریخی حقیقت کی طرح مان لی گئی هے که یونانیوں نے فن کتابت کا پہلا سبق انهیں اقوام سے حاصل کیا تها ۔

کون کہه سکتا هے که آینده اس سلسلے میں کیا کیا انکشافات هونے والے هیں؟ تاهم جس قدر انکشافات هو چکے هیں ان سے ایك بات واضح هو گئی هے، یعنی ایك زمانے میں یه تمام خطے ایك خاص نسل کے عروج و انشعاب کے مختلف میدان تهے اور یهی نسل عربی قبائل کی ابتدائی نسل تهی ۔ پس اگر قرآن نے صرف انهیں خطوں کی اقوام کا ذکر کیا هے، کوئی دوسری قوم اس دائرے میں داخل نہیں هو سکی هے تو بہت ممکن هے اس کی علت اس سے کہیں زیاده گہری هو جس قدر اس وقت تك هم سمجهتے رهے هیں ۔ اس سلسلے میں چار باتیں نمایاں طور پر سامنے آجاتی هیں :

اولاً، جن اقوام کا ذکر کیا گیا هے ان کی خصوصیت صرف اتنی هی نہیں هے که بعض سر زمین حجاز کے قرب و جوار میں گزری تهیں اور بعض سے اهل کتاب واقف تهے، بلکه اس سے بهی کوئی زیاده گہری بات هے، =

= میں اس طرح کی تصریحات موجود ہیں کہ طوفان عام تھا اور یہودیوں اور عیسائیوں کا ایسا ہی اعتقاد رہا ہے، اس لیے مسلمانوں میں بھی یہ خیال پھیل گیا ہے اور اس طرح کی تفسیر کی جانے لگی جو طوفان کے عموم پر مبنی تھی۔ بہرحال دو باتیں یاد رکھنی چاہییں: ایک یہ کہ قرآن میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جس سے طوفان نوح عام ثابت ہوتا ہو۔ دوسری یہ کہ تورات کے بقیہ اجزاء کے بارے میں کچھ ہی کہا جائے لیکن موجودہ زمانے میں علم و تحقیق کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہے کہ کتاب پیدایش لائق اعتماد نہیں، خصوصاً اس کا ابتدائی حصہ۔ تفصیل اس کی مقدمے میں ملے گی۔

انیسویں صدی کی اثری تحقیقات اور وقائع بنی اسرائیل

انیسویں صدی کی اثری تحقیقات نے ایک نیا سوال بھی پیدا کر دیا ہے۔ یعنی تورات اور قرآن میں حضرت یوسف اور حضرت موسیٰ (علیہما السلام) کی جو سرگذشتیں بیان کی گئی ہیں، مصر کے تاریخی آثار میں ان کا کوئی سراغ نہیں ملتا، حتیٰ کہ بنی اسرائیل کے توطن مصر اور خروج کا پورا واقعہ اثریات مصر کی تاریخ میں ایک غیر معلوم واقعہ ہے۔

دنیا کی کسی پرانی قوم نے اپنی تاریخ کی کتابت وحفاظت کا اب انتظام نہیں کیا جیسا کہ قدیم مصریوں نے =

= شروع کیا ھے؟ اس کے متعدد وجوہ سامنے آئے تھے، لیکن ان انکشافات کی روشنی نے ایك نیا پہلو واضح کر دیا ھے۔ یعنی حضرت نوح کی دعوت غالباً اس قدیم نسل میں پہلی دعوت تھی اور چوں کہ پہلی دعوت تھی اس لیے ناگزیر تھا کہ اس کی دعوتوں کا تذکرہ اسی سے شروع ہو۔

رابعاً، تورات کی بناء پر سامی نسلوں اور زبانوں کی جو تقسیم کی گئی تھی اور جو اٹھارھویں اور انیسویں صدی کے علماء انساب و السنہ کے نزدیك بنیادی تقسیم رھی ھے۔ اب متزلزل ھو رھی ھے اور معلوم ھوتا ھے از سر نو نئی تقسیمیں کرنی پڑیں گی "و لتعلمن نباہ بعد حین" (۳۸ : ۸۸)۔

عذاب کی نوعیت

اس سورت کی تصریحات میں ایك معاملہ اور تشریح طلب رہ گیا ھے اور ضروری ھے کہ اس طرف بھی اشارہ کر دیا جائے۔ قرآن نے جس طرح دوسری قوموں کے عذاب کا ذکر کیا ھے اسی طرح قوم نوح کے عذاب کا بھی ذکر کیا ھے۔ اور اگر دوسری قوموں کا عذاب صرف انھیں قوموں کے لیے تھا تو کوئی وجہ نہیں کہ قوم نوح کا عذاب یعنی طوفان عالم گیر تصور کیا جائے۔ لیکن چوں کہ تورات کی کتاب پیدایش =

= فہرستیں مرتب کر لی گئی ھیں .

علماء آثار کہتے ھیں کہ حضرت یوسف کا معاملہ ایك نہایت غیر معمولی نوعیت کا معاملہ تھا . پھر ان کے خاندان کا مصر آنا اور بس جانا اور حضرت موسٰی کا ظہور اور فرعون سے مقابلہ تمام تر ایسے واقعات ھیں جو نہایت اھمیت رکھتے ھیں . ضروری تھا کہ آثار مصر میں ان کا ذکر آتا ، لیکن کسی طرح کا بھی تذکرہ نہیں ملتا . تورات کی سنین کے مطابق حضرت یوسف کا زمانہ مصر کے ھیکسوس (Hyksos) (عمالقہ) فرماں رواؤں کا زمانہ ھے اور حضرت موسٰی کا زمانہ بیسویں حکمراں خاندان کا زمانہ ھونا چاھیے جس میں ریمیسیس سوم (Rameses III) سے لے کر ریمیسیس یازدھم (Rameses XI) تك کے فراعنہ گزرے ھیں . لیکن ان تمام بادشاھوں کے جس قدر حالات معلوم ھوے ھیں ان میں کوئی واقعہ ایسا نہیں ملتا جو حضرت یوسف اور حضرت موسٰی (علیہما السلام) کی سرگذشتوں کی خبر دیتا ھو .

اسی بناء پر بیسویں صدی کے علماء تاریخ کا عام رحجان اس طرف ھے کہ دونوں واقعوں کی تاریخی حیثیت قابل تسلیم نہیں . =

= کیا تھا۔ جس وقت تک پیپرس (Papyrus) (قدیم مصری کاغذ) ایجاد نہیں ہوا تھا شاہی محلوں، مندروں اور مقبروں کی دیواروں پر ہر عہد کے حالات مسلسل نقش کیے جاتے رہے اور پیپرس رائج ہو گیا تو باقاعدہ دفاتر مدون ہونے لگے۔ علاوہ بریں ہر بادشاہ اور امیر کی وفات کے بعد اس کی نعش حنوط (ممی = Mummy) کر کے اس کے خاص مقبرے میں رکھی جاتی تھی اور نعش کے ساتھ اس کی زندگی کے وقائع بھی رکھ دیے جاتے تھے۔ اب یہ تمام آثار روشنی میں آ گئے ہیں اور ان کی معلومات نے ایک مرتب تاریخ کی شکل اختیار کر لی ہے۔

ان معلومات نے ہمیں پانچ ہزار برس پیشتر کے واقعات تک پہنچا دیا ہے۔ بعد کے واقعات کے لیے یونانی نوشتے موجود ہیں۔ دونوں یکجا کر دیے جائیں تو یہ تین ہزار سال قبل از مسیح سے لے کر عہد سکندر تک کی ایک مسلسل تاریخ ہے۔ اس تمام عرصے میں اکتیس شاہی خاندانوں نے مصر پر حکومت کی۔ آخری خاندان فارس کی شہنشاہی کا تھا جس کے بعد سنہ ۳۳۲ قبل از مسیح میں سکندر اعظم کا تسلط قائم ہوا۔ ان اکتیس خاندانوں کے اکثر افراد روشنی میں آ گئے ہیں اور ان کے ناموں کی =

سورة یوسف - ۱۲

مکیة و هی مائة واحدی عشرة آیة

مکی ، ۱۱۱ آیتیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(ا) یہ سورت بھی ان سورتوں میں سے ہے جو اوائل دعوت میں نازل ہوئیں ۔ اس میں اول سے لے کر آخر تک ایک ہی سرگذشت بیان کی گئی ہے اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی سرگذشت ہے ۔

(ب) گزشتہ سورت میں گزر چکا ہے کہ حضرت ابراھیم کو بشارت دی گئی تھی کہ ایک لڑکا پیدا ہوگا اور پھر اس سے ایک لڑکا ہوگا اور اس کی اولاد میں خدا برکت دے گا (آیت ۷۱) . چنانچہ حضرت اسحاق پیدا ہوے اور ان کی اولاد میں حضرت یعقوب ہوے . حضرت یعقوب کے بارہ لڑکے تھے :

چھ لیاہ سے : روبن ، شمعون ، لاوی ، یہوداہ ، اشکار ، زبلون .

دو بلہا سے : دان ، نفتالی .

دو زلفہ سے : جد ، آشر .

= لیکن کیا آثار مصر کا سکوت اس کے لیے کافی ہے
کہ اسے تاریخ کی منفی شہادت تسلیم کر لیا جائے اور
کیا فی الحقیقت آثار مصر میں ان واقعات کے لیے کوئی
روشنی نہیں؟ یہ ضروری سوالات ہیں جنھیں حل کرنا
چاہیے، لیکن اس کا محل البیان ہے، ترجمان القرآن نہیں.

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝ ۳

(اے پیغمبر!) اس قرآن کی وحی کر کے ہم تجھے اچھے سے اچھے طریقے پر (پچھلی) سرگذشتیں سنائے دیتے ہیں اور یقیناً قرآن کے نازل ہونے سے پہلے تو بھی انہیں لوگوں میں سے تھا جو (ان سرگذشتوں سے) بے خبر تھے ۳.

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ۝ ٤

(اور دیکھو!) جب (ایسا ہوا تھا کہ) یوسف نے اپنے باپ سے کہا: اے میرے باپ! میں نے (خواب میں) دیکھا کہ گیارہ ستارے ہیں اور سورج اور چاند (اور) دیکھا کہ سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں ٤.

---

٤ – خواب میں گیارہ ستاروں سے مقصود یوسف کے گیارہ بھائی تھے اور سورج چاند سے باپ اور (سوتیلی) ماں. تورات میں ہے کہ یوسف نے بھائیوں سے خواب=

الٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ	الف لام را ۔ یہ آیتیں ہیں
الْمُبِيْنِ ۝۱	روشن و واضح کتاب کی ۱ ۔
اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا	ہم نے اسے(۹ ٤) عربی قرآن کے
لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۲	روپ میں اتارا تا کہ تم
	سمجھو بوجھو۲ ۔

= دو راحیل سے: یوسف، بن یمین (پیدایش ۳۵: ۲۴) یوسف اور بن یمین سب سے چھوٹے تھے اور بن یمین کی پیدایش کے بعد ماں کا انتقال ہو گیا ۔ پس گھرانے میں چودہ آدمی رہ گئے تھے: بارہ لڑکے، باپ اور ان کی ایک بیوی ۔

(ج) تورات میں ہے کہ لیاہ اور راحیل میں سخت رقابت تھی اور اس کا اثر ان کی اولاد میں بھی پوری طرح نمایاں تھا ۔ حضرت یعقوب یوسف کو سب سے زیادہ چاہتے تھے اور یہ بات سوتیلے بھائیوں پر بہت شاق تھی (پیدائش ۳۷: ٤). اسی لیے حضرت یعقوب نے روکا تھا کہ اپنا خواب بھائیوں سے نہ کہیو

(د) تورات میں ہے کہ یوسف کی عمر سترہ برس کی تھی جب خواب کا معاملہ پیش آیا (پیدایش ۳۷: ۲) ۔

مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ ط   برگزیدہ کرنے والا ھے (٥٠)

اِنَّ رَبَّكَ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ع ٦   اور تجھے باتوں کا نتیجہ و مطلب   ١ ع ١١

سکھانے والا ھے . پھر جس طرح وہ اب سے پہلے تیرے
بزرگوں ابراھیم اور اسحاق پر اپنی نعمت پوری کر چکا ھے اسی
طرح اب تجھ پر اور یعقوب کے گھرانے پر بھی پوری کرے گا.
بلا شبہ تیرا پروردگار (سب کچھ) جاننے والا (اور اپنے تمام
کاموں میں) حکمت والا ھے ٦ .

لَقَدْ كَانَ فِیْ یُوْسُفَ   جو لوگ اس بارے میں

وَ اِخْوَتِهٖٓ اٰیٰتٌ لِّلسَّآئِلِیْنَ ۝٧   سوال کرنے والے ھیں (اگر

وہ سمجھیں تو) ان کے لیے یوسف اور اس کے بھائیوں کے
معاملے میں (موعظت و عبرت کی) بڑی ھی نشانیاں ھیں ٧ .

اِذْ قَالُوْا لَیُوْسُفُ وَ اَخُوْهُ   اور جب (ایسا ھوا تھا کہ یوسف

اَحَبُّ اِلٰٓی اَبِیْنَا مِنَّا   کے سوتیلے بھائی آپس میں)

وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ ط اِنَّ   کہنے لگے: ھمارے باپ

اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنِۣ صلے ج ۝٨   کو یوسف اور اس کا بھائی

(بن یمین) ھم سب سے زیادہ پیارا ھے، حالانکہ (٥١) ھمارا ایک پورا

قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ	(باپ نے) کہا : اے میرے
رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ	بیٹے ! اپنے اس خواب کا حال
فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ	اپنے بھائیوں سے نہ کہہ دیجیو
اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ	کہ وہ تیرے خلاف کسی
عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝	منصوبے کی تدبیریں کرنے

لگیں ۔ یاد رکھ ! شیطان انسان کا صریح دشمن ہے ۝ ۔

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ	اور (اے میرے بیٹے ! جس
وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ	طرح تو نے دیکھا ہے کہ
الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ	گیارہ ستارے اور سورج
عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ	چاند تیرے آگے جھکے تو)
كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ	اسی طرح تیرا پروردگار تجھے

= کہہ دیا تھا اور انہیں یہ بات بھی معلوم ہو گئی تھی کہ اس کی تعبیر کیا ہے (پیدائش ۳۷ : ۱۰) ۔ غالباً حضرت یوسف باپ کی ممانعت سے پہلے یہ بات ظاہر کر چکے تھے ۔

وَ اِنَّا لَهٗ لَنَاصِحُوْنَ ۝۱۱ اے ہمارے باپ! کیوں آپ یوسف کے بارے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے) اور ہمارے ساتھ کہیں جانے نہیں دیتے؟) حالانکہ ہم تو اس کے دل سے خیر خواہ ہیں ۱۱ .

اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا کل ہمارے ساتھ اسے (جنگل یَّرْتَعْ وَ یَلْعَبْ وَ اِنَّا لَهٗ میں) جانے دیجیے کہ کھائے لَحٰفِظُوْنَ ۝۱۲ پیے، کھیلے کودے . ہم اس کی حفاظت کے ذمے دار ہیں ۱۲ .

قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْٓ اَنْ (باپ نے) کہا : یہ بات مجھے

---

۸ تا ۱۲ - بھائیوں کا یوسف کے بارے میں مشورہ کرنا اور اس پر متفق ہونا کہ اسے ایک اندھے کنویں میں ڈال دیا جائے اور باپ سے اجازت مانگنی کہ یوسف کو اپنے ساتھ جنگل میں لے جائیں جہاں وہ روز مویشی چرانے جایا کرتے تھے .

توراۃ میں ہے کہ جب بھائیوں نے مشورہ کیا تو روبن نے کہا : قتل مت کرو، کنویں میں ڈال دو . (پیدایش ۳۷ : ۲۲)

جتھا ہے (یعنی ہماری اتنی بڑی تعداد ہے) اور یقیناً ہمارا باپ صریح غلطی پر ہے ۸.

اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ۝ ۹

(پس بہتر یہ ہے کہ) یوسف کو مار ڈالیں. یا کسی جگہ پھینک آئیں تاکہ ہمارے باپ کی توجہ ہماری ہی طرف رہے اور اس کے نکل جانے کے بعد ہمارے سارے کام سدھر جائیں ۹.

قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ۝ ۱۰

ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: نہیں! یوسف کو قتل مت کرو. اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو کسی اندھے کنویں میں ڈال دو، (گزرنے والے قافلوں میں سے) کوئی قافلہ (اس پر گزرے گا اور) اسے نکال لے گا ۱۰.

قَالُوا يَا أَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَىٰ يُوسُفَ

(تب سب مل کر باپ کے پاس آئے اور) انھوں نے کہا:

لَّخٰسِرُوْنَ ۝ ۱۴　　کہا لے اور ہمارا ایك پورا
جتھا موجود ہو۔ اگر ایسا ہو تو پھر ہم نرے نکمے ہی
نکلے ۱۴ .

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَ اَجْمَعُوْٓا　　پھر جب یہ لوگ (باپ سے
اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ　　رخصت لے کر) یوسف کو
الْجُبِّ ۚ وَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ　　ساتھ لے گئے اور سب نے
لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا　　اس پر اتفاق کر لیا کہ اندھے
وَ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ ۱۵　　کنویں میں ڈال دیں (اور
ایسا ہی کر گزرے) تو ہم نے یوسف پر وحی بھیجی کہ
(مایوس نہ ہو) ایك دن ضرور آنے والا ہے جب ان کا یہ معاملہ
تو انہیں جتائے گا اور وہ نہیں جانتے (کہ کیا کچھ ہونے
والا ہے) ۱۵ .

وَ جَآءُوْٓا اَبَاهُمْ عِشَآءً　　اور وہ اپنے باپ کے پاس شام
يَّبْكُوْنَ ۝ ۱۶　　کو روتے پیٹتے آئے ۱۶ .

قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا　　انہوں نے کہا : اے ہمارے
نَسْتَبِقُ وَ تَرَكْنَا يُوْسُفَ　　باپ ! ہم ایك دوسرے سے

تَدۡهَبُوۡا بِهٖ وَاَخَافُ اَنۡ | غم میں ڈالتی ہے کہ تم اسے
یَّاۡکُلَهُ الذِّئۡبُ وَاَنۡتُمۡ | اپنے ہم راہ لے جاؤ اور میں
عَنۡهُ غٰفِلُوۡنَ ۝۱۳ | ڈرتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو
بھیڑیا کھا لے اور تم اس سے غافل ہو ۱۳ .
قَالُوۡا لَئِنۡ اَکَلَهُ الذِّئۡبُ | انھوں نے کہا: بھلا یہ کیسے
وَنَحۡنُ عُصۡبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا | ہو سکتا ہے کہ بھیڑیا اسے

۱۳ - حضرت یعقوب کا اندیشہ ظاہر کرنا اور پھر اجازت دے دینی .

اس زمانے میں قبائل کی دولت و ثروت کا بڑا مدار مویشی پر تھا . مرد دن بھر چراتے تھے ، شام کو خیموں میں آکر آرام کرتے تھے . ایسی ہی زندگی حضرت یعقوب کے گھرانے کی بھی تھی . بھیڑیے مویشی کے دشمن ہوتے ہیں ، ہمیشہ کوئی نہ کوئی حادثہ ہوتا رہتا تھا . اس لیے بے اختیار حضرت یعقوب کی زبان سے نکل گیا : " کہیں ایسا ہی حادثہ یوسف کو پیش نہ آجائے" . یوسف کے بھائیوں نے یہی بات پکڑ لی اور اسی کا جھوٹا قصہ بنا کر سنا دیا .

ھی سے مدد مانگنی ہے ۱۸ .

۱۵ تا ۱۸ - یوسف کے بھائیوں کا یوسف کو کنویں میں ڈال دینا، بھیڑیے کے حملے کا جھوٹا قصہ بنانا، حضرت یعقوب کا ان کے کذب پر مطلع ہو جانا، مگر صبر جمیل کا شیوہ اختیار کرنا .

"صبر" کے معنی شدائد جھیلنے کے ہیں . "جمیل" ایسی بات جو پسندیدہ ہو . یعنی نہ صرف یہ کہ شدائد جھیل لیے جائیں، بلکہ بڑی خوبی کے ساتھ جھیلے جائیں، شدائد کا شکوہ نہ ہو، درد والم کی شکایت زبان پر نہ آئے . چوں کہ حضرت یعقوب کو فراست نبوت سے یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ پچھلی بشارتیں یوسف ہی کے ذریعے پوری ہونے والی ہیں، اس لیے وہ کبھی باور نہیں کر سکتے تھے کہ اس طرح اس کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا. پس فرمایا "فصبر جمیل". یعنی اس معاملے میں حکمت الٰہی کا ہاتھ صاف نظر آ رہا ہے. پس میرے لیے اس کے سوا چارہ نہیں کہ بغیر شکوہ و شکایت کے درد فراق جھیلتا رہوں اور اس کی کار فرمائیوں کے ظہور کا انتظار کروں: "واللہ المستعان علی ما تصفون".

آیت ۱۸ میں خون آلود کُرتے کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا، کیوں کہ اسی سے ان کا سارا جھوٹ کھل =

عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ۞ ۱۷

آکے نکل جانے کے لیے دوڑ میں لگ گئے تھے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا۔ پس ایسا ہوا کہ بھیڑیا آ نکلا اور یوسف کو (مار کر) کھا لیا۔ اور ہم جانتے ہیں کہ آپ ہماری بات کا یقین کرنے والے نہیں اگرچہ ہم کتنے ہی سچے ہوں ۱۷ ۔

وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۭ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۞ ۱۸

اور وہ یوسف کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون لگا لائے تھے۔ باپ نے (اسے دیکھتے ہی) کہا: نہیں! (میں یہ نہیں مان سکتا) یہ تو ایک بات ہے جو تمہارے نفس نے گھڑ کر تمہیں خوش نما دکھا دی ہے (اور تم سمجھتے ہو چل جائے گی!) ۔ خیر! (میرے لیے اب صبر کرنا ہے اور) صبر (بھی ایسا کہ) پسندیدہ (ہو) ۔ اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اس پر اللہ

عَلِیۡمٌ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۹﴾ نے پانی کے لیے اپنا سقه بھیجا.
پھر جونہیں اس نے اپنا ڈول لٹکایا (اور یه سمجھ کر که پانی سے
بوجھل ہو چکا ہے اوپر کھینچا) تو (کیا دیکھتا ہے ایك جیتا
جاگتا لڑکا اس میں بیٹھا ہے! وہ) پکار اٹھا: کیا خوشی کی بات
ہے! یه تو ایك لڑکا ہے! اور (پھر) قافلے والوں نے اسے اپنا
سرمایۂ تجارت سمجھ کر چھپا رکھا (که کوئی دعوے دار نه نکل
آئے). اور جو کچھ کر رہے تھے اللہ کے علم سے پوشیدہ نه تھا ۱۹.
وَ شَرَوۡهُ بِثَمَنٍۭ بَخۡسٍ اور (پھر) انھوں نے یوسف
دَرَاهِمَ مَعۡدُوۡدَةٍ ۚ وَ کَانُوۡا کو بہت کم داموں پر که گنتی
ع ۲ / ۱۲ فِیۡهِ مِنَ الزّٰهِدِیۡنَ ﴿۲۰﴾ کے چند درهم تھے (بازار مصر
میں) فروخت کردیا اور وہ اس معاملے میں (اچھی قیمت
لینے کے چنداں) خواهش مند بھی نه تھے (یعنی چوں که لڑکا مفت
مل گیا تھا یا بہت کم داموں خریدا تھا، اس لیے بڑی قیمت کے
چنداں خواهش مند نه تھے) ۲۰.

---

۱۹ و ۲۰ – ایك عرب قافلے کا کنویں پر سے گزرنا،
حضرت یوسف کا ڈول میں بیٹھ کر نکل آنا اور
فروخت ہونا. =

وَ جَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوْا	اور (دیکھو!) ایک قافلے کا
وَارِدَهُمْ فَأَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ	اس پر گزر ہوا (یعنی اس
يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ	کنویں پر جس میں یوسف
وَ أَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَ اللّٰهُ	کو ڈالا تھا) اور قافلے والوں

=گیا تھا۔ انہوں نے اپنے خیال میں یہ بڑی ہوشیاری کی بات کی تھی کہ یوسف کے کُرتے پر بکری کا خون لگا کر بطور شہادت کے لے آئے، لیکن یہ نہ سمجھے کہ اگر بھیڑیے نے حملہ کیا تھا تو کرتا کیسے بچ رہا؟ اس کے تو پرزے پرزے ہو جانے تھے۔ حضرت یعقوب نے جب کُرتا دیکھا تو انہیں پورا یقین ہو گیا کہ ساری کہانی من گھڑت ہے۔

قرآن کی معجزانہ بلاغت دیکھو! حضرت یعقوب نے صرف اتنا کہہ کر کہ "سولت لکم انفسکم امرا" کس طرح ساری باتیں کہہ دیں جو اس معاملے کے لیے کہی جا سکتی تھیں! یعنی ان کا حسد کرنا، سازش کرنی، معاملے کی ایک پوری صورت بنا لینی اور پھر سمجھنا اس طرح ہم کامیاب بھی ہو جائیں گے اور ہمارا جھوٹ بھی نہیں کھلے گا، سب کی طرف اس میں اشارے ہو گئے۔

وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ	اور اهل مصر میں سے جس
مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِیْ	شخص نے یوسف کو قافلے
مَثْوٰىهُ عَسٰۤی اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ	والوں سے مول لیا تھا وہ
اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ	(اسے لے کر اپنے گھر آیا
مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ز	اور) اپنی بیوی سے بولا : اسے
وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ	عزت کے ساتھ رکھو . عجب نہیں
الْاَحَادِیْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ	یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم
عَلٰۤی اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ	اسے اپنا بیٹا بنالیں . اور (دیکھو!)
النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۞ ۲۱	اس طرح ہم نے یوسف کا

سر زمین مصر میں قدم جمادیا اور مقصود یہ تھا کہ اسے باتوں کا نتیجہ و مطلب نکالنا سکھادیں . اور الله کو جو معاملہ کرنا ہوتا ہے وہ کرکے رہتا ہے ، لیکن اکثر آدمی ایسے ہیں جو نہیں مانتے ۲۱ .

= نکالے آیا ہے اور ڈول میں بیٹھ گئے . اس طرح ان کی رہائی کا خود بخود سامان ہو گیا .

۲۱ - (ا) مصر کے ایک سردار کا حضرت یوسف کو =

= تورات میں ھے کہ قافلہ اسماعیلیوں کا تھا جو گرم مصالحہ، بلسان اور مُر مصر لے جا رھا تھا اور اس وقت پہنچا تھا جب یوسف کے بھائی اپنا کام پورا کرکے روٹی کھانے بیٹھے تھے۔ تب یہودا نے کہا: بہتر ھے، ھم یوسف کو ان لوگوں کے ھاتھ بیچ ڈالیں۔ اس کے مار ڈالنے سے ھمیں کیا فائدہ ھوگا۔ چنانچہ انھوں نے بیس سکوں پر بیچ ڈالا (پیدایش ۳۷ : ۲۵)۔ اسماعیلی، یعنی حجاز کے عرب جو حضرت اسماعیل کی نسل سے تھے۔

اگر یہ معاملہ واقعی پیش آیا تھا تو قرآن نے اسے حذف کردیا، کیوں کہ ضروری نہ تھا۔ اور آیت ۲۰ میں وہ واقعہ بیان کردیا جو مصر پہنچنے کا ذریعہ ھوا۔

ڈول کھینچنے والے نے اظہار تعجب کی جگہ اظہار مسرت اس لیے کیا کہ غلامی کا رواج عام تھا اور کم سن اور خوب صورت لڑکا ھاتھ لگ جاتا تو ایک قیمتی متاع سمجھی جاتی اور معقول قیمت وصول ھو جاتی۔ یہی وجہ ھے کہ فرمایا: "و اسروہ بضاعة"۔

تورات میں ھے کہ یہ کنواں بیابان میں تھا اور اس میں ایک بوند پانی نہ تھا (پیدایش ۳۷ : ۲۲ و ۲٤)۔ پس حضرت یوسف کنویں میں پڑے رھے۔ جب قافلے کے آدمی نے ڈول لٹکایا تو سمجھے شاید کوئی آدمی مجھے =

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ اور پھر جب ایسا ھوا کہ

حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ یوسف اپنی جوانی کو پہنچا

نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۞ ۲۲ تو ھم نے اسے کار فرمائی کی

قوت اور علم کی فراوانی بخشی. ھم نیك عملوں کو ایسا ھی (ان

= جب معاملہ یہاں تك پہنچ گیا تو گویا حضرت یوسف کی مصری کام رانیوں کی بنیاد پڑ گئی اور وہ میدان پیدا ھو گیا جہاں ان کے جوھر کھلنے والے اور بتدریج تخت مصر تك پہنچانے والے تھے. پس فرمایا: "کذلك مكنا لیوسف فی الأرض" اس طرح ھم نے یوسف کے مصر میں قدم جما دیے کہ غلام ھو کر بکا تھا ایک معزز و محترم ھو کر زندگی بسر کرنے لگا. نیز اس میں یہ مصلحت بھی تھی کہ اس پر "تأویل الأحادیث" کے علم کی راہ کھول دیں جس کی خبر ستاروں والے خواب میں دی جا چکی تھی. (تأویل الأحادیث کی تشریح آخری نوٹ میں ملے گی).

پھر فرمایا: "واللہ غالب علی امرہ" دیکھو خدا جو چاھتا ھے کس طرح کر کے رھتا ھے! بھائیوں نے یوسف کو نامراد کرنا چاھا تھا، لیکن انھوں نے جو کچھ کیا وھی اس کی فتح و فیروزی کا ذریعہ بن گیا.

= حریدنا اور ان کے اخلاق و خصائل سے اس درجه متأثر هونا که اپنا سب کچھ ان کے سپرد کردینا .

تورات میں ھے که حس مصری نے حریدا تھا اس کا نام فوطی فار (Potiphar) تھا اور وہ فرعون کا ایك امیر اور سردار فوج تھا (پیدایش ۳۷ : ۳٦) . قرآن نے بھی آگے چل کر اسے "عریز" کہا ھے . یعنی ایسا آدمی حو ملك میں بڑی حگه رکھتا تھا .

عزیز مصر نے پہلے تو حوب صورت علام دیکھ کر حرید لیا تھا لیکن تھوڑے ھی دنوں کے اندر اس پر حضرت یوسف کے حوھر کھل گئے تو ان کی راست ماری ، نیك عملی اور پاکی نفس سے اس درجه متأثر ھوا که اپنے سارے گھر بار اور علاقے کا مختار کل بنا دیا . تورات میں ھے که یوسف کے حسن انتظام سے فوطی فار کی آمدنی دوگنی ھو گئی تھی (پیدایش ۳۹ : ٤ و ٥) .

غور کرو ! قرآن نے یه سارا معامله ایك چھوٹی سی آیت میں بیان کر دیا ، یعنی آیت ۲۱ میں "عریز" کا اپنی بیوی سے یه کہنا که اسے عزت کے ساتھ گھر میں رکھو ، اسی طرف اشاره ھے .

(ب) حضرت یوسف کی مصری زندگی اور مصری کام رانیوں کی ابتداء . =

نے(ایك دن) دروازے بند کر دیے اور بولی : لو آؤ . یوسف نے کہا: معاذ اللہ! (مجھ سے ایسی بات کبھی نہیں ہوسکتی) تیرا شوھر میرا آقا ھے . اس نے مجھے عزت کے ساتھ (گھر میں) جگہ دی ھے (میں اس کی امانت میں خیانت نہیں کروں گا) اور حد سے گزرنے والے کبھی فلاح نہیں پاسکتے . ۲۳

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۭ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْۗءَ وَالْفَحْشَاۗءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۲۴

اور حقیقت یہ ھے کہ عورت یوسف کے پیچھے پڑ چکی تھی اور (حالت ایسی ھوگئی تھی کہ بے قابو ھوکر) یوسف بھی اس کی طرف متوجہ ھوجاتا اگر اس کے پروردگار کی دلیل اس کے سامنے نہ آ گئی ھوتی . (تو دیکھو!) اس طرح (ھم نے نفس انسانی کی اس سخت آزمایش میں بھی اسے دلیل حق کے ذریعے ھشیار رکھا) تاکہ برائی اور بے حیائی کی باتیں اس سے دور رکھیں . بلا شبہ وہ ھمارے ان بندوں میں سے تھا جو برگزیدگی کے لیے چن لیے گئے . ۲٤

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ

اور (ایسا ھوا کہ) دونوں

کی نیک عملی کا) بدلا عطا فرماتے ھیں . ٢٢

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۞ ٢٣

اور (پھر ایسا ھوا کہ) جس عورت کے گھر میں یوسف رھتا تھا (یعنی عزیز کی بیوی) وہ اس پر (ریجھ گئی اور) ڈورے ڈالنے لگی کہ بے قابو ھو کر بات مان جائے . اس

---

٢٢ و ٣٤ - حضرت یوسف کا بلوغ کو پھنچنا اور دانش حکومت اور فضیلات علم کی تکمیل .

اوپر تورات کی تصریح گزر چکی ھے کہ باپ سے علیحدگی کے وقت ان کی عمر سترہ برس کی تھی . پس آیت ٢٢ میں فرمایا : عزیز کے یہاں کئی سال رھنے کے بعد جب وہ جوان ھو گئے تو حکم رانی کی دانش اور علم کی فضیلت مرتبہ کمال کو پھنچ گئی اور قانون الٰھی یہ ھے کہ نیک کرداروں کو اسی طرح ان کے حسن عمل کے نتائج ملا کرتے ھیں ! ٢٢

قُبُلٍ فَصَدَقَتۡ وَهُوَ مِنَ الۡكٰذِبِيۡنَ ۞ ۲٦ (میں نے ھرگز ایسا نہیں کیا) اور (پھر ایسا ھوا کہ)

اس عورت کے کنبے والوں میں سے ایك گواہ نے گواھی دی۔ اس نے کہا: یوسف کا کرتا (دیکھا جائے) اگر آگے سے دو ٹکڑے ھوا ھے تو عورت سچی ھے، یوسف جھوٹا ھے۔ ۲٦

وَاِنۡ كَانَ قَمِيۡصُهٗ قُدَّ مِنۡ دُبُرٍ فَكَذَبَتۡ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ۞ ۲۷ اگر پیچھے سے دو ٹکڑے ھوا ھے تو عورت نے جھوٹ بولا، یوسف سچا ھے۔ ۲۷

---

۲۳ تا ۲۷ - عزیز کی بیوی کا حضرت یوسف پر فریفتہ ھونا اور ایك سخت ترین آزمایشی حالت میں ڈالنا، پھر ناکام رہ کر جھوٹا الزام لگانا، مگر ان کا معصیت سے بچے رھنا اور حیرت انگیز طریقے پر الزام کا بھی جھوٹا ثابت ھونا۔

آیت ۲۳ سے اس واقعہ کا بیان شروع ھوتا ھے جو حضرت یوسف کی زندگی کا سب سے زیادہ عظیم واقعہ ھے۔ تشریح اس کی آخری نوٹ میں ملے گی۔

تورات میں ھے کہ یوسف خوب صورت اور نور پیکر=

قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّ اَلْفَيَا — دروازے کی طرف دوڑے،

سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ قَالَتْ — اس طرح که ان میں سے هر ایك

مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ — دوسرے سے آگے نکل جانا

سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ — چاهتا تها. (یوسف اس لیے که

اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ٢٥ — عورت سے بهاگ نکلے، عورت

اس لیے که اسے نکل بهاگنے سے روکے). اور عورت نے یوسف کا کرتا پیچهے سے کهینچا اور دو ٹکڑے کر دیا. اور (پهر اچانك) دونوں نے دیکها که عورت کا خاوند دروازے کے پاس کهڑا هے. تب عورت نے (اپنا جرم چهپانے کے لیے فورا بات بنالی اور) کہا: جو آدمی تیرے اهل خانه کے ساتھ بری بات کا اراده کرے اس کی سزا کیا هونی چاهیے؟ کیا یهی نهیں هونی چاهیے که اسے قید میں ڈالا جائے یا (کوئی اور) درد ناك سزا دی جائے؟ ٢٥

قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ — (اس پر) یوسف نے کہا:

وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ — خود اسی نے مجھ پر ڈورے ڈالے

اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ — اور مجبور کیا که پهسل پڑوں

فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ۝۲۸

پس جب عورت کے خاوند نے دیکھا کہ یوسف کا کرتا پیچھے سے دو ٹکڑے ہوا ھے تو (اصلیت پا گیا اور) عورت سے کہا. کچھ شک نہیں یہ تم عورتوں کی مکاریوں میں سے ایك مکاری ھے اور تم لوگوں کی مکاریاں بڑی ھی سخت مکاریاں ھیں ۲۸

يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٜ سکتة وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۚ صلے اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ع ۝۲۹

۳ ع ۱۳

(پھر اس نے کہا:) اے یوسف! اس (معاملے) سے درگذر کر (یعنی جو کچھ ھوا اسے بھلا دے). اور (بیوی سے کہا:) اپنے گناہ کی معافی مانگ، بلا شبه تو ھی خطا وار ھے. ۲۹

= حضرت یوسف کی پاکی اور راست بازی نے گھر کے تمام آدمیوں کو ان کا معتقد بنا دیا تھا، حتی که خود عورت کے ایك رشته دار نے اپنے رشته داری کا لحاظ نہیں کیا، یوسف کی حمایت میں سچائی ظاھر کر دی.

=تھے (پیدائش ۳۹ : ٦) ۔ پس جب جوانی کو پہنچے تو اس کی بیوی ان پر فریفتہ ہوگئی اور جب دیکھا دوسری طرف سے جواب نہیں ملتا تو جیسا کہ قاعدہ ھے ملتفت کرنے کے لیے طرح طرح کی تدبیریں کام میں لائی ۔ پھر جب اس پر بھی وہ نہ پھسلے تو ایك دن جوش فریفتگی میں وہ بات کر بیٹھی جو اس معاملے کی انتہائی حد ھے ، یعنی ھر طرح کے مواقع جو کسی انسان کو ضبط نفس پر مجبور کر سکتے ھیں راہ سے دور کر دیے اور کھلے لفظوں میں طالب و مصر ھوئی ۔ غور کرو! آیت کے ابتدائی جملے نے ان ساری باتوں کی طرف کس طرح صاف صاف اشارات کر دیے ھیں !

جس شخص نے انکشاف حقیقت کا طریقہ بتلایا اسے "شاھد" کہا ، کیوں کہ اس نے کرتا دیکھ کر اصلیت پالی تھی اور حضرت کی پاکی کی شہادت دی تھی اور پھر ثبوت میں کہا تھا کہ تم خود بھی دیکھ لو، ان کے کرتے کا کیا حال ھے ؟

یہ کون شخص تھا ؟ خود اس عورت کے عزیزوں میں سے تھا ۔ اس سے زیادہ قرآن نے تصریح نہیں کی ، کیوں کہ جو بات واضح کرنی تھی وہ صرف یہ تھی کہ=

حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ط یہ سب کچھ ہو چکا تو) یوسف
اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝۳۱ سے کہا : ان سب کے سامنے نکل
آؤ . جب (یوسف نکل آیا اور) ان عورتوں نے اسے دیکھا
تو (ایسا پایا کہ) اس کی بڑائی کی قائل ہو گئیں ، انھوں نے اپنے
ھاتھ کاٹ لیے اور (بے اختیار) پکار اٹھیں " سبحان اللہ " ! یہ تو
انسان نہیں ھے ، ضرور ایک فرشتہ ھے ، بڑے مرتبے والا فرشتہ !" ۳۱

۳۰ و ۳۱ - شہر کی ہم درجہ عورتوں میں اس بات کا چرچا ہونا ، عورتوں کا بناوٹ اور ریا کاری سے طعن تشنیع کرنا ، عزیز کی بیوی کا سننا اور ضیافت کی محفل کا سامان کرنا اور حضرت یوسف کی عصمت و پاکی کا اس آزمایش میں بھی بے داغ نکلنا .

آیت ۳۰ میں جس واقعہ کا ذکر کیا ھے یہ حضرت یوسف کے جمال سیرت کا ایک دوسرا مظاھرہ ھے اور پہلے سے بھی زیادہ عظیم ھے . ضروری تشریح آخری نوٹ میں ملے گی .

ضمناً یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ اس زمانے کی مصری معاشرت کس درجہ شایستہ ہو چکی تھی ! ضیافت کی مجلسیں خاص طور پر آراستہ کی جاتی تھیں ، نشست کے لیے =

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ	اور (پھر جب اس معاملے کا
امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ	چرچا پھیلا تو) شہر کی بعض
فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ	عورتیں کہنے لگیں: دیکھو!
شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا	عزیز کی بیوی اپنے غلام پر
فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ٣٠	ڈورے ڈالنے لگی کہ اسے

رجھالے۔ وہ اس کی چاہت میں دل ہار گئی۔ ہمارے خیال
میں تو وہ صریح بد چلنی میں پڑ گئی ہے۔ ۳۰

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ	جب عزیز کی بیوی نے مکاری
اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ	کی یہ باتیں سنیں تو انھیں بلوا
لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ	بھیجا اور ان کے لیے مسندیں
وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا	آراستہ کیں اور (دستور کے
وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ	مطابق) ہر ایک کو ایک ایک
فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ	چھری پیش کر دی (کہ کھانے
وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ	میں کام آئے)۔ پھر (جب

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ ج وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ کَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَ اَکُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ۝ ۳۳

یوسف نے (یہ سن کر) اللہ کے حضور دعا کی: خدایا! مجھے قید میں رہنا اس بات سے کہیں زیادہ پسند ہے جس کی طرف یہ عورتیں بلارہی ہیں۔ اگر تو نے (میری مدد نہ کی اور) ان کی مکاریوں کے دام سے نہ بچایا تو عجب نہیں میں ان کی طرف جھك پڑوں اور ان لوگوں میں سے ہوجاؤں جو نا شناس ہیں۔ ۳۳

فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ کَیْدَهُنَّ ط اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ ۳۴

تو (دیکھو!) اس کے پروردگار نے اس کی دعا قبول کرلی اور اس سے عورتوں کی مکاریاں دفع کردیں۔ بلا شبہ وہی ہے (دعاؤں کا) سننے والا، (سب کچھ) جاننے والا۔ ۳۴

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰیٰتِ لَیَسْجُنُنَّهٗ

پھر (ایسا ہوا کہ) اگرچہ وہ لوگ (یعنی عزیز اور اس کے

قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ۭ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۭ وَلَىِٕنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ۳۲

تب (عزیز کی بیوی) بولی "(تم نے دیکھا!) یہ ہے وہ آدمی جس کے بارے میں تم نے مجھے طعنے دیے تھے۔ ہاں بیشك میں نے اس کا دل اپنے قابو میں لینا چاہا تھا مگر وہ بے قابو نہ ہوا۔ اور (اب اسے سنا کے کہے دیتی ہوں کہ) اگر اس نے میرا کہا نہ مانا (اور اپنی ضد پر اڑا رہا) تو ضرور ایسا ہوگا کہ قید کیا جائے اور بے عزتی میں پڑے" ۳۲۔

= مسندیں لگائی جاتی تھیں، کھانے کے لیے ہر شخص کے سامنے چھری رکھی جاتی تھی۔ مسندوں کے اہتمام کا حال اس سے معلوم ہوگیا کہ "واعتدت لھن متکا"۔ مصر کے آثار قدیمہ اور یونانی مؤرخوں کی شہادت سے جو حالات روشنی میں آئے ہیں ان سے بھی اس متمدن معاشرت کی تصدیق ہوتی ہے، خصوصاً ان نقوش سے جن میں امراء کی مجلسوں کا مرقع دکھایا گیا ہے اور جو قرآن کے ان اشارات کی پوری تفسیر ہیں۔

=نہ مانو گے تو قید میں ڈالے جاؤ گے، اور حضرت یوسف کا معصیت پر قید کو ترجیح دینا اور قید خانے میں بھی تبلیغ حق سے غافل نہ ہونا ۔

عزیز پر حضرت یوسف کی سچائی ظاہر ہوگئی تھی ، اس لیے ان کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی تھی ، لیکن اس کی بیوی کا عشق ایسا نہ تھا جو اس ناکامی سے سرد پڑجاتا ، وہ اور زیادہ بڑھ گیا ۔ اور جب دیکھا کہ طلب و الحاح سے کسی طرح کام نہیں بنتا تو سختی پر اتر آئی اور یوسف سے کہا : یا تو میرا کہا مانو ، نہیں تو قیدی ہونے کی ذلت و رسوائی گوارا کرو ۔ حضرت یوسف نے کہا : قید خانہ مجھے پسند ہے ، لیکن راستی سے منحرف ہونا پسند نہیں !

تورات میں ہے کہ "جب یوسف قید خانے میں ڈالا گیا تو قید خانے کا داروغہ اس پر مہربان ہوگیا اور تمام قیدیوں کا انتظام اس کے سپرد کردیا ۔ وہ قید خانے کا بالکل مختار ہوگیا تھا اور خداوند نے وہاں بھی اسے اس کے تمام کاموں میں اقبال مند کیا (پیدایش ۳۹: ۲۲ و ۲۳)

قرآن کی آیت ۳۶ میں بھی اس کے اشارات موجود ہیں ۔ اول تو دو قیدیوں کا خواب کی تعبیر پوچھنا ہی اس کی دلیل ہے کہ انہیں غیر معمولی علم و فضیلت کا آدمی سمجھا جاتا تھا ۔ پھر ان دونوں کا یہ کہنا کہ "ہم=

ع ١٤

حَتّٰی حِیْنٍ ۝ ٣٥ خاندان کے آدمی) نشانیاں دیکھ

چکے تھے (یعنی یوسف کی پاك دامنی کی نشانیاں) پھر بھی انھیں یہی بات ٹھیك دکھائی دی کہ ایك خاص وقت تك کے لیے یوسف کو قید میں ڈال دیں . ٣٥

وَ دَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَیٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّیْۤ اَرٰىنِیْۤ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَ قَالَ الْاٰخَرُ اِنِّیْۤ اَرٰىنِیْۤ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِیْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِیْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ ٣٦

اور (دیکھو!) ایسا ہوا کہ یوسف کے ساتھ دو جوان آدمی اور بھی قید خانے میں داخل ہوے . ان میں سے ایك نے (یوسف سے) کہا : مجھے (خواب میں) ایسا دکھائی دیا ہے کہ شراب (بنانے) کے لیے (انگور کا عرق) نچوڑ رہا ہوں . دوسرے نے کہا : مجھے ایسا دکھائی دیا ہے کہ سر پر روٹی اٹھائے ہوے ہوں اور پرند اسے کھا رہے ہیں . (ان دونوں نے درخواست کی کہ) ہمیں بتلا دو اس بات کا نتیجہ کیا نکلنے والا ہے ؟ ہم دیکھتے ہیں کہ تم بڑے نیك آدمی ہو . ٣٦

٣٢ تا ٣٦ - عزیز کی بیوی کا دھمکی دینا کہ اگر کہا =

بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ ۳۷ جو مجھے میرے پروردگار نے

تعلیم فرمائی ھیں . میں نے ان لوگوں کی ملت ترك کی جو الله

پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے بھی منکر ھیں . ۳۷

وَ اتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ میں نے اپنے باپ دادوں (یعنی)

اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ ؕ ابراھیم اور اسحاق اور یعقوب

مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ کی ملت کی پیروی کی . ھم

بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ (اولاد ابراھیم) ایسا نہیں

فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَ عَلَی کرسکتے که الله کے ساتھ کسی

النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ چیز کو بھی شریك ٹھیرائیں .

النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ۝ ۳۸ یه (ملت) الله کا ایك فضل ھے

جو اس نے ھم پر اور لوگوں پر کیا ھے ، لیکن اکثر آدمی ھیں

جو (اس نعمت کا) شکر نہیں بجا لاتے . ۳۸

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ اے یاران مجلس! (تم نے

مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ اس بات پر بھی غور کیا که)

قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ

یوسف نے کہا: "(گھبراؤ نہیں) قبل اس کے کہ تمہارا مقررہ کھانا تم تک پہنچے، میں تمہارے خوابوں کا مآل تمہیں بتلادوں گا. اس بات کا علم بھی من جملہ ان باتوں کے ہے

= دیکھتے ہیں تم بڑے نیک آدمی ہو" صاف طور پر واضح کردیتا ہے کہ قید خانے میں ان کا تقدس عام طو پر تسلیم کیا جاتا ہے.

تورات میں ہے کہ ان دو قیدیوں میں ایک بادشاہ کے ساقیوں کا سردار تھا، دوسرا روٹی پکانے والوں کا. بادشاہ ان پر ناراض ہوا اور قید خانے میں بھیج دیا. یوسف ہر روز قیدیوں کا معائنہ کیا کرتا تھا. ایک دن انہیں دیکھا کہ بہت اداس بیٹھے ہیں. سبب پوچھا تو انہوں نے کہا: ہم نے آج رات کو ایسی ایسی باتیں خواب میں دیکھی ہیں (پیدایش ۴۰: ۱تا۱۱ و۱۶ و۱۷)

أَحَدُكُمَا فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا ج وَأَمَّا الْآخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَأْسِهِ ط قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ط ۝ ۴۱

اپنے خوابوں کا مطلب سن لو). تم میں ایک آدمی (وہ ہے جس نے دیکھا کہ انگور نچوڑ رہا ہے) تو وہ (قید سے چھوٹ جائے گا اور بدستور سابق) اپنے آقا کو شراب پلائے گا اور دوسرا آدمی (وہ ہے جس نے دیکھا کہ اس کے سر پر روٹی ہے اور پرند روٹی کھا رہے ہیں) تو وہ سولی پر چڑھایا جائے گا اور پرند اس کا سر (نوچ نوچ کر) کھائیں گے. جس بات کے بارے میں تم سوال کرتے ہو وہ فیصل ہو چکی اور فیصلہ یہی ہے". ۴۱

وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِي عِندَ رَبِّكَ ز فَأَنسٰهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ ع ۝ ۴۲

۵ ع ۱۵

اور یوسف نے جس آدمی کی سبت سمجھا تھا کہ نجات پائے گا اس سے کہا" اپنے آقا کے پاس جب جاؤ تو مجھے یاد رکھنا (یعنی میرا حال اس سے

الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ ۳۹ حدا جدا معبودون کا ھونا بہتر

ھے یا اللہ کا حو یگانہ اور سب پر غالب ھے ۔ ۳۹

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ تم اس کے سوا حن ھستیوں کی

اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ بندگی کرتے ھو ان کی حقیقت

اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اس سے ریادہ کیا ھے کہ محص

اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ چند نام ھیں حو تم نے اور

الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تمھارے باپ دادوں نے رکھ لیے

تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ ھیں ، اللہ نے ان کے لیے

الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَ لٰكِنَّ کوئی سند نہیں اتاری۔ حکومت

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ۴۰ تو اللہ ھی کے لیے ھے ۔ اس

کا فرمان یہ ھے کہ صرف اسی کی بندگی کرو اور کسی کی نہ

کرو۔ یہی سیدھا دین ھے ، مگر اکثر آدمی ایسے ھیں حو نہیں

جانتے ۔ ۴۰

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اے یاران مجلس ! (اب ایسے

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۭ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ۝ ۴۳

اور (پھر ایسا ہوا کہ ایک دن) پادشاہ نے (اپنے تمام درباریوں کو جمع کرکے) کہا: میں (خواب میں) کیا دیکھتا ہوں کہ سات گائیں ہیں موٹی تازی انہیں سات دبلی پتلی گائیں نگل رہی ہیں اور سات بالیں ہری ہیں اور سات دوسری سوکھی۔ اے اہل دربار! اگر تم خواب کا مطلب حل کرلیا کرتے ہو تو بتلاؤ میرے خواب کا حل کیا ہے؟ ۴۳

قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ

درباریوں نے (غور و فکر کے

= کا دن تھا۔ اس دن سردار ساقی بحال کردیا گیا۔ مگر نان پزوں کے سردار کو سزا ہوئی۔ لیکن سردار ساقی نے بحال ہوکر یوسف کو یاد نہ رکھا۔ وہ یہ معاملہ بھول گیا (پیدایش ۴۰: ۱۲ تا ۱۵ و ۱۸ تا ۲۳)۔

چنانچہ حضرت یوسف کے حالات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، وہ کئی سال تک قید خانے میں پڑے رہے۔

ضرور کہہ دینا "). لیکن (جب تعبیر کے مطابق اس نے نجات پائی تو) شیطان نے یہ بات بھلادی کہ اپنے آقا کے حضور پہنچ کر اسے یاد کرتا. پس یوسف کئی برس تك قید خانے میں رھا. ٤٢

٤١ و ٤٢ – حضرت یوسف کا دو قیدیوں کو ان کے خواب کی تعبیر بتلانا اور اسی کے مطابق ظہور میں آنا، پھر بادشاہ مصر کا ایك عجیب و غریب خواب دیکھنا اور مصر کے تمام دانش مندوں اور جادوگروں کا تعبیر سے عاجز ہونا اور بالآخر حضرت یوسف کو قید خانے سے طلب کرنا.

تورات میں ھے کہ حضرت یوسف نے ساقیوں کے سردار کو اس کے خواب کی تعبیر یہ بتلائی تھی کہ تین دن کے اندر فرعون تجھے تیرے منصب پر بحال کردے گا اور آگے کی طرح تو اس کے ھاتھ میں شراب کا جام دے گا. اور کہا تھا کہ جب تو خوش حال ہو تو مجھے یاد رکھیو اور فرعون سے میرا ذکر کیجیو کہ لوگ عبرانیوں کے ملك سے مجھے چرا لائے اور یہاں بھی بغیر کسی قصور کے قید خانے میں ڈال دیا. اور نان پزوں کے سردار سے کہا تھا کہ تین دن کے اندر تیری موت کا فیصلہ ہوجائے گا اور تیری لاش درخت پر لٹکائی جائے گی. چنانچہ ایسا ھی ھوا. تیسرے دن فرعون کی سال گرہ =

يَـٰبِسَـٰتٍ ۙ لَّعَلِّيٓ أَرۡجِعُ إِلَى ٱلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَعۡلَمُونَ ۝٤٦

سات موٹی تازی گایوں کو سات دبلی پتلی گائیں نگل رھی ھیں اور سات بالیں ھری ھیں ، سات سوکھی ، تا کہ (ان) لوگوں کے پاس واپس جا سکوں (جنھوں نے مجھے بھیجا ھے).کیا عجب ھے وہ (تمھاری قدر و منزلت) معلوم کر لیں . ٤٦

قَالَ تَزۡرَعُونَ سَبۡعَ سِنِينَ دَأَبٗا فَمَا حَصَدتُّمۡ فَذَرُوهُ فِي سُنۢبُلِهِۦٓ إِلَّا قَلِيلٗا مِّمَّا تَأۡكُلُونَ ۝٤٧

یوسف نے کہا "(اس خواب کی تعبیر اور اس کی بنا پر تمھیں جو کچھ کرنا چاھیے وہ یہ ھے کہ) سات برس تک تم لگا تار کھیتی کرتے رھو گے (ان برسوں میں خوب بڑھتی ھوگی) . پس (جب فصل کاٹنے کا وقت آیا کرے تو) جو کچھ کاٹو اسے اس کی بالوں ھی میں رھنے دو (تا کہ اناج سڑے گلے نہیں) اور صرف اتنی مقدار الگ کر لیا کرو جو تمھارے کھانے کے لیے (ضروری) ھو . ٤٧

ثُمَّ يَأۡتِي مِنۢ بَعۡدِ ذَٰلِكَ سَبۡعٞ شِدَادٞ يَأۡكُلۡنَ مَا قَدَّمۡتُمۡ

پھر اس کے بعد سات بڑے سخت مصیبت کے برس آئیں کے

وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ۝۴۴

نعد) کہا : یہ پریشان خواب و خیالات ہیں (کوئی ایسی بات نہیں جس کا کوئی خاص مطلب ہو) اور ہم (سچے خوابوں کا مطلب تو حل کرسکتے ہیں لیکن) پریشان خوابوں کا حل نہیں جانتے ۔ ۴۴

وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ۝۴۵

اور حس آدمی نے (ان) دو قیدیوں میں سے نجات پائی تھی اور جسے عرصے کے بعد (یوسف کی) بات یاد آئی، وہ (خواب کا معاملہ سن کر) بول اٹھا : میں اس خواب کا نتیجہ تمہیں بتلادوں گا ۔ تم مجھے (ایك جگہ) جانے دو ۔ ۴۵

یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْکُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ

(چنانچه وه قید خانے میں آیا اور کہا :) اے یوسف ! اے که مجسم سچائی ہے ! اس (خواب) کا ہمیں حل بتا که

= معلوم نہ کرسکے تو کوشش کی کہ بادشاہ کے دل سے اس خواب کی اہمیت کا خیال نکال دیں۔ پس انہوں نے کہا: یہ کوئی روحانی بات نہیں ہے، ویسے ہی پریشان خیالی سے طرح طرح کی باتیں سوتے میں نظر آ گئی ہیں۔ لیکن سردار ساقی کو خواب کی بات سن کر اپنے خواب کا معاملہ یاد آ گیا اور ساتھ ہی یہ بات بھی یاد آ گئی کہ حضرت یوسف نے کیا کہا تھا۔ تب اس نے اپنا واقعہ بادشاہ کے گوش گزار کیا اور قید خانے میں جا کر حضرت یوسف سے ملا۔ حضرت یوسف نے فرمایا: سات گایوں سے مقصود زراعت کے سات برس ہیں، آیندہ سات برس تک بہت اچھی فصلیں ہوں گی، یہ گویا سات موٹی گائیں ہوں گی۔ اس کے بعد سات برس تک متواتر قحط رہے گا، یہ سات دبلی گائیں ہوئیں۔ انہوں نے موٹی گائیں نگل لیں، یعنی فراوانی کو قحط نے نابود کر دیا۔ سات ہری بالوں اور سات سوکھی بالوں میں بھی یہی بات واضح کی گئی ہے۔ پھر فرمایا: اس آنے والی مصیبت سے ملک کو کیوں کر بچایا جاسکتا ہے؟ اس کی تدبیر یہ ہے کہ بڑھتی کے سات برسوں میں قحط کے لیے اناج ذخیرہ کیا جائے اور اسے اس طرح محفوظ رکھا جائے کہ آنے والے سات برسوں میں ملک کے لیے کفایت کرے۔ =

لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلاً مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ۝ ۴۸

جو وہ سب ذخیرہ کھا جائیں گے جو تم نے (اس طرح) پہلے سے جمع کر رکھا ہوگا ، مگر ہاں تھوڑا سا جو تم روك رکھو گے (بچ رھے گا) . ۴۸

ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْ م بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ

پھر اس کے بعد ایك برس ایسا آئے گا کہ لوگوں پر خوب بارش

۶ ع ۱۶ وَ فِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ع ۝ ۴۹

بھیجی جائے گی . لوگ اس میں (پھلوں اور دانوں سے) عرق اور تیل خوب نکالیں گے"۴۹.

---

۴۳ تا ۴۹ - اس کے بعد وہ معاملہ پیش آیا جس کی طرف آیت ۴۳ میں اشارہ کیا ھے ، یعنی پادشاہ مصر نے ایك عجیب طرح کا خواب دیکھا اور جب دربار کے دانش مندوں سے تعبیر دریافت کی تو کوئی تشفی بخش جواب نہ دے سکے • تورات میں ھے کہ پادشاہ نے مصر کے تمام حکیموں اور جادوگروں کو جمع کیا تھا ، مگر کوئی اس کی تعبیر بتلا نہ سکا (پیدایش ۴۱ : ۱ تا ۷) .

یہاں قرآن نے درباریوں کا جو جواب نقل کیا ھے اس کا مطلب یہ معلوم ھوتا ھے کہ جب کوئی تشفی بخش بات =

جنھوں نے اپنے ھاتھ کاٹ لیے تھے؟ (میں چاھتا ھوں پہلے اس کا فیصلہ ھو جائے) ۔ جیسی کچھ مکاریاں انھوں نے کی تھیں میرا پروردگار اسے خوب جانتا ھے"۔ ۵۰

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ز اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ ۵۱

(اس پر) پادشاہ نے (ان عورتوں کو بلایا اور) کہا " (صاف صاف بتلادو) تمھیں کیا معاملہ پیش آیا تھا جب تم نے یوسف پر ڈورے ڈالے تھے کہ اسے اپنی طرف مائل کر لو"؟ وہ بولیں " حاشا للہ! ھم نے اس میں برائی کی کوئی بات نہیں پائی"۔ (یہ سن کر) عزیز کی بیوی بھی (بے اختیار) بول اٹھی " جو حقیقت تھی وہ اب ظاھر ھو گئی ۔ ھاں! وہ میں ھی تھی جس نے یوسف پر ڈورے ڈالے کہ اپنا دل ھار بیٹھے ۔ بلا شبہ وہ (اپنے بیان میں) بالکل سچا ھے ۔ ۵۱

---

۵۰ و ۵۱ - حضرت یوسف کا مژدۂ رھائی سننا مگر=

وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ ج فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ط اِنَّ رَبِّیْ بِکَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ۞ ..

(جب اس آدمی نے یہ بات پادشاہ تك پہنچائی تو) پادشاہ نے کہا " یوسف کو (فورًا) میرے پاس لاؤ " . لیکن جب (پادشاہ) کا پیام بر یوسف کے پاس پہنچا تو اس نے کہا :

(میں یوں نہیں جاؤں گا) تم اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ اور میری طرف سے دریافت کرو : ان عورتوں کا معاملہ کیا تھا

= یہ قرآن کے اعجاز بلاغت میں سے ہے کہ تعبیر اور تدبیر کو الگ الگ بیان نہیں کیا ، ایك ساتھ ہی بیان کردیا ، تاکہ تکرار بیان کی حاجت نہ رہے .

جب سردار ساقی نے حضرت یوسف کا جواب پادشاہ کو سنایا تو تعبیر اس درجہ واضح اور چسپاں تھی کہ اس نے سنتے ہی اس کی تصدیق کی اور ان کی ملاقات کا مشتاق ہو گیا. چنانچہ حکم دیا : فورًا انہیں قید خانے سے نکالا جائے اور دربار میں لایا جائے .

= ان کے معاملے کے بعد ظہور میں آیا .

(ب) عزیز کی بیوی نے ان سب کے سامنے ان کی بے گناھی اور اپنی طلب و سعی کا اعتراف کیا تھا جیسا کہ آیت ۳۲ میں گزر چکا ھے . پس یہ سب اس بات کی گواہ تھیں کہ عزیز کی بیوی کے معاملے میں ان کا دامن بے داغ ھے .

(ج) ان سب کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا تھا خود اس سے بھی عزیز کی بیوی کا الزام بے اصل ثابت ھوتا تھا ، کیوں کہ جس شخص کی پاکی طبع کا یہ حال ھو کہ ان تمام فتنہ گران شہر اور خوب رویان عہد کا متفقہ اظہار عشق بھی اسے مسخر نہ کر سکا ، کیوں کر باور کیا جاسکتا ھے کہ ایسا آدمی اپنے آقا کی بیوی پر ھاتھ ڈالے اور ایسی حالت میں ھاتھ ڈالے کہ وہ متنفر اور گریزاں ھو ؟

اس معاملے میں ایک اور دقیق نکتہ بھی ھے . آیت ۲۹ میں گزر چکا ھے کہ جب عزیز پر اپنی بیوی کا قصور ثابت ھو گیا تھا تو اس نے کہا تھا " یوسف اعرض عن ھذا " یوسف ! اس بات سے درگذر کر ، یعنی جو ھوا سو ھوا ، اب اس کا چرچا نہ کیجیو کہ اس میں میری بد نامی ھے . بعد کو اگرچہ عزیز اپنی بات پر نہ رھا اور حضرت یوسف کو قید میں ڈال دیا ، لیکن حضرت یوسف کا اخلاق ایسا =

= قید خانہ چھوڑنے سے انکار کردیا اور بادشاہ کو کہلانا کہ پہلے میرے قضیے کی تحقیقات کرلی جائے ۔ بادشاہ کا تحقیق کرنا اور ان کی پاکی و راسی کا آشکارا ہوجانا اور عزیز کی بیوی کا اعلان کرنا کہ وہ سچا ہے ، سارا قصور میرا تھا ۔

تعبیر سن کر بادشاہ کے دل میں حضرت یوسف کا اس درجہ احترام پیدا ہوگیا کہ اس نے ایک خاص پیام بر ان کے لانے کے لیے بھیجا جسے آیت ۵۰ میں ''رسول'' سے تعبیر کیا ہے ۔ لیکن حضرت یوسف نے تعمیل حکم سے انکار کردیا ۔ انھوں نے کہا : میں اس طرح رہا ہونا پسند نہیں کرتا ۔ پہلے میرے معاملے کی تحقیقات کرلی جائے کہ مجھے قید میں کیوں ڈالا گیا ؟ اگر میں مجرم ہوں تو رہائی کا مستحق نہیں ، اگر مجرم نہیں ہوں تو بلاشبہ مجھے رہا ہونا چاہیے ۔

اس سلسلے میں انھوں نے عزیز کی بیوی کی جگہ ان عورتوں کا ذکر کیوں کیا جنھوں نے مکاری سے ہاتھ کاٹ لیے تھے ؟ اس لیے کہ :

(۱) قید کے معاملے میں ان عورتوں کا بھی ہاتھ تھا ۔ انھوں نے اپنی ناکامیابی کی ذلت مٹانے کے لیے جھوٹے الزام تراش لیے ہوں گے ۔ یہی وجہ ہے کہ قید کا معاملہ =

میں نے اس کے پیٹھ پیچھے اس کے معاملے میں خیانت نہیں کی۔
نیز اس لیے کہ (واضح ہو جائے) اللہ خیانت کرنے والوں کی
تدبیروں پر کبھی (کام یابی کی) راہ نہیں کھولتا۔ ۵۲

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِيۡ‌ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ میں اپنے نفس کی پاکی کا
لَاَمَّارَةٌ ۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ دعوی نہیں کرتی۔ آدمی کا نفس
رَبِّىۡ‌ ؕ اِنَّ رَبِّىۡ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۵۳ تو برائی کے لیے بڑا ہی
ابھارنے والا ہے۔ (اس کے غلبے سے بچنا آسان نہیں) مگر ہاں!
اسی حال میں کہ میرا پروردگار رحم کرے۔ بلا شبہ میرا
پروردگار بڑا ہی بخشنے والا، بڑا ہی رحم کرنے والا ہے"۔ ۵۳

وَقَالَ الۡمَلِكُ ائۡتُوۡنِىۡ بِهٖۤ اور (پھر) بادشاہ نے حکم دیا
اَسۡتَخۡلِصۡهُ لِنَفۡسِىۡ‌ ۚ فَلَمَّا "یوسف کو میرے پاس لاؤ
كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الۡيَوۡمَ کہ اسے خاص اپنے (کاموں
لَدَيۡنَا مَكِيۡنٌ اَمِيۡنٌ‏ ۵۴ کے) لیے مقرر کروں۔" پھر
جب (وہ آیا تو بادشاہ نے) کہا "آج کے دن تو ہماری نگاہوں
میں بڑا صاحب اقتدار اور امانت دار انسان ہے"۔ ۵۴

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّي لَمْ اَخُنْهُ	یہ میں نے اس لیے کہا کہ
بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي	اسے معلوم ہوجائے (یعنی
كَيْدَ الْخَائِنِيْنَ ۵۲	یوسف کو معلوم ہوجائے)

= نہ تھا کہ یہ بات بھول جاتے ۔ عزیز نے انہیں غلام کی حیثیت سے خریدا تھا اور پھر اپنے عزیزوں کی طرح عزت وآرام کے ساتھ رکھا تھا. وہ اس کا احسان نہیں بھول سکتے تھے ۔ پس ان کی طبیعت نے گوارا نہیں کیا کہ اس موقع پر اس کی بیوی کا ذکر کر کے اس کی رسوائی کا باعث ہوں. صرف ہاتھ کاٹنے والی عورتوں کا ذکر کر دیا کہ ان میں کوئی نہ کوئی ضرور نکل آئے گی جو سچائی کے اظہار سے باز نہیں رہے گی

لیکن عزیز کی بیوی اب وہ عورت نہیں رہی تھی جو چند سال پہلے تھی ۔ اب وہ ہوس کی خام کاریوں سے نکل کر عشق کی پختگی و کمال تک پہنچ چکی تھی ۔ اب ممکن نہ تھا کہ اپنی رسوائی کے خیال سے اپنے محبوب کے سر الٹا الزام لگائے ۔ جب عورتوں نے یوسف کی پاکی کا اقرار کیا تو اس نے بھی خود بخود اعلان کر دیا کہ سارا قصور میرا تھا ، وہ بے جرم اور راست باز ہے ۔

= مملکت کے انتظام کا ذمے دار قرار پانا ، پھر تعبیر کے مطابق قحط کے سالوں کا نمودار ہونا، بھائیوں کا غلے کی طلب میں مصر آنا اور بن یمین کا حضرت یوسف کے پاس پہنچ جانا

(ا) جب تحقیقات کا نتیجہ آشکارا ہوگیا تو حضرت یوسف پادشاہ سے ملنے کے لیے تیار ہوگئے ، کیوں کہ اب ان کی رہائی پادشاہ کی بخشش نہ رہی ، ان کا حق ہو گئی .

(ب) اس معاملے نے پادشاہ کا اشتیاق اور زیادہ کر دیا. اس نے خیال کیا کہ جس شخص کی راست بازی ، امانت داری اور وفاے عہد کا یہ حال ہے ، اس سے بڑھ کر مملکت کے کاموں کے لیے کون موروں ہو سکتا ہے . پس کہا : فوراً میرے پاس لاؤ ، میں اسے اپنے کاموں کے لیے خاص کر لوں گا . چنانچہ حضرت یوسف آئے اور پہلی ہی ملاقات میں اس درجہ مسخر ہوا کہ بول اٹھا : مجھے تم پر پورا بھروسا ہے . تم میری نگاہ میں بڑا مقام رکھتے ہو . مجھے بتلاؤ اس آنے والی مصیبت سے جس کی خبر خواب میں دی گئی ہے ، مملکت کیوں کر بچائی جا سکتی ہے ؟ حضرت یوسف نے کہا : اس طرح کہ ملک کی آمدنی کے تمام وسائل میرے ماتحت کر دیے جائیں . میں علم و بصیرت کے ساتھ اس کی حفاظت کر سکتا ہوں . چنانچہ =

قَالَ اجْعَلْنِي عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ۝ ۵۵

یوسف نے کہا "مملکت کے خزانوں پر مجھے مختار کر دیجیے۔ میں حفاظت کر سکتا ہوں اور میں اس کام کا جاننے والا ہوں"۔ (چنانچہ پادشاہ نے اسے مملکت کا مختار کر دیا) ۔ ۵۵

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ؕ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ۵۶

اور (دیکھو!) اس طرح ہم نے سرزمین مصر میں یوسف کے قدم جما دیے کہ جس جگہ سے چاہے حسب مرضی رہے سہنے کا کام لے۔ ہم جسے چاہتے ہیں (اسی طرح) اپنی رحمت سے فیض یاب کر دیتے ہیں اور نیک عملوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتے ۔ ۵۶

وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ ۵۷ ع

۷ ع ۱

اور جو لوگ (اللہ پر) ایمان لائے اور (بدعملیوں سے) بچتے رہے، ان کے لیے تو آخرت کا اجر اس سے کہیں بہتر ہے۔ ۵۷

۵٤ تا ۵۷ - حضرت یوسف کا پادشاہ سے ملنا، تمام =

= مسند اجلال پر جلوہ آرا نظر آئے، پس حب پہلے انقلاب تك سرگذشت پہنچی تھی تو آیت ۲۱ میں حکمت الٰہی کی کرشمہ سنجیوں پر توجہ دلائی تھی کہ ''کذلك مکنا لیوسف فی الارض''. اور اب کہ دوسرا انقلاب پیش آیا تو اسی طرح آیت ۵٦ میں فرمایا: ''کذلك مکنا لیوسف فی الارض''. وھاں چوں کہ معاملۂ مصر کی ابتدا ھوئی تھی اور ابھی حضرت یوسف کو حکم رانی کی دانش سیکھنی باقی تھی اس لیے فرمایا تھا: ''ولنعلمه من تاویل الاحادیث و الله غالب علی امرہ''. یہاں چوں کہ تکمیل کار کے بعد اس کا نتیجہ ظاھر ھو گیا تھا اس لیے فرمایا: ''لا نضیع اجر المحسنین'' یہ اس لیے ھوا کہ ھمارا قانون ھے نیك عملی کا بیج کبھی ضائع نہیں ھوتا. ضروری ھے کہ پھل لائے.

(ہ) تورات میں ھے کہ یوسف حب بادشاہ کے پاس آیا تو اس کی عمر تیس برس کی تھی (پیدایش ۴۱: ۴٦)

(و) اس کے بعد حو حالات پیش آئے قرآن نے ان کی تصریح نہیں کی، کیوں کہ حواب کی تعبیر میں ان کا بیان آچکا تھا اور چوں کہ تعبیر سچی تھی اس لیے ظاھر تھا کہ ویسے ھی حالات پیش آئے ھوں گے اور یہ ایجاز بلاغت کی انتہا ھے.

چنانچہ پہلے سات برس بڑھتی کے گزرے اور حو تدبیر =

= بادشاہ نے ایسا ھی کیا اور جب وہ دربار سے نکلے تو تمام مملکت مصر کے حکمران و مختار تھے۔

(ج) تورات میں ھے کہ فرعون نے یوسف کی باتیں سن کر درباریوں سے کہا: ھم ایسا آدمی کہاں پا سکتے ھیں جیسا یہ ھے اور جس میں خدا کی روح بول رھی ھے! پھر یوسف سے کہا: دیکھ! میں نے ساری زمین مصر پر تجھے حکومت بخشی، فقط ایک تخت نشینی ھی میں تجھ سے اوپر رھوں گا. اور اس نے اپنی انگوٹھی اتار کر یوسف کو پہنا دی اور گلے میں سونے کا طوق ڈالا اور کتان کا لباس عطا کیا اور اپنی رتھ سواری کو دی کہ شاھی رتھوں میں دوسری رتھ تھی۔ پھر جب وہ نکلا تو اس کے آگے نقیب پکارتے تھے "سب ادب سے رھو". اور فرعون نے حکم دیا: یوسف کو صاحب مملکت کے لقب سے پکارا جائے (پیدائش ۴۱: ۳۷ تا ۴۵).

(د) حضرت یوسف کی مصری زندگی کے دو انقلاب انگیز نقطے تھے. ایک وہ جب غلام ھو کر بکے اور پھر عزیز کی نظروں میں ایسے معزز ھوے کہ اس کے علاقے کے مختار ھو گئے. دوسرا یہ کہ قید خانے سے نکلے اور نکلتے ھی وھاں پہنچ گئے کہ حکم رانی کی =

مِنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ وقت) کہا: اب کے آنا تو
اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا اپنے سوتیلے بھائی (بن یمین)
خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۝ ۵۹ کو بھی ساتھ لانا۔ تم نے
اچھی طرح دیکھ لیا ھے کہ میں تمہیں پوری تول (غلہ) دیتا ھوں
اور (باھر سے آنے والوں کے لیے) بہتر مہمان نواز ھوں ۵۹ .
فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا لیکن اگر تم اسے میرے پاس نہ
كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا لائے تو پھر یاد رکھو! نہ تو
تَقْرَبُوْنِ ۝ ۶۰ تمہارے لیے میرے پاس کچھ
خرید و فروخت ھوگی، نہ تم میرے نزدیک جگہ پاؤ گے ۶۰ .
قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ انہوں نے کہا: ھم اس کے
وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ۝ ۶۱ باپ کو اس بات کی ترغیب
دیں گے اور ھم ضرور ایسا کریں گے ۶۱ .
وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا اور یوسف نے اپنے خدمت
بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ گاروں کو حکم دیا: ان لوگوں
لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا کی پونجی (جس کے بدلے

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ	اور (پھر قحط کے سالوں میں
فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ	ایسا ہوا کہ) یوسف کے بھائی
وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۵۸	(کنعان سے غلہ خریدنے مصر)

آئے ۔ یوسف نے انھیں (دیکھتے ہی) پہچان لیا ، لیکن انھوں نے نہیں پہچانا ۵۸ ۔

وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ	اور جب یوسف نے ان کا
قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ	سامان مہیا کر دیا تو (جاتے

= تجویز کی تھی اسی کے مطابق انھوں نے غلے کے ذخیرے جمع کر لیے۔ پھر جب قحط کے سال شروع ہوئے تو وہی ذخیرے کام میں لائے گئے اور حکومت کی جانب سے غلہ تقسیم ہونے لگا ۔

تورات میں ہے کہ تمام روے زمین پر کال تھا (پیدایش ۴۱ : ۵۶) ۔ تمام روے زمین کا مطلب یہ ہوگا کہ مصر کے اطراف و جوانب میں بھی کال تھا اور وہاں کے باشندے بھی مصر آ کر حضرت یوسف کی بخشش سے فائدہ اٹھاتے تھے ، کیوں کہ یقیناً اس بات کا شہرہ دور دور تک پہنچ گیا ہوگا کہ مصر میں غلے کے وافر ذخیرے موجود ہیں ۔

خَیْرٌ حٰفِظًا ص وَّهُوَ پہلے اس کے بھائی (یوسف) کے
اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝ ٦٤ بارے میں کر چکا ہوں؟
سو خدا ہی سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور اس سے
بڑھ کر رحم کرنے والا کوئی نہیں ٦٤ .

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ اور جب ان لوگوں نے اپنا
وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ سامان کھولا تو دیکھا کہ ان
اِلَیْهِمْ ط قَالُوْا یٰاَبَانَا کی پونجی انہیں کو لوٹا
مَا نَبْغِیْ ط هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا دی گئی ہے. تب انہوں نے
رُدَّتْ اِلَیْنَا ج وَنَمِیْرُ (اپنے باپ سے کہا:) اے
اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا ہمارے باپ! اس سے زیادہ
وَنَزْدَادُ كَیْلَ بَعِیْرٍ ط ہمیں اور کیا چاہیے؟ دیکھا
ذٰلِكَ كَیْلٌ یَّسِیْرٌ ۝ ٦٥ یہ ہماری پونجی ہے جو
ہمیں لوٹا دی گئی ہے. (ہمیں غلہ بھی اس نے دے دیا اور
قیمت بھی واپس کر دی. پس ہمیں اجازت دے کہ بن یمین کو
ساتھ لے کر پھر جائیں) اور اپنے گھرانے کے لیے رسد

اِنقَلَبُوآ اِلیٰٓ اَهلِهِم میں انهوں نے غله مول لیا هے)

لَعَلَّهُم یَرجِعُونَ ۝ ۶۲ انهیں کی بوریوں میں رکھ دو .

حب یه لوگ اپنے گهر کی طرف لوٹیں گے تو بہت ممکن هے اپنی پونجی دیکھ کر پہچان لیں (که لوٹا دی گئی) اور پهر عجب نهیں که دوباره آئیں ۶۲ .

فَلَمَّا رَجَعُوآ اِلیٰٓ اَبِیهِم پهر حب یه لوگ اپنے باپ کے

قَالُوا یٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا پاس لوٹ کر گئے تو کہا :

الکَیلُ فَاَرسِل مَعَنَآ اے همارے باپ ! آینده کو

اَخَانَا نَکتَل وَ اِنَّا لَهُ علے کی فروخت هم پر بند کر دی

لَحٰفِظُونَ ۝ ۶۳ گئی هے . پس همارے بهائی

(بن یمین) کو همارے ساتھ بهیج دے که غله خرید لائیں اور هم اس کے نگهبان هیں ۶۳ .

قَالَ هَل اٰمَنُکُم عَلَیهِ باپ نے (یه سن کر) کہا :

اِلَّا کَمَآ اَمِنتُکُم عَلیٰٓ کیا میں اس کے لیے اسی طرح

اَخِیهِ مِن قَبلُ فَاللّٰهُ تمهارا اعتبار کروں جس طرح

وَمَآ اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِّنَ	ایك هی دروازے سے داخل
اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ اِنِ الْحُکْمُ	نه هونا ، جدا جدا دروازوں
اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَیْهِ تَوَکَّلْتُ ج	سے داخل هونا . میں تمهیں
وَعَلَیْهِ فَلْیَتَوَکَّلِ	کسی ایسی بات سے نہیں
الْمُتَوَکِّلُوْنَ ۝ ۶۷	بچا سکتا جو الله کے حکم سے

هونے والی هو (لیکن اپنی طرف سے حتی المقدور احتیاط کی ساری تدبیریں کرنی چاهییں) . فرماں روائی کسی کے لیے نہیں هے مگر الله کے لیے . (دنیا کے سارے حکم رانوں کی طاقت اس کے آگے هیچ هے) میں نے اسی پر بهروسا کیا اور وهی هے جس پر تمام بهروسا کرنے والوں کو بهروسا کرنا چاهیے ۶۷ .

وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَیْثُ	(پهر) جب یه لوگ (مصر
اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا کَانَ	میں) داخل هوے اسی طرح
یُغْنِیْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ	جس طرح باپ نے حکم دیا تها
شَیْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِیْ نَفْسِ	تو (دیکهو!) یه بات الله (کی
یَعْقُوْبَ قَضٰهَا ؕ وَاِنَّهٗ	مشیت) کے مقابلے میں کچھ بهی

لے آئیں ۔ ہم اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایك اونٹ کا بوجھ اور زیادہ لے لیں گے ۔ یہ غلہ (جو اس مرتبہ لائے ہیں) بہت تھوڑا ہے ۶۵ ۔

قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝ ۶۶

باپ نے کہا: میں کبھی اسے تمہارے ساتھ بھیجنے والا نہیں جب تك کہ اللہ کے نام پر مجھ سے عہد نہ کرو۔ (تم عہد کرو کہ) بجز اس صورت کے کہ ہم خود گھیر لیے جائیں (اور بے بس ہو جائیں) ہم ضرور اسے تیرے پاس واپس لے آئیں گے۔ جب انھوں نے باپ کو (اس کے کہنے کے مطابق) اپنا پکا قول دے دیا تو اس نے کہا: ہم نے جو قول و قرار کیا اس پر اللہ نگہبان ہو ۶۶ ۔

وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ

اور باپ نے انھیں (چلتے وقت) کہا: اے میرے بیٹو! (دیکھو! جب مصر پہنچو تو شہر کے)

= اس سرگذشت کا آخری باب اپنی عجیب و غریب موعظتوں اور عبرتوں کے ساتھ ظہور میں آنا شروع ہو گیا. آیت ۵۸ سے اسی کا بیان شروع ہوتا ہے.

(ح) حضرت یوسف انہیں دیکھتے ہی پہچان گئے، لیکن وہ کیوں کر پہچان سکتے تھے! اول تو یوسف جب گھر سے جدا ہوے سترہ برس کے لڑکے تھے اور اب چالیس کے لگ بھگ عمر تھی. پھر اس بات کا کسے گمان ہو سکتا تھا کہ چند سکّوں کا بکا ہوا غلام مصر کا حکم ران ہوگا.

حضرت یوسف نے جب انہیں دیکھا تو باپ کی اور اپنے ماں جاے بھائی بن یمین کی صورتیں سامنے آ گئیں. ان سے کھود کھود کر گھر کے حالات پوچھے اور چلتے وقت کہا: تمہارے یہاں قحط چھایا ہوا ہے، تم غلہ لینے پھر آؤ گے، لیکن یاد رکھو! اب کے میں غلہ جبھی دوں گا کہ اپنے بھائی بن یمیں کو بھی ساتھ لاؤ.

(ط) تورات میں ہے کہ یہ صورت اس طرح پیش آئی کہ یوسف نے انہیں جاسوس کہا تھا. جب انہوں نے اپنی براءت میں اپنے گھرانے کے حالات سنائے تو ان کی بات پکڑ لی اور کہا: تم کہتے ہو تمہارا ایك بھائی اور بھی ہے. اچھا! اسے بھی اپنے ساتھ لاؤ، تاکہ تمہارے=

لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ کام آنے والی نہ تھی ، مگر
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ ہاں ! یعقوب کے دل میں ایک
لَا يَعْلَمُوْنَ ۶۸ خیال پیدا ہوا تھا جسے اس ۸ ع ۲
نے پورا کر دیا ۔ اور بلا شبہ وہ صاحب علم تھا کہ ہم نے اس
پر علم کی راہ کھول دی تھی ، لیکن اکثر آدمی (اس بات کی
حقیقت) نہیں جانتے ۶۸ ۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اور جب ایسا ہوا کہ یہ لوگ
اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّیْۤ یوسف کے پاس پہنچے تو اس
اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ نے اپنے بھائی (بن یمین) کو
بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۶۹ اپنے پاس اٹھا لیا اور اسے
(پوشیدگی میں) اشارہ کر دیا کہ میں تیرا بھائی (یوسف) ہوں ۔
پس جو (بد سلوکی) یہ (لوگ تیرے ساتھ) کرتے آئے ہیں
اس پر غمگین نہ ہو (اور خوش ہو جا کہ اب زمانہ
پلٹ گیا) ۶۹ ۔

---

۵۸ تا ۶۹ - (ر) اسی زمانے کی بات ہے کنعان سے
یوسف کے بھائی بھی غلہ مول لینے مصر آئے اور اس طرح=

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ	پھر جب یوسف نے ان لوگوں
جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ	کا سامان ان کی روانگی کے لیے
اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ	مہیا کیا تو اپنے بھائی (بن
اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ	یمین) کی بوری میں اپنا کٹورا
لَسٰرِقُوْنَ ۞ ۷۰	رکھ دیا (تا کہ بطور نشانی کے

اس کے پاس رہے). پھر ایسا ہوا کہ (جب یہ لوگ روانہ ہو گئے اور شاہی کارندوں نے پیالہ ڈھونڈھا اور نہ پایا تو ان پر شبہ

= کا بھی اظہار کر دیا، تا کہ واضح ہو جائے انہوں نے جو احتیاط کی تھی وہ کو کام نہ دے سکی. لیکن یہ قصور علم کی وجہ سے نہیں ہوا، علم کا مقتضا تو یہی تھا کہ تدبیر و احتیاط میں کمی نہ کرتے اور پھر سب کچھ اللہ پر چھوڑ دیتے جیسا کہ فی الحقیقت انہوں نے کیا.

(ی) بہر حال بن یمین کو لے کر جب دوبارہ گئے تو حضرت یوسف نے اس پر اپنی حقیقت ظاہر کر دی. اور چوں کہ جانتے تھے سوتیلے بھائی ضرور اس کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہوں گے، اس لیے کہا: اب دن پھرنے والے ہیں، اس لیے آزردہ خاطر نہ ہو.

= بیان کی تصدیق ہو جائے اور اس وقت تك کے لیے ایك آدمی یہاں چھوڑ جاؤ (پیدایش ۴۲: ۱۰ تا ۲۰).

معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں پر جاسوسی کا شبہ ضرور کیا گیا تھا اگرچہ خود حضرت یوسف کی طرف سے نہ ہوا ہو. اسی لیے حضرت یعقوب جب مجبور ہوئے کہ بن یمین کو ان کے ساتھ بھیج دیں تو نصیحت کی کہ ایك دروازے سے شہر میں داخل نہ ہونا کہ کنعانیوں کا ایك پورا جتھا دیکھ کر مصریوں کو شبہ ہوگا. الگ الگ دروازوں سے ایك ایك دو دو کر کے داخل ہونا. نیز فرمایا: ”ان الحکم الا للہ“ اصلی فرمان روائی تو اللہ ہی کے لیے ہے. وہ نہ چاہے تو مصر کا حکم ران کیا کر سکتا ہے! پس جو کچھ بھروسا ہے اسی پر ہے، البتہ اپنی طرف سے تدبیر و احتیاط ضرور کرنی چاہیے.

لیکن جو کچھ پیش آنے والا تھا وہ دوسرا ہی معاملہ تھا. جاسوسی کی بنا پر نہیں بلکہ ایك دوسری مصلحت کی بنا پر بن یمین کو روك لیا گیا اور جس بات کی احتیاط کی تھی وہی پیش آ گئی. یہی وجہ ہے کہ آیت ۶۸ میں فرمایا: یہ احتیاط کچھ کام نہ دے سکی. ہاں! حضرت یعقوب نے ایك خطرہ محسوس کیا تھا سو اپنی جگہ اس کی پیش بندی کر لی. پھر ان کے علم و دانش مندی=

كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ۞ ۷۴ اگر تم جھوٹے نکلے تو بتلاؤ !

چور کی سزا کیا ہونی چاہیے؟ ۷۴

قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ انھوں نے کہا: چور کی سزا
فِیْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ یہ کہ جس کی بوری میں چوری
كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ۞ ۷۵ کا مال نکلے وہ آپ اپنی سزا
(یعنی اپنے جرم کی پاداش میں پکڑا جائے) ہم زیادتی کرنے
والوں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔ ۷۵

فَبَدَاَ بِاَوْعِیَتِهِمْ قَبْلَ پس (کارندوں کے سردار نے)
وِعَآءِ اَخِیْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا ان کی بوریوں کی تلاشی
مِنْ وِّعَآءِ اَخِیْهِ ؕ كَذٰلِكَ شروع کی قبل اس کے کہ یوسف
كِدْنَا لِیُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ کے بھائی (بن یمین) کی بوری
لِیَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِیْنِ کی تلاشی لیتے (اور کچھ نہ
الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ پایا)۔ پھر یوسف کے بھائی کی
نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ بوری (دیکھی اور اس میں)

ھوا اور) ایك پکارنے والے نے (ان کے پیچھے) پکارا: اے قافلے والو! (ٹھیرو!) ھو نہ ھو تم ھی چور ھو ۷۰.

قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ۝۷۱ وہ پکارنے والے کی طرف پھرے اور پوچھا: تمھاری کونسی چیز کھو گئی ھے؟ ۷۱

قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ۝۷۲ (شاھی کارندوں نے) کہا: ھمیں شاھی پیمانہ نہیں ملتا. جو شخص اسے لادے اس کے لیے ایك بار شتر (غلہ) انعام ھے اور (کارندوں کے سردار نے کہا:) میں اس بات کا ضامن ھوں ۷۲.

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِى الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ۝۷۳ انھوں نے کہا: اللہ جانتا ھے ھم اس لیے یہاں نہیں آئے کہ ملك میں شرارت کریں اور یہ بات تم اچھی طرح جانتے ھو (کہ پہلے بھی ایك مرتبہ آچکے ھیں) اور ھمارا کبھی یہ شیوہ نہیں رھا کہ چوری کریں ۷۳.

قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗ اِنْ (کارندوں نے) کہا: اچھا!

ظاهر نہ کی (کہ میرے منہ پر مجھے چور بنا رہے ہو اور صرف اتنا) کہا: سب سے بری جگہ تمہاری ہوئی (کہ اپنے بھائی پر جھوٹا الزام لگا رہے ہو) اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اللہ اسے بہتر جاننے والا ہے ۷۷.

قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۷۸

انھوں نے کہا: اے عزیز! اس کا باپ بہت بوڑھا آدمی ہے (اور اس سے بہت محبت رکھتا ہے). پس اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجیے (مگر اسے نہ روکیے). ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ان لوگوں میں سے ہیں جو احسان کرنے والے ہیں ۷۸.

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ۝۷۹ ع

ع ۹ ۳

یوسف نے کہا: اس بات سے اللہ کی پناہ کہ ہم اس آدمی کو چھوڑ کر جس کے پاس ہمارا سامان نکلا کسی دوسرے کو پکڑ لیں. اگر ایسا کریں تو

وَ فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ۷۶ سے پیالہ نکال لیا۔ (تو دیکھو!)

اس طرح ہم نے یوسف کے لیے (بن یمین کو پاس رکھنے کی) تدبیر کردی۔ وہ بادشاہ (مصر) کے قانون کی رو سے ایسا نہیں کرسکتا تھا کہ اپنے بھائی کو روک لے (اگرچہ ایسا کرنے کے لیے اس کا دل بے قرار تھا)، مگر ہاں! اسی صورت میں کہ اللہ کو (اس کی راہ نکال دینا) منظور ہوتا (سو اس نے غیبی سامان کرکے راہ نکال دی)۔ ہم جسے چاہتے ہیں مرتبوں میں بلند کردیتے ہیں اور ہر علم والے کے اوپر ایک علم والی ہستی ہے (جس کا علم سب کو احاطہ کیے ہوئے ہے، یعنی اللہ کی ہستی) ۷۶۔

قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَ لَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ۷۷

(جب بن یمین کی بوری سے کٹورا نکل آیا تو) بھائیوں نے کہا: اگر اس نے چوری کی تو یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ اس سے پہلے اس کا (حقیقی) بھائی بھی چوری کرچکا ہے۔ تب یوسف نے (جس کے سامنے اب معاملہ پیش ہوا تھا) یہ بات اپنے دل میں رکھ لی اور ان پر

= محل میں ٹھیرا نہیں تھا، اس لیے سمجھے ہو نہ ہو انہیں اجنبیوں کی کارستانی ھے۔ پھر جب کارندوں کے سردار نے تلاشی لی (جس کی موجودگی کا پتہ آیت ۷۲ کے اس جملے سے ملتا ھے کہ "انا به زعیم") تو بن یمین کی خرجی سے پیالہ نکل آیا۔ اب کوئی وجہ نہ تھی کہ اس کے چور ہونے میں انہیں شبہ ہوتا۔ وہ ان سب کو لے کر حضرت یوسف کے پاس پہنچے۔

جب حضرت یوسف نے یہ معاملہ سنا تو سمجھ گئے کہ اس حادثے میں خدا کا ھاتھ کام کر رھا ھے اور اس نے بن یمین کو روک لینے کا خود بخود سامان پیدا کر دیا ھے۔ وہ خاموش ہو رھے اور کہا تو صرف یہی کہا کہ ھم اور کسی کو روک نہیں سکتے۔ اسی کو روکیں گے جس کے پاس ھماری چیز نکلی۔ یہ در اصل وھی بات تھی جو خود ان لوگوں کی زبان سے نکل چکی تھی۔ ان سے جب کارندوں نے پوچھا تھا "اگر مال نکل آیا تو چور کی کیا سزا"؟ تو انھوں نے کہا تھا: جس کے پاس سے نکلے وہ خود اپنی سزا ہو، یعنی بطور قیدی کے یا غلام کے اسے صاحب مال رکھ لے۔

یہی وجہ ھے کہ آیت ۷۶ میں اس معاملے کے ذکر کے بعد ھی فرمایا "کذلك کدنا لیوسف" یوسف ملك کے =

ہم ظالم ٹھیریں ۷۹ .

۷۰ تا ۷۹ - حضرت یوسف کا چاھنا کہ بن یمین کو اپنے پاس رکھ لیں ، لیکن اس کی کوئی راہ نہ پانا اور رخصت کر دینا. لیکن حکمت الٰہی سے ایک عجیب و غریب حادثے کا پیش آجانا اور بن یمین کا ان کے پاس رہ جانا.

(ا) بن یمین حضرت یوسف کا حقیقی بھائی تھا . اتنی مدت کے بعد دیکھا تو کسی طرح دل نہیں مانتا تھا کہ اسے جدا ہونے دیں . لیکن مشکل یہ آپڑی کہ روک بھی نہیں سکتے تھے . اس بارے میں مصر کا قانون بہت سخت تھا . بلا وجہ کسی آدمی کو خصوصًا اجنبی کو روک لینا جائز نہ تھا اور ابھی اس کا وقت بھی نہیں آیا تھا کہ اپنی شخصیت بھائیوں پر ظاہر کریں . مجبور ہو کر رخصت کر دیا. اور اس غرض سے کہ اپنی ایک نشانی اسے دے دیں اس کے سامان میں اپنا چاندی کا کٹورا رکھ دیا. چوں کہ بھائیوں پر اس بات کا اظہار خلاف مصلحت تھا اس لیے یہ بات پوری پوشیدگی کے ساتھ عمل میں آئی .

لیکن جب یہ لوگ روانہ ہوگئے تو حضرت یوسف کے محل کے کارندوں نے پیالہ ڈھونڈھا اور جب نہ ملا تو ان لوگوں کے تعاقب میں نکلے . انھیں پیالے کا حال معلوم نہ تھا. اور چوں کہ ان لوگوں کے سوا کوئی اور آدمی =

اَلَمۡ تَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اَبَاکُمۡ قَدۡ اَخَذَ عَلَیۡکُمۡ مَّوۡثِقًا مِّنَ اللّٰہِ وَمِنۡ قَبۡلُ مَا فَرَّطۡتُّمۡ فِیۡ یُوۡسُفَ ۚ فَلَنۡ اَبۡرَحَ الۡاَرۡضَ حَتّٰی یَاۡذَنَ لِیۡۤ اَبِیۡۤ اَوۡ یَحۡکُمَ اللّٰہُ لِیۡ ۚ وَهُوَ خَیۡرُ الۡحٰکِمِیۡنَ ۝۸۰

تو مشورے کے لیے (ایک جگہ) اکیلے میں بیٹھ گئے۔ جو ان میں بڑا تھا اس نے کہا: تم جانتے ہو کہ باپ نے (بن یمین کے بارے میں) اللہ کو شاھد ٹھیرا کر تم سے عہد لیا ھے اور اس سے پہلے یوسف کے معاملے میں بڑی تقصیر ہو چکی ھے۔ پس میں تو اب اس ملک سے ٹلنے والا نہیں جب تک خود باپ مجھے حکم نہ دے، یا پھر اللہ میرے لیے کوئی دوسرا فیصلہ کر دے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ھے ۸۰۔

اِرۡجِعُوۡۤا اِلٰۤی اَبِیۡکُمۡ فَقُوۡلُوۡا یٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابۡنَکَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدۡنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمۡنَا وَمَا کُنَّا لِلۡغَیۡبِ حٰفِظِیۡنَ ۝۸۱

تم لوگ باپ کی طرف لوٹ جاؤ اور اس سے جا کر کہو: اے ھمارے باپ! (ھم کیا کریں) تیرے بیٹے نے (پرائے

فَلَمَّا اسْتَيْئَسُوا مِنْهُ	پھر جب وہ یوسف سے مایوس
خَلَصُوا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيرُهُمْ	ہو گئے (کہ یہ ماننے والا نہیں)

= قانون کے مطابق بن یمین کو نہیں روک سکتا تھا اور اس نے روکنا چاہا بھی نہیں، اگر چہ دل اس کے لیے بے قرار تھا، لیکن حکمت الٰہی نے ایک مخفی اور دقیق تدبیر پیدا کر دی جو انسان کے کیے نہیں ہو سکتی تھی۔ اور "کید" کے معنی مخفی اور دقیق تدبیر ہی کے ہیں۔

(ب) جھوٹوں کا قاعدہ ہے کوئی موقع کوئی بات ہو جھوٹ بولنے سے نہیں رکتے۔ اگر مدح کا موقع ہو تو جھوٹی مدح کر دیں گے۔ مذمت کا موقع ہو تو کوئی جھوٹا الزام لگا دیں گے۔ جب بن یمین کی خرجی میں سے پیالہ نکل آیا تو بھائیوں کا سوتیلے پن کا حسد جوش میں آ گیا۔ جھٹ بول اٹھے: اگر اس نے چوری کی تو کوئی عجیب بات نہیں۔ اس کا بھائی یوسف بھی چور تھا۔ پس یہ بغض و حسد کی ایک بات تھی۔ اس کا مطلب یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ واقعی کوئی ایسی بات ہوئی بھی تھی۔ قرآن نے خصوصیت کے ساتھ ان کی یہ بات اس لیے نقل کی کہ واضح ہو جائے بغض و حسد انسان کو کیسی کیسی غلط بیانیوں کا عادی بنا دیتا ہے۔

وہ (ایک دن) ان سب کو میرے پاس جمع کر دے۔ وہی ہے جو
(سب کچھ) جاننے والا (اور اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے
والا ہے۸۳ ۔

وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰاَسَفٰى | اور اس نے ان لوگوں کی طرف
عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ | سے رخ پھیرلیا اور (چونکہ
عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ | اس نئے زخم کی خلش نے
فَهُوَ كَظِيْمٌ ۞ ۸۴ | پچھلا زخم تازہ کر دیا تھا اس

لیے) پکار اٹھا "آہ یوسف کا درد فراق"! اور شدت غم سے
(روتے روتے) اس کی آنکھیں سفید پڑ گئیں اور اس کا سینہ
غم سے لبریز تھا ۸٤ ۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ | (باپ کا یہ حال دیکھ کر بیٹے)
يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ | کہنے لگے: بخدا! تم تو ہمیشہ
حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ | ایسے ہی رہو گے کہ یوسف کی
الْهٰلِكِيْنَ ۞ ۸۵ | یاد میں لگے رہو یہاں تک

کہ (اسی غم میں) گھل جاؤ یا اپنے کو ہلاک کردو۸۵ ۔

ملك میں) چوری کی ۔ حو بات ہمارے جاننے میں آئی وہی ہم نے ٹھیک ٹھیک کہہ دی اور ہم عیب کی باتوں کی خبر رکھنے والے نہ تھے (کہ پہلے سے حان لیتے بن یمین سے ایسی بات سرزد ہونے والی ہے) ۸۱ ۔

وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝۸۲

اور (یہ بھی کہہ دینا کہ) آپ اس بستی سے دریافت کرلیں جہاں ہم ٹھیرے تھے اور اس قافلے کے آدمیوں سے پوچھ لیں جس میں ہم آئے ہیں۔ ہم (اپنے بیان میں) بالکل سچے ہیں ۸۲ ۔

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝۸۳

(چنانچہ بھائیوں نے ایسا ہی کیا اور کنعان آکر یہ ساری باتیں باپ سے کہہ دیں) ۔ اس نے (سن کر) کہا: نہیں! یہ تو ایک بات ہے جو تمہارے جی نے تمہیں سجھادی ہے (یعنی بن یمین کا چوری کرنا) ۔ خیر! میرے لیے صبر کے سوا چارہ نہیں، ایسا صبر کہ خوبی کا صبر ہو ۔ اللہ (کے فضل) سے کچھ بعید نہیں ہے کہ

=(ا) اب یه سرگذشت عبرت اپنی آخری منزل سے قریب ہو رہی ہے۔ جب یوسف کے بھائی بن یمین کے معاملے میں مایوس ہو گئے تو آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ تورات میں ہے کہ جب حضرت یعقوب راضی نہیں ہوتے تھے کہ بن یمین کو جدا کریں تو روبن نے خصوصیت کے ساتھ اس کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا (پیدایش ۴۲ : ۳۷) اور روبن ہی ان سب میں بڑا تھا۔ پس اس نے کہا: یوسف کے معاملے میں ہم سے جو بد عہدی ہو چکی ہے اس کا داغ اب تک باپ کے دل سے مٹا نہیں۔ اب بن یمین کے لیے ہم نے قول و قرار کیا تھا اس کا نتیجہ یہ نکلا۔ میری ہمت تو پڑتی نہیں کہ باپ کو جا کر منہ دکھاؤں۔ تم جاؤ اور جو کچھ گزرا ہے بے کم و کاست سنا دو۔ چنانچہ بھائیوں نے ایسا ہی کیا اور گھر آکر تمام سرگذشت باپ کو سنا دی۔

(ب) غور کرو! قرآن واقعہ کی جزئیات نقل کرتے ہوئے کس طرح دقیق سے دقیق پہلو فطرت انسانی کے ملحوظ رکھتا ہے۔ بن یمین ان سب کا بھائی تھا۔ ماں ایک نہ سہی مگر باپ تو ایک ہی تھا۔ لیکن انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ہمارے بھائی نے چوری کی، بلکہ کہا: تیرے لڑکے نے چوری کی۔ اس ایک بات میں کتنی باتیں چھپی ہوئی ہیں۔=

قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ۸۶

باپ نے کہا: میں تو اپنی حاجت اور اپنا غم اللہ کی جناب میں عرض کرتا ہوں (کچھ تمہارا شکوہ نہیں کرتا) ۔ میں اللہ کی جانب سے وہ بات جانتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں ۸۶ ۔

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَ اَخِيْهِ وَ لَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ۸۷

(پھر انہوں نے کہا:) اے میرے بیٹو! (ایک بار پھر مصر) جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کا سراغ لگاؤ ۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو ۔ اس کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے مگر وہی لوگ جو منکر ہیں ۸۷ ۔

---

۸۰ تا ۸۷ - حضرت یعقوب کا بن یمین کی گم شدگی میں بازیافتگی کی ایک نئی امید محسوس کرنا اور بیٹوں کو جستجوے مقصود میں روانہ کرنا ، بالآخر پردۂ راز کا ھٹنا اور کرشمۂ حقیقت کا سامنے آجانا ۔ =

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۝۸۸

پھر جب (باپ کے حکم کی تعمیل میں یہ لوگ مصر پہنچے اور) یوسف کے پاس گئے تو (اپنے پھر آنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے) کہا: اے عزیز! ہم پر اور ہمارے گھر کے آدمیوں پر بڑی سختی کے دن گزر رہے ہیں۔ (پس مجبور ہو کر غلے کی طلب میں ہمیں پھر نکلنا پڑا)۔ ہم تھوڑی سی پونجی لے کر آئے ہیں (اسے قبول کرلیجیے) اور غلے کی پوری تول عنایت کیجیے اور (اسے خرید و فروخت کا معاملہ نہ سمجھیے، بلکہ) ہمیں (محتاج سمجھ کر) خیرات دے دیجیے۔ اللہ خیرات کرنے والوں کو ان کا اجر دیتا ہے ۸۸۔

= آیت ۹٦ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ جب حضرت یوسف کا کرتا اور پیام پہنچا تو انہوں نے کہا: ”الم اقل لکم انی اعلم من اللہ ما لا تعلمون“۔

= اس میں طعن ہے، تحقیر ہے، ملامت ہے، اپنی بڑائی ہے، مغرورانہ براءت ہے اور پھر حد درجے کی سنگ دلی ہے کہ ایسے موقع پر بھی جب کہ بوڑھے باپ کے دل پر ایک نیا زخم لگنے والا تھا، طعن تشنیع سے باز نہ رہ سکے اور کہا: یہ ہے تیرا چہیتا بیٹا جس نے چوری کا ارتکاب کیا اور ہم سب کو مصیبت میں ڈالا۔

(ج) معلوم ہوتا ہے حضرت یعقوب نے بن یمین کی گم گشتگی میں یوسف کی بازگشت کی جھلک دیکھ لی تھی اور یہ ان کی فراست نبوت کا کرشمہ تھا، اس لیے فرمایا: "عسی اللہ ان یاتینی بھم جمیعا"۔ اور یہ قرب وصال کے تصور کا نتیجہ تھا کہ درد فراق کی شدتیں بڑھ گئیں اور بے احتیار "یا اسفی علی یوسف" کی صدا نکل گئی۔ اور اسی لیے آحر میں اشارہ کیا "واعلم من اللہ ما لا تعلمون"۔

(د) اس کے بعد حضرت یعقوب کا کہنا کہ "مایوس ہو کر نہ بیٹھ جاؤ۔ جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کا سراغ لگاؤ"، واضح کر دیتا ہے کہ وحی الٰہی کا اشارہ ہو چکا تھا اور وہ سمجھ چکے تھے کہ شمیم یوسف اسی رخ سے آنے والی ہے، ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ یوسف کا نام ان کی زبان سے نکلتا، کیوں کہ جو معاملہ پیش آیا تھا بن یمین کا تھا، یوسف کا نہ تھا۔ چنانچہ آگے چل کر =

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ۝ ۹۱

(یہ سن کر بھائیوں کے سرشرم و ندامت سے جھک گئے). انہوں نے کہا: بخدا! اس میں کچھ شك نہیں کہ اللہ نے تجھے ہم پر برتری دی اور بلا شبہ ہم سرتا سر قصور وار تھے ۹۱.

قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ ۹۲

یوسف نے کہا: آج کے دن (میری جانب سے) تم پر کوئی سرزنش نہیں (جو ہونا تھا وہ ہوچکا). اللہ تمہارا قصور بخش دے. وہ تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے ۹۲.

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ ۹۳

(اب تم یوں کروکہ) میرا یہ کرتا (بطور علامت کے) اپنے ساتھ لے جاؤ اور میرے باپ کے

۱۰ ع ٤ چہرے پر ڈال دو کہ اس کی آنکھیں روشن ہوجائیں. اور (پھر) اپنے گھرانے کے تمام

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَ اَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ۞ ۸۹

(یہ حال سن کر) یوسف (کا دل بھر آیا. اس) نے کہا: تمہیں یاد ہے تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا جب کہ تمہیں سمجھ بوجھ نہ تھی؟ ۸۹

قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَ هٰذَآ اَخِیْ ز قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَ يَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۞ ۹۰

(یہ سن کر بھائی چونک اٹھے اور اب جو عزیز کی صورت اور آواز پر غور کیا تو ایک نیا خیال ان کے اندر پیدا ہوگیا). انہوں نے کہا: کیا فی الحقیقت تم ہی یوسف ہو؟ یوسف نے کہا: ہاں! میں یوسف ہوں اور یہ (بن یمین) میرا بھائی ہے. اللہ نے ہم پر احسان کیا. اور حقیقت یہ ہے کہ جو کوئی (برائیوں سے) بچتا اور مصیبتوں میں ثابت قدم رہتا ہے تو اللہ (کا قانون یہ ہے کہ وہ) نیک عملوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا ۹۰.

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ اَبُوهُمْ اِنِّي لَاَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُونِ۝ ۹٤

اور پھر جب (یہ لوگ یوسف کے حکم کے مطابق کرتا لے کر روانہ ہوے اور) قافلے نے مصر کی سر زمین چھوڑی تو (ادھر کنعان میں) ان کا باپ کہنے لگا: اگر تم لوگ یہ نہ کہنے لگو کہ بڑھاپے سے اس کی عقل ماری گئی تو میں کہوں گا مجھے یوسف کی مہك آرهی هے (اور مجھے اس کا یقین هے) ۹٤.

= هو؟ " بلکہ کہا " انك " اور " لانت یوسف " یعنی کیا فی الحقیقت تم هی یوسف هو؟ اس اسلوب استفہام نے وہ ساری حالتیں واضح کردیں جو ان کے ذهن و فکر پر اس وقت طاری هوگئی تھیں اور اس طرح کے موقع میں قدرتی طور پر طاری هوا کرتی هیں.

(و) جب بھائیوں نے یوسف کی هلاکت کی خبر باپ کو سنائی تھی تو خون آلود کرتا جا کر دکھایا تھا. اب وقت آیا کہ زندگی و اقبال کی خوش خبری سنائی جائے تو اس کے لیے بھی کرتے هی نے نشانی کا کام دیا. وهی چیز جو کبھی فراق کا پیام لائی تھی، اب وصال کی بشارت بن گئی.

آدمیوں کو لے کر میرے پاس آجاؤ ۹۳ ۔

۸۸ تا ۹۳ - (۵) ایک طرف تو یہ حالات پیش آرہے تھے، دوسری طرف قحط کی شدتیں بھی روز بروز بڑھتی جاتی تھیں ۔ پس بھائیوں نے مصر آکر جو کچھ حضرت یوسف سے کہا وہ اپنے دوبارہ آنے کا بہانہ نہ تھا، بلکہ واقعی مصیبت کی سچی داستان تھی ۔ جب حضرت یوسف نے یہ حالات سنے اور دیکھا کہ ان کے بھائی ان کے سامنے کھڑے خیرات کی بھیک مانگ رہے ھیں تو جوش رحم و محبت سے بے اختیار ھوگئے اور اب اپنے آپ کو ظاھر کر دیا. جب انھوں نے کہا: تمھیں یاد ھے تم نے یوسف کے ساتھ کیا کیا تھا؟ تو بھائی چونک اٹھے کہ عزیز مصر یوسف کا ذکر اس طرح کیوں کر رھا ھے؟ اور اب جو اس کی صورت اور آواز پر غور کیا تو صاف نظر آگیا کہ یہ تو بالکل یوسف کی سی ھے. پس حیران ھوکر بول اٹھے: ''انك لانت یوسف؟''

قرآن نے اس موقع کا سارا مکالمہ صرف دو جملوں میں بیان کر دیا ھے: ایک حضرت یوسف کا ھے، دوسرا بھائیوں کا. لیکن غور کرو! موقع کی طبیعت حال کا کونسا پہلو ھے جو ان دو جملوں کے اسلوب بیان اور لب و لہجے میں نہیں آگیا؟ بھائیوں نے یہ نہیں کہا ''کیا تم یوسف =

ہمارے گناھوں کی مغفرت کے لیے (اللہ کے حضور) دعا کر۔ فی الحقیقت ہم سے سراسر قصور ہی ہوتے رہے ۹۷ .

قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۞ ۹۸

باپ نے کہا: وہ وقت دور نہیں کہ میں اپنے پروردگار سے تمہارے لیے دعاء مغفرت کروں ۔ وہ بڑا بخشنے والا، بڑی ہی رحمت والا ہے ۹۸ .

---

۹٤ تا ۹۸ – حضرت یعقوب کے خاندان کا مصر پہنچنا، خواب کی تعبیر کا ظہور میں آنا اور سرگذشت کا خاتمہ:

(ا) ادھر کاروان بشارت نے کوچ کیا اور ادھر کنعان میں حضرت یعقوب نے کہنا شروع کر دیا: " انی لاجد ریح یوسف " مجھے یوسف کی مہک آرہی ہے:

ولقد تهبُّ لِیَ الصبا من أرضها
فَيَلَذُّ مسُّ هبوبها ويطيبُ

اس سے معلوم ہوا کہ وحی الٰہی نے انہیں مطلع کر دیا تھا کہ اب ایام فراق قریب الاختتام ہیں اور مردۂ وصال جلد پہنچنے والا ہے .

(ب) جب بھائیوں نے حضرت یوسف کے آگے =

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِیْ سننے والوں نے کہا: بخدا ! تم

صَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ ۝۹۵ تو اب تك اپنے (اسی) پرانے

خبط میں پڑے ہو۔ (یعنی یوسف کا تو نام و نشان بھی نہ رہا

اور تمھیں اس کی واپسی کے خواب آرہے ہیں!) ۹۵۔

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ لیکن پھر جب (قافلہ کنعان پہنچ

اَلْقٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ گیا اور) خوش خبری سنانے

بَصِیْرًا ج قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ج والا (دوڑتا ہوا) آیا تو اس

اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ نے آتے ہی یوسف کا کرتا

مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۹۶ یعقوب کے چہرے پر ڈال دیا

اور اس کی آنکھیں پھر سے روشن ہو گئیں. تب اس نے کہا:

کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی جانب سے وہ

بات جانتا ہوں جو تمھیں معلوم نہیں؟ ۹۶

قَالُوْا یٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا وہ (شرم و ندامت میں ڈوب

ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِئِیْنَ ۝۹۷ کر) بولے: اے ہمارے باپ!

ادْخُلُوا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ
اٰمِنِيْنَ ۭ ۹۹
وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ
وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ
يٰاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ
مِنْ قَبْلُ ۡ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ
حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ
اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ
بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ
اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ
وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ

(کنعان سے روانہ ہوگئے اور شہر کے باہر) یوسف سے ملے تو اس نے اپنے باپ اور ماں کو (عزت و احترام سے) اپنے پاس جگہ دی اور کہا: اب شہر میں چلو. خدا نے چاہا تو تمہارے لیے ہر طرح کی سلامتی ہے ۹۹ .

اور (جب شہر میں داخل ہوئے تو) اس نے اپنے والدین کو تخت پر اونچا بٹھایا (باقی سب کے لیے نیچے نشستیں رکھیں) اور (دیکھو!) اس وقت ایسا ہوا کہ سب اس کے آگے سجدے میں گر پڑے (اور مصر کے دستور کے مطابق اس کے منصب حکومت

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ	پھر جب (ایسا ھوا کہ یوسف
اٰوٰٓی اِلَیْہِ اَبَوَیْہِ وَ قَالَ	کی خواھش کے مطابق) یہ لوگ

= عجز و اعتراف کا سر جھکایا تو انھوں نے بلا تأمل کہہ دیا: "لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم و ھو ارحم الرّٰحمین". لیکن جب حضرت یعقوب سے دعاء مغفرت کے طلب گار ھوے تو کہا: "سوف استغفر لکم ربی" میں عن قریب تمہارے لیے دعاء مغفرت کروں گا. یعنی طلب مغفرت کی دعا کو کسی آیندہ وقت پر ملتوی کر دیا. یہ اختلاف حال غالبًا اس بات کا نتیجہ ھے کہ بھائیوں نے جو کچھ ظلم کیا تھا وہ حضرت یوسف کی ذات خاص پر کیا تھا، اس لیے انھیں عفو و درگذر میں تأمل نہیں ھوا، کیوں کہ معاملہ خود ان کا معاملہ تھا. لیکن حضرت یعقوب کو تأمل ھوا، کیوں کہ معاملہ صرف انھیں کا نہیں بلکہ حضرت یوسف کا بھی تھا. پس فرمایا: میں عن قریب ایسا کروں گا. یعنی عن قریب وہ وقت آنے والا ھے کہ سب یک جا ھوں گے اور عفو و بخشش کا آخری فیصلہ ھو جائے گا. پھر میری دعائیں ھوں گی اور تم ھو گے.

تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝ ۱۰۱

بنانے والے! تو ہی میرا کارساز ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ۔ تو (اپنے فضل و کرم سے) ایسا کیجیو کہ دنیا سے جاؤں تو تیری فرماں برداری کی حالت میں جاؤں اور ان لوگوں میں داخل ہو جاؤں جو تیرے نیک بندے ہیں ۱۰۱ ۔

---

۹۹ تا ۱۰۱ - (ج) تورات میں ہے کہ جب یوسف نے اپنے بھائیوں پر اپنے آپ کو ظاہر کردیا تو وہ گھبرا گئے ، لیکن یوسف نے انہیں تسلی دی اور کہا : اپنے دلوں میں پریشان نہ ہو ۔ یہ خدا کی مصلحت تھی کہ اس نے مجھے تم لوگوں سے پہلے اس سر زمین میں بھیج دیا ۔ دو برس سے زمین پر کال ہے اور ابھی پانچ برس اور کال رہے گا ۔ پس خدا نے مجھے اس لیے مصر کا حاکم بنادیا کہ تمہاری اولاد باقی رہے اور تمہیں غموں سے نجات ملے ۔ تم اب فوراً میرے باپ کے پاس جاؤ اور اسے مع اپنے پورے گھرانے کے میرے پاس لے آؤ ۔ میں اسے جشن کی زمین میں رکھوں گا (پیدایش ۴۵ : ۴ تا ۱۰) ۔

تورات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب فرعون کو معلوم ہوا یوسف کے بھائی آئے ہیں تو وہ بہت =

لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝۱۰۰

کی تعظیم بجالائے)۔ اس وقت (اسے اپنے بچپنے کا خواب یاد آگیا اور بے اختیار) پکار اٹھا: اے باپ! یہ ہے تعبیر اس خواب کی جو مدت ہوئی میں نے دیکھا تھا۔ میرے پروردگار نے اسے سچا ثابت کردیا۔ یہ اسی کا احسان ہے کہ مجھے قید سے رہائی دی، تم سب کو صحرا سے نکال کر میرے پاس پہنچادیا اور یہ سب کچھ اس واقعے کے بعد ہوا کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں اختلاف ڈال دیا تھا۔ بلا شبہ میرا پروردگار ان باتوں کے لیے جو کرنی چاہے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ بلا شبہ وہی ہے کہ (سب کچھ) جاننے والا (اور اپنے سارے کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے ۱۰۰۔

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۟ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ

(پھر یوسف نے دعا کی:) پروردگار! تونے مجھے حکومت عطا فرمائی اور باتوں کا مطلب اور نتیجہ نکالنا تعلیم فرمایا۔ اے آسمان و زمین کے

= جو ہیں حضرت یوسف دربار میں نمودار ہوے تمام درباریوں نے مصر کے دستور کے مطابق تعظیم دی اور تعظیم یہ تھی کہ سجدے میں گر پڑے۔ جب حضرت یوسف کے والدین اور بھائیوں نے یہ دیکھا تو وہ بھی سجدے میں جھك گئے اور درباریوں کا ساتھ دیا۔ تب حضرت یوسف کو اپنے خواب کی بات یاد آ گئی۔ وہ بے اختیار پکار اٹھے: " ھـذا تاویل رءیای من قبل ، قد جعلها ربی حقا "۔ انھوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ سورج۔ چاند اور گیارہ ستارے ان کے آگے جھکے ہوے ھیں۔ تو سورج اور چاند ان کے والدین تھے اور گیارہ ستارے گیارہ بھائی آج یہ سب ان کی عظمت و اجلال کے آگے جھك گئے اور وقت کی سب سے بڑی مملکت کے اوج و اقبال نے اپنا تخت ان کے لیے خالی کر دیا!

(و) حضرت یعقوب اور ان کے بیٹوں کا یہ سجدہ تعظیم کا سجدہ تھا۔ دنیا میں قدیم سے یہ دستور چلا آتا ھے کہ حکمرانوں اور پیشواؤں کے آگے سجدے کرتے ھیں اور اسے تعظیم و احترام کی خاص علامت سمجھتے ھیں۔ مصر، بابل، ایران، ھندوستان اور سلاطین بنی اسرائیل سب کے یہاں تعظیم و احترام کا یہی طریقہ رائج تھا اور ھندوستان میں اب تك رائج ھے۔ لیکن قرآن نے توحید کے =

= حوش هوا او راس نے یوسف کو کہا : اپنے بھائیوں سے کہ اپنے باپ اور اپنے گھرانے کو میرے پاس لے آئیں ۔ میں انھیں مصر کی ساری اچھی چیزیں دوں گا ۔ نیز حکم دیا کہ ان کے لانے کے لیے مصر کے رتھ اپنے ساتھ لے جائیں اور جو اسباب وہاں چھوٹ جائے اس کا افسوس نہ کریں مصر کی ساری خوشیاں ان کے لیے ہوں گی (پیدایش ٤٥ : ١٦ تا ١٨) ۔

(د) چنانچہ کنعان سے حضرت یعقوب کا گھرانہ روانہ ہو گیا ۔ تورات میں ہے کہ وہ سب ٦٧ تھے اور اگر یوسف اور اس کے لڑکوں کو جو مصر میں پیدا ہوئے تھے ملا لیا جائے تو خاندان کی پوری تعداد ستر ہو جاتی ہے (پیدایش ٤٦ : ٢٧) ۔

(ہ) جب قافلہ مصر کے قریب پہنچا تو حضرت یوسف نے ان کا استقبال کیا ۔ اس زمانے میں مصر کا دار الحکومت رعمسیس (Ramse's) تھا اور اسے جشن کا شہر کہتے تھے ، کیونکہ سالانہ جشن وہیں ہوا کرتا تھا (٥٢) ۔ پس یہ لوگ دار الحکومت میں آئے جہاں حضرت یوسف نے دربار منعقد کیا اور اپنے والدین کے لیے بلند مسند بچھائی ۔ اب وہ وقت آ گیا تھا جس کا مرقع سالہا سال پہلے حضرت یوسف نے خواب میں دیکھا تھا ۔ =

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ۝١٠٢

(اے پیغمبر!) یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جس کی ہم تجھ پر وحی کر رہے ہیں۔ ورنہ (ظاہر ہے کہ) جس وقت یوسف کے بھائی سازش میں مصمم ہو گئے تھے اور پوشیدہ تدبیریں کر رہے تھے تو تم اس وقت کچھ ان کے پاس کھڑے نہ تھے (کہ سب کچھ دیکھ سن لیا ہو) ۱۰۲

وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝١٠٣

اور (اس پر بھی یاد رکھو!) اکثر آدمیوں کا حال یہ ہے کہ تم کتنا ہی چاہو (اور کتنی ہی دلیلیں پیش کرو) کبھی ایمان لانے والے نہیں ۱۰۳.

وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ع ١٠٤

حالانکہ تم ان سے اس بات کے لیے کوئی مزدوری نہیں مانگتے۔ یہ تو اس کے سوا

ع ۱۱

= اعتقاد و عمل کا جو اعلیٰ معیار قائم کیا، وہ اس طرح کے رسوم و اشکال کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا. اس نے سجدے کی ہر قسم اور ہر صورت صرف اللہ ھی کی عبادت کے لیے مخصوص کر دی اور کسی حال میں جائز نہ رکھا کہ کسی دوسری ہستی کے لیے سر نیاز جھکایا جائے. اس نے صرف سجدے ھی کو نہیں روکا جو پیشانی کے زمین پر رکھنے کا نام ھے، بلکہ یہ بھی جائز نہ رکھا کہ کوئی انسان کسی دوسری ہستی کے آگے اپنا جسم دھرا کرے. ہر جھکاؤ، ہر خمیدگی، ہر رکوع جو کسی قامت پر طاری ہو سکتا ھے، وہ کہتا ھے، صرف اللہ ھی کے لیے ھے اور کوئی دوسری ہستی اس میں شریک نہیں ہو سکتی.

پس یاد رھے کہ یہاں جو کچھ بیان کیا گیا ھے وہ محض ایک گزشتہ واقعے کی حکایت ھے، اسلامی احکام کی تشریح نہیں ھے.

(ز) اس طرح یہ سرگذشت جس خواب کے ذکر سے شروع ہوئی تھی اسی کی تعبیر کے ظہور پر ختم ہو گئی.

(ح) حضرت یوسف نے اس موقع پر جو کچھ فرمایا اور اس کے بعد جو دعا فرمائی وہ ان کی سیرت مطہرہ کا سب سے زیادہ اہم مقام ھے اور اس کی مختصر تشریح آگے آئے گی.

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَ هُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿١٠٥﴾

اور (دیکھو!) آسمانوں میں اور زمین میں (اللہ کی قدرت و حکمت کی) کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے لوگ گزر جاتے ہیں اور نظر اٹھا کر دیکھتے بھی نہیں ۱۰۵۔

۱۰۵ - (ج) خدا کی کائنات تو سرتاسر حقیقت کی نشانی ہے۔ آسمان و زمین کا کون گوشہ ہے جو اس کی نشانیوں سے خالی ہے اور شب و روز انسان کو دعوت فکر و عبرت نہیں دے رہا ہے؟ با ایں ہمہ بندگان غفلت کا کیا حال ہے؟ یہ ہے کہ ان پر سے گزر جاتے ہیں اور نگاہ اٹھا کر دیکھتے بھی نہیں۔

قرآن نے یہاں اور دوسرے مقامات میں آسمان و زمین کی نشانیوں پر توجہ دلائی ہے اور ان کے مطالعہ و تفکر کو معرفت حق کا سر چشمہ ٹھیرایا ہے اور یہی بات اس کے تمام استدلال کا مبدا و اساس ہے۔ چنانچہ پچھلی سورتوں کے نوٹوں میں اس طرف اشارات گزر چکے ہیں اور تفصیل کے لیے تفسیر فاتحہ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

کچھ نہیں ہے کہ تمام جہان کے لیے پند و وعظ ہے ۱۰۴ ۔

۱۰۲ تا ۱۰۴ - سورت کا خاتمہ ۔

سرگذشت ختم ہو گئی ۔ اب آیت ۱۰۲ سے خطاب پیغمبر اسلام کی جانب ہے اور دعوت حق کی بعض مہمات واضح کی ہیں :

(ا) اس سرگذشت میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ سرتاسر غیب کی باتیں ہیں ۔ اگر وحی الٰہی کا فیضان نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ اس واقعے کی ایک ایک جزئیات پر تم مطلع ہوتے اور دنیا کے آگے اس طرح پیش کر دیتے ۔ یہ ظاہر ہے کہ واقعہ تم سے دو ہزار سال پہلے کا ہے اور دنیا میں گزشتہ واقعات کے علم و سماعت کے جتنے وسائل ہو سکتے ہیں ، ان میں سے کوئی وسیلہ بھی تمھارے لیے موجود نہیں اور اگر موجود بھی ہو تو یہ قطعی ہے کہ اس باب میں کچھ مفید نہیں ہو سکتا ۔

(ب) لیکن کیا منکرین حق تمھاری سچائی کی یہ دلیل واضح دیکھ کر ایمان لے آئیں گے ؟ نہیں ! تم کتنا ہی چاہو ، جو ماننے والے نہیں ہیں وہ کبھی ماننے والے نہیں ۔

=و الأرض و سخر الشمس و القمر لیقولن اللہ ج فانی یؤفکون" (۲۹ : ٦١) . لیکن یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ کیوں صرف اسی کی ایک ہستی ہر طرح کی بندگیوں کی مستحق سمجھ لی جائے؟ کیوں دوسری ہستیوں کی بھی بندگی نہ کی جائے؟ کیوں خدا اور بندے کے درمیان کوئی درمیانی قوت وسیلۂ تقرب و تزلف نہ ہو .

قرآن کی دعوت توحید

لیکن قرآن کی دعوت توحید یہ تھی کہ اس طرح کی خدا پرستی سچی خدا پرستی نہیں ہے . سچی خدا پرستی یہ ہے کہ نہ صرف اسے مانا جائے، بلکہ جو کچھ اس کے لیے مانا جائے اس میں کسی دوسری ہستی کو شریک نہ کیا جائے. اس نے کہا: ہر طرح کی بندگی و نیاز کی مستحق صرف اسی کی ذات ہے . پس اگر تم نے عابدانہ عجز و نیاز کے ساتھ کسی دوسری ہستی کے سامنے سر جھکایا تو سچی خدا پرستی باقی نہ رہی . اس نے کہا: دعا، استعانت، رکوع و سجود، عجز و نیاز، اعتماد و توکل اور اسی طرح کے تمام عبادت گزارانہ اور نیاز مندانہ اعمال وہ اعمال ہیں جو خدا اور اس کے بندوں کا باہمی رشتہ قائم کرتے ہیں . پس اگر ان اعمال میں دوسروں کو بھی شریک کر لیا تو خدا کے رشتۂ عبودیت کی یگانگت=

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُونَ ۝ ۱۰۶

اور ان میں سے اکثروں کا حال یہ ہے کہ اللہ پر یقین لاتے ہیں تو اس حال میں لاتے ہیں کہ اس کے ساتھ شریک بھی ٹھیرائے جاتے ہیں ۱۰۶

۱۰۶ – (د) آیت ۱۰۶ کے پانچ چھ لفظوں میں وہ سب کچھ بیان کردیا جو باب توحید میں دعوت قرآنی کا ماحصل ہے. فرمایا: اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ خدا کی ہستی پر یقین بھی رکھتے ہیں اور ساتھ ہی دوسروں کو اس کا شریک بھی ٹھیراتے ہیں. یعنی ان کا خدا کو ماننا ایسا ماننا نہیں ہے جو شرک سے انہیں باز رکھے.

دنیا کی تمام قوموں کی دینی ذہنیت کی یہ کیسی مکمل تعبیر ہے جو چند لفظوں کے اندر بیان کردی گئی ہے! نزول قرآن کے وقت دنیا کی تمام خدا پرست جماعتوں کی خدا پرستی کا یہی حال تھا اور اب بھی دیکھ لو یہی حال ہے. وہ خدا پر ایمان رکھتے تھے لیکن ان کا ایمان طرح طرح کے مشرکانہ عقائد و اعمال سے آلودہ ہو گیا تھا. وہ نہیں سمجھتے تھے کہ ایمان صحیح کے ساتھ شرک جمع نہیں ہو سکتا. عرب کے بت پرستوں کو بھی اس سے انکار نہ تھا کہ آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں: "و لئن سالتهم من خلق السموٰت =

وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰہِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝۱۰۸

روشنی کی بنا پر جو میرے سامنے ہے اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور (اس راہ میں) جن لوگوں نے میرے پیچھے قدم اٹھایا ہے وہ بھی (اسی طرح) بلاتے ہیں ۔ اللہ کے لیے پاکی ہو، میں شرک کرنے والوں میں نہیں ہوں ۱۰۸ ۔

دعوت وحی علم و بصیرت ہے

۱۰۸ - (ھ) آیت ۱۰۸ میں جو بات کہی گئی ہے قرآن کے مہمات معارف میں سے ہے ۔ فرمایا: تم اعلان کردو میری راہ یہ ہے کہ علم و یقین کی بنا پر خدا پرستی کی دعوت دیتا ہوں اور کہتا ہوں: میری راہ شرک کرنے والوں کی راہ نہیں ہے ۔ برخلاف اس کے تمہارا حال یہ ہے کہ شرک کے داعی ہو اور بنیاد دعوت علم و یقین نہیں ہے، جہل و ظن ہے ۔ اب فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے اور ایسے ہی فیصلے پچھلی قوموں کے لیے بھی ہو چکے ہیں ۔

یہاں ”بصیرة“ کا لفظ فرمایا ۔ بصیرة کے معنیٰ علم، معرفت اور یقین کے ہیں اور اسی لیے دلیل و حجت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے ۔ پس قرآن کہتا ہے: میں جس راہ کی طرف بلاتا ہوں اس کے لیے میرے سامنے =

اَفَاَمِنُوْۤا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ ۱۰۷

پھر کیا یہ لوگ اس بات سے مطمئن ہوگئے ہیں کہ اللہ کے عذاب میں سے کوئی آفت ان پر آئے اور چھا جائے یا اچانک قیامت آجائے اور وہ بے خبری میں پڑے ہوں؟ ۱۰۷

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْۤ اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا

(اے پیغمبر!) تم کہہ دو: میری راہ تو یہ ہے۔ میں اس

وقف النبی علیہ السلام

= باقی نہ رہی اور جب یگانگت باقی نہ رہی تو سچی خدا پرستی بھی نہ ہوئی۔ اسی طرح عظمتوں، کبریائیوں، کارسازیوں اور بے نیازیوں کا جو تصور تمہارے اندر خدا کا اعتقاد پیدا کرتا ہے وہ صرف خدا ہی کے لیے مخصوص ہونا چاہیے۔ اگر تم نے ویسا ہی اعتقاد کسی دوسری ہستی کے لیے پیدا کر لیا تو تم نے اسے خدا کا شریک بنا دیا اور جب شریک بنا دیا تو صرف اسی کو نہیں مانا، دوسروں کو بھی مان لیا، حالانکہ اس کے ماننے کے معنیٰ تو یہ تھے کہ صرف اسی کو مانا جائے۔

بچتے ھیں تو یقیناً آخرت کا گھر ان کے لیے کہیں بہتر ھے ۔ پھر (اے گروہ مخاطب!) کیا تم سمجھتے بوجھتے نہیں؟ ۱۰۹

حَتّٰۤى اِذَا اسْتَيْـئَسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَ لَا یُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ۝۱۱۰

(اور ان گزری ہوئی قوموں پر فوراً عذاب نہیں آ گیا تھا، انہیں مہلت ملتی رھی) یہاں تک کہ جب اللہ کے رسول (ان کے ایمان لانے سے) مایوس ھوگئے اور لوگوں نے خیال کیا ان سے جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا تو (پھر اچانک) ھماری مدد ان کے پاس آ پہنچی ۔ پس ھم نے جسے بچانا چاھا بچالیا اور (جو مجرم تھے تو) ایسا کبھی نہیں ھوسکتا کہ مجرموں سے ھمارا عذاب ٹل جائے ۱۱۰ ۔

لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰى وَ لٰكِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ تَفْصِیْلَ كُلِّ شَیْءٍ وَّ هُدًى

یقیناً ان لوگوں کے قصے میں دانش مندوں کے لیے بڑی ھی عبرت ھے ۔ یہ کوئی جی سے گھڑی ہوئی بات نہیں ھے بلکہ اس کتاب کی تصدیق ھے جو

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ؕ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۞ ١٠٩

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے کسی رسول کو نہیں بھیجا ہے مگر اسی طرح کہ وہ باشندگان شہر ہی میں سے ایک آدمی تھا اور ہم نے اس پر وحی اتاری تھی (ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آسمان سے فرشتے اترے ہوں)۔ پھر کیا یہ لوگ (جو تمہارے اعلان رسالت پر متعجب ہو رہے ہیں) زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے ان لوگوں کا انجام کیسا کچھ ہو چکا ہے جو پہلے گزر چکے ہیں؟ اور جو لوگ (برائیوں سے)

=علم و یقین ہے۔ پھر کیا تمہارے پاس بھی علم و یقین میں سے کچھ ہے؟ اگر نہیں ہے تو اتباع یقین و عرفان کا کرنا چاہیے یا جہل و کوری اور شک و گمان کا؟ اس مقام کی تشریح پچھلی سورتوں کی تشریحات میں بار بار گزر چکی ہے۔

سورة یوسف کے مواعظ و عبر

سورت کی ضروری تشریحات ختم ہو چکیں، لیکن ضروری ہے کہ اب حضرت یوسف کی سرگذشت پر بحیثیت مجموعی ایک نظر ڈال لی جائے تاکہ اس کی موعظتیں اور عبرتیں پوری وضاحت کے ساتھ واضح ہو جائیں۔ اس سلسلے میں حسب ذیل امور قابل غور ہیں:

مصری تمدن کا عروج

(۱) حضرت مسیح (علیه السلام) سے تقریباً دو هزار سال پہلے دنیا کے نقشے کا یہ حال تھا کہ سر زمین مصر وقت کے تہذیب و تمدن کا مرکز بن چکی تھی، لیکن اس کے اطراف و جوانب کی قومیں ابھی تمدن و حضارت سے آشنا نہیں ہوئی تھیں اور صحرا نشینی و بدویت کی زندگی بسر کر رہی تھیں۔ مصر سے ایک قریب تر علاقہ وہ تھا جو آگے چل کر فلسطین کے نام سے مشہور ہوا اور جسے خاک نائے سینا نے سر زمین افریقہ سے ملا دیا ہے۔ اس علاقے کی تمام پچھلی آبادیاں مٹ چکی تھیں۔ اب محض ایک صحرائی علاقہ تھا جو مویشی کے لیے چراگاہوں کا کام دیتا تھا اور مختلف بدوی قبائل وہاں بود و باش رکھتے تھے۔ انہیں قبائل میں ایک چھوٹا سا قبیلہ حضرت ابراہیم (علیه السلام) کے خاندان کا بھی تھا۔ =

۱۲ ع ۶ وَ رَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ۝ ع ۱۱۱ اس سے پہلے آچکی ھے. نیز ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ھیں (ھدایت کی) ساری باتوں کی تفصیل ھے (یعنی الگ الگ کر کے واضح کردینا ھے) اور رہ نمائی ھے اور رحمت ھے ۱۱۱ .

---

۱۱۱ - (و) آخری آیت میں فرمایا: قرآن انسان کی بناوٹ نہیں ھے بلکہ وحی الٰہی کی سچائی ھے. اور پھر اس کے چار وصف بیان کیے ھیں جو کبھی کذب و افتراء کے اوصاف نہیں ھو سکتے:

قرآن کے اوصاف اربعہ

اولاً، وہ پچھلی صداقتوں کی تصدیق ھے. اگر بناوٹ ھوتی تو پچھلی کڑیوں کے ساتھ اس طرح نہ جڑجاتی گویا ایک زنجیر کی مختلف قدرتی کڑیاں ھیں اور ھر کڑی دوسری کڑی کو سہارا دے رھی ھے.

ثانیاً، ارباب یقین کے لیے اس میں دین کی ساری باتوں کی تفصیل ھے. یعنی ھر بات اس طرح الگ الگ کرکے بیان کردی گئی ھے کہ شبہ و التباس کی کوئی گنجائش نہیں رھی ھے.

ثالثاً، ارباب یقین کے لیے سر تا سر رہ نمائی ھے. یعنی انسان کو کام یابی و سعادت کی منزلوں تک پہنچاتی اور ھر طرح کی گم راھیوں سے بچاتی ھے.

رابعاً، ارباب یقین کے لیے رحمت ھے. یعنی ھر طرح کی شقاوتوں اور نامرادیوں سے نجات دلانے والی ھے.

✡ ✡ ✡ ✡ ✡

= "عہد" سمجھی جاتی تھیں ، یعنی اللہ کا وعدہ جو کبھی ٹل نہیں سکتا ۔ خاندان کا ہر بزرگ اسے محفوظ رکھتا اور پھر اپنے وارث کو اس کی وصیت کرتا ۔ یہ "عہد" دو باتوں پر مشتمل تھا : ایک یہ کہ نسل ابراہیمی اللہ کے دین پر قائم رہے گی اور اس کی دعوت دے گی ۔ دوسری یہ کہ اللہ اسے برکت دے گا اور اس کی دعوت کام یاب ہوگی ۔ قرآن نے ان تمام بشارتوں کا جابجا ذکر کیا ہے ۔ چنانچہ سورۂ بقرہ کی آیت ۱۲۴ اور ہود کی آیت ۷۱ میں دو بشارتیں گزر چکی ہیں ۔

تورات سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ ایک موقع پر حضرت ابراہیم کو ایک خاص واقعے کی خبر دی گئی تھی ۔ یعنی یہ کہ تیری اولاد ایک ایسے ملک میں جائے گی جو ان کا ملک نہ ہوگا ۔ وہاں لوگ اسے غلام بنا لیں گے ۔ وہ چار سو برس تک وہاں رہے گی (پیدایش ۱۵ : ۱۳) ۔

حضرت ابراہیم سے حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق پیدا ہوئے ۔ حضرت اسماعیل حجاز میں بس گئے اور حضرت اسحاق کنعان میں خاندان کے جانشین ہوئے ۔ حضرت اسحاق سے یعقوب پیدا ہوئے ۔ یہ پہلے حاران گئے تاکہ اپنی خالہ زاد بہن سے نکاح کریں ۔ پھر بیس برس کے بعد کنعان واپس آئے اور وہیں مقیم ہو گئے ۔ =

حضرت ابراهیم کا قبیلہ اور عہد الٰہی

= حضرت ابراهیم کا ظہور تمدن قدیم کے ایك دوسرے
مرکز یعنی سر زمین دجله و فرات میں هوا تها . انهوں نے
وهاں سے هجرت کی اور کنعان میں مقیم هو گئے . کنعان
سے مقصود وہ علاقه هے جو بحر میت (Dead Sea) کی
مغربی جانب واقع هے اور دریاے یرون سے سیراب
هوتا هے . تورات میں هے که انهوں نے یه علاقه وحی
الٰہی سے منتخب کیا تها اور الله نے فرمایا تها : تو جس
جگه کهڑا هے اس کے چاروں طرف دیکھ . یه تمام
ملك میں تجهے اور تیری نسل کو دوں گا اور تیری نسل
کو میں خاك کے ذروں کی مانند بنا دوں گا . اگر کوئی
خاك کے ذروں کو گن سکتا هے تو تیری نسل بهی
گن لی جائے گی (پیدایش ۱۳ : ۱۵) . قرآن نے بهی
جا بجا اس بشارت کی طرف اشارہ کیا هے .

جب حضرت ابراهیم یہاں مقیم هو گئے تو وقتاً فوقتاً
انهیں اور بشارتیں بهی ملتی رهیں . ان تمام بشارتوں کا
ماحصل یه تها که الله نے انهیں امتوں کا پیشوا ، نسلوں کا
مورث اور بادشاهوں کا جد بنایا هے اور ان کی نسل
کو اپنی برکتوں کے لیے چن لیا هے . جب تك ان کی
نسل ظلم و ضلالت سے آلودہ نه هو گی وعدے کی برکتوں
کی مستحق رهے گی . یه بشارتیں اس خاندان میں الله کا =

= اپنی آبادیوں میں ان کا بسنا گوارا نہ کرتے (پیدایش ٤٦ : ٣٤) .

قدرت الٰہی کی کرشمہ سازی

(ب) لیکن قدرت الٰہی سے ایک عجیب و عریب واقعہ پیش آیا . کنعان کے اس بدوی قبیلے کا ایک کم سن لڑکا بغیر اپنی حواھش اور مرضی کے مصر پہنچ گیا اور کچھ عرصے کے بعد دنیا نے دیکھا کہ اس عظیم الشان مملکت کی حکومت کی باگ ڈور اسی کنعانی کے ھاتھوں میں ھے اور بادشاہ سے لے کر مصر کی ادنٰی رعایا تک سب اس کی عظمت و فضیلت کے آگے جھکے ھوے ھیں . گویا وقت کی سب سے بڑی پر شوکت ، سب سے بڑی متمدن ، سب سے بڑی مغرور مملکت کے تخت حکم رانی پر اچانک کون پہنچ گیا؟ اسی بدوی قبیلے کا ایک چرواھا جسے اس متمدن آبادی کا ھر فرد نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا .

اور پھر یہ عجیب و غریب معاملہ کن حالات میں ظہور پذیر ھوا؟ ایسے حالات میں جو اصل معاملے سے بھی کہیں زیادہ عجیب و عریب تھے .

اسے سوتیلے بھائیوں نے ھلاک کرنے کے لیے کنویں میں ڈال دیا . کنواں خشک تھا اور شاہ راہ سے الگ ، اس لیے انہیں یقین تھا کوئی انسان وھاں نہیں پہنچ سکے گا ، =

= تورات میں ھے کہ اللہ نے نسل ابراھیمی کا "عہد" ان سے تازہ کیا تھا اور قرآن اس کی تصدیق کرتا ھے۔

فلسطین کے تمام علاقے کی طرح حضرت یعقوب کے خاندان کی زندگی بھی بالکل بدویانہ زندگی تھی۔ مویشی چراتے تھے اور ان کے گوشت، اون اور دودھ پر گزران کرتے تھے۔

مصریوں کا غرور تمدن

لیکن اس علاقے سے تھوڑے فاصلے پر مصر کی سر زمین تمدن و حضارت میں شہرۂ آفاق ھو رھی تھی اور ایک بڑی مملکت کی پایگاہ تھی۔ اس کا دار الحکومت رعمسیس وقت کے علوم و صنائع کا مرکز تھا اور وھاں کے باشندوں میں شہریت و امارت کی خصوصیتیں نشو و نما پا چکی تھیں۔ جیسا کہ قاعدہ ھے، مصر کے لوگ اپنے آپ کو متمدن اور ترقی یافتہ سمجھتے اور اطراف و جوانب کے بدویوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے، خصوصاً کنعانی اور عبرانی ان کی نگاھوں میں بڑے ھی ذلیل تھے۔ وہ انھیں "چرواھا" کہہ کر پکارتے اور اس قابل نہ سمجھتے کہ اپنی مجلسوں میں جگہ دیں۔ یہ بات بھی ان میں عام تھی کہ کوئی مصری کنعانی کے ساتھ ایک دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا نہ کھاتا (پیدایش ۴۳ : ۳۲) اور مصر کے دیہاتی بھی انھیں اس درجہ برا سمجھتے کہ =

غلامی کا خواجگی و آقائی ہو جانا

= گھر میں ایک نو خرید غلام کی حیثیت سے داخل ہوتا ہے، مگر اپنے حسن عمل سے خواجگی و آقائی کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ یہ انقلاب حال بجائے خود عجیب و غریب تھا، لیکن اس سے بھی عجیب تر معاملہ وہ تھا جب اس زر خرید غلام کے سامنے بیک وقت دو باتیں پیش کی گئیں کہ دونوں میں سے جسے چاہے اپنے لیے پسند کر لے: "و لئن لم یفعل مآ اٰمرہ لیسجنن و لیکوناً من الصّٰغرین" (آیت ۳۲)۔ نفسانی زندگی کی سب سے بڑی عشرت و کامرانی اور انسانی زندگی کی سب سے بڑی محرومی و نامرادی۔ پہلی میں نفس کی عشرت مگر حق کی معصیت تھی، دوسری میں نفس کی محرومی مگر حق کی اطاعت تھی۔ وہ پہلی سے بھاگتا ہے اور دوسری کے لیے آرزوئیں کرتا ہے۔ پہلی سے اس طرح بھاگتا ہے گویا اس سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں، دوسری کے لیے اس طرح التجائیں کرتا ہے گویا اس سے بڑھ کر کوئی محبوب شے نہیں: "رب السجن احب الی مما یدعوننیٓ الیہ" (آیت ۳۳):

امتحان عصمت

تمنت سلیمی ان نموت بحبها و أهون شیء عندنا ما تمنت

مصر میں کسی انسان کی ذلت و نامرادی کے جتنے سامان ہو سکتے تھے اب وہ سب جمع ہو گئے۔ =

= لیکن اتفاق سے ایک قافلہ راہ بھول کر وہاں آ نکلتا ہے اور پانی کے لیے ڈول ڈالتا ہے . لڑکا سمجھتا ہے میرے بھائیوں کو رحم آ گیا ، اب مجھے نکالنے کے لیے ڈول ڈال رہے ہیں . وہ اس میں بیٹھ جاتا ہے اور اس طرح اس کی رہائی کا سامان ہو جاتا ہے .

لیکن کیسی رہائی ؟ ایسی رہائی جس میں ایک ہلاکت سے جو تھوڑی دیر کی تھی نجات مل گئی ، لیکن دوسری ہلاکت جو عمر بھر جاری رہنے والی ہلاکت تھی نمودار ہو گئی ، یعنی بھائیوں نے اسے اپنا بھاگا ہوا غلام ظاہر کر کے قافلے والوں کے ہاتھ بیچ ڈالا . وہ اسے کسی دوسرے گاہک کے ہاتھ بیچنے کے لیے مصر لے آئے . غلام

اس طرح مصر میں اس کا داخلہ ایک غلام کا داخلہ تھا . اور غلام بھی ایسا جو کم سے کم قیمت میں خریدا گیا اور اب کم سے کم قیمت پر فروخت کیا جا رہا ہے . نہ تو بیچنے والے اس کی قدر و قیمت بڑھانے کے خواہش مند تھے ، نہ اب بازار مصر میں اس جنس کی گرانی کا کوئی سامان ہے :

اے جائیے دکھلا نے اسے مصر کا بازار
خواہاں نہیں پر کوئی وہاں جنس گراں کا

بہر حال ایک خریدار کی نظر پڑ جاتی ہے . یہ اس کے =

= ایسا که ان ساری باتوں سے بھی زیادہ عجیب ہے اور جسے قرآن کی ایجاز بلاغت نے صرف ایک جملے میں واضح کردیا ہے ''وکذلک مکنا لیوسف فی الارض ج یتبوا منها حیث یشاء'' (آیت ۵٦) اللہ نے سر زمین مصر میں اس کے قدم اس طرح جمادیے کہ اس کے جس حصے کو چاہے اپنے کام میں لائے. چنانچہ اس نے اپنے تمام خاندان کو کنعان سے مصر بلالیا اور عین دار الحکومت میں که جشن کی سر زمین تھی ، عزت و احترام کے ساتھ وہ بسائے گئے. اب وہی صحرا کے بدوی جو مصر میں قابل نفرت سمجھے جاتے تھے، مصری دار الحکومت کے معزز باشندے ہوگئے اور وہاں ان کی نسل میں اس درجہ برکت ہوئی کہ جب چار سو برس کے بعد مصر سے نکلے تو کئی لاکھ تک تعداد پہنچ چکی تھی!

کئی لاکھ انسانوں کی یہ قوم جو مصر سے نکلی، کن لوگوں کی نسل سے بنی تھی؟ اسی لڑکے کی نسل سے جو غلام بن کر آیا تھا اور فرماں روا بن کر چمکا تھا. اور اس کے گیارہ بھائیوں کی نسل سے جنہوں نے اسے ہلاک کرنا چاہا تھا لیکن اس نے انہیں زندگی اور زندگی کی کامرانیاں بخش دیں.

(ج) اس طرح اس ''عہد'' کی کرشمہ سازیوں کا ظہور شروع ہوگیا جس کی بشارتیں حضرت ابراهیم علیہ السلام کو دی گئی تھیں اور پھر حضرت اسحاق اور =

= اول تو عبرانی قبیلے کا ایک فرد، پھر کیسا فرد؟ زرخرید غلام۔ کیسا غلام؟ جسے آقا نے ایک بڑے جرم کا مرتکب پایا اور سزا کا مستحق تصور کیا۔ کیسی سزا؟ قید خانے میں ڈالے جانے کی سزا جو ذلت و خواری اور تعذیب و عقوبت کی بڑی سے بڑی سزا سمجھی جاتی تھی۔ اب وہ مصریوں کی نگاہ میں قابل نفرت عبرانی بھی ہے، غلام بھی ہے، مجرم بھی ہے اور قیدی بھی!

قید خانہ اور تخت مصر

لیکن پھر غور کرو! دنیا کی کونسی بات اس سے زیادہ عجیب ہو سکتی ہے کہ اسی قیدی کے لیے اچانک قید خانے کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور کھولنے والا کون ہوتا ہے؟ خود مصر کا بادشاہ۔ اور پھر کیوں کھولتا ہے؟ اس لیے کہ ایک عبرانی قیدی کو قید خانے سے نکالے اور مصر کے تخت فرماں روائی پر بٹھا دے۔ گویا مصر کے قید خانے اور مصر کے تخت حکومت کا درمیانی فاصلہ ایک قدم سے زیادہ نہ تھا۔ اس نے قید خانہ سے قدم اٹھایا اور اس نے تخت فرماں روائی پر قدم رکھ دیا۔

طے می شود ایں رہ بدرخشیدن برقے
ما بے خبراں منتظر شمع و چراغیم

پھر اس عجیب و غریب انقلاب کا نتیجہ کیا نکلا؟ =

=کے نام سے پکارا گیا ہے . اس کے عہد میں مصری تمدن
پوری طرح ترقی کر چکا تھا ۔

لیکن جب عجیب و غریب اتفاقات نے اس صحرائی
گھرانے کے ایک فرد کو مصر پہنچا دیا اور ایسی حالتوں
میں پہنچایا جو کسی حال میں بھی عزت و کامرانی کا
ذریعہ نہیں ہو سکتی تھیں تو پھر کیا نتیجہ نکلا ؟ یہ نکلا
کہ دونوں قوتوں میں مقابلہ ہوا اور بالآخر دین حق کے
علم و عمل اور وحی الہٰی کے فیضان نے وقت کی تمام مادی
فضیلتوں کو مسخر کر لیا !

حضرت یوسف کے پاس دین حق کے سوا اور کچھ
نہ تھا. مصریوں کے پاس دین حق کے سوا اور سب کچھ تھا.
یہ صرف دین حق کی فضیلت سے آراستہ تھے . وہ ہر طرح
کی مادی فضیلتوں میں تفوق رکھتے تھے . با ایں ہمہ ہر
مقابلے میں فتح مندی حضرت یوسف ہی کی سیرت وعمل
کو ہوئی اور قدم قدم پر مادی فضیلتوں کو اپنے تفوق
سے دست بردار ہونا پڑا ۔ حتیٰ کہ جب مملکت کی سلامتی
خطرے میں پڑ گئی تو اس کی نجات کے لیے مادی فضائل
کی کوئی پیداوار بھی کام نہ دے سکی ، اسی عبرانی
نوجوان کے آگے مصر کو جھکنا پڑا کہ اس کی سلامتی کی
راہ نکال دے !

جب حضرت یوسف نے بادشاہ مصر سے کہا تھا :=

= حضرت یعقوب سے بھی ان کی تجدید ہوئی تھی ۔

(د) سب سے پہلی بات جو اس سلسلے میں سامنے آتی ھے وہ روحانی صداقت اور مادی ترقیات کا مقابلہ ھے ۔

روحانی صداقت اور مادی ترقیات کا مقابلہ

حضرت یعقوب کا گھرانا دین حق کی امانت رکھتا تھا، وحی الٰہی کی برکتوں سے فیض یاب تھا، لیکن مادی ترقیوں اور دنیوی شوکتوں میں سے کوئی بات بھی اسے میسر نہ تھی، حتیٰ کہ شہری زندگی کی ابتدائی خصوصیات سے بھی آشنا نہیں ہوا تھا۔ اس کے تمام افراد صحرا میں رہتے تھے، مویشی چراتے تھے اور قدرتی زندگی کی سادگی پر قانع تھے۔

لیکن مصر کی حالت بالکل اس سے مختلف تھی۔ وہ دین حق کے علم و عمل اور وحی الٰہی کے فیضان سے محروم تھا، لیکن وقت کی تمام مادی ترقیوں کا سرمایہ دار تھا۔ اس کے دارالحکومت کے لوگ لکھنے پڑھنے میں ماہر تھے، اس کے امراء و اشراف حکم رانی و دانش وری میں ترقی یافتہ تھے، اس کے مندروں کے کاھن حقائق اشیاء کے بھید جاننے والے تھے اور اس کے حکیم علوم و صنائع کے عجائب و غرائب سکھلانے والے تھے۔ آج اثریات مصر نے ایک مدون علم کی حیثیت اختیار کرلی ھے۔ اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ھے کہ اس عہد کا فرعون غالباً وہ شخص تھا جسے آثار مصر میں "آبونی" (Aboni) =

=حقیقت شناسوں کے لیے اس میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں یہ سب کچھ ٹھیک اسی طرح ہوا جس طرح آگ کے جلانے سے گرمی نکلے یا پانی پینے سے پیاس بجھ جائے. کیوں کہ اللہ نے اشیاء کی طرح اعمال کے بھی خواص و نتائج ٹھیرا دیے ہیں اور جب کبھی ایک خاص طرح کا عمل وجود میں آتا ہے ایک خاص طرح کا نتیجہ بھی ضرور ظہور میں آجاتا ہے. یہاں ہر گوشے میں علت کے ساتھ معلول کا دامن باندھ دیا گیا ہے. بھائیوں نے جو کچھ یوسف کے ساتھ کیا وہ اس کے سوا کیا تھا کہ ایک خاص طرح کا انسانی عمل تھا. اور جب خاص طرح کا عمل تھا تو خاص طرح کا نتیجہ نکلنا ہی تھا اور نتیجہ نکلا. حضرت یوسف زندگی کی مختلف آزمایشوں میں جو کچھ کرتے رہے اس کی حقیقت بھی اس کے سوا کیا تھی کہ ایک خاص سیرت کے خاص اعمال تھے. اور جب اعمال تھے تو ضروری تھا کہ جیسے کچھ اعمال ہوں ویسا ہی نتیجہ بھی نکلے اور ویسا ہی نتیجہ نکلتا رہا. اسی طرح سرگذشت کی تمام سیرتوں پر نظر ڈالو، ہر سیرت ایک خاص طرح کے عمل میں لگی ہوئی ہے اور ہر عمل ایک خاص طرح کا نتیجہ تیار کر رہا ہے. سب نے اپنے اپنے بیج بوئے تھے، اس لیے سب کو اپنے اپنے پھل ملنے تھے اور سب نے اپنے اپنے پھل پالیے. پس جہاں تک اعمال و نتائج کا تعلق ہے، یہ تاریخ=

=" اجعلنی علی خزآئن الارض ج انی حفیظ علیم "(آیت ٥٥) تو فی الحقیقت یہ دین حق او ر فیضان وحی کا ایک اعلان تھا جو وقت کے سب سے بڑے مرکزی تمدن کے مقابلے میں کیا گیا تھا . یعنی آج مملکت کی نجات کے لیے ایسے شخص کی ضرورت ہے جو علم و کاردانی کے ساتھ حفاظت کرنے والا ہو . لیکن ایسا شخص پیش کرنے سے مصر کی پوری مدنیت عاجز ہو گئی . اس کا عظیم الشان دار الحکومت جو کارفرماؤں ، دانش مندوں اور کاہنوں سے بھرا ہوا ہے . ایک فرد بھی پیش نہ کرسکا جو یہ بوجھ اٹھانے کا اہل ہو ، لیکن میں تیار ہوں کہ یہ بوجھ اٹھا لوں . میں دنیا کی سب سے بڑی مملکت کو اس کی ہلاکت کی گھڑیوں میں بچا لوں گا ، کیوں کہ میں حفاظت کرنے والا ، علم رکھنے والا ہوں .

متمدن مصر نے کنعان کے صحرائی کا یہ اعلان سنا اور اس کے آگے سر نیاز خم کردیا . یہی معنیٰ ہیں اس آیت کے : " و کذلک مکنا لیوسف فی الارض ج یتبوا منها حیث یشآء ط نصیب برحمتنا من نشآء ولا نضیع اجر المحسنین ولاجر الاٰخرة خیر للذین اٰمنوا و کانوا یتقون " (آیت ٥٦ و ٥٧)

(ہ) لیکن یہ معاملہ کتنا ہی عجیب معلوم ہوتا ہو اور کیسی ہی عجیب حالتوں میں پیش آیا ہو ، قرآن کہتا ہے کہ قوانین الٰہی کے قدرتی نتائج کا ظہور تھا اور= قانون عمل نتائج عمل

=یہی وجہ ہے کہ سورت میں جابجا اس حقیقت کی طرف اشارات کیے گئے کہ ارباب دانش کے لیے اس میں عبرتیں ہیں ، موعظتیں ہیں ، نشانیاں ہیں . سرگذشت کی ابتدا ہی اس اعلان سے ہوتی ہے کہ " لقد کان فی یوسف واخوته آیٰت للسائلین " (آیت ۷) پھر خاتمہ بھی اسی پر ہوتا ہے کہ " لقد کان فی قصصهم عبرة لاولی الالباب " (آیت ۱۱۱) . نیز جابجا اہم واقعات کے ظہور کے بعد وضاحت کر دی ہے کہ " کذلك نجزی المحسنین " (آیت ۲۲) " انه لا یفلح الظّٰلمون " (آیت ۲۳) " انه من یتق و یصبر فان الله لا یضیع اجر المحسنین " (آیت ۹۰) . یعنی یہ سب کچھ جو ظہور میں آیا عمل کا نتیجہ ہے ، بدلا ہے ، مکافات ہے . اور جب نتیجہ ہے تو ضروری ہے کہ ہمیشہ ظہور میں آئے ، جب بدلا ہے تو ضروری ہے کہ ہمیشہ کام کرنے والوں کو ملے .

حسد و بغض کا نتیجہ وہی ہے جو بھائیوں نے پایا . راست بازی اور نیک عملی کا نتیجہ وہی ہے جو حضرت یوسف کو ملا . صبر جمیل کبھی اس نتیجے سے محروم نہیں رہ سکتا جو حضرت یعقوب کے حصے میں آیا تھا . معصیت کے بیج سے ہمیشہ وہی پھل پیدا ہوگا جو امرأة العزیز کو نصیب ہوا تھا . جھوٹ کتنا ہی سوچ سمجھ کر بنایا گیا ہو سچ نہیں ہو جا سکتا . سچ کتنے ہی ناموافق حالات میں اپنے کو پائے لیکن جھوٹ نہیں ہو جا سکتا . =

= انسانیت کا کوئی مستثنیٰ حادثہ نہ تھا، بلکہ سنت الٰہی کی وہی کارفرمائی تھی جو ہمیشہ سے کارفرما ہے اور ہمیشہ کارفرما رہے گی. جب کبھی ایسے احوال و ظروف میں ایسے اعمال ظہور پذیر ہوں گے ضروری ہے کہ اسی طرح کے نتائج بھی ظہور میں آئیں: "سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبلؔ و لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا" (۳۳:۶۲).

بلاشبہ حوادث کی نوعیت عجیب تھی اور نتائج بھی عجیب طرح کے نکلے، لیکن سنت الٰہی کی کرشمہ سازیوں کا تو ہمیشہ ایسا ہی حال رہتا ہے. وہ اپنی کس بات میں عجیب نہیں؟ وہ توسرتاسر معجزہ ہے. تم جب چاہو اپنے حسن عمل کی قوت سے ہر طرح کے کرشمے اور اچنبھے پیدا کر دے سکتے ہو. لیکن مشکل یہ ہے کہ تم چاہتے ہی نہیں اور اسی لیے قانون عمل کے کرشمے تم پر کھلتے بھی نہیں. دنیا میں یوسف کی سرگذشت ایک ہی مرتبہ گزری، لیکن یوسف کے حسن عمل کی سرگذشت ایک ہی مرتبہ کے لیے نہ تھی. بلا شبہ مصر کا بازار اب باقی نہیں رہا. لیکن دنیا کا بازار کس نے بند کیا ہے؟ آج بھی حسن کا جی چاہے شان یوسفیت پیدا کر کے دیکھ لے، دنیا کے تخت عظمت و اجلال اس کا استقبال کرتے ہیں یا نہیں:

نیست در ہیچ سرے خواہش سودا ورنہ
ایں زماں ہم بجہاں یوسف و بازارے ہست (۵۳) =

= آنسو بن کر آنکھوں سے بے اختیار بہ رہا ہے۔
(٥٤) آنکھوں کا یہ حال ہے کہ شدت گریہ و زاری سے بے نور ہو گئی ہیں: "و تولی عنہم و قال یا اسفیٰ علیٰ یوسف و ابیضت عینہ من الحزن فہو کظیم" (آیت ۸٤)۔ اور یہ حالت ایک دن کی حالت نہ تھی بلکہ اس مدت فراق کی ہر صبح اور ہر شام اسی عالم میں بسر ہوئی تھی: "قالوا تاللہ تفتؤا تذکر یوسف حتی تکون حرضا او تکون من الہٰلکین" (آیت ۸۵)۔

یذکرنی طلوع الشمس صخرا وادکرہ لکل غروب شمس(٥٥)

لیکن پھر جب یقین کی روشنی چمکتی ہے تو اس کی نمود کا یہ حال ہے کہ دنیا کے سارے سہارے جواب دے چکے ہیں، امید کے سارے رشتے یک قلم ٹوٹ چکے ہیں، ہر طرف سے صدا اٹھ رہی ہے کہ یوسف کی اب کوئی امید نہیں، لیکن ان کے دل کے ایک ایک ریشے کی صدا یہ ہے کہ "انما اشکوا بثی و حزنی الی اللہ و اعلم من اللہ ما لا تعلمون" (آیت ۸٦) اور "اذھبوا فتحسسوا من یوسف و اخیہ و لا تایئسوا من روح اللہ" (آیت ۸۷)۔ حتیٰ کہ ہر زبان جھٹلا رہی ہے اور ہر نگاہ دیوانہ سمجھ رہی ہے، لیکن ان کی زبان سے بے اختیار نکل رہا ہے "انی لاجد ریح یوسف" (آیت ۹٤) مجھے =

= علم و فضیلت ہر حال میں ایک حکم ران قوت ہے، سب کو اس کے آگے جھکنا پڑے گا۔ حسن عمل ہر حال میں ایک فتح مند حقیقت ہے، سب کو اس کا لوہا ماننا پڑے گا۔

(و) سرگذشت کی اصلی عبرت اس کی خاص خاص شخصیتیں ہیں اور ضروری ہے انہیں اچھی طرح پہچان لیا جائے۔

سرگذشت کی شخصیتیں اور ان کی سیرت

سب سے پہلے حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی شخصیت نمایاں ہوتی ہے۔ اس میں درد و غم کی انتہا ہے، مگر ساتھ صبر اور یقین کی روح بھی چھائی ہوئی ہے۔ اور اس طرح چھائی ہوئی ہے کہ معلوم ہوتا ہے درد و غم کے طوفان اٹھ رہے ہیں لیکن صبر و یقین سے ٹکرا کر رہ جاتے ہیں، اس پر غالب نہیں آسکتے۔ اور یہی صورت حال اس سیرت مقدس کا اسوۂ حسنہ ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا درد و غم

قرآن کی معجزانہ بلاغت یہ ہے کہ وہ داستان سرائی نہیں کرتا۔ ایک دو لفظوں کے اندر سب کچھ کہہ دیا کرتا ہے۔ پس غور کرو! صورت حال کے یہ تینوں عنصر کس طرح اپنی انتہائی اور کامل صورتوں میں نمایاں ہوئے ہیں؟ درد و غم کی شدت جب نمایاں ہوتی ہے تو معلوم ہوتا ہے آتش فراق کے شعلوں کا دھواں =

= صورت حال کی ایسی تعبیر ھے جس سے زیادہ نرم اور دھیمی تعبیر ھو ھی نہیں سکتی ۔ پہلے جملے میں صرف اس کا اظہار تھا کہ جو بات کہہ رھے ھو اصلیت اس کے خلاف ھے ، لیکن خیر! صبر کے سوا چارہ نہیں ۔ دوسرے میں صرف پہلے واقعہ کا نتیجہ یاد دلایا ھے ، کسی طرح کا الزام نہیں دیا ھے ، یعنی مجھے بھروسا کرنے کے لیے کہتے ھو ، لیکن اگر بھروسا کروں تو کیا اسی طرح کروں جس طرح پہلے کر چکا ھوں اور اس کا جو نتیجہ نکل چکا ھے تمہیں معلوم ھے !

اتنا ھی نہیں ، بلکہ اگر غور کیا جائے تو پہلے جملے کا اسلوب ایسا واقع ھوا ھے کہ سرزنش سے کہیں زیادہ رحم و تأسف پر مبنی ھے اور مخاطبوں کے لیے ایک طرح کی معذرت کا پہلو پیدا کر رھا ھے ۔ یعنی یہ نہیں فرمایا کہ تم جھوٹ بول رھے ھو یا تم نے یوسف کے خلاف سازش کی ھے ، بلکہ کہا : تمہارے جی نے تمہارے لیے ایک بات بنا دی ھے اور اسے تمہارے خیال میں خوش نما دکھا دیا ھے ۔ کیونکہ "تسویل" کے معنیٰ یہ ھیں کہ کسی بات کا جما دینا ، خوش نما بنا کر دکھا دینا اور اس کے لیے طمع و خواھش کا پیدا ھو جانا . پس گویا یہ ایک ھم درد دل کا تأسف تھا کہ افسوس! =

= یوسف کی مہك آ رہی ہے ۔

تفاوت است میان شنیدن من و تو

تو بستن در و من فتح باب می شنوم

صبر و جمیل

پھر دیکھو ! جب صبر کا مقام نمایاں ہوتا ہے تو اس کی مضبوطی کیسی غیر متزلزل، کیسی اٹل ہے ! جب یوسف کے فراق کا داغ لگا تو اس وقت بھی زبان سے یہی نکلا کہ "بل سولت لکم انفسکم امرا فصبر جمیل و الله المستعان علی ما تصفون" (آیت ۱۸). اور پھر جب بن یمین کی جدائی کی خبر سنی تو اس وقت بھی اس کے سوا کچھ زبان سے نہ نکلا کہ "فصبر جمیل عسی الله ان یاتینی بھم جمیعا انه هو العلیم الحکیم" (آیت ۸۳). پھر باوجودیکہ بے خبر نہ تھے، علم و یقین کے ساتھ سمجھ چکے تھے کہ یوسف کے خلاف سازش کی گئی ہے، لیکن پوری سرگذشت میں کہیں کوئی اشارہ اس کا نہیں ملتا کہ دو باتوں سے زیادہ اس باب میں کچھ زبان سے نکلا ہو: ایك تو یہ کہ "بل سولت لکم انفسکم امرا" اور دوسرا وہ جو اس وقت زبان سے نکل گیا جب بھائیوں نے بن یمین کو ساتھ لے جانا چاہا: "هل اٰمنکم علیه الا کما اٰمنتکم علی اخیه من قبل" (آیت ٦٤). اور ان دو جملوں میں بھی نہ تو ملامت کی سختی ہے نہ شکایت کی تیزی، بلکہ =

= یہی وہ صبر ہے جسے "صبر جمیل" فرمایا۔

بظاہر خیال ہوتا ہے کہ یہ تینوں باتیں بیک وقت جمع نہیں ہوسکتیں۔ اگر صبر کامل ہے تو پھر درد و غم کی شدتیں کیوں ہوں؟ اور اگر یقین موجود تھا تو درد و غم کو محو ہو جانا چاہیے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مفسرین نے اس مقام میں مشکلات محسوس کیں اور طرح طرح کی توجیہوں کی جستجو میں نکلے۔ لیکن اگر دقت نظر سے کام لیا جائے تو معاملہ بالکل واضح ہے اور کسی ایسی توجیہ کی ضرورت نہیں جو بتکلف پیدا کی جائے۔ یہ ظاہر ہے کہ حضرت یعقوب کا مقام صبر کا مقام تھا اور صبر جبھی صبر ہوسکتا ہے جب بے صبری کے اسباب موجود ہوں اور زیادہ سے زیادہ موجود ہوں۔ اگر درد و غم کی ٹیس نہیں اٹھ رہی ہے تو تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ جھیلنے اور اُف نہ کرنے کی حالت موجود ہے؟ جھیلنا تو اسی کا جھیلنا ہوگا جو برابر آگ کی جلن محسوس کر رہا ہو، لیکن پھر بھی زبان سے اُف نہ نکالے۔ اگر حضرت یعقوب کا درد و غم اس طرح محو ہو جاتا کہ اس کی جلن باقی ہی نہ رہتی یا رہتی تو بہت دبی دبائی رہتی تو یہ مقام صبر کا مقام نہ ہوتا، موجبات غم سے متاثر نہ ہونے کا مقام ہوتا۔ اور ایسی =

= تم نفس کے دام میں پھنس گئے اور اس کے دھوکے سے بچ نہ سکے۔ پھر ساتھ ھی ان کے اس طرز عمل کے لیے معذرت کے پہلو کا بھی اعتراف ھے کہ طمع نفس میں آکر ایسا کر بیٹھے ھو اور انسان نفس کے ھاتھوں بے بس ھو جاتا ھے!

ایک ایسے صدمۂ جان کاہ میں جیسا کہ حضرت یعقوب کو نا گہاں پہنچا تھا اور کسی طرح کی بات کا زبان پر نہ آنا صرف اسی جملے کا نکلنا صبر کا کیسا عظیم الشان مظاھرہ ھے! یہ ممکن ھے کہ صدمے کے فوری تأثر کے بعد ایک ضابط اور متحمل آدمی اپنے دل و زبان کی نگرانی کر لے، لیکن عین اس وقت جب صدمے کی پہلی چوٹ لگ رھی ھو اور دل کی بے تابیاں بے اختیار زبان کی طرف اٹھنے لگی ھوں، ممکن نہیں کہ دل و زبان کی نگہداشت کی جاسکے۔ ضابط سے ضابط دل بھی اس عالم میں چیخ اٹھتا ھے، مضبوط سے مضبوط طبیعتیں بھی بے اختیار متزلزل ھو جاتی ھیں، لیکن حضرت یعقوب کا مقام صبر ایسا نہ تھا جو کسی حال میں بھی متزلزل ھو سکے۔ اس عالم میں بھی زبان کھلتی ھے تو ایسا سنبھلا ھوا جملہ نکلتا ھے گویا بے حالی و جاں کاھی کا کوئی معاملہ پیش ھی نہیں آیا ھے! =

= ساتھ ھی روح ایمان و یقین سے معمور ھے اور دماغ صبر جمیل کا عزم کرچکا ھے. پس غم کو دیکھا جائے تو وہ اپنی جگہ ھے، صبر و یقین کو دیکھا جائے تو وہ اپنی جگہ ھے. اگر دل اپنی بے قراریوں میں کبھی کمی نہیں کرتا تو دماغ بھی اپنے شیوۂ صبر و رضا میں کبھی متزلزل نہیں ھوسکتا. کبھی کبھی ایسا بھی ھوتا ھے کہ دل کی بے تابیاں حد سے گزر جاتی ھیں اور "یآ اسفٰی علیٰ یوسف" بے اختیار زبان سے نکل جاتا ھے. لیکن یہ بھی نکلتا ھے تو کس کے آگے نکلتا ھے؟ اس کے آگے جس کے آگے اپنا درد وغم پیش نہ کیجیے تو یہ بھی شان عبودیت کے خلاف ھے: "انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ و اعلم من اللہ ما لا تعلمون" (آیت ۸۶)

مکن تغافل ازیں بیشتر کہ می ترسم
گمان برند کہ ایں بندہ بے خداوند است

(ر) پھر حضرت یعقوب کے بعد حضرت یوسف (علیہما السلام) کی شخصیت نمایاں ھوتی ھے اور یہی سرگذشت کی اصلی شخصیت ھے. یہاں پہنچتے ھی ایک خاص حقیقت کی جلوہ نمائی شروع ھو جاتی ھے اور جس جس رخ سے دیکھیے اور جہاں کہیں دیکھیے اسی کی نمود سامنے آتی رھتی ھے، یعنی انسان کی سیرت (کیریکٹر = Character) کی فضیلت اور =

حضرت یوسف علیہ السلام

= حالت یا تو فرشتوں کی سی مخلوق کی ھوسکتی ھے ، یا ایسے انسان کی حس کے احساسات یك قلم معطل ھوچکے ھیں. لیکن حضرت یعقوب انسان تھے فرشتہ نہ تھے اور اسی حیثیت سے قرآن نے ان کا اسوۂ حسنہ پیش کیا ھے. ان کی روح صبر و یقین سے معمور تھی. وہ یوسف کے خواب میں اس کا مستقبل دیکھ چکے تھے . وہ جانتے تھے کہ کسی نہ کسی دن یہ جدائی ختم ھونے والی ھے . تا ھم دل کے ھاتھوں مجبور تھے . جس کی جدائی ایك گھڑی کے لیے شاق تھی وہ برسوں کے لیے ان سے جدا ھوگیا تھا . یہ جاننے پر بھی کہ وہ زندہ و سلامت موجود ھے ، اس کے فراق کا زخم بھر نہیں سکتا تھا . بلکہ اس بات کے تصور نے کہ وہ زندہ و موجود ھے مگر مجھ سے دور ھے ، درد فراق کی چبھن اور زیادہ کردی تھی .

بلائے ہجر دارد انتظار پیر کنعانی
کسے داند کہ چوں یوسف عزیزے درسفر دارد

فی الحقیقت اس صورت حال کی ساری عظمت اسی میں ھے کہ یہ ایك ماوراء انسانیت سیرت نمودار نہیں کرتی ، بلکہ (٥٦) ایك کامل انسانی سیرت سامنے لا کھڑا کرتی ھے. دل آتش فراق میں پھنکا جارھا ھے اور ھزار کوشش کی جائے لیکن یہ آگ اس طرح بجھنے والی نہیں ، لیکن =

= اچانك ایسا معلوم هوتا هے جیسے ایك تجربه کار دانش مند کی طرح اس نے صورت حال کا پورا جائزه لے لیا هو اور پهر فیصله کرلیا هو که جو حالت بهی پیش آجائے اسے صبر و سکون کے ساتھ جهیل لینا چاهیے اور اسی کے مطابق کام کیے جانا چاهیے. قافلے والوں نے اسے غلام کی حیثیت میں پیش کیا، وه ایك غلام کی طرح پیش هوگیا. عزیز مصر نے غلام کی طرح خرید کیا، اس نے غلام کی طرح اس کی خدمت شروع کردی اور اس کے ساتھ اسی طرح پیش آیا جس طرح ایك اطاعت شعار اور وفادار غلام کو اپنے آقا کے ساتھ پیش آنا چاهیے. کہیں سے بهی کوئی ایسی بات ٹپکتی نہیں که ایسا کرنے میں اسے کوئی تأمل هوا هو. گویا یه ناگهانی مصیبت جو هزاروں لاکهوں انسانوں کے لیے پوری زندگی کی سوگواری بن جاتی اس کے لیے کوئی مصیبت هی نه تهی. باپ کے آغوش محبت سے نکل کر اچانك ایك اجنبی ملك میں ایك اجنبی غلام بن جانا اس کے لیے ایسی هی بات هوئی جیسے اپنی مرضی سے زندگی کا ایك عیش چهوڑ کر دوسرا عیش اختیار کرلینا. نه پچهلی حالت کا ماتم هے، نه موجوده حالت سے جهجك، نه گزشته کی یاد میں سوگواری هوئی، نه آینده کے اندیشے میں بدحالی. اس=

= اس فضیلت کی اٹل کام رانیاں۔ ان کی سیرت کا مطالعہ ھمیں بتلاتا ھے کہ انسانی زندگی کی سب سے بڑی قوت اس کی سیرت کی فضیلت ھے اور اگر یہ فضیلت موجود ھو تو پھر اس کے لیے فتح و کام رانی کے سوا اور کچھ نہیں ھو سکتا۔ دنیا کی ساری رکاوٹیں اس کی راہ روک لیں جب بھی وہ اپنی راہ نکال لے گا۔ دنیا کے سارے سمندر اور پہاڑ اس کی راہ میں حائل ھو جائیں جب بھی اس کی رفتار نہیں رکے گی۔ حوادث و وقائع اس پر قابو نہیں پا سکتے۔ احوال و ظروف اس پر غالب نہیں آسکتے۔ افراد و جماعات کی کوششیں اسے مسخر نہیں کرسکتیں۔ اس کے لیے ھر حال میں کام رانی ھے۔ اس کے لیے ھر گوشے میں فتح مندی ھے۔ اس کے لیے ھر طاقت پر فرماں روائی ھے۔ وہ اعمال و نتائج کی اس امتحان گاہ میں صرف اسی لیے ھے کہ سر بلند ھو۔ عجز و درماندگی کی آلودگی کبھی اسے چھو نہیں سکتی!

سترہ برس کا ایک کم سن لڑکا باپ کی آغوش محبت سے جبراً چھین لیا جاتا ھے اور اچانک اپنے آپ کو کن لوگوں میں پاتا ھے؟ ان میں جو چند سکوں کے بدلے اسے غلام بنا کر بیچ رھے ھیں۔ دنیا کی بے شمار انسانی طبیعتیں ایسی حالت میں کیا کرتیں؟ مگر غور کرو اس نے کیا کیا؟ =

= بے داغ سیرت کس طرح فتح مندیوں پر فتح مندیاں حاصل کرتی گئی؟

سب سے پہلے عزیز مصر کے ساتھ ان کا معاملہ سامنے آتا ہے۔ اس نے بحیثیت غلام کے انہیں خرید کیا تھا اور مصر کے آثار و نقوش ہمیں بتلا رہے ہیں کہ مصریوں کا سلوك غلاموں کے ساتھ کیسا ہوا کرتا تھا۔ وہ غلاموں کے لیے اتنے ہی سنگ دل تھے جتنی سنگ دل دنیا کی تمام پرانی قومیں رہ چکی ہیں تاہم انھوں نے تھوڑے ہی عرصے کے اندر ایسے حسن سیرت سے اس کا دل ایسا مسخر کر لیا کہ غلامی کی جگہ آقائی کرنے لگے اور اس نے اپنی بیوی سے کہا: ''اکرمی مثواہ عسٰی ان ینفعنا او نتخذہ ولدا'' (آیت ۲۱)۔

غور کرو! یہ انقلاب حال کیوں کر پیدا ہوا ہوگا! وہ کیسی وفاداری و دیانت اور راست بازی و امانت شعاری ہوگی جس نے ایك مصری امیر کو اس درجہ متأثر کر دیا کہ ایك عبرانی غلام کو اپنے فرزند کی طرح چاہنے لگا اور اپنے تمام گھر بار اور علاقے کا مختار کل بنادیا!

پھر امرأۃ العزیز کا معاملہ رونما ہوتا ہے۔ پچھلی آزمایش ذہن و دماغ کی آزمایش تھی، یہ جذبات کی تھی اور انسان کے لیے سب سے بڑی آزمایش جذبات ہی کی آزمایش =

= عازم اور بے پروا ملاح کی طرح جسے نہ تو کنارہ چھوٹنے کا غم ستاتا ہے نہ آنے والے طوفان کا اندیشہ، اس نے اپنی کشتی چلانی شروع کر دی اور دیکھو! بالآخر ساحل مقصود تک پہنچ کر رہی۔ حوادث و انقلاب کے ترکش میں اس سے بڑھ کر اور کون تیر ہو سکتا ہے جو اس پر چلایا گیا تھا؟ لیکن اس کے صبر و عزم نے اسے پرکاہ کے برابر بھی نہ سمجھا اور اس طرح بے داغ نکل گیا گویا گردش حوادث کا ہاتھ اس کے خلاف اٹھا ہی نہ تھا:

چیں بر جبیں ز جنبش ہر حس نمی رسد
دریا دلاں چو موج گہر آرمیدہ اند

غور کرو! ہر اس انسان کے لیے جو دنیا کی مصیبتوں اور ناموافقتوں میں اپنی راہ نکالنا چاہتا ہو، اس معاملے میں کیسی عظیم الشان عبرت ہے! اگر حضرت یوسف نے مصائب و محن کی پہلی ہی منزل میں صبر، عزم، اعتماد نفس اور توکل علی اللہ کی یہ روح عظیم اپنے اندر نہ پیدا کرلی ہوتی تو کیا ممکن تھا کہ اس منزل مقصود تک پہنچ سکتے جو بالآخر ان کی منزل مقصود ثابت ہوئی؟

پھر دیکھو! زمانے کی گردشیں کس طرح آزمایشوں پر آزمایشیں پیدا کرتی رہیں اور ان کی غیر متزلزل اور =

=ہو گئے ۔ کوئی انسانی آنکھ دیکھنے والی نہیں ، کوئی پردۂ حجاب حائل نہیں ۔ کون ہے جو ایسی حالت میں بھی اپنے آپ کو قابو میں رکھ سکتا ہے؟ عفت و پاکی کا کونسا پہاڑ ہے جو ان بجلیوں کی تاب لا سکتا ہے؟ لیکن ایک پہاڑ تھا جسے یہ بجلیاں بھی نہ ہلا سکیں ۔ یہ حضرت یوسف کی سیرت تھی جو کسی حال میں بھی متزلزل نہیں ہو سکتی تھی ۔ خود امرأة العزیز کے لفظوں میں (اور اس سے بڑھ کر اس معاملے کا کون شاہد ہو سکتا ہے) ''و لقد راودته عن نفسه فاستعصم'' (آیت ۳۲) وہ اس حال میں بھی اپنی جگہ سے بے جگہ نہ ہوا ۔ اس کوہ عصمت کے لیے ذرا سی بھی جنبش نہ تھی!

پھر دیکھو! امرأة العزیز کی دعوت عیش کے جواب میں جو کچھ ان کی زبان سے نکلا وہ کیا تھا؟ ''معاذ الله انه ربی احسن مثوای'' (آیت ۲۳) تیرا شوہر میرا آقا ہے ۔ اس نے مجھ پر اعتماد کیا ، عزت و احترام کے ساتھ رکھا ۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کے حسن سلوک کا بدلا میں یہ دوں کہ اس کی امانت میں خیانت کرنے لگوں! غور کرو! یہ برائی ایسی برائی تھی کہ اسے برائی دکھلانے کے لیے کتنی ہی باتیں کہی جا سکتی تھیں ، لیکن ان کا دھن اسی بات کی طرف گیا اور اسی کو=

= ہوتی ہے. وہ سمندر کی موجوں سے ہراساں نہیں ہوتا، پہاڑ کی چٹانوں سے نہیں گھبراتا، آسمان کی بجلیوں سے نہیں لرزتا، درندوں کے مقابلے سے منہ نہیں موڑتا، تلواروں کے سائے میں کھیلنے لگتا ہے، لیکن نفس کی ایک چھوٹی سی ترغیب اور جذبات کی ایک ادنیٰ سی کشش کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتا. لیکن حضرت یوسف کی سیرت کی چٹان یہاں بھی متزلزل نہ ہو سکی. ان کی بے داغ فضیلت پر نفس انسانی کا سب سے بڑا فتنہ بھی دھبا نہ لگا سکا.

قرآن کی معجزانہ بلاغت نے چند لفظوں کے اندر صورت حال کی پوری تصویر کھینچ دی ہے اور اگر ان اشاروں کو تشریح و بیان کا پورا جامہ پہنایا جائے تو کئی صفحوں کی داستان بن جائے. تم چشم تصور سے کام لو اور دیکھو ترغیبات کی قہر و سلطانی کا کیا حال تھا اور عیش نفس کی یہ دعوت کیسے شکیب آزما سامانوں اور صبر ربا حالتوں کے ساتھ پیش آئی تھی! عمر عین عروج شباب کی عمر اور معاملہ محبت کا نہیں محبوبیت کا، طلب کا نہیں مطلوبیت کا! پھر طلب بھی ہوئی تو کیسی طلب! دیوانگی کی طلب اور دل باختگی کا تعاقب! پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ موانع بکلی مرتفع =

= لوگوں کو قید و بند کی مصیبت اس لیے برداشت کرنی پڑتی ھے کہ عیش حیات ڈھونڈھتے ھیں اور جب نہیں ملتا تو جبراً لینا چاھتے ھیں ۔ لیکن حضرت یوسف کو اس لیے قید خانے کی دھمکی دی جا رھی ھے کہ عیش حیات نے اپنی ساری دل فریبیوں اور رعنائیوں کے ساتھ انھیں دعوت دی ، انھوں نے اس سے منہ موڑ لیا !

یہ حضرت یوسف کی سیرت کا سب سے زیادہ عظیم الشان مظاھرہ ھے ، یہ عشق حق کا نمونہ ھے ، یہ پرستاریٔ صدق کا دستور العمل ھے ، یہ ایمان کامل کا معیار ھے ۔ جب ان کے سامنے دو باتیں پیش کی گئیں : زندگی کا عیش مگر معصیت حق کی راہ میں ، زندگی کے شدائد مگر راست باری کی راہ میں تو ان کا فیصلہ قطعی اور بغیر کسی تأمل کے یہ تھا کہ '' السجن احب الیّ مما یدعوننی الیہ '' (آیت ۳۳) قید خانہ مجھے محبوب ھے ، مگر وہ بات نہیں جس کی مجھے دعوت دی جا رھی ھے ۔

ھمارے مفسرین لکھتے ھیں کہ یہ حضرت یوسف کی بد شگونی تھی کہ خود قید خانے کی بات بول اٹھے ۔ اگر جلدی میں آکر ایسا نہ کہہ دیتے تو یہ ابتلاء پیش نہ آتی ۔ افسوس ، کس درجہ حقیقت فراموشی ھے ! حضرت یوسف کی جو بات ان کی پاکی و عظمت کا سب سے بڑا =

= قرآن نے بھی نمایاں کر کے دکھایا اس سے معلوم ہوا
کہ ان کی سیرت کا اصلی جوہر یہی ڈھونڈھنا چاہیے
امانت داری، راست بازی اور اداء فرض کی روح
اس طرح ان پر چھائی ہوئی تھی کہ ہر موقع پر سب سے
پہلے وہی سامنے آتی تھی .

پھر اس کے بعد لائمات کا معاملہ پیش آتا ہے . اب
صرف ایك امرأة العزیز ہی کا فتنہ نہ تھا، دار الحکومت
مصر کے تمام فتنہ گران حسن جمع ہو گئے تھے کہ ان کی
متاع ضبط و تحمل کی غارت گریوں میں حصہ لیں :

وائے برصید کہ یك باشد و صیادے چند

مگر یہاں بھی کیا نتیجہ نکلا؟ "و قلن حاش للہ ما ھذا
بشراً ان ھذا الا ملك کریم" (آیت ۳۱).

ہزار دام سے نکلا ہوں ایك جنبش میں
جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

پھر دیکھو! راست بازی و حق پرستی کی آزمایش
نے اچانك کیسی صورت اختیار کر لی! دنیا میں انسانوں
کو سزائیں اس لیے بھگتنی پڑتی ہیں کہ جرم و معصیت
سے اپنے کو نہیں روك سکتے، لیکن اب حضرت یوسف
کے سامنے قید کی سزا اس لیے لائی جا رہی ہے کہ
جرم و معصیت سے کیوں اپنے آپ کو روك رہے ہیں. =

= داعیہ ان کے قلب مبارک میں اٹھتا ہے۔ اس وقت تک انہوں نے مصر میں دین حق کی تبلیغ نہیں کی تھی اگرچہ خود اسی پر قائم تھے، لیکن اب وقت آ گیا تھا کہ خاندانی نبوت کا ان میں ظہور ہو، چنانچہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اب یکایک اپنے قلب کو ولولۂ تبلیغ سے معمور پایا۔ لیکن یہاں کون تھا جو اس تبلیغ کا مخاطب ہوتا؟ صرف قید خانے کے چند ساتھی تھے جو طرح طرح کے جرموں کی پاداش میں یہاں پہنچا دیے گئے تھے۔ مگر غور کرو! انہوں نے رہائی کا انتظار نہیں کیا۔ انہیں قیدیوں میں تبلیغ حق شروع کر دی اور اب مصر کا قید خانہ دعوت حق کی تعلیم و تربیت کی ایک درس گاہ بن گیا۔

پھر دیکھو! تبلیغ حق کے جوش و طلب کا کیا حال ہے؟ دو نئے قیدی آتے ہیں جو بادشاہ کے خاص پیش خدمتوں میں سے تھے اور اپنا اپنا خواب بیان کرتے ہیں۔ خواب سن کر حضرت یوسف معلوم کر لیتے ہیں کہ ایک کی رہائی قریب ہے، دوسرے کی موت قریب ہے۔ پس چاہتے ہیں کہ فرصت کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ کریں اور تعلیم حق سے انہیں آشنا کر دیں۔ ممکن ہے کہ جو رہا ہونے والا ہے وہ حق کا بیج اپنے ساتھ لے جائے اور دربار شاہی میں تخم ریزی کر سکے۔ جس کی موت قریب ہے =

= حو هر تھی ، وهی ان حقیقت نا آشناؤں کی نظر میں ان کی لغزش هو گئی. گویا حضرت یوسف کا قید حانے کو معصیت پر ترحیح دینا اور اسے خوشی خوشی اختیار کرلینا، کوئی ایسی بات تھی حو نه هونی چاهیے تھی اور صرف اس لیے هو گئی که حضرت یوسف نے بد شگونی کی بات کہہ دی تھی. غور کرو ا قرآن کہاں هے اور اس کے شارح کہاں پہنچ گئے هیں!

نزاوا بمکة فی قبائل هاشم
و نزلت بالبیداء ابعد منزل

پھر دیکھو! حضرت یوسف کی یہی سیرت هے حو قید خانے کی تنگ و تاریك کوٹھڑی کو بھی اسی طرح روشن کر دیتی هے حس طرح عزیز مصر کے ایوان عزت و اقبال کو اس نے روشن کر دیا تھا، کیوں که چراغ حہاں کہیں بھی رکھ دیا حائے روشنی هی دے گا اور هیرے کی چمك اس سے کم نہیں هو حائے گی که حواهر خانۂ شاهی میں رهنے کی حگه کوڑے کرکٹ میں ڈال دیا گیا. تورات کی تصریح پڑھ چکے هو که قید حانے کا افسر ان کا معتقد هو گیا تھا اور قید خانے میں انھیں کی افسری قائم هو گئی تھی.

پھر دیکھو! عین قیدخانے کی زندگی میں دعوت حق کا=

=پھر دیکھو ! معاملہ صرف اتنے ھی پر ختم نہیں ھو جاتا ، بلکہ حتی الوسع کوشش کرتے ھیں کہ جہاں تک پہنچا سکتے ھیں پہنچا دیں ۔ جونہیں یہ بات معلوم ھوئی کہ ان میں ایک آدمی پادشاہ کے ساقیوں کا سردار ھے اور پھر اسی منصب پر مامور ھونے والا ھے ، معًا ان کا ذھن اس طرف چلا گیا کہ ایسے آدمی کو جو خلوت و جلوت میں پادشاہ کے حضور رھنے والا ھے کتنا اچھا موقع حاصل ھوگا کہ پیام حق پادشاہ کے کانوں تک پہنچا دے ! چنانچہ تعبیر بیان کرنے کے بعد اس سے فرمایا : " اذکرنی عند ربك " (آیت ۴۲) اپنے آقا کے پاس جائیو تو مجھے یاد رکھیو ۔ یعنی میری یہ تعلیم و دعوت یاد رکھیو اور اپنے آقا سے بعنوان مناسب اس کا تذکرہ کردیجیو ۔ ممکن ھے کہ پیام حق کام کرجائے ۔

عام طور پر حضرت یوسف کے اس قول کا مطلب یہ سمجھا گیا ھے کہ انہوں نے اپنی رھائی کے لیے کہا تھا ، یعنی اپنے آقا سے میری سفارش کیجیو ۔ لیکن جس محل میں یہ بات کہی گئی ھے اس سے اس کی تائید نہیں ھوتی ۔ قیدیوں سے جو کچھ بھی ان کی گفتگو ھوئی ھے یا تو تعبیر کے بارے میں ھے یا دین حق کے بارے میں ھے ۔ اس کا کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا کہ انہوں نے اپنے قید ومحن کے مصائب کا کوئی ذکر کیا ھو ۔ پس اس بات کا وھی مطلب موزوں معلوم ھوتا ھے جو اوپر بیان =

= ممکن ھے کہ سچائی قبول کرلے اور دنیا سے جائے تو راہ حق پر جائے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ھیں انھوں نے خواب سنتے ھی اس کی تعبیر نہیں بتلادی، بلکہ ان کی توجہ و رجوع سے فائدہ اٹھا کر ایک دوسرا ھی بیان شروع کردیا:
"انی ترکت ملة قوم لا یؤمنون باللہ وھم بالاٰخرة ھم کٰفرون" (آیت ۳۷)۔

ان کی سیرت کے اس مقام سے ہم معلوم کرلے سکتے ھیں کہ دعوت حق کا فریضہ کیوں کر ادا کرنا چاھیے اور داعی حق کے جوش و طلب دعوت کا کیا حال ھوتا ھے۔ قید خانے کی زندگی بھی اداء فرض دعوت سے مانع نہ ھوئی۔ اس حالت میں بھی فکر اس کی نہ تھی کہ میں کیوں کر قید سے رھائی پاؤں، بلکہ تمام تر اس کی تھی کہ خدا کے بندے جہل و گم راھی سے کیوں کر نجات پائیں۔ مہلت جب کبھی ملی اور جس حال میں ملی معاً اسی مقصد کے لیے کام میں لائی گئی اور جس طرح اس آدمی کی ھدایت میں جلدی کی جو ابھی مدتوں زندہ رھنے والا تھا، اسی طرح اس کی ھدایت کے لیے بھی صبر نہ کرسکے جس کے سر پر اجل کی تلوار لٹک رھی تھی، کیوں کہ ھدایت پانا ھر انسان کا قدرتی حق ھے اور زندہ رھنے والا ھو یا مر رھا ھو اسے اس کا حق فوراً ملنا چاھیے۔ =

= کی دعوت شروع کر دی کہ : یٰصاحبی السجن ء ارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار " (آیت ۳۹)

پھر دیکھو! اس سیرت کی فضیلت کا کیسا عجیب منظر سامنے آجاتا ھے جب بادشاہ مصر خواب دیکھتا ھے اور سردار ساقی آکر یہ معاملہ انہیں سناتا ھے! دنیا کا ہر انسان ایسے موقع پر کیا کرتا؟ دنیا کا ہر وہ قیدی کیا کرتا جسے بغیر کسی جرم و گناہ کے قید خانے میں ڈال دیا گیا ھو اور سالہا سال سے اس حالت میں بے یار و مددگار پڑا ھو؟ یقیناً اسے تائید غیبی سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھانا چاھتا اور کہتا: میں یہ مشکل حل کر دے سکتا ہوں۔ مجھے یہاں سے نکلنے اور بادشاہ کے حضور حاضر ہونے کا موقع دیا جائے۔ مگر ہم دیکھتے ھیں حضرت یوسف کی جانب سے کوئی اس طرح کی خواہش ظاہر نہیں ہوئی۔ انہوں نے خواب سنتے ہی اس کی تعبیر بیان کر دی۔ اس کا خیال بھی انہیں نہیں گزرا کہ اپنی مطلب براری کی نہایت قیمتی بات تھوڑی دیر کے لیے بھی روک لوں۔ پھر صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ جتنی بات پوچھی گئی تھی بتلا دی، بلکہ اس سے بھی زیادہ علم و فضل کی بخشش سائل کے دامن میں ڈال دی۔ یعنی جواب میں ایک آنے والی =

= کیا گیا ہے ۔

یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ قیدیوں کا خواب سن کر آپ نے تعبیر فوراً کیوں بیان نہیں کر دی تھی ۔ مفسرین کہتے ہیں : تاخیر اس لیے کی کہ وحی کا انتظار تھا ۔ لیکن اگر آپ انتظار کی حالت میں ہوتے تو اس وثوق کے ساتھ کیوں کر وعدہ کر لیتے کہ " لا یاتیکما طعام ترزقنہ الا نباتکما بتاویلہ " (آیت ۳۷) . اور فیضان وحی سے تو آپ کا قلب معمور ہو رہا تھا ، تعبیر کے لیے انتظار کرنے کی کیوں ضرورت پیش آتی ؟ صاف بات یہی ہے کہ تاخیر قصداً کی تھی اور اس خیال سے کی تھی کہ تعبیر کی احتیاج نے ان دونوں کو میری طرف متوجہ کر دیا ہے ۔ چاہیے کہ اس توجہ سے فوراً فائدہ اٹھایا جائے اور دین حق کی دعوت چھیڑ دی جائے ۔ چنانچہ اس کا ذکر اس مناسبت سے شروع کر دیا کہ : " ذلکما مما علمنی ربی انی ترکت ملۃ قوم لا یؤمنون باللہ وھم بالآخرۃ ھم کٰفرون " (آیت ۳۷) یعنی خواب کی تعبیر میں بہت جلد بتلادوں گا ، کیوں کہ میرے پروردگار نے مجھے اس کا علم دیا ہے ۔ لیکن میرے علم کو اس طرح کا علم نہ سمجھنا جس طرح اپنے کاھنوں اور جادوگروں کا سمجھا کرتے ہو ۔ میری راہ دوسری ہے ۔ میں تمہارے طریقے پر کاربند نہیں ۔ پھر اس طرح بات میں سے بات نکالتے ہوئے دین حق =

= ذریعہ بنائیں ۔

پھر جب بادشاہ ملاقات کا مشتاق ہوا اور اپنا پیام بر بھیجا تو چاہیے تھا کہ خوش مسرت سے اس پیام کا استقبال کرتے، کیونکہ اب خود بخود رہائی سامنے آ گئی تھی اور ایسی حالت میں آئی تھی کہ بادشاہ وقت مشتاق زیارت ہو رہا تھا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت یوسف کی نگاہوں میں معاملے نے دوسری ہی شکل اختیار کی ۔ انھوں نے قید خانہ چھوڑنے اور بادشاہ کی ملاقات سے انکار کر دیا اور کہلایا کہ پہلے میرے معاملے کی تحقیقات کر لی جائے ۔

اب یہاں پھر بے اختیار یہی سوال سامنے آ جاتا ہے کہ دنیا کا ہر مظلوم قیدی ایسی حالت میں کیا کرتا اور اس پیکر صدق و صفا نے کیا کیا ؟ غور کرو ! ان کی سیرت کیسے جوہروں سے گوندھی گئی تھی اور کس طرح صبر و ضبط کی عدیم النظیر قوتوں کے ساتھ خودداری اور عزت نفس کی روح اس کے ایک ایک ذرے میں رچی ہوئی تھی ! حضرت یوسف کے اس انکار و انتظار میں ان کی اخلاقی ذہنیت کی ایک پوری دنیا پوشیدہ ہے ۔ گویا وہ زبان حال سے کہہ رہے تھے کہ قید سے رہائی بلا شبہ ایک خوش خبری ہے، لیکن ایسی رہائی =

= هول ناکی کی خبر دی گئی تھی. انھوں نے تعبیر کے ساتھ یہ بھی بتلا دیا کہ اس ہول ناك مصیبت سے بچنے کی سبیل کیا ہو سکتی ھے. سوال پادشاہ کی طرف سے تھا. لیکن دیکھو! جس نے جواب دیا وہ قید خانے کی کوٹھڑی میں بیٹھا ہوا اپنے علم و فضیلت کی بخشش میں پادشاھوں سے بھی زیادہ فیاض تھا:

عدیل همت ساقی است فطرت عرفی

که حاتم دگران و گدائے خویشتن است

حضرت یوسف نے ایسا کیوں کیا؟ اس لیے کہ دنیا نے ان کے ساتھ کچھ ھی کیا ہو، وہ دنیا کی خدمت و ھدایت کے سوا اور کوئی شے اپنے سامنے نہیں رکھ سکتے تھے. جب انھوں نے خواب سنا اور خواب کا حل ان کے علم و بصیرت نے معلوم کر لیا تھا تو وہ ایك لمحے کے لیے بھی علم و ھدایت کا فیضان انسانوں پر نہیں روك سکتے تھے. ان کا فرض تھا کہ جب کبھی طلب اعانت کا ھاتھ ان کے آگے بڑھے، وہ اس کی دست گیری کریں اور انھوں نے دست گیری کی. اگر نہ کرتے تو داعی حق نہ ہوتے. ان کا بے لوث جذبۂ خدمت اس خود غرضانہ مطلب براری کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا کہ ایك انسان کی مشکل اور احتیاج کو اپنی رھائی کا =

= ايك هى نظارے ميں بادشاه كا دل مسخر كر ليا تها:
" انك اليوم لدينا مكين امين " (آيت ٥٤) .

پهر سب سے آخر اس موقع كا مطالعه كرو جب حضرت يوسف كے بهائى ان كے سامنے آ كر كهڑے هوتے هيں . كون بهائى ؟ جنهوں نے قتل كا سامان كيا اور پهر غلام بنا كر اجنبيوں كے هاتھ بيچ ڈالا ! كس كے سامنے ؟ اسى مظلوم كے سامنے جو آج مظلوم نهيں هے ، بلكه وقت كى سب سے بڑى مملكت كا مالك اور قحط سالى كى سب سے بڑى مصيبت ميں سامان زندگى كا بخشنے والا هے ! كيسا عجيب موقع تها اور نفس انسانى كے ليے ولولۂ انتقام كى كيسى صبر آزما آزمايش ! تاهم غور كرو ! اول سے لے كر آخر تك حضرت يوسف كا طرز عمل كيسا رهتا هے ؟ كهيں بهى كوئى بات ايسى دكهائى ديتى هے كه كه سكو: بغض و انتقام كے جذبے كى كوئى هلكى سى بهى پرچهائيں پڑ رهى هے ؟ اتنا هى نهيں ، بلكه وه تو ان كے ليے سرتاپا شفقت و رحمت هو گئے تهے . انتقام و سرزنش كا كيا ذكر هے ، ان كى زبان سے تو ايك لفظ بهى ايسا نهيں نكلا جس سے بهائيوں كے دلوں كو ذرا سى بهى ٹهيس لگتى . صاف نظر آ رها هے كه ان كى شرمندگى و پشيمانى كا زخم ان سے كهيں زياده خود =

= مجھے کیا خوش کر سکتی ہے جو میری بے جرمی کی
وجہ سے ظہور میں نہ آ رہی ہو، بلکہ محض بادشاہ کا
ایک عطیہ اور بخشش ہو؟ میں تھا تو مجرم، لیکن چوں کہ
بادشاہ نے خواب دیکھا، کسی سے تعبیر بن نہ آئی،
میں نے بتلا دی، اس لیے خوش ہو کر بادشاہ نے رہا
کر دیا. پس یہ بادشاہ کا احسان ہوا، حق و انصاف کا
فیصلہ نہ ہوا. نہیں! میں اپنی رہائی بطور ایک احسان کے
قبول نہیں کر سکتا. اگر میں مجرم ہوں تو سزا کا
سزاوار ہوں. کیوں مجھے کوئی بخشے؟ اگر مجرم نہیں
ہوں تو میری بے جرمی کا اعتراف کرنا چاہیے اور
اس لیے رہا کرنا چاہیے کہ سزا کا مستحق نہ تھا، اس
لیے نہیں کہ کسی نے بخش دیا.

عزت نفس اور استقامت حق کا کیسا بلند مقام ہے؟
اور اخلاقی سیرت کی کیسی عجیب مضبوطی ہے جس
میں کہیں سے بھی کوئی لچک پڑتی دکھائی نہیں دیتی! جس
رخ سے دیکھو اور جہاں کہیں دیکھو اس کی بے داغ
خصوصیتیں یک ساں طور پر نمایاں ہیں اور اس سورج
کی روشنی کبھی مدھم نہیں پڑ سکتی:

کأنه علم فی رأسه نار (۵۷)

فی الحقیقت جمال یوسف کی یہی رعنائیاں تھیں جنھوں نے =

= نادانیوں کے زمانے کی ایک بات ہے اور دنیا میں کون ہے جس پر کوئی نہ کوئی زمانہ نادانیوں کا نہ گزرا ہو.

یہ سنتے ہی جب انہوں نے پہچان لیا اور عجز و ندامت کا سر جھکا کر بولے: " تاللہ لقد اٰثرك اللہ علینا و ان کنا لخٰطئین" (آیت ۹۱) تو بلا تأمل حواب ملا: "لا تثریب علیکم الیوم ؕ یغفر اللہ لکم ز و ھو ارحم الرّٰحمین" (آیت ۹۲) نہیں! آج کا دن بچھڑے ہووں کے ملنے اور ٹوٹے ہوے رشتوں کے جڑنے کا دن ہے، ملامت و الزام کی باتوں کا یہاں گزر نہیں. میرا دل تو ہر طرح کی رنجشوں سے صاف ہے. باقی رہا خدا کا معاملہ تو اس کے لیے بھی میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں. وہ تمہارے سارے قصور بخش دے اور وہ ضرور بخش دے گا، کیوں کہ اس سے بڑھ کر رحم کرنے والا اور کون ہے؟

پھر آگے چل کر حب وقت آیا کہ اللہ کے فضل و کرم کا شکر ادا کرتے ہوے گزرے ہوے واقعات کی طرف اشارہ کریں تو دیکھو، اس معاملے کی طرف کیوں کر اشارہ کرتے ہیں: " من بعد ان نزغ الشیطٰن بینی و بین اخوتی" (آیت ۱۰۰) جب ایسا ہوا تھا کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں اختلاف ڈال دیا تھا. یعنی اول تو اس معاملے کو شیطان کی طرف منسوب =

= ان کے دل پر لگ رہا ہے اور اب فکر ہے تو اس بات کی کہ کس طرح ان کے دلوں کے لیے تسکین خاطر کے سامان پیدا کر دیں۔

جب تیسری مرتبہ بھائی آئے اور اپنی مصیبتوں کی داستان سنائی: "مسنا و اهلنا الضر" اور پھر دست سؤال بڑھایا کہ "تصدق علینا ان اللہ یجزی المتصدقین" (آیت ۸۸) تو جوش محبت سے بے قرار ہوگئے۔ اس وقت ان کے سامنے اور کوئی بات نہ تھی، صرف یہ تھی کہ میرے بھائی فقر وفاقے میں مبتلا ہیں۔ میں مسند عزت پر بیٹھا ہوں اور وہ دریوزہ گروں کی طرح دست سؤال دراز کیے ہوے ہیں۔ بے اختیار ان کا جی چاہا کہ اپنے آپ کو ظاہر کر دیں "هل علمتم ما فعلتم بیوسف و اخیه" تمہیں وہ بات بھی یاد ہے جو یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کی تھی؟ کہنے کو تو یہ کہہ گئے اور یہ کہے بغیر چارہ بھی نہ تھا، کیوں کہ یاد دلانا تھا کہ میں مصر کیوں کر پہنچا، لیکن معاً خیال ہوا کہ اس معاملے کی یاد میں ان کے لیے سرتاسر سرزنش و خجالت ہے، اس لیے فوراً ایک ایسی بات بھی کہہ دی کہ ان کے لیے ایک معذرت کا پہلو نکل آئے اور شرمندگی کا بوجھ محسوس نہ کریں: "اذ انتم جٰهلون" (آیت ۸۹) یہ اس وقت کی بات ہے جب تمہاری نادانیوں کا زمانہ تھا۔ یعنی اس معاملے پر شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ=

مظلومی و بے چارگی کی حالت میں صبر کر لینا بلا شبہ ایک بڑائی ھے، لیکن طاقت و اختیار کی حالت میں بدلا نہ لینا اور بخش دینا سب سے بڑی بڑائی ھے: " و لمن صبر و غفر ان ذلك لمن عزم الامور" (۴۲ : ۴۳). اور اس سیرت کی عظمت میں دونوں مقام جمع ہو گئے. جب بے چارگی تھی تو اف تك نہ کی، جب طاقت ملی تو انتقام کا وھم و گمان بھی نہ گزرا اور بلا شبہ یہ اس زندگی کا سب سے بڑا اسوۂ حسنہ ھے!

سب کے آخر میں ان کی دعا نمایاں ہوتی ھے اور یہ فی الحقیقت ایک مرقع ھے جس میں ان کی سیرت کا ایک ایک حال و خط دیکھ لیا جاسکتا ھے. عظمت و کامرانی کے اس مقام پر پہنچ جانے کے بعد بھی جو صدا ان کے دل ودماغ سے نکل سکتی تھی، وہ یہی تھی کہ "فاطر السموٰت و الارض قف انت ولی فی الدنیا و الاٰخرۃ ج توفنی مسلما و الحقنی بالصٰلحین" (آیت ۱۰۱) یعنی زندگی کی ساری کامرانیوں کا آخری ماحصل جس کی طلب وآرزو سے کبھی دل خالی نہیں ہوسکتا، یہی ھے کہ اطاعت حق پر خاتمہ ہو اور الحاق ان کے ساتھ ہو جو تیرے صالح بندے ھیں.

(ح) حضرت یوسف کے بعد سرگذشت کی نمایاں =

ترجمان القرآن

= کر دیا که بهائیوں پر اس کا بوجھ نه پڑے. گویا یه شیطان کا ایك فتنه تها، ورنه میرے بهائی ایسا کیوں کرتے؟ پهر سارے معاملے کو محض ایك طرح کے اختلاف سے تعبیر کیا تاکه اصل واقعے کی شناعت کم هوجائے. پهر جتنا کچھ بهی هونا ظاهر کیا وه اس طریقے پر کیا که "مجھ میں اور میرے بهائیوں میں اختلاف پڑ گیا تها". گویا یه بهائیوں کا بلا وجه جور و ستم نه تها، کوئی ایسی بات تهی جیسے بهائیوں میں باهم دگر پیش آجایا کرتی هے اور دونوں جانبوں کو اختلاف کے وجوه میں دخل هوتا هے. یه نهیں کها جا سکتا که کسی ایك هی جانب کا قصور تها.

غور کرو! عفو و بخشش کا وه کیسا مقام هے! همت کا وه کیسا علو هے! طرف کی وه کیسی پهنائی هے! خلق کی وه کیسی عظمت هے جو دشمنی کرنے والوں کے ساتھ ایسا سلوك کر سکتی هے! اور حسن سیرت کا یه حال هو اس کے لیے فضیلت کی اور کونسی بات باقی ره گئی؟

شنیدم که مردان راه خدا
دل دشمناں هم نه کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام
که با دوستانت خلاف است وجنگ

= اس حالت نے دوسرا رنگ اختیار کیا۔ (۵۸) اب بھی اسے دنیا کے آگے اقرار محبت کرنے میں تو عار تھا، لیکن لائمات کے سامنے صاف صاف اقرار کرلیا ''ولقد راودته عن نفسه فاستعصم'' (آیت ۳۲)۔ ساتھ ھی محبت ابھی اس درجے تک نہیں پہنچی تھی کہ اپنے نفس کی کام جوئیوں پر محبوب کی مرضی کو ترجیح دیتی:

قبول خاطر معشوق شرط دیدارست
بحکم شوق تماشا مکن کہ بے ادبیست

اس لیے دھمکیاں دے کر رام کرنا چاھا: ''ولئن لم یفعل ما اٰمرہ لیسجنن ولیکوناً من الصّٰغرین'' (آیت ۳۲)۔

لیکن پھر جب وہ وقت آیا کہ عشق کی خامیاں پختگی و کمال تک پہنچ گئیں تو اب نہ تو ننگ و ناموس کی جھجک باقی رھی تھی، نہ زور و طاقت سے کام نکالنے کا گھمنڈ۔ جونہیں سنا کہ یوسف کے معاملے کی پوچھ گچھ ھو رھی ھے، بے پردہ اور صریح اعلان کردیا: ''الئٰن حصحص الحق؛ انا راودته عن نفسه وانه لمن الصّٰدقین'' (آیت ۵۱) (۵۹) وہ تو سرتاسر سچا ھے، جو کچھ بھی قصور تھا میرا تھا:

ھاں! ماننگ بلندست ایں، پوشیدہ نمی گویم

اب اقرار محبت میں نہ تو کسی طرح کا عار محسوس ھوتا تھا، نہ عشق کی ذلت و رسوائی رھی تھی۔ اب تو =

= شخصیت امرأۃ العزیز کی شخصیت ھے، کیوں کہ حضرت یوسف کی مصری زندگی کے حوادث میں بڑا حصہ اسی کا ھے. اس شخصیت میں ہم دیکھتے ھیں کہ عشق و ھوس کے مختلف مراتب یکے بعد دیگرے نمایاں ھوے ھیں اور قرآن حکیم نے ایک عجیب اسلوب بلاغت کے ساتھ انھیں ھر جگہ ابھارا ھے اور ھر مرتبے کی خصوصیت واضح کر دی ھے.

سب سے پہلے وہ موقع سامنے آتا ھے جب اس نے حضرت یوسف کو دعوت عیش دی اور ناکام رھی: ''ولقد همت به وهم بها لولا ان رأی برهان ربه'' (آیت ۲٤). اور جب پردہ فاش ھوگیا اور شوھر سامنے کھڑا نظر آیا تو اپنی ذلت و رسوائی برداشت نہ کرسکی، جھٹ اپنا جرم دوسرے کے سر ڈال دیا اور پھر کس دوسرے کے سر؟ اسی کے سر جس کی محبت و شیفتگی کی مدعی بنی تھی: ''قالت ما جزآء من اراد باهلك سوءًا الا ان یسجن اوعذاب الیم'' (آیت ۲۵). اس سے معلوم ھوا کہ محبت میں ابھی کچی تھی اور ھوس سے معاملہ آگے نہیں بڑھا تھا، کیوں کہ اگر محبت کامل ھوتی تو محبت کی راہ میں ذلت و رسوائی سے نہ ڈرتی اور خود اپنے محبوب کے سر جھوٹا الزام نہ لگاتی.

لیکن پھر جب کچھ دن گزر گئے تو معلوم ھوتا ھے =

= ہر بات کے مطلب اور مآل کا شناسا ہو جائے، معاملات کی تہ تک پہنچ جانا، امور و مہمات کے بھیدوں کا رمز شناس ہو جانا، ہر بات کی نبض پہچان لینی، ہر واقعے کا مطلب پالینا، کوئی بات کتنی ہی الجھی ہوئی ہو لیکن اس طرح سلجھا لینا کہ ساری باتوں کی کل ٹھیک بیٹھ جائے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا ظہور کنعان کے صحرا میں ہوا تھا اور ایک ایسے خاندان میں جو پشتہا پشت سے صحرا کی بدویانہ زندگی بسر کر رہا تھا۔ پیدایش سے لے کر عنفوان شباب تک اسی عالم میں زندگی بسر ہوئی، نہ تو کسی طرح کی خارجی تعلیم و تربیت کا موقع ملا، نہ شہری زندگی کے رسم و راہ سے آشنا ہوسکے۔ جب شہری زندگی ہی سے آشنا نہ تھے تو ظاہر ہے اجتماعی زندگی کی تمدنی خصوصیات سے کیوں کر باخبر ہوسکتے تھے؟ ملکی معاملات اور انتظامی مہمات کی تو ان کے کانوں میں بھنک بھی نہ پڑی ہوگی۔

بسا اوقات خاندان کے موروثی اثرات خارجی اثرات سے بے نیاز کر دیتے ہیں، لیکن حضرت یوسف کا خاندانی ورثہ نبوت تھا، شہر یاری و ملک داری نہ تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے توطن کنعان کے بعد =

= هر بات جو محبوب کی راہ میں پیش آئے، محبوب هی کی طرح محبوب هوگئی تهی:

اجد الملامة فی هواك لذیذة
حبا لذکرك فلیلمنی اللوم

محبت کی خامی و پختگی کے یہ مراتب قدرتی هیں اور عام هیں۔ جب کبهی اور جهاں کهیں بهی آئے گی ان تین حالتوں میں سے کوئی حالت ضرور هوگی:

خام بودم، پخته شدم، سوختم

تاویل الاحادیث

(ط) حضرت یوسف کے حالات میں جابجا "تاویل الاحادیث" کا لفظ آیا هے اور اس طرح آیا هے کہ معلوم هوتا هے یہ ایك علم تها جو اللہ نے انهیں سکها دیا تها۔ پس معلوم هونا چاهیے کہ اس علم سے مقصود کونسا علم هے؟

عربی میں "تاویل" کے معنیٰ کسی بات کے نتیجے اور مآل کار کے هیں اور باتوں کے مطلب و مقصد پر بهی اس کا اطلاق هوتا هے، چنانچہ سورۂ یونس کی آیت ۳۹ کے نوٹ میں اس کی تشریح گزر چکی هے۔ "احادیث" یعنی باتیں۔ پس "تاویل الاحادیث" کا مطلب یہ هوا کہ باتوں کا مطلب، نتیجہ اور مآل بوجھ لینے کا علم۔ یعنی انسان میں علم و بصیرت کی ایسی قوت کا پیدا هو جانا کہ=

= اس نے ان ساری باتوں کے لیے ایک ایسی ترکیب استعمال کی جو اداء مطلب کا قدرتی اور سیدھا سادا اسلوب ہو سکتا ہے، یعنی باتوں کے مطلب اور مآل پالینے کا علم. تعلیم کی ساری کاوشیں، تربیت ذہنی کی ساری محنتیں، تجربہ و اختبار کی ساری کوششیں کس غرض سے ہوتی ہیں؟ اسی لیے کہ باتوں کا مطلب و مآل بوجھ لینے کی استعداد پیدا ہو جائے. علم و دانش کا تمام تر حاصل و مقصود کیا ہے؟ یہی کہ باتوں کی کل بٹھانی آجائے. جس مطلب کے لیے ہم نے بے شمار علمی اصطلاحیں بنا لی ہیں قرآن نے اسی کو بغیر کسی پیچ و خم کے اس طرح کہہ دیا جو اداء مطلب کا ایک صاف اور قدرتی طریقہ ہو سکتا ہے اور یہ اس کی بلاغت کی معجزانہ خصوصیت ہے.

چوں کہ حضرت یوسف نے خواب کی تعبیریں بتلائی تھیں، اس لیے مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ یہ خواب کی سچی تعبیر معلوم کر لینے کا علم تھا. بلا شبہ خواب کی بات بھی "احادیث" میں داخل ہے اور اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ ایک گوشہ اس کا یہ بھی تھا. لیکن یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی کہ براہ راست علم تعبیر منام پر اس کا اطلاق ہوا ہو. یہ ظاہر ہے کہ خواب =

= سے تو شہری زندگی کا علاقہ بھی یک قلم مفقود ہوگیا تھا.

با این همه جب گردش حوادث نے انھیں مصر جیسی متمدن سر زمین میں پہنچادیا تو وہ نہ صرف اس کے نظم و نسق کے لیے سب سے بہتر حکمران ثابت ہوے، بلکہ ان کی کاردانی و حقائق فہمی نے مملکت کو اس کی سب سے بڑی ہولناک بربادی سے بچالیا اور ان کے فضل و کمال کے آگے سب نے سر جھکایا. خود پادشاہ وقت کو اپنے عجز و درماندگی کا اعتراف کرنا پڑا. ایک ایسے شخص میں جو ابھی چند سال ہوے صحرا کے ویرانوں سے نکل کر آیا تھا، یہ قوت علمی کیسے پیدا ہوگئی کہ تمام باتوں کا نبض شناس اور تمام معاملات و مہمات کی کل بٹھانے والا ہوگیا؟ یقیناً مبدأ فیاض کے کرشمۂ فیضان سے. لیکن اس کرشمۂ فیضان کا نام کیا ہے؟ علم "تاویل الاحادیث" کا سکھا دینا. اب جب کہ صناعی علوم کی تدوین اور فنی مصطلحات کی بناوٹوں نے ہمیں طرح طرح کی تعبیرات سکھادی ہیں، ہم اس طرح کے علم و بصیرت کے لیے بہت سے مصطلحہ الفاظ بولیں گے، لیکن قرآن کی زبان صناعی مصطلحات کی زبان نہیں ہے، نہ علمی مصطلحات سے اس وقت عربی زبان آشنا ہوئی تھی. =

= اگر تعبیر خواب ھی کی بات ہوتی تو وہ حصول نبوت کی بشارت میں آ گئی تھی ، خصوصیت کے ساتھ الگ کر کے نہ دکھائی جاتی .

علاوہ بریں ایک نبی کے لیے تعبیر خواب کا ملکہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں کہ خصوصیت کے ساتھ اسے اللہ کا ایک خاص عطیہ قرار دیا جاتا .

پھر اگر ان تینوں مقامات پر غور کیا جائے جہاں "تاویل احادیث" کا ذکر کیا گیا ھے تو یہ حقیقت اور زیادہ نمایاں ھو جاتی ھے ، لیکن اس کی تفصیل "البیان" میں ملے گی .

عزیز مصر کا اپنی بیوی کے ساتھ معاملہ

(ی) عزیز مصر کا اپنی بیوی کے ساتھ معاملہ مفسرین کے لیے ایک حیرت انگیز معاملہ رھا ھے اور بعض مجبور ہوئے ھیں کہ طرح طرح کی دورازکار توجیہیں کریں . وہ کہتے ھیں : اس پر اپنی بیوی کی بد چلنی بالکل واضح ھو گئی تھی ، اس نے صاف صاف کہ دیا تھا کہ " انه من کیدکن ان کیدکن عظیم " (آیت ۲۸) . لیکن پھر بھی ھم دیکھتے ھیں اس نے اس معاملے کو اس سے زیادہ اھمیت نہ دی کہ بیوی سے کہا : " استغفری لذنبك انك کنت من الخطئین (آیت ۲۹) اور پھر اسی طرح مختار و آزاد چھوڑ دیا جس طرح پہلے تھی . چنانچہ شہر کی =

= کی سچی تعبیر معلوم کر لیا نبوت کے عام خصائص
میں سے ہے اور ہر نبی وحی الٰہی سے مطلع ہو کر خواب
کی حقیقت معلوم کر لیتا ہے ۔ حود حضرت یعقوب نے
حضرت یوسف کا حواب سنتے ہی حقیقت معلوم
کر لی تھی اور حضرت دانیال اور عزرا و غیرہما کی
سرگذشتیں ہمیں معلوم ہیں پس اگر یہی بات مقصود
ہوتی تو اس کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ خصوصیت کے
ساتھ "تاویل الاحادیث" کا دکر کیا حاتا ۔ یہ نبوت کے
اعمال و خصائص میں سے تھی اور حب نبوت کا مقام
مل رہا تھا تو لازمی طور پر اس طرح کی تمام باتوں کی
قابلیت بھی مل رہی تھی ۔ لیکن حضرت یعقوب نے
حواب سن کر کہا : " وکذلك یجتبیك ربك و یعلمك من
تاویل الاحادیث و یتم نعمته علیك و علیٰ آل یعقوب کما
اتمها علیٰ ابویك من قبل " (آیت ۶) یعنی اللہ تجھے برگزیدگی
عطا ورمائے گا ، "تاویل الاحادیث" کا علم سکھائے گا اور
جس طرح تیرے بزرگوں پر اپنی نعمتیں پوری کر چکا ہے
اسی طرح تجھ پر اور آل یعقوب پر بھی کرے گا ۔ اس
بیان میں برگزیدگی سے مقصود امتیاز اور تفوق ہے اور
اتمام نعمت سے مقصود نبوت ہے ۔ پس "تاویل الاحادیث"
کی تعلیم سے مقصود کوئی تیسری چیز ہونی چاہیے ۔ =

= پیشتر لکھی گئی ھیں . اور یہ دونوں ذریعے اس بارے
میں متفق ھیں کہ اس عہد کی مصری معاشرت کی حالت
ٹھیک ٹھیک ویسے ھی تھی جس کی تصویر اس موقع پر
قرآن نے کھینچ دی ھے. یعنی امراء کے طبقے کی معاشرتی
اور ازدواجی حالت عامۃ الناس سے بالکل مختلف تھی .
ان کی عورتیں اپنے اعمال و تصرف میں بالکل آزاد
تھیں . مردوں کے دباؤ میں رھنا پسند نہیں کرتی تھیں .
ازدواجی زندگی میں پلہ انہیں کا بھاری رھتا . اخلاقی
حیثیت سے معاملے نے ایسی صورت اختیار کر لی تھی کہ
عصمت و بے عصمتی کا معاملہ عملاً غیر اھم ھو گیا تھا .
لوگ سب کچھ جانتے تھے اور پھر اسے ناگزیر حالت
سمجھ کر برداشت کر لیا کرتے تھے . گویا اس اعتبار
سے پندرہ سو سال قبل مسیح مصری سوسائٹی کا حال
ٹھیک ٹھیک ویسا ھی تھا جیسا ایک ھزار سال بعد رومۃ الکبری
کے دار الحکومت میں ھمیں دکھائی دیتا ھے اور جس کا
نمونہ خود جولیس سیزر (Julius Caesar) کی بیویوں کی
زندگی میں ھم دیکھ لے سکتے ھیں . انہیں شک و شبہ
سے اس لیے بالاتر کہا گیا تھا کہ شک و شبہ کا سب سے
بڑا محل انہیں کی زندگی تھی ! در اصل یونان اور روم کا
تمدن اور بہت سی باتوں کی طرح اس بات میں بھی =

= عورتوں کی دعوت، مجلس طرب کی آراستگی اور حضرت یوسف کی طلبی سب بعد کے واقعات ھیں۔ نیز اس کا اختیار و تصرف اس سے ظاھر ھے کہ قید کرنے کی دھمکی دیتی ھے اور اسے پورا کر کے دکھا دیتی ھے۔ گویا بیوی کی بد چلنی کوئی ایسی بات نہ تھی جو عزیز کو ''استغفری لذنبك'' کہنے سے زیادہ کسی سرزنش اور مخالفانہ اقدام پر آمادہ کرتی۔ کیوں کر ممکن ھے کہ ایك شریف اور معزز آدمی اس بارے میں اس قدر بے حس اور بے پروا واقع ھو؟

لیکن اگر مفسرین کے سامنے اس عہد کی مصری معاشرت کی تفصیلات ھوتیں تو اس معاملے پر انھیں ذرا بھی استغراب نہ ھوتا۔ انھوں نے دو ڈھائی ہزار پیشتر کی مصری معاشرت اور اس کے اخلاقی احساسات کو اپنے وقتوں کی معاشرت و احساسات پر قیاس کیا اور اسی کے مطابق توجیہات کے حاشیے تراشنے لگے۔

اس بارے میں ھمارے پاس معلومات حاصل کرنے کے دو ذریعے ھیں: ایك براہ راست اسی زمانے سے تعلق رکھتا ھے، دوسرا بعد کے عہدوں سے۔ پہلا اثریات مصر (اجپٹیالوجیا = Egypteology) سے ماخوذ ھے، دوسرا بعض یونانی تحریرات سے جو سنہ مسیحی سے کچھ عرصے =

= نکل جاتی . چرتر جو کچھ بھی کیا تھا اس کی بیوی نے کیا تھا ، تمام عورتوں نے نہیں کیا تھا . لیکن چوں کہ وقت کی معاشرتی زندگی عام طور پر ایسی ہی ہو رہی تھی ، اس لیے جب ایک عورت کا معاملہ سامنے آیا تو بے اختیار زبان سے نکل گیا : ''تم سب کا یہی حال ہے ، تمہارے مکرو فریب سے خدا کی پناہ'' .

پھر بعد کو جو معاملہ پیش آیا اس سے بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس بارے میں وقت کے نسوانی اخلاق کا معیار کیا تھا . شہر کی امیر زادیوں نے جونہیں یہ خبر سنی کہ ایک عبرانی غلام ایسا طرح دار ہے کہ امرأة العزیز جان دینے لگی ہے اور وہ قابو میں نہیں آتا تو بے اختیار اس سے ملنے کی مشتاق ہو گئیں . اور پھر جب مجلس ضیافت آراستہ ہوئی اور یوسف بلائے گئے تو کوئی نہ تھا جس نے اپنی دل ربائیوں اور شیوہ طرازیوں کے بے باکانہ تیروں سے انہیں چھلنی نہ کر دینا چاہا ہو . ظاہر ہے کہ سوسائٹی کی عورتوں کا اس طرح بے حجابانہ کھل کھیلنا اور بغیر کسی جھجك کے ایك پورے مجمع کا اظہار تعشق کرنا جبھی ہو سکتا ہے جب کہ لکھنؤ کی اصطلاح میں ''شوقینی'' وقت کا فیشن ہو گئی ہو اور شوقین عورتیں پوری طرح آزاد ہوں . (٦١) قدیم مصری =

= بابل اور مصر ھی کے نقش قدم پر چلا تھا ۔ (۶۰) آج بھی اس کا نمونہ لندن اور پیرس کے امراء کی زندگی میں دیکھ لیا جا سکتا ھے ۔ دونوں فریق ایک دوسرے کی حالت جانتے ھیں ، لیکن اس سے اغماض کرتے ھیں اور اپنی اپنی راہ چلتے رھتے ھیں ۔

مصر کی یہ حالت برابر رھی ۔ امرأۃ العزیز کے عہد سے لے کر کلیوپٹرا (Cleopatra) تک وہ صرف نسوانی حسن و جمال ھی میں نہیں ، بلکہ ازدواجی زندگی کی بے باکیوں اور مطلق العنانیوں میں بھی شہرۂ آفاق رھا ۔

خود اس سرگذشت میں بھی اس کی اندرونی شہادت موجود ھے ۔ عزیز پر جب معاملہ کھل گیا تو جو بات اس کی زبان پر بے اختیار آ گئی ، غور کرو! وہ کیا تھی؟ ''انہ من کیدکن ان کیدکن عظیم'' (آیت ۲۸) ھاں! معلوم ھو گیا یہ تم عورتوں کا چرتر ھے ۔ تم لوگوں کے چرتر بڑے ھی چرتر ھوتے ھیں! اس سے معلوم ھو گیا کہ اس وقت عورتوں کی نسبت سوسائٹی کے عام خیالات کیا تھے اور کس طرح یہ بات دلوں میں بیٹھی ھوئی تھی کہ مکر و فریب میں طاق ھیں ۔ ان کے فریب سے عہدہ برآ ھونا آسان نہیں ۔ اگر ایسا نہ ھوتا تو ممکن نہ تھا کہ اس موقع پر اس طرح کی بات بے اختیار عزیز کی زبان سے =

= کی گھاتیں نکالنے میں زیادہ ھشیار ھے ۔ چنانچہ عام طور پر ھمارے مفسروں نے اس کا ایسا ھی مطلب قرار دیا ھے اور پھر حسب عادت وجوہ و مباحث کی دور دراز وادیوں میں گم ھو گئے ھیں ۔ پہلے اسے عورتوں کی جنس کی نسبت قرآن کا عام و مطلق حکم قرار دیتے ھیں ، پھر حیرانی میں پڑتے ھیں کہ شیطان کے کید کو تو ضعیف کہا ھے : "ان کید الشیطان کان ضعیفاً"، عورتوں کا کید کیسے "عظیم" ھو گیا ؟ پھر توجیہوں کی وادیوں میں قدم اٹھاتے ھیں اور جہاں تک نکل جا سکتے ھیں نکل جاتے ھیں ۔ بعضوں کو ماں لینا پڑتا ھے کہ شیطان کے کید سے بھی عورتوں کا کید بڑا ھے ، کیونکہ آیت اس بارے میں نص قطعی ھے ۔ بعضوں کی دقیقہ سنجی اس پر مطمئن نہیں ھوتی ۔ وہ کہتے ھیں : نہیں ! علی الاطلاق نہیں ھو سکتا ۔ صرف حسی تعلقات کے معاملے میں ھے ۔ اس میدان میں مرد ان سے بازی نہیں لے جا سکتے ۔ حالانکہ نہ تو قرآن کا یہ حکم ھے ، نہ عزیز کا قول ایسے محل میں ھے کہ اطلاق و عموم کے یہ سوالات پیدا ھوں ۔ بحث و تفسیر کی یہ پوری عمارت بنیاد سے لے کر چوٹی تک بالکل بے اصل ھے ۔

بلا شبہ مردوں نے اپنی ظالمانہ خود غرضیوں سے =

= زندگی کی خصوصیت یونانی ڈراموں میں بار بار ابھری ہے کہ مرد گھروں میں بیٹھے کاتتے اور بنتے ہیں اور عورتیں باہر کا کام کرتی ہیں . چنانچہ سوفا کلیس (Sophocles) ایك ڈرامے میں اس کا حواله دیتا ہے .

پس عزیز کے طرز عمل کے لیے اس کے سوا اور کسی توجیه کی ضرورت نہیں که مصر کے ایك امیر کا طرز عمل تھا اور ایسا ہی ہونا تھا . اس نے بیوی کو ملامت کردی که قصور تیرا ہی ہے . یوسف سے کہا " اس بات کو اور آگے نه بڑھانا " اور معامله ختم ہو گیا . اس سے زیادہ نه تو وہ کچھ کر سکتا تھا اور نه وقت کے احساسات متقاضی تھے که کرے .

(ك) عزیز کے اس قول میں که " ان کیدکن عظیم " (آیت ۲۸) جو رائے ظاہر کی گئی ہے وہ ظاہر ہے که اپنے وقت اور اپنے شہر کی عورتوں کی نسبت ہے ، یه که دنیا جہان کی تمام عورتوں کے لیے . اور پھر جو کچھ بھی ہے عزیز کا قول ہے ، خود قرآن کا حکم نہیں ہے . لیکن افسوس ہے که لوگوں نے اس مقولے کا اس طرح استعمال شروع کر دیا گویا عورتوں کے جنسی اخلاق کے لیے یه قرآن کا فیصله ہے اور اس کے نزدیك عورتوں کی جنس مردوں کے مقابلے میں زیادہ مکار اور بے عصمتی =

تفسیر " ان کیدکن عظیم "

= فرمایا: "مسلمٰت مؤمنٰت قٰنتٰت تٰئبٰت عٰبدٰت سٰئحٰت (۶۶ : ۵) . منافقوں کا ذکر کیا تو صرف مردوں هی کا نہیں کیا، دونوں جنسوں کا کیا: المنٰفقون و المنٰفقات بعضهم من بعض یامرون بالمنکر و ینهون عن المعروف (۹ : ۶۷) . مومنوں کا ذکر کیا تو صرف مردوں هی کا نہیں کیا، دونوں کا کیا: "و المؤمنون و المؤمنٰت بعضهم اولیآء بعض یامرون بالمعروف و ینهون عن المنکر" (۹ : ۷۱) . مردوں اور عورتوں کی یه اخلاقی مساوات اس کا عام اسلوب هے . هر جگه تم دیکهوگے که وه دونوں کو ایك هی صف میں کهڑا کرتا، ایك هی درجے میں رکهتا اور ایك هی طرح پر ذکر و خطاب کرتا هے:

" ان المسلمین و المسلمٰت ، و المؤمنین و المؤمنٰت و القٰنتین و القٰنتٰت و الصّٰدقین و الصّٰدقٰت ، و الصّٰبرین والصّٰبرٰت والخٰشعین والخٰشعٰت والمتصدقین والمتصدقٰت والصائمین و الصّٰئمٰت و الحٰفظین فروجهم و الحٰفظٰت و الذّٰکرین الله کثیرًا و الذّٰکرٰت اعد الله لهم مغفرة واجرًا عظیمًا" (۳۳ : ۳۵) یعنی جس طرح مردوں میں مسلم و مومن هیں اسی طرح عورتوں میں بهی مسلمه و مومنه هیں، جس طرح مردوں میں قانت مرد هیں =

= عورتوں کے بارے میں ہمیشہ ایسے ہی فیصلے کئے ہیں. لیکن قرآن کا یہ فیصلہ نہیں ہے. اس نے ہر جگہ مرد اور عورت دونوں کا مساویانہ حیثیت سے ذکر کیا ہے اور فضائل و خصائل کے لحاظ سے وہ دونوں میں کسی طرح کی بھی تفریق نہیں کرتا. سورۂ نساء میں جہاں ازدواجی زندگی کے احکام کی تشریح ہے، وہاں صاف صاف تصریح کر دی ہے کہ فضائل و محاسن کے لحاظ سے دونوں یکساں طور پر اپنی اپنی راہیں رکھتے ہیں اور دونوں کے لیے ایک ہی طرح پر فضیلتوں کا دروازہ کھول دیا گیا ہے: "للرجال نصیب مما اکتسبوا ط و للنسآء نصیب مما اکتسبن ط و سئلوا الله من فضله ط ان الله کان بکل شیء علیما" (٤ : ٣٢). چنانچہ جس طرح وہ نیک مردوں کے فضائل و مدارج بتلاتا ہے اسی طرح نیک عورتوں کے بھی بتلاتا ہے اور جس طرح بد عمل مردوں کی برائیاں بتلائی ہیں اسی طرح بد عمل عورتوں کی بھی بتلائی ہیں. کہیں بھی دونوں میں کسی طرح کا امتیاز اس نے جائز نہیں رکھا ہے. مردوں کے لیے اگر فرمایا: "التائبون العٰبدون الحٰمدون السائحون الرّٰکعون السّٰجدون الاٰمرون بالمعروف و النٰاھون عن المنکر والحٰفظون لحدود الله" (٩ : ١١٢) تو عورتوں کے لیے بھی =

= کی جنسی پستی و بد اخلاقی کے لیے کتاب اللہ کا قطعی فیصلہ موجود ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر پاک بازی و عصمت کے لحاظ سے دونوں جنسوں میں تفریق ہی کرنی ہو تو ہر طرح کی نفس پرستیوں اور مکاریوں کی حیوانیت مرد کے حصے میں آئے گی اور ہر طرح کی پاکیوں اور عفتوں کی فرشتگی عورت کے لیے ثابت ہوگی۔ یہ مرد ہی ہے جس کی حیوانیت پر عورت کی فرشتگی شاق گزرتی ہے۔ وہ چاہتا ہے اسے بھی اپنی ہی طرح کا حیوان بنا دے، اس لیے اپنے "کید عظیم" کے سارے فتنے کام میں لاتا اور برائیوں کی ایک ایک راہ سے اسے آشنا کر کے چھوڑتا ہے۔ پھر جب وہ اس کے پیچھے قدم اٹھا دیتی ہے تو اس سے گردن موڑ لیتا ہے اور کہنے لگتا ہے "اس کا کید تو سب سے بڑا کید اور اس کی برائی تو سب سے بڑی برائی ہے۔" فی الحقیقت سب سے بڑا کید تو مرد ہی کا کید ہے جو پہلے اسے اپنی کام جوئیوں کا آلہ بناتا ہے اور جب بن جاتی ہے تو خود پاک بنتا اور ساری ناپاکیوں کا بوجھ اس معصوم کے سر ڈال دیتا ہے۔

دنیا میں کوئی عورت بری نہ ہوتی اگر مرد اسے =

= اسی طرح عورتوں میں بھی قانتہ عورتیں ہیں ، جس طرح مردوں میں صادق مرد ہیں اسی طرح عورتوں میں بھی صادقہ عورتیں ہیں ، جس طرح مردوں میں اللہ کا خوف رکھنے والے اور بکثرت اس کا ذکر کرنے والے ہیں اسی طرح عورتوں میں بھی اللہ کا خوف رکھنے والیاں اور بکثرت ذکر کرنے والیاں ہیں اور پھر جس طرح مردوں میں ایسے پاک باز ہیں کہ نفسانی خواہشوں کے غلبے سے اپنی حفاظت کرتے ہیں اسی طرح عورتوں میں بھی ایسی پاک باز ہستیاں ہیں جو اپنی حفاظت سے کبھی غافل نہیں ہوتیں۔ غور کرو! کسی وصف میں بھی تفریق نہیں ، کسی فضیلت میں بھی امتیاز نہیں ، کسی بڑائی میں بھی عدم مساوات نہیں ، پھر کیا ممکن ہے کہ جس قرآن نے مردوں اور عورتوں کی اخلاقی مساوات اس درجہ ملحوظ رکھی ہو ، اسی قرآن کا یہ فیصلہ ہو کہ عورتوں کی جنس مردوں کے مقابلے میں زیادہ بد اخلاق ہے اور مرد بڑے پاک باز ہوتے ہیں ، مگر بد بخت عورتیں نفس پرست اور مکار ہیں ؟ تفسیر قرآن کی تاریخ کی یہ کیسی بوالعجبی ہے کہ ایک مصری بت پرست کے قول کو اللہ کا فرمان سمجھ لیا گیا اور اس سے اس طرح استدلال کیا جا رہا ہے گویا عورتوں =

= ڈگمگا دیے اور دونوں کے نکلنے کا باعث ہوا۔ یعنی جو لغزش ہوئی اس میں یکساں طور پر دونوں کا حصہ تھا۔ یہ بات نہ تھی کہ کسی ایک پر دوسرے سے زیادہ ذمے داری ہو۔

بہر حال یہ بات یاد رہے کہ سورۂ یوسف کی اس آیت سے جو استدلال کیا جارہا ہے وہ قطعاً بے اصل ہے اور جہاں تک عورتوں کے جنسی اخلاق کا تعلق ہے قرآن میں کہیں کوئی ایسی بات موجود نہیں جس سے مترشح ہوتا ہو کہ عورت کی جنس مرد سے فروتر ہے یا بے عصمتی کی راہوں میں زیادہ مکار اور شاطر ہے۔

امرأة العزیز کا نام

(ل) تورات میں ہے کہ مصر کے جس امیر نے حضرت یوسف کو خریدا تھا، اس کا نام فوطی فار (Poti phar) تھا (پیدایش ۳۷ : ۳۶)۔ لیکن اس کی بیوی کا نام نہیں لکھا ہے۔ نہیں معلوم ہمارے مفسرین نے کہاں سے یہ بات معلوم کرلی ہے کہ اس کا نام زلیخا تھا!

بہر حال اس کی کوئی قابل اعتنا اصلیت پائی نہیں جاتی۔ البتہ مفسرین کا یہ بیان بالکل صحیح ہے کہ اس وقت مصر کا حکم ران خاندان عمالقہ میں سے تھا۔ یہ عمالقہ وہی ہیں =

= برا بننے پر مجبور نہ کرتا۔ عورت کی برائی کتنی ھی سخت اور مکروہ صورت میں نمایاں ھوتی ھو، لیکن اگر جستجو کروگے تو تم میں ھمیشہ مرد ھی کا ھاتھ دکھائی دے گا اور اگر اس کا ھاتھ نظر نہ آئے تو ان برائیوں کا ھاتھ ضرور نظر آئے گا جو کسی نہ کسی شکل میں اسی کی پیدا کی ھوئی ھیں۔

تورات میں ھے کہ شجر ممنوعہ کے پھل کھانے کی ترغیب آدم کو حوا نے دی تھی، اس لیے نافرمانی کا پہلا قدم جو انسان نے اٹھایا وہ عورت کا تھا۔ اسی بنا پر یہودیوں اور عیسائیوں میں یہ اعتقاد پیدا ھوگیا کہ عورت کی خلقت میں مرد سے زیادہ برائی اور نافرمانی ھے اور وھی مرد کو سیدھی راہ سے بھٹکانے والی ھے۔ لیکن قرآن نے اس قصے کی کہیں بھی تصدیق نہیں کی، بلکہ ھر جگہ اس معاملے کو آدم اور حوا دونوں کی طرف منسوب کیا۔ انہیں جو حکم دیا گیا تھا وہ بھی یکساں طور پر دونوں کے لیے تھا: " ولا تقربا ھذہ الشجرۃ فتکونا من الظلمین (۲ : ۳۵)۔ اور لغزش بھی ھوئی تو ایک ھی طرح پر دونوں سے ھوئی: " فازلھما الشیطٰن عنھا فاخرجھما مما کانا فیہ" (۲ : ۳۶) شیطان نے دونوں کے قدم =

= حب چار سو برس بعد حضرت موسٰی علیہ السلام کا ظہور
ہوا اور وہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے نکلے
تو انہوں نے حضرت یوسف کی نعش بھی اپنے ساتھ
لے لی تھی۔ اس طرح حضرت یوسف کی وصیت کی تعمیل
ظہور میں آگئی۔

(ن) سورۂ یوسف کے بصائر و حکم کی طرح اس کے
مباحث و مسائل کا دائرہ بھی بہت وسیع ھے، ایک مزید
تفصیل کی یہاں گنجایش نہیں۔

= جنھیں مصر کی تاریخ میں ھیکسوس (Hyksos) کے نام
سے تعبیر کیا گیا ھے اور جن کی اصلیت یہ بتائی گئی ھے
کہ چرواھوں کی ایک قوم تھی ۔ یہ چرواھوں کی قوم
مصر میں کہاں سے آئی تھی؟ جدید تحقیقات سے معلوم ھوتا
ھے کہ عرب سے آئی تھی اور یہ در اصل عربی قبائل عاربہ
ھی کی ایک شاخ تھی ۔ قدیم قبطی اور عربی زبان کی
مشابہت ان کے عرب ھونے کی ایک مزید دلیل ھے ۔

(م) تورات سے معلوم ھوتا ھے کہ حضرت یوسف
زندگی بھر مصر کے حکم ران و مختار رھے اور جب ان
کا آخری وقت آیا تو اپنے بھائیوں اور اپنی اولاد سے
کہا: ''ایک وقت آئے گا جب خدا تمھیں پھر اسی سرزمین
کنعان میں لے جائے گا جس کا ابراھیم، اسحاق اور
یعقوب سے اس نے وعدہ کیا ھے ۔ تو جب وہ وقت آئے
تم میری ھڈیاں اپنے ساتھ لے جانا اور میرے بزرگوں
کے پاس دفن کردینا ''. چنانچہ ان کے خاندان کے لوگوں نے
ان کی نعش میں خوش بو بھری اور ایک صندوق میں محفوظ
کردی (پیدایش ۵۰: ۲۴ تا ۲۶) ۔

خوش بو بھرنے کا غالباً مطلب یہ ھے کہ مصریوں کے
طریقے کے مطابق ممی (Mummy) کرکے رکھی گئی تھی ۔ =

حضرت یوسف کا انتقال

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
		کوئی نہیں تو معبود بھی اس کے سوا اور کسی کو نہیں بنانا چاہیے۔
۷	٤٨	" لیدرکم " کا ترجمہ چھوٹ گیا تھا جو لکھ دیا گیا (م)۔
۸	۷۰	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں یہ عبارت زیادہ ہے: تب کہیں جا کر پھٹنے کے قابل ہوتا ہے۔
۹	۷۱	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں یہ عبارت زیادہ ہے: کہ کوئی غیر معمولی بات ہونے والی ہے۔
۱۰	۸۷	عربی میں "قمل" جوؤں کو بھی کہتے ہیں اور چھوٹی مکھیوں کو بھی۔ اگر تورات میں جوؤں کا ذکر نہ ہوتا تو ہم یہاں ترجمے میں " مکھیاں " لکھتے کہ انسانی ہلاکت کے لیے زیادہ مؤثر و قطعی ہیں۔
۱۱	۹۱	یعنی فلسطین اور شام کا ملک جو مصر کے پورب میں واقع ہے، اور اس کے مغربی حصوں کا ملک یعنی جزیرہ نمائے سیناء جو فلسطین کے پچھم میں ہے۔ یہ تمام علاقہ اس وقت مصری شاہنشاہی کا خراج گزار تھا۔
۱۲	۹۲	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں اس طرح ہے:

حواشی ترجمان القرآن ج-۳

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
۱	۲	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں ترجمہ اس طرح ہے: اور خدا کو چھوڑ کر۔
۲	٤	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں اس طرح ہے: فرض رسالت ادا کیا یا نہیں؟
۳	»	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں ترجمہ اس طرح ہے اور ہم غائب نہ تھے (کہ بے خبر ہوں)۔
٤	٥	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں اس طرح ہے: ایک میزان مقرر کر دیا ہے جس کی تول میں۔
٥	۱۱	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں اس طرح ہے: پھر اس کی صورت بنی۔
٦	۳۸	"توحید الوہیت" یعنی خدا کے سوا کوئی ہستی اس کی مستحق نہیں کہ معبود بنائی جائے۔ "توحید ربوبیت" یعنی کائنات کی پیدا کرنے والی اور پرورش کرنے والی ہستی صرف خدا ہی کی ہستی ہے۔ قرآن کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ توحید ربوبیت سے توحید الوہیت پر استدلال کرتا ہے، یعنی جب خالق و رب اس کے سوا

حاشیه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشیه
		اس کے آگے آگے چلی جارہی ہے. چوں که دور افق پر دھویں کی نمود بادل کی طرح ہوتی ہے، اس لیے تورات میں اسے بادل کے ستون سے تعبیر کیا.
		اس آیت میں "انظر الی الجبل" سے مقصود یہی آتش فشانی کا معاملہ ہے. اس وقت اندر کا لاوا بھڑکنے والا اور تمام پہاڑ کو ہلادینے والا تھا. فرمایا: قدرت الٰہی کی کارفرمائیوں کا یہ معمولی سا کرشمہ ہے لیکن اگر تیرے وجود خاکی میں اتنی بھی تاب نہیں که یه منظر برداشت کرسکے تو ظاہر ہے حقیقت کے بے پردہ جلوے کا تو کیوں کر متحمل ہوسکتا ہے!
		سنه ۱۸۸۳ء میں جزیرۂ "کراکاٹو" کے پہاڑ "راکاٹا" میں آتش فشاں مواد پھوٹا تھا تو اس کی گڑگڑاہٹ کی آواز تیرہ سو میل تک سنی گئی تھی اور جاوا کے باشندے ہول اور دہشت سے بے ہوش ہوگئے تھے. جب ایسا ہی معاملہ حضرت موسیٰ کے سامنے گزرا تو ظاہر ہے

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
		حالانکہ وہی ہے جس نے تمہیں دنیا کی قوموں پر فضیلت دی ہے .
۱۳	۹۶	سیناء کی چٹانوں کے معاینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی زمانے میں آتش فشاں پہاڑ تھا . تورات کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کے عہد میں اس کا آتش فشانی مواد پوری طرح مشتعل تھا دن کو اس کی چوٹی سے دھویں کی ایک لٹ اٹھتی ہوئی دکھائی دیتی تھی ، رات کو شعلے بھڑکتے رہتے تھے . بنی اسرائیل جب مصر سے نکلے تو اس معاملے نے ان کی رہنمائی کی . ان کا رخ پورب یعنی ٹھیک کوہ سیناء کی طرف تھا . پس دن کے وقت اس کی چوٹی کی طرف نگاہ رکھتے ہوئے چلتے اور رات کو اس کے شعلوں کی روشنی دیکھتے رہتے . اس صورت حال کو یوں تعبیر کیا گیا ہے کہ دن کے وقت دھویں کا ایک ستون ان کے آگے آگے چلتا تھا اور رات کو روشنی کا ستون (خروج ۱۳ : ۲۱) . ذرا بلندی پر کوئی نمایاں چیز ہو اور مسافر اس پر نظر رکھ کر چلے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ چیز بھی

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
		تھی (خروج ۱۱ : ۶). "حوریب" سے مقصود وہ سلسلۂ کوہ ہے جو وادی بلحاء میں واقع ہے.
۲۱	۱۱۸	غالباً یہ وہ شہر تھا جسے تورات میں یریحو کہا گیا ہے اور جو یردن پار سر زمین کنعان کی پہلی آبادی تھی جس کے حصول کی بنی اسرائیل کو بشارت دی گئی تھی (گنتی ۲۲ : ۱).
۲۲	"	"حطة" عبرانی میں کلمۂ استغفار ہے، یعنی خدایا ! گناہوں سے پاک کر دے.
۲۳	۱۲۲	اصل آیت میں "بعذاب بئیس" ہے. "بئیس" "بأس" سے بھی ہوسکتا ہے جس کے معنی شدت کے ہیں اور "بؤس" سے بھی جس کے معنی فقر و فاقہ اور انتہاء محرومی کے ہیں. ہم نے دوسرے معنی کو ترجیح دی، کیونکہ آگے چل کر "خٰسئین" کا لفظ آیا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے عذاب کی نوعیت ایسی تھی کہ ذلیل و خوار کرنے والا تھا.
۲۴	۱۲۷	عربی میں "نتقنا" کے معنی "رفعنا" کے بھی ہوسکتے ہیں اور "زلزلنا" کے بھی : "نتق السقاء اذا هزه ونفضه ليخرج منه الزبدة". ہم نے

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
		کہ طبیعت بشری اس کی متحمل نہ ہو سکی اور آپ بے ہوش ہو گئے ۔
۱٤	۹٦	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں اس طرح ہے : تیرے لیے ہر طرح کی تقدیس ہو ۔
۱۵	"	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں اس طرح ہے : ان میں پہلا شخص ہوں گا جو (اس حقیقت پر) یقین رکھتے ہیں ۔
۱٦	۹۹	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں جملے کا یہ حصہ نہیں ہے : اور ایک پوری دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) اس سے نکالنی چاہی ۔
۱۷	۱۰۱	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں جملے کا یہ حصہ نہیں ہے : اس نے کسی کو اندھے پن پر مجبور نہیں کیا ۔
۱۸	۱۱۳	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں جملے کا یہ حصہ نہیں ہے : اس کی راتیں بھی دن کی طرح روشن ہیں ۔
۱۹	۱۱۵	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں جملے کا یہ حصہ نہیں ہے : خواہ کسی زمانے اور کسی ملک میں آئی ہو ۔
۲۰	۱۱۷	تورات میں ہے کہ یہ چٹان جبل حوریب میں

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
۳۲	۲۱۲	اس آیت کا صحیح ترجمہ یہی ھے ، اگرچہ بصرہ کے ائمۂ نحو اس کے خلاف گئے ھیں ، وما کان سیبویہ نبی النحو و لا معصوما .
۳۳	۲۱۵	"حتی یثخن فی الارض" ای حتی یغلب فی الارض (بخاری). و قال ابن عباس : حتی یظھر علی الارض .
۳۴	۲۴۴	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں یہ جملہ اس طرح ھے . کوئی مشرك خانہ کعبہ میں قدم نہ رکھ سکے گا .
۳۵	۲۸۱	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں یہ عبارت بھی ھے "کے اسلوب بیان پر غور کرو کیسے دل کش اور پر محبت انداز".
۳۶	۳۰۷	" ذلك ھو الفوز العظیم " کا ترجمہ چھوٹ گیا تھا جو لکھ دیا گیا (م) .
۳۷	۳۳۰	"ابو زرارہ بن مصعب" دونوں اڈیشن میں اسی طرح ھے ، لیکن صحیح "مصعب بن عمیر" ھے (ابن ھشام ص ۷۶ ج ۲) . "ابو زرارہ" در حقیقت "مصعب بن سعد بن ابی وقاص" کی کنیت ھے (تھذیب التھذیب ص ۱۶۰ ج ۱۰) (م).
۳۸	۳۴۹	سورۂ آل عمران کی آیت ۱۹۱ کا نوٹ دیکھنا چاھیے ، نیز اعراف آیت ۱۸۵ .
۳۹	۳۵۱	نکل کھڑے ھو ، سروسامان سے ھلکے ھو یا بوجھل .
۴۰	«	حج کی سواریاں دنیا کی ھر دور و دراز مسافت

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
		دوسرے معنی کو ترجیح دی ہے ۔
۲۵	۱٤۱	پہلے اڈیشن میں "اس بات کا علم تو اللہ ہی کو ہے" کی جگہ اس طرح ہے "حقیقت حال اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ صرف خدا ہی یہ بات جانتا ہے" ۔
۲٦	۱٤٥	"فغشاھا" کے معنی یہ ہیں کہ "جب وہ ڈھانپ لیتا ہے" اور یہ عربی میں اس بات کے لیے کنایہ ہے جسے ہم نے اردو میں جھکنے سے ادا کیا ہے ۔
۲۷	۱۵۱	قرآن کا یہ عام اسلوب بیان یاد رہے کہ خطاب پیغمبر سے ہوتا ہے اور مقصود اس کے پیرو ہوتے ہیں ، چنانچہ بعد کی آیات نے یہ بات واضح کردی ہے ۔
۲۸	۱۵۹	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں جملے کا یہ حصہ نہیں ہے : پس "الایمان لا یزید ولا ینقص" والی بات چل نہیں سکتی ۔
۲۹	۱۸٦	کتاب التفسیر ، سورۂ انفال (م) ۔
۳۰	۱۹۱	یعنی جنگ بدر کے دن ۔
۳۱	۲۰٤	ص ۱٤۷ ، الجزء الثانی ، مطبع مصطفی البابی ، مصر (م) ۔

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
		یعنی فارسی لفظ " گریت " سے معرب ہوا ہے . اس بارے میں مولانا شبلی نعمانی نے جو کچھ لکھا ہے وہ زمانۂ حال کی نہایت قیمتی اسلامی تحقیقات میں سے ہے .
٤٧	٣٩٥	جیوش انسائیکلوپیڈیا (Jewish Encyclopaedia) اسم عزرا . انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں بھی وہ مقالہ دیکھنا چاہیے جو عزرا کے حالات پر ہے .
٤٨	٣٩٧	دیوان ابن ہانی مع شرح ڈاکٹر زاہد علی ص ٣٦٥ ، طبع مصر ، سنہ ١٣٥٢ (م) .
٤٩	٤٠٠	لوتھر پر پوپ کی طرف سے جو الزام لگائے گئے تھے ان میں ایک الزام یہ بھی تھا کہ وہ اسلام کا پیرو ہو گیا ہے اور یہ کہ قرآن کے مطالعے سے اس میں یہ گمراہی پیدا ہوئی (اڈورڈس ہسٹری آف دی رفارم - باب سوم) (Edward'sHistory of the Reform, Chapter III)
٥٠	٤١٩	فقہاء و مفسرین کا ایک گروہ اسی طرف گیا ہے اور بعضوں نے تو اسے اس درجہ عام کر دیا کہ مسجد، کنواں، پل اور تمام اس طرح کی تعمیرات خیر یہ بھی اس میں داخل کر دیں . "و قیل ان اللفظ عام فلا یجوز قصره علی نوع خاص و یدخل فیہ جمیع وجوه الخیر من تکفین الموتی و بناء الجسور

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
		طے کرتی ہوئی آئیں گی ۔
٤١	۳٥۲	کیا انھوں نے ملکوں کی سیر نہیں کی کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے پچھلی قوموں کا خاتمہ کس طرح ہوا اور کیسی حالتوں میں ؟
٤۲	"	اور آسمان و زمین میں قدرت الٰہی کی کتنی ہی نشانیاں ہیں کہ لوگ ان پر سے گزر جاتے ہیں اور گردن اٹھا کر دیکھتے نہیں ۔
٤۳	"	اور تمھارے لیے کوئی گناہ کی بات نہیں اگر تم (اس موقع پر) اللہ کا فضل بھی حاصل کرنا چاہو (یعنی تجارت کرو) ۔
٤٤	۳۷۹	''عرش'' یعنی تخت شاہی ۔ دیکھو سورۂ اعراف آیت ٥٤ کا نوٹ ۔
٤٥	۳۸۹	امام شافعی نے کتاب الام میں تصریح کی ہے : سمعت عددا من اهل العلم يقولون " الصغار'' ان يجرى عليهم حكم الاسلام ۔ یعنی میں نے متعدد اہل علم سے سنا ہے کہ ''وهم صغرون'' کا مطلب یہ ہے کہ ان پر اسلامی حکومت کے قوانین جاری ہو جائیں ، یعنی وہ اسلامی حکومت کے قوانین کے آگے جھک جائیں ۔
٤٦	"	خود ''جزیہ'' کا لفظ بھی ایران کی پیداوار ہے ۔

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
		میں قرآن و سنت کی روح پیش نظر ہوتی تو معاملہ بالکل واضح تھا۔ بہرحال یہ محل اطناب نہیں۔
۵۲	۴۳۸	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں مندرجۂ ذیل جملہ بھی ہے: مثلاً وسائل دولت تمام تر قومی ملکیت ہوجائیں، انفرادی قبضہ باقی نہ رہے اور جسمانی و دماغی استعداد کے اختلاف سے معیشت کا مختلف ہونا بناء حق تسلیم نہ کیا جائے۔
۵۳	۴۳۹	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں مندرجۂ ذیل عبارت بھی ہے: جس بات کے لیے ساعی ہے وہ دوسری ہے۔ دونوں کا مقصد یہ ہے کہ انسانی اکثریت کی شقاوت دور کی جائے۔ دونوں نے علاج بھی ایک ہی تجویز کیا ہے، یعنی دولت کا اکتناز روکا جائے۔ لیکن دونوں کا طریق کار ایک نہیں۔ ایک اختلاف معیشت سے تعرض نہیں کرتا اور اسے قائم رکھ کر راہ نکالتا ہے۔ دوسرا اسے مٹا دینا چاہتا ہے۔
		اسلام اور سوشلزم کا یہ اختلاف اگرچہ محض درجہ (ڈگری) کا اختلاف معلوم ہوتا ہے، لیکن تہ میں مبدء کا اختلاف بھی موجود

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
		و الحصون و عمارۃ المساجد و غیر ذلک" (نیل الاوطار)۔ فقہاء حنفیہ میں سے صاحب فتاوی ظہیریہ لکھتے ہیں: المراد طلبۃ العلم۔ اور صاحب بدائع کے نزدیک وہ تمام کام جو نیکی و خیرات کے لیے ہوں اس میں داخل ہیں۔
۵۱	۴۲۳	قرآن نے زکوٰۃ و صدقات کے باب میں جو کچھ کہا ہے، اس کے معارف ودقائق بے شمار ہیں اور بد قسمتی سے مفسرین دوسرے گوشوں میں نکل گئے۔ یہاں تفصیل ممکن نہیں۔ اتنی باتیں بھی بلا قصد قلم سے نکل گئیں اور پھر طبیعت نے گوارا نہیں کیا کہ قلم رد کردی جائیں۔ تفصیل کے لیے "البیان" کا انتظار کرنا چاہیے۔ سورۂ توبہ کی آیت "و الذین یکنزون الذھب و الفضۃ" کی تفسیر تمام متداول تفاسیر میں پڑھو" ولا ینفقونھا" کی توجیہ میں کیا کیا مشکلیں پیدا کی گئی ہیں اور پھر کیسے دور ودراز حل نکالے گئے ہیں، حالانکہ اگر "اکتناز" کے زور پر غور کیا ہوتا اور اس بارے

حاشیه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشیه
		اس وقت تك حالت ایسی هی رهی هے ، لیکن اگر سوسائٹی کا نظام مساوات معیشت پر قائم کیا گیا تو دوسری طرح کی ذهنی اور معنوی محرکات پیدا هوجائیں گی اور کارخانۂ معیشت کی سرگرمی اسی طرح جاری رهے گی جس طرح اس وقت تك جاری رهی هے .
		دنیا کا اس وقت تك کا تجربه اس کے خلاف هے اور روس کا نیا تجربه بهی اس وقت تك اپنے نظریوں کو عملیت کا جامه نهیں پهنا سکا هے ، تاهم اس میں شك نهیں که سوشلزم کو اس مطالبے کا حق هے که مزید تجربے کا موقع دیا جائے ، " و لتعلمن نباه بعد حین " .
٥٦	٤٤٥	عبد الله بن ابی منافقوں کا سرغنه تها ، لیکن اس کا لڑکا منافق نه تها ، مخلص مومن تها . اسی طرح تمام منافقوں کی اولاد و احفاد مخلصوں کی جماعت نکلی .
٥٧	٤٦٦	عدی بن حاتم سے مروی هے که آنحضرت نے فرمایا تها " لتفتحن کنوز کسریٰ "، ایسا ضرور هونے والا هے که تم کسریٰ کے خزانے فتح مندانه

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
		ھے۔ سوشلزم کا نظریہ یہ ھے کہ مدارج معیشت کا احتلاف کوئی قدرتی اختلاف نہیں ھے۔
۵٤	٤٤١	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں "یعنی شخصی دولت . . . . اکتناز کا مخالف ھے" کی جگہ یہ عبارت ھے: لیکن حق معیشت کی مساوات ضرور قائم کرتا ھے۔ یعنی وہ کہتا ھے: یہ بات ضروری نہیں کہ سب کو ایک ھی طرح پرسامان معیشت ملے، لیکن یہ ضروری ھے کہ ملے سب کو اور سعی و ترقی کی راہ یکساں طور پر سب کے سامنے کھل جائے۔
۵۵	٤٤۲	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں مندرجہ ذیل عبارت بھی ھے: لیکن سوشلزم صرف اتنے ھی پر قانع نہیں رہنا چاھتا۔ وہ آگے بڑھنا چاھتا ھے اور چاھتا ھے انفرادی ملکیت کی جگہ قومی ملکیت کا نظام قائم کردے اور مدارج معیشت کی اونچ نیچ معدوم ھوجائے۔ وہ یہ اصل تسلیم نہیں کرتا کہ احوال معیشت کا اختلاف قدرتی ھے اور اجتماعی زندگی کی سرگرمی و ترقی کے لیے محور و محرك وھی ھے۔ وہ کہتا ھے:

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
٦٤	٥٧٦	عبد الرحمٰن الصوفی نے کتاب الکواکب و الصور (صور الکواکب - م) میں اور بیرونی نے آثار الباقیہ میں انہیں ضبط کیا ہے. قزوینی کی عجائب المخلوقات میں بھی اس کی تفصیل ملتی ہے لیکن ناقص ہے.
٦٥	٥٨٠	کتاب الجنة و صفة نعیمها، ص ۲۸۷، ج ٤، مطبع مصطفے البابی، مصر. (م)
٦٦	٦٠٨	یہ بات سورۂ بقرہ اور یونس میں بھی گزر چکی ہے اور آیندہ سورتوں میں بھی آئے گی. اس کی تشریح سورۂ اسری (اسراء - م) آیت ۸۸ کے نوٹ میں دیکھنی چاہیے.
٦٧	٦١٨	پہلے اڈیشن میں بریکٹ میں یہ عبارت بھی ہے. (اور وہ ھم سب کے اعمال کا حساب لینے والا ہے).
٦٨	٦٣٠	یعنی جب وہ تیری راہ نہ چلا اور بد عملوں کا ساتھی ہوا تو فی الحقیقت تیرے حلقۂ قرابت سے باھر ھو گیا، اب اسے اپنا نہ سمجھ.
٦٩	٦٣٧	آیت کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ ''کوئی چلنے والا وجود نہیں ہے مگر یہ کہ اللہ نے اسے اس

حاشیه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشیه
		کھولو گے. ''وکنت فی من فتح کنوز کسریٰ'' یه پیشین گوئی میں نے اپنی آنکھوں سے پوری ہوتے دیکھ لی ، کیوں که میں ان لوگوں میں سے ہوں جنھوں نے کسریٰ کا خزانه کھولا تھا . (بخاری)
۵۸	٤٦٩	بخاری ، کتاب الجهاد و السیر ـ باب ما کان النبی صلی الله علیه وسلم یعطی المؤلفة قلوبهم وغیر هم من خمس ونحوه . ص ۱۲٤ ، ج ۲ - مطبع بهیه ، مصر . (م)
۵۹	»	ہر صبح سورج کا نکلنا صخر کی یاد تازه کردیتا ہے اور کوئی شام مجھ پر ایسی نہیں آتی که صخر کی یاد سامنے نه آگئی ہو .
٦۰	٤٨۱	متقی اور تقوے کے لیے دیکھو سورۂ بقره کا نوٹ ''هدی للمتقین'' .
٦۱	۵۷۳	باب ابتداء الخلق، ص ۲۷٤، ج ٤ ـ مطبع مصطفی البابی ، مصر . (م)
٦۲	۵۷۵	لاطینی حروف میں اسے یوں ادا کیا ہے (siu) .
٦۳	۵۷٦	یعنی کتاب ''بون دهش'' جو ان کتابوں میں سے ہے جو ہندوستان کے پارسیوں سے دست یاب ہوئیں .

حاشیه نمبر	صفحه نمبر	عبارت حاشیه
۷٦	۸۰٤	تورات میں ہے کہ جشن (Goshen) کے علاقے میں حضرت یوسف نے قافلہ کا استقبال کیا اور ان لوگوں کو وہیں ٹھیرایا (پیدایش ٦٤: ۲۹).(م)
۷۷	۸۳۰	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں اس شعر کی جگہ مندرجۂ ذیل شعر ہے : هر کس نه شناسندهٔ راز است وگرنه / اینها همه راز است که معلوم عوام است
۷۸	۸۳۳	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں "آنکھوں کا ...... ہو گئی ہیں" کی جگہ عبارت اس طرح ہے: اور جسم کا ایک ایک ریشہ اس طرح گھل گیا ہے گویا سر تاپا جاں گدازی و ہلاکت کی تصویر ہے .
۷۹	»	دیوان الخنساء، ص ۸۱ ، طبع بیروت . (م)
۸۰	۸۳۸	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں "ایک کامل ..... کرتی ہے" کی جگہ عبارت اس طرح ہے: ایسی حالتوں میں ایک کامل صابر و مومن کی زندگی کی جو تصویر ہوسکتی ہے وہ سامنے آ گئی ہے .
۸۱	۸۵٦	دیوان الخنساء ص ٤۲ ، طبع بیروت . (م)
۸۲	۸٦۳	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں "اب بھی اسے

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
		کی پیشانی کے بالوں سے پکڑ رکھا ہے " یہ عربی کا محاورہ ہے اور اسی معنی میں بولا جاتا ہے جو متن میں اختیار کیے گئے ہیں ۔
۷۰	۶۵۷	دیکھو اعراف آیت ۸۰ کا نوٹ ۔
۷۱	۶۶۱	یعنی ان کا معاملہ کچھ بہت پرانے زمانے کی بات نہیں ، قریبی زمانے کی بات ہے ۔
۷۲	۷۰۵	مطالب قرآنی کا یہ مقام نہایت وسیع ہے اور اس قدر تفصیل کے بعد بھی بے شمار اطراف بحث تشنہ رہ گئے ہیں ، لیکن اس کے سوا چارہ نہیں کہ تکمیل بحث کے لیے " مقدمہ " کا انتظار کیا جائے ۔
۷۳	۷۲۲	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں عبارت اس طرح ہے : اس شکل میں اتارا کہ عربی زبان کا قرآن ہے ۔
۷۴	۷۲۵	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں عبارت اس طرح ہے : اور یہ بات سکھلانے والا ہے کہ باتوں کا نتیجہ و مطلب کیوں کر ٹھیرایا جائے ۔
۷۵	"	پہلے اور دوسرے اڈیشن میں عبارت اس طرح ہے : ہم ایک پوری جماعت ہیں ۔

اشاریه

ترجمان القرآن ج – ۳

حاشیہ نمبر	صفحہ نمبر	عبارت حاشیہ
		دنیا کے آگے ...... صاف صاف اقرار کرلیا" کی جگہ عبارت اس طرح ہے : اب اسے لائمات کے سامنے تو اقرار محبت میں عار نہ آیا، لیکن دنیا کے آگے اقرار نہ کرسکی ۔
۸۳	۸٦۳	اس آیت کے بعد کی آیت "ذلك ليعلم انى لم اخنه بالغيب" الخ اور "وما ابرئ نفسى" الخ امرأة العزيز کے قول کا بقیہ حصہ بھی ہوسکتا ہے اور حضرت یوسف کا قول بھی ہوسکتا ہے ۔ سیاق بیان پہلی بات کے حق میں ہے اور بعض وجوہ و قرائن دوسری کے حق میں ۔ عام طور پر مفسرین نے دوسری صورت اختیار کی ہے، لیکن ہم نے پہلی کو ترجیح دی، کیوں کہ ظاہر سیاق یہی ہے ۔
۸٤	۸۷۲	"آج بھی اس کا نمونہ ..... چلتے رہتے ہیں" یہ عبارت پہلے اور دوسرے اڈیشن میں نہیں ہے ۔
۸۵	۸۷۳	"قدیم مصری زندگی .... اس کا حوالہ دیتا ہے" یہ عبارت پہلے اور دوسرے اڈیشن میں نہیں ہے ۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭